سہ ماہی علمی رسالہ

حیدرآباد دکن

انجمن طیلسانیین عثمانیہ کا سہ ماہی علمی رسالہ

مجلۂ طیلسانیین

حصہ عام

(مدیر)

محمد غوث ام۔ اے ال ال بی (عثمانیہ)

(نائب مدیر)

محمد اکبر الدین صدیقی ام اے

(مہتمم)

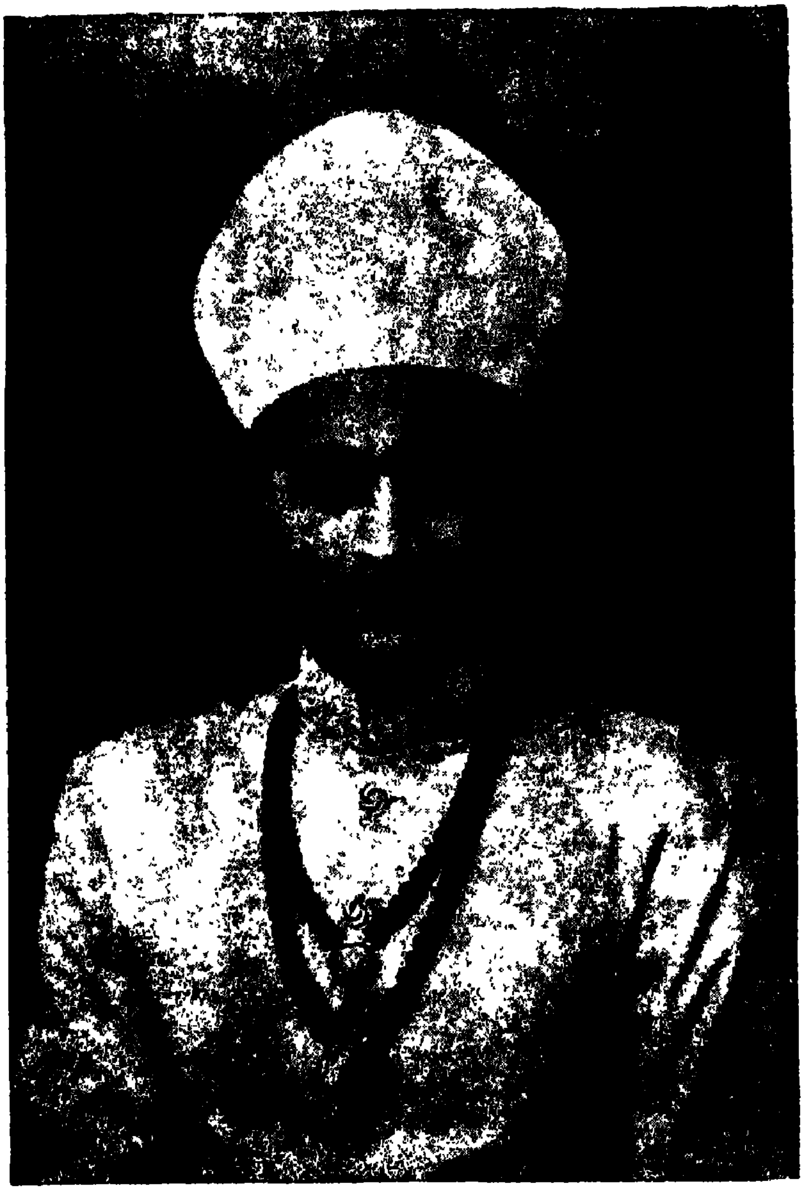
محمد نور اللہ بی ایس سی

سالانہ چندہ پانچ روپیے علاوہ محصول ڈاک قیمت فی نسخہ ایک روپیہ [illegible]
دفتر مجلہ طیلسانیین نمائش گاہ باغ عام حیدرآباد دکن
ٹیلیفون نمبر [illegible]

مجلہ طیلسانین حصہ عام

جلد ۹ شمارہ ۱ | بہمن ۱۳۵۴ف – تم جنوری ۱۹۴۵ء

فہرست مضامین



آنریبل نواب ظہیر یار جنگ بہادر
امیر پائیگاہ و صدرالمہام امور مذہبی و رکن باب حکومت

اداریہ

نواب ظہیر یار جنگ بہادر صدر المہام امور مذہبی کا خیر مقدم

یہ امر ساری عثمانیہ برادری کی بے انتہا خوشی اور مسرت کا باعث ہوا کہ اس برادری کے ایک رکن رکین جناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر صدر المہامی امور مذہبی اور رکنیت باب حکومت کی عظیم المرتبت خدمت پر، اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی کی خسروانہ نوازش سے، فائز ہوئے۔ مبارک باشد و باشد مبارک۔

جیسا کہ طیلسانین عثمانیہ کی نویں کانفرنس کے خطبۂ استقبالیہ میں بیان کیا گیا ہے۔

> "حیدرآباد میں پائیگاہی امرا نے شاہان آصفیہ سے عقیدت اور ملک و مالک کی خدمت گزاری کے درخشاں روایات یادگار چھوڑے ہیں۔ علمی خدمت گزاری بھی ان امرائے عظام کا طغرائے امتیاز تھا۔"

ایسے ذی شان خاندان کے چشم و چراغ کا، جو علاوہ طیلسانی ہونے کے اپنے اوصاف جمیلہ اور اخلاق حمیدہ کی بنا پر نہ صرف اپنے طبقہ کے لیے بلکہ ہر نوجوان کے لیے ایک مثال ہیں، ایسی ذمہ دارانہ خدمت پر اس جوان سالی میں مامور ہونا "سالے کہ نکوست از بہارش پیدا" کے مصداق ہے۔

نواب ظہیر یار جنگ بہادر جوان حیدرآباد کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ یہ بات واقعی امید افزا ہے کہ خود نواب صاحب کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور اپنے واجب الاحترام بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کا پورا عزم ہے۔

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے ۱۴ ویں اجلاس میں جو بمقام گلبرگہ منعقد ہوا نواب صاحب نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا تھا کہ۔

> "دعا فرمایئے کہ پائیگاہ کے انتظام کی جو امانت میرے تفویض کی گئی ہے میں اس کے فرائض کی تکمیل میں اپنے آپ کو کامیاب ثابت کروں۔

"حضرت آقائے ولی نعمت کے ایک ادنی فرماں بردار اور حقیقی وفاداری کی حیثیت سے میرا یہ بھی فرض ہے کہ مالک کی خیرخواہی میں اور ملک کی فلاح و بہبودی میں مجھ سے جو کچھ بھی خدمت ہوسکتی ہے اس کو بجا لاؤں اور اس کو اپنی سعادت سمجھوں۔ میرے اجداد کرام اور جد محترم نواب آسماں جاہ مرحوم کے خدمات میرے نصب العین ہیں" (صفحہ ۳)

نواب آسماں جاہ مرحوم کے خدمات سے اہل ملک کما حقہ واقف نہیں ہیں۔ ان کی وزارت حب وطن اور خیرخواہی کی خالص اساس پر قائم تھی۔ اس وقت جن تجاویز پر انتظامی شعبوں کے ساتھ عمل پیرائی شروع ہوئی تھی اس پر زمانۂ مابعد میں بھی استواری اور عزم مصمم کے ساتھ عمل ہوتا تو آج حیدرآباد ترقی کے اور زیادہ بلند مرتبہ پر ہوتا۔

نواب آسماں جاہ مرحوم نے جائزہ وزارت کے ساتھ ہی اپنے کام کا جو نظام نامہ مرتب کیا تھا وہ ایک بیدار مغز مدبر کی روشن خیالی اور بلند نظری کا آئینہ دار ہے۔ آج بھی غالباً اس پر عمل آوری کی اتنی ہی ضرورت ہے جس قدر کہ ۶۰ سال قبل جب کہ وزارت کی سرفرازی کے بعد نواب آسماں جاہ کو حیدرآباد کے افق پر امیدوں کی ایک روشن قوس قزح نظر آتی تھی۔ نواب آسماں جاہ نے لکھا تھا کہ

"میرا فرض عین یہ ہوگا کہ ملک کے ہر صیغہ کے انتظام کے لیے جن قواعد و ضوابط کی ضرورت ہو زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھاؤں اور ملک کی زراعت اور تجارت کو جو ملک کی دولت کے دو وسیع چشمے ہیں ترقی دینا۔ صنعت و حرفت کو جس میں اب بہ نسبت سابق کے کچھ انحطاط نظر آتا ہے سنبھالنا۔ تعلیم اور اس کی اشاعت کے ذرایع کو وسعت دینا۔ باشندوں کی صحت و تندرستی کی حفاظت کے واسطے شفاخانوں کی تعداد میں جو اب بہت کم ہیں اضافہ کرنا اور خصوصاً پردہ نشین عورتوں کے معالجات میں سہولت کرنا۔ رعایا کی راحت و آرام کے واسطے ضروری تدابیر کو کام میں لانا اور امن اور عافیت اور عدل و انصاف کو ترقی دینا۔ عدالتوں کے احکام کی بلا ناجائز تاخیر و رعایت کے تعمیل کرانا اور محاصل کی حالت کو جو بہت اصلاح طلب ہے درست کرنا۔ ریلوے اور معدنیات کے

کمیٹیوں کو جن کی کارروائیوں سے ملک کی دولت اور بہبودی کی ترقی کی امید ہے ہر ایک ضروری اور مناسب مدد دینا کہ جن سے ان کے کام میں آسانی اور ملک کو فائدہ ہوئے۔ اعلیٰ ترین فرائض میری خدمت کے یہ ہوں گے۔ اور سب سے بڑھ کر اہل ملک کے حقوق کو بطور کامل محفوظ رکھا جائے گا اور مداخل و مخارج کے انتظام کا اور کفایت شعاری کے ساتھ موجودہ آمدنی کے مناسب طور پر استعمال کا ہر وقت خیال رہے گا .... اور خزانہ کی عمدہ حالت جو ملک کی ہر قسم کی ترقی کے لیے سب سے ضروری آلہ ہے اور جس کے بغیر مفید سے مفید کام بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا قائم رہے۔"

یہ ایک حقیقت تھا کہ نواب آسماں جاہ کو ابھی جب کہ مملکت کے نظم و نسق کو ان کے پر عزم اور محکم ہاتھ کی ضرورت تھی، اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو جانا پڑا۔ مہاراجہ کشن پرشاد آں جہانی نے لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں غفران مکان کو اپنے دورِ حکومت کے جن تین امور پر پشیمانی تھی ان میں نواب آسماں جاہ کی سبکدوشی بھی تھی۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ نواب ظہیر یار جنگ بہادر کے سامنے خود اپنے دادا کے نظام نامہ کی تکمیل کا میدان اپنی ساری وسعت کے ساتھ اب بھی موجود ہے۔ "اگر پدر نتواند پسر تمام کند"

ایجوکیشنل کانفرنس کے صدارتی خطبہ میں نواب ظہیر یار جنگ بہادر نے یہ بھی کہا تھا کہ۔

"چوبیس سال قبل ایک جدید محکمۂ صنعت و حرفت مسٹر ویکفیلڈ کے تحت قائم ہوا تو انھوں نے ایک بسیط رپورٹ اس بارے میں مرتب کی اس طویل مدت میں اس سررشتہ نے کیا ترقی کی کچھ ظاہر نہیں ہوتا (صفحہ ۱ ------- آبادی کے اضافہ سے دوش بدوش زرعی پیداوار میں اور مصنوعات ملکی میں قطعاً ترقی نہیں ہوئی ہے۔" (صفحہ ۲۳)

آج بحیثیت رکن باب حکومت نواب ظہیر یار جنگ بہادر راست یہ امر معلوم فرما سکتے ہیں کہ اس طویل مدت میں ترقی جو نہیں ہوئی اس کے کیا وجوہ اور اسباب ہیں۔ رکاوٹیں دور ہونے کے کیا وسائل اور مسلسل تیز یا ترقی کے کیا ذرائع ہیں۔

ایجوکیشنل کانفرنس کے ہی خطبۂ صدارت میں نواب صاحب نے بالکل صحیح کہا ہے کہ۔

"میں اس حقیقت کو آپ کے سامنے پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب تک
ابنائے وطن میں مصنوعات ملکی کے استعمال کرنے کا احساس پیدا نہ ہو
اور ان میں تھوڑے ایثار کی یعنے دیسی مال کی تلاش کی زحمت اور نسبتہً
کسی قدر زیادہ دام دینے کی جو ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے آمادگی نہ ہو
کوئی ملکی صنعت فروغ نہیں پا سکتی۔"

ایک امیر اعظم کے یہ جذبات یقیناً بہت ہی حوصلہ افزا ہیں۔ مخلصانہ جذبات کی گہرائی اور عمل کی تاب ناک مثال سے ہی نواب ظہیر یار جنگ بہادر محترم باب حکومت کے اپنے دوسرے معزز شریک کار کو متاثر اور اس بات پر آمادہ کر سکیں گے کہ "صنعتی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیا جانا چاہیئے کہ ملک کی بیکاری کو رفع کرنے کا یہی ایک واحد علاج ہے۔" (خطبۂ صدارت صفحہ ۱۱)

انجمن طیلسانین عثمانیہ نے بھی یہ امر اپنے آغاز کے ساتھ ہی محسوس کیا تھا کہ ابناء وطن میں مصنوعات ملکی کے استعمال کا حقیقی جذبہ پیدا ہونا ہی ترقی کی اصلی بنیاد ہے۔ انجمن کی تنظیم میں مجلس نمائش نے اس خصوص میں اپنا جو مقام پیدا کیا ہے اس کو مزید استوار کرنے میں نواب ظہیر یار جنگ بہادر بحیثیت امیر پائگاہ اور بحیثیت معزز رکن باب حکومت توجہ فرمائیں تو حقیقی کام کو وسعت پر وسعت حاصل ہو سکے گی۔

نواب صاحب کا یہ ایقان ہے کہ "کوئی ملک اور کوئی قوم بغیر تعلیم کے ترقی نہیں کر سکتی" (خطبۂ صدارت صفحہ ۱) کون اس سے انکار کر سکتا ہے اور ساتھ ہی خود نواب صاحب کے الفاظ ہیں۔

"یونیورسٹی کی تعلیم کا مقصد نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ پوسٹ گراجوئٹ سسٹم جب تک نافذ نہ ہو تحقیقات کا کام تکمیل نہیں پا سکتا اور یونیورسٹی کی تعلیم مکمل نہیں سمجھی جا سکتی۔ جو افراد اس طور پر اپنی زندگی کو علم کی تحقیق میں وقف کر دینا چاہتے ہیں ان کو فکر معیشت سے آزاد کیا جانا چاہیئے تاکہ ان کے انہماک میں کمی نہ ہو۔" (صفحہ ۱۳)

یہ بھی ایک خوش بختی ہے کہ بحیثیت صدر المہام امور مذہبی نواب ظہیر یار جنگ بہادر جامعۂ عثمانیہ کی مجلس اعلیٰ کی رکنیت پر بھی فائز ہوئے ہیں۔ وہاں پہلے ہی سے جامعہ کے

ایک دوسرے کو ہر شب چراغ، ڈاکٹر رضی الدین مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے ہیں۔ اب نواب صاحب کی وہاں موجودگی ہمت آفریں ثابت ہونا چاہئیے اور اس خواب کی خوش گوار تعبیر کا زمانہ جلد آنا چاہئیے کہ " ایں سررشتۂ تعلیم بادر دست ما باشد "

درحقیقت کسی ملک کی حقیقی عظمت اور برتری اس ملک کے ان افراد سے ہی قایم ہوتی ہے جو اپنے علم کے عمق، رائے کی اصابت اور کردار کی مضبوطی سے ملکوں اور قوموں کی زینت ہوتے ہیں۔ آرزو تو یہی ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کے فیضان علم سے ایسے افراد ملک میں پیدا ہوں جو عالم کی روشنی ثابت ہوں۔

بہت مدت گزری ہے قحط الرجال اے قوم امت میں، اسی کھیتی سے اس میں جس مردم کا سماں ہوگا نواب ظہیر یار جنگ بہادر خود اپنے آئیڈیل کے عمل پذیر ہونے کے لیے جو بھی کوششیں عمل میں لائیں اس میں ان کو اپنی ساری برادری کی پوری پوری تائید حاصل رہیگی۔

جامعۂ عثمانیہ نے علم کی جو خدمت کی ہے اس کے متعلق بعض نقادوں کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

"The translations are plentiful, though not very sound. The university has little influence outside Hyderabad; its origional publications, few enough in any case have little circulation. It is uncreative. There is nothing basically original in their education"

اس کا مطلب یہ ہے کہ تراجم تو بہت ہوئے لیکن کچھ زیادہ بہتر نہیں۔ جامعہ کا اثر حیدرآباد سے باہر بہت کم ہے۔ اس کے ذاتی اصلی مطبوعات تعداد میں تھوڑے ہی ہیں اور ان کا حلقۂ اشاعت محدود ہے۔ یہ ادب غیر تخلیقی ہے۔ بنیادی طور سے جامعہ کی تعلیم میں کوئی نئی راہ نہیں اختیار کی گئی۔

یہ رائے ڈبلیو، سی اسمتھ کی ہے جو فورمن کرسچن کالج لاہور میں تاریخ اسلام کے لکچرار ہیں۔

انھوں نے اپنی یہ رائے اپنی ایک "تالیف میں قلم بند کی ہے جو ۱۹۴۳ء میں" ماڈرن اسلام ان انڈیا"
کے نام سے شایع کی ہے۔
غریب مولف نے لکھا ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کا ادب غیر تخلیقی ہے۔ بے چارے!
کو خبر نہیں کہ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ادب کوئی ایسی شئے نہیں کہ مشین کے ذریعہ جب چاہا بر پیمانۂ کبیر حاصل کر لیا۔ بریں ہم
اگر اس بیان میں کوئی اصلیت ہے بھی تو اس کی اصلاح کا علاج نواب صاحب نے پہلے ہی بتادیا
ہے کہ جامعہ میں ما بعد طیلسانی علمی تحقیقات کے لیے سامان مہیا ہونا چاہیئے۔ ۲۵ سال کی مدت
میں جامعہ نے اب تک کسی کو بر بنائے تعلیم ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں عطا کی۔

نواب صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ

"خدمت علم خاندان پائگاہ کے روایات میں ہے اور یہ نقوش قدم ہیں
جو میرے سامنے ہیں"۔ (صفحہ ۵ خطبہ صدارت)

"سلسلۂ یوسفیہ" کے مثل اگر کوئی "سلسلۂ ظہیریہ" بھی قائم ہو تو وہ پائگاہ کی خدمت علم
کے زرین روایات میں ایک سلسلۃ الذہب ثابت ہوگا۔ سلسلۂ یوسفیہ دکنی ادب کو گمنامی سے
نکالنے کا باعث ہوا، سلسلۂ ظہیریہ "تاریخ رشید الدین خانی" کے نقش قدم پر دکنی تاریخ کو
تاریکی سے روشنی میں لاسکتا ہے۔

بہر حال جناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر سے طیلسانیین عثمانیہ کی نویں کانفرنس کے
صدر مجلس استقبالیہ کے الفاظ میں یہ التماس کرنا ہے کہ اپنے اس بلند و بالا مقام سے
یہ کوشش فرمائیں کہ

"اگر ملک میں گروہ بندی اور جتھے بنے ہوئے ہوں تو اپنے فولادی عزم
و ارادہ سے اس کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ جو ارباب امارت و اصحاب
قیادت خود پرستی میں مبتلا ہوں۔ انھیں تیار رباش کی للکار سے جگایا جائے
عیش و فراغت کے نشے نے کسی کو متوالا کر دیا ہو تو اس کی بے خودی کو نصیحت
و موعظت کی ترشی سے دور کیا جائے عوام کو فلاکت و جہالت سے نجات

دلائی جائے اور اگر ہماری کوششوں کی رہنمائی صرف ذاتی خواہشوں کے تحت ہو رہی ہو تو اس کی جگہ سارے ملک کو ایک مشترکہ مقصد ایک مشترکہ نصب العین اور ایک واحد غایت کے لیے تیار فرمایا جائے۔ ترقی کا قدم آگے بڑھتا رہے ہمارے ملک میں کارکردگی کے مکمل کل پرزے موجود ہیں ان میں صرف ہم آہنگی کی کمی ہے ان کو صرف آئندہ را احتیاط کی ایک تنبیہ روبراہ کردے گی۔"

پروفیسر کرشن چندر رائے سکسینہ ابھی جب کہ وہ جامعہ کی خدمت میں سرگرم ہی تھے دنیا سے کوچ کر گئے۔ ان کی فرض شناسی اور خدمت علم کا جذبہ ان کے شاگردوں کو ہمیشہ یاد رہے گا۔ موصوف اس وقت جامعہ کے حلقۂ اساتذہ میں شامل ہوئے جب کہ ابھی جامعہ کی داغ بیل پڑ رہی تھی۔ اپنی جوانی اور شباب کا زمانہ جامعہ کی خدمت میں گذار دیا۔ موصوف انجمن طیلسانین عثمانیہ کے قیام پر بہت ہی مسرور ہوئے تھے اور پہلی کانفرنس میں بڑے شوق و رغبت سے تشریف لائے تھے۔ جذبات نے ان کو اس قدر متاثر کیا تھا کہ وہیں ٹاؤن ہال میں بیٹھے بیٹھے چند شعر بھی لکھے تھے۔ بعد میں معتمد کانفرنس کو جو خط لکھا وہ بطور یادگار ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

بخدمت شریف جناب مولوی محمد غوث صاحب،

معتمد کانفرنس طیلسانین عثمانیہ

مکرمی تسلیم:۔ آپ کی کانفرنس کے اجلاس چہارم کے اختتام پر جناب صدر کی اجازت سے مولوی مرزا شکور بیگ صاحب بی اے۔ ال ال بی نے ایک نظم میری جانب سے پڑھ کر سنائی تھی وہ اشعار اسی وقت کسی طرح سے ایک غیر رسمی کاغذ پر گھسیٹ دیے گئے تھے۔ معلوم یہ ہوا ہے کہ وہی تحریر شامل مثل کر لی گئی ہے۔ اگر فی الحقیقت ان اشعار کو کانفرنس کے رُوداد کی مثل میں جگہ دینا مناسب فرماتے ہیں۔ تو براہِ کرم رقعہ ہذا کو شریک کر لیجیے اور اس کاغذ کو واپس مرحمت فرما دیجیے عین نوازش ہوگی۔

میری غرض و غایت اس نظم کے پڑھوائے جانے کی محض یہ تھی کہ کلیہ کے عزیز طلبہ جس جد و جہد میں کوشاں ہیں اس میں ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ اپنے فرائض منصبی کو محسوس کریں اور حصول مقاصد کے لیے راہ راست کو اپنا مسلک بنائے رکھیں جیسا کہ اشعار مندرجہ ذیل سے

واضح ہو جاتا ہے۔

قوم کے اے نونہالوں اے جوانانِ وطن
تم سے وابستہ ہے اُمیدِ گلستانِ وطن
کام ہوتا ہے نہ بوڑھوں سے نہ بچوں سے کوئی
کیا کریں خدمت وطن کی ناتوانانِ وطن
ہیں تمہارے دست و پا مضبوط تازہ ہیں دماغ
تک رہی ہے آج تم کو چشمِ حیرانِ وطن
وہ عمل ہرگز نہ ہو جس سے کہ رسوا قوم ہو
کام وہ کرنا کہ ظاہر جس سے ہو شانِ وطن
ہو وطن میں یا وطن سے دور تم غربت میں ہو
حُبِّ قومی جان میں ہو اور دل میں ارمانِ وطن

نیازمند
کرشن چندر رائے سکسینہ

اس شمارہ میں ایک مقالہ "موجودہ جنگ کے اثرات قانون بین الممالک پر" کے موضوع پر شایع کیا جا رہا ہے۔ اس کے مولف رشید صدیق حسین صاحب بی۔ اے (علیگ) ال ال ایم (عثمانیہ) ہیں مقالہ در اصل ال ال، ام کے لیے لکھا گیا تھا۔ موضوع کے مباحث ان دنوں تو گویا ہر آن بدلتے رہتے ہیں اور اس پر مواد کی بہتات اور پیچیدگی مستزاد ہے۔ بریں ہم رشید صاحب نے جس عمدگی سے یہ مباحث مختصر ضخامت میں قلم بند کیے ہیں وہ ہر طرح قابل ستایش ہے۔ امید ہے کہ موصوف کا یہ نقش اول مزید مستند تالیفات کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

موجودہ جنگ کے اثرات قانون بین الممالک پر

(از جناب رشید صدیق حسین صاحب بی۔اے۔ال ال بی ام (عثمانیہ)

قانون کی تعریف | قانون بین الممالک سے مراد لارنس کے الفاظ میں[1] "وہ قاعدے ہیں جو متمدن مملکتوں کی جماعت عامہ کے باہمی برتاؤ میں ان کے کردار کا تعین کرتے ہیں"

یہاں ہم اُن مباحث میں نہیں جائیں گے کہ آیا قانون بین الممالک کوئی قانون ہے یا نہیں البتہ اتنا پیش نظر رہے کہ جس قاعدے پر عام طور سے متمدن ممالک میں عمل کیا جاتا ہے اس کی کبھی کبھار خلاف ورزی چاہے کسی متمدن ملک ہی نے کیوں نہ کی ہو، اس قاعدے کو منسوخ شدہ نہیں قرار دے دیتی۔ یہ صحیح ہے کہ جو قانون بہت کچھ رواج اور طرز عمل پر مبنی ہوتا ہے اس میں تبدیلی کے لیے کسی نہ کسی خلاف ورزی کے ذریعہ سے آغاز ہونا چاہیئے اور خلاف ورزی کا اولین مرتکب مجرم ہی سمجھا جائیگا لیکن جب رفتہ رفتہ خلاف ورزی ہی قاعدہ بن جاتی ہے اور عمل ایک استثنائی صورت اور شاذ واقعہ تو پھر اس نئی چیز ہی کو ہم قانون بین الممالک کا قاعدہ قرار دے لیتے ہیں۔

موضوع بحث | یہاں قانون بین الممالک کے الفاظ عمداً اس لیے استعمال کیے گئے ہیں[2] ہمارے مضمون میں مملکتوں کے برتاؤ سے بحث ہوتی ہے اور یا تو فریقین مملکت ہوتی ہیں یا کم از کم ایک فریق کا مملکت ہونا ضروری ہے یہاں قوموں سے بحیثیت قوم کے کوئی بحث نہیں ہوتی اگر بحث ہو بھی تو سیاسی قوم سے بحث ہوتی ہے، جسے آج کل مملکت کہا جاتا ہے نسلی یا لسانی قوم سے نہیں جو اب لفظ قوم سے اولین مفہوم سمجھا جاتا ہے۔

قانون بین الممالک میں جو قاعدے بیان ہوے ہیں وہ کچھ تو مملکتوں کے آپس کے رواج پر مبنی ہوتے ہیں کچھ دو فریقی یا کثیر فریقی معاہدات پر اور انھیں دو پر جدید قانون بین الممالک کا بڑا حصہ مبنی ہے۔ متمدن ممالک کے لیے مرکزی قانون سازی اب تک ممکن نہ ہوئی۔ مجلس اقوام اس سلسلہ میں اولین قدم تھا جو اس کے چلانے والوں کی نا اہلی یا بدنیتی

---

[1] Principles of International Law, by T. J. Lawrence.

قانون الممالک کے اصول اور نظیریں صفحہ ۱

[2] International Law - A Treatise, Vol. 2 by L. Oppenheim

کے باعث ناکام ثابت ہوا۔ البتہ ایسے معاہدے جن کو دنیا کی تمام متمدن سلطنتوں نے منظور کر لیا ہو بالکل ناپید نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاک کے تبادلے کا معاہدہ وغیرہ۔ ایسی صورتیں اب بھی کبھی کبھی پیش آتی ہیں جن کے متعلق رواج و نظائر یا معاہدات میں کوئی رہنمائی نہیں ملتی اور قانون قدرت یا قیاس سے رجوع کیا جاتا ہے۔ غرض یہ وہ ماخذ ہیں جن سے جدید قانون بین الممالک بنتا اور بدلتا رہتا ہے۔

قانون بین الممالک میں تین ہی قسم کے حالات سے بحث ہو سکتی ہے: امن۔ جنگ۔ ناطرفداری۔

آخر الذکر صورت ایک طرح سے جنگ اور امن کی مخلوط صورت ہے یعنی ایک فریق جنگ میں شریک رہتا ہے اور دوسرا نہیں اور انھیں کے تعلقات بعض خصوصی قواعد کے تابع ہیں۔

قانون بین الممالک کی موجودہ حیثیت یہ ہے کہ اس کے قواعد کی تعمیل کے لیے کوئی ایسے وسائل نہیں پائے جاتے جیسے کہ عام قانون ملک کے لیے چنانچہ تہدید و تدارک کا یہ فقدان ہی بعض لوگوں کو یہ کہنے پر آمادہ کرتا ہے کہ اس علم کو قانون کہنا صحیح نہیں ہو سکتا لیکن خلاف ورزی کا تدارک بالکلیہ مفقود نہیں ہے۔ چنانچہ متمدن دنیا کو حریف کی تلوار کا اتنا ڈر نہیں ہوتا جتنا بدنامی اور فضیحت کا اور یہ ایک ایسا تدارک ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے جیسے دنیا میں تعلیم کی ترقی ہوگی اخبار بینی کا شوق بڑھیگا اور متمدن دنیا کے ایک دوسرے کے محتاج ہونے کا احساس ترقی کرکے بیرونی حالات پر توجہ مرکوز ہوگی تو خود ہر مملکت میں حکومت اندھے اور بہرے استبداد کی جگہ رائے عامہ سے متاثر ہوتی رہے گی۔ یہ تدارک موثر سے موثر تر ہوتا جائیگا۔ اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ یہ پہلو ترقی کرتا جا رہا ہے۔ موجودہ جنگ کے دوران میں دعایے[1] (پروپگنڈے) کو حربی سلطنتیں جتنی اہمیت دے رہی ہیں وہ محاذ جنگ کی تیاریوں سے قطعاً کم نہیں ہے۔ یہ دعایہ نہ صرف اپنی نیکیوں بلکہ اپنے حریفوں کی برائیوں پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ اور اسی طرح نہ صرف اپنے حریف کے ملک میں بے چینی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ ناطرفدار ممالک میں اپنے متعلق ہمدردی پیدا کرنے کے لیے بھی۔ ایک اور تدارک بالواسطہ طور پر یوں پایا جاتا ہے کہ کسی ملک کی سیاست خارجہ کی ذمہ داری جن لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے ان کی اس ذمہ داری پر فائز ہونے سے پہلے

---

[1] International Affairs by Catheione & Hardy
Propaganda in International Politics by E. H. Carr

خاص کر نوعمری، کی تعلیم و تربیت بھی ایک ایسی چیز ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور اس سلسلے میں بھی ہم پڑھ اور سن رہے ہیں کہ خاص کر شریک جنگ ممالک میں آج کل مذہبیت کی طرف رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ انگلستان میں مابعد جنگ تعلیمی نظام میں مذہبی عنصر کا بڑا دخل حاصل کر لینا اب ایک طے شدہ امر ہے اور ارباب تعلیم و ارباب کلیسا اب ایک نئی نسل کی تربیت کے لیے افراد کو آپس میں بانٹ نہیں لیں گے بلکہ مشترکہ طور سے اس فرض کو انجام دیں گے۔ روس جیسے ملک میں بھی مذہبیت کی طرف میلان اتنا شدید ہو گیا ہے کہ دوران جنگ میں انقلابی احکام کا دینا اس کے سوا کسی اور چیز پر دلالت نہیں کر سکتا۔ پہلے وہاں[1] لامذہبیت اور خدا کو نہ ماننا سرکاری مذہب تھا جس کی سرکاری سرپرستی میں نوعمروں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ اس جنگ میں روس کی شرکت کے آغاز پر روسی سفیر متعین انگلستان کی زبانی یہ اعلان کرایا گیا کہ "روس میں اصل میں ضمیر کی آزادی ہے اور اہل ملک کو اختیار ہے کہ وہ جس مذہب کو چاہیں قبول کریں یا چاہیں تو لامذہب اور خدا سے منکر رہیں" اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ چند ہی دنوں بعد اولاً عیسائیت کی سرپرستی کی گئی اور تقریباً ایک نسل کے وقفے کے بعد روس میں اسقف اعظم کا انتخاب کیا گیا جس کی گدی نشینی کی رسم کے لیے انگلستان سے یارک کا اسقف اعظم بھی وہاں پہنچا اس کے کچھ ہی دن بعد مسلمانوں کے لیے بھی بعض رعایتیں منظور کی گئیں اور ان کے لیے ایک مفتی اعظم منتخب کیا گیا اور کوئی تعجب نہیں کہ یہ ایک مستقل ذہنی انقلاب ثابت ہو۔ گذشتہ ایک صدی سے ارباب سیاست بڑی حد تک مذہب سے بے تعلق رہے ہیں۔ اب تعلیم و تربیت میں مذہبی عنصر کا اضافہ قانون بین الممالک کی نگرانی کرنے والے افسروں کی حد تک رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس عنوان کے انتخاب کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اب جنگ سلطنتوں کی سرکاری فوجوں کی آویزش کا نام نہیں رہا ہے بلکہ اب وہ ہمہ گیری میں اس حد تک آگے بڑھ گئی ہے کہ اندھے تک اب فوجی خدمت انجام دینے والے سمجھے جانے لگے ہیں اور بعض نہایت حساس قسم کے آلے جو خاص کر جنگی ہوائی جہازوں میں لگائے جاتے ہیں آنکھوں والوں کی جگہ اندھے کاریگر زیادہ بہتر بنا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہنیا رچلا نے والا اور ہنیا ربنانے والا

---

[1] World Affairs and the U.S.S.R. by W.P.Z. Coates

اب یکساں دشمن خیال کیا جاتا ہے ۔ یہ ہمہ گیری جسے جرمنوں نے Totalitarianismus کا بھاری بھرکم نام دیا ہے اور شعبہ ہائے حیات کی طرح قانون بین الممالک پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتی جب کہ قانون بین الممالک غیر ہمہ گیر جنگوں سے بھی متاثر ہو جاتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ جنگ قانون بین الممالک پر اس پانچ ہی سال کے عرصے میں اتنا اثر ڈال چکی ہے کہ اس سے پہلے تیس تیس سال بلکہ سو سو سال کی جنگیں بھی نہ ڈال سکی تھیں ۔ اور انہیں اثرات کو ہم آئندہ ابواب میں نمایاں کرنے کی کوشش کریں گے ۔

اس کا مواد قریب قریب پوری طرح صرف روزمرہ کے جرائد سے لیا گیا ہے اور یہ شروع ہی میں اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جنگ کے زمانے کی اخباری خبریں نہ تو پوری طرح صحیح ہوتی ہیں اور نہ مجرمانہ حذف و اضافہ Commission and Omission سے پوری طرح بری۔ یوں بھی ہمیں صرف یکطرفہ بیانات پر اکتفا کیے بغیر چارہ نہیں اور واقعات کے متعلق دشمن کی توجیہ جنگ کے اختتام سے پہلے پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتی ۔

جیسا کہ بیان کیا گیا قانون بین الممالک میں امن، جنگ اور ناطرفداری سے بحث ہوتی ہے۔ حالات امن کے قواعد کو پانچ بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے :-

(۱) خودمختاری ۔

(۲) جائداد ۔

(۳) عدالتی اختیار سماعت

(۴) مساوات

(۵) سفارت کاری

اب ہم دیکھیں گے کہ ان میں سے ہر ہر امر کے کون کون سے اجزاء نمایاں طور پر اس جنگ سے متاثر ہوئے ہیں ۔

خودمختاری

۱۸۵۶ء سے پہلے یورپ میں کوئی حقیقی قانون بین الممالک نہیں پایا جاتا تھا۔ اس سنہ سے قانون بین الممالک کو حقیقی معنوں میں بین الممالک بنانے کی اولین کوشش شروع ہوئی ورنہ اس سے پہلے یورپ میں صرف نصرانی ممالک کے باہمی تعلقات ہی اس قانون کا موضوع سمجھے جاتے تھے ۔

۱۸۵۶ء میں پہلی مرتبہ ایک غیر نصرانی مملکت یعنی ترکی کو صراحت سے قانون بین الممالک کا موضوع قرار دیا گیا۔ اگرچہ یہ مجبوری کے تحت تھا ترکی کے ساتھ کوئی رعایت مقصود نہ تھی۔ پھر رفتہ رفتہ دیگر غیر عیسائی ممالک مثلاً جاپان چین وغیرہ اس مشترکہ قانون کے موضوع قرار پائے۔ دوسرے الفاظ میں خود مختاری اور آزادی کا جو قدیم تصور تھا اس میں مزید تخفیف ہوئی اور خود مختار سلطنتیں اپنے آپ کو اپنی ہی مرضی اور اپنے ہی قانون کے تابع ہونے کی جگہ کچھ نہ کچھ حد تک ایک بیرونی ادارے یعنی قانون بین الممالک کے ماتحت سمجھنے پر آمادہ ہوگئیں حقیقت میں یہ ایک ارتقا تھا جو تا حال اختتام پذیر نہیں ہے۔ شروع میں اگر قانون بین الممالک صرف رواج پر مبنی تھا تو اس میں رفتہ رفتہ دو فریقی یا کثیر فریقی معاہدے بھی موثر حصہ لینے لگے اور بالآخر اس نے مجلس اقوام تک اپنے آپ کو پہنچا دیا جس کے ارکان دنیا کی طاقتور ترین مملکتوں میں سے ہونے کے باوجود یہ اقرار کرنے میں کچھ تامل نہ کرتے تھے کہ بعض امور کی حد تک وہ اپنی خود مختاری و آزادی سے مجلس اقوام کے حق میں دست بردار ہوتے ہیں۔ مجلس اقوام کسی نہ کسی وجہ سے ناکام ہو چکی ہے اور موجودہ ہمہ گیر جنگ میں جو مملکتیں شریک ہیں وہ کسی ایسی تبدیلی کی خواہشمند ہیں کہ پھر آئندہ انھیں ایسی ہی سخت جنگ کی ہولناکی کا سابقہ نہ پڑے۔ چنانچہ اس وقت نظام عالم کے متعلق کئی رجحان[1] پائے جاتے ہیں۔

تصورات نظام عالم | ایک تو وہی قدیم عالمگیر حکومت کا خواب ہے جو علانیہ تو نہیں عملاً اب بھی بعض ممالک کے پیش نظر ہے لیکن بظاہر اس کی کامیابی کے فی الوقت کم آثار ہیں۔

ایک دوسرا رجحان یہ ہے کہ ایک وفاق عالم قایم کیا جائے جس میں دنیا کی تمام مملکتیں شریک ہوں۔ دوسرے الفاظ میں مجلس اقوام کو نئے سر سے زندہ کیا جائے۔ اس کے اختیارات بڑھائے جائیں۔ اسے اپنی مرضی کے منوانے کے لیے وسائل مہیا کیے جائیں اور اس میں شریک ہونے والے ممالک اپنے بہت سے اختیارات اس وفاق کے سپرد کر دیں۔

ایک تیسرا رجحان یہ ہے کہ دنیا کو چند منطقوں میں بانٹ دیا جائے۔ یہ خیال جرمنی اور جاپان دونوں کے مفکر پیش کر رہے ہیں۔ تفصیلات کے نہ ہونے کے باوجود اتنا معلوم ہوتا ہے کہ منطقہ داری کا جرمن نظریہ اس اصول پر مبنی ہے کہ ہر منطقہ میں ایک مرکزی نظام پایا جائے اور اس نظام کی رہنمائی کسی موزوں ترین مملکت کے سپرد کر دی جائے۔ مثال کے طور پر یورپ کو اگر ایک منطقہ قرار دیا جائے تو اس کی رہنمائی جرمنی کے ہاتھ میں رہے

---

[1] British Year Book of Int. Law. By Hurst and others
Statesman's Year Book. London

اور وہ معقولیت کی اساس پر جملہ اجزائے ترکیبی کے فرایض متعین کرے: جس ملک میں جو چیز قدرت نے مہیا کی ہے وہی اس کے صنعتی استعمالوں کا حقدار ہو اور سب کو اپنی مصنوعات مہیا کرے۔ یہ نہیں کہ بڑے بڑے محصول درآمد عائد کرکے غیر فطری ذرایع سے ناموزوں مقاموں پر کسی صنعت کو باقی رہنے دیا جائے۔ علاوہ تقسیم فرائض کے تسویہ میں اعلیٰ ترین حق حاصل ہونے کے، دماغ بھی اسی مرکز سے متعلق رہے اور یہ پورا نظام برتر نسل کے مفروضہ پر مبنی ہے۔ اس کے برخلاف جاپان کی طرف سے منطقہ واری نظام کا جو تخیل پیش کیا جا رہا ہے اس میں باہمی نفع اندوزی (کو پراسس پیری ٹی) پر کم از کم ظاہرداری کی حد تک زور دیا جاتا ہے جس کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصول کی حد تک تو کسی منطقہ میں بسنے والے جملہ ممالک پوری مساوات رکھیں گے البتہ جو ملک تعلیم میں اور صنعت و حرفت میں اور دیگر وسائل میں جتنا زیادہ ترقی یافتہ ہوگا اتنا ہی دوسروں کی خدمت کرنے کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔

ایک چوتھا رجحان تصور نظام عالم کے سلسلے میں یہ نظر آتا ہے کہ مملکت واری موجودہ صورت حال تو برقرار رکھی جائے البتہ ہر مملکت میں قومی معاشیات کی کچھ اس طور پر اصلاح ہو کہ غریبوں اور امیروں کا موجودہ فرق گھٹ جائے اور کوئی فرد بھوکا نہ رہنے پائے۔

یہ چار رجحان باہم کشمکش کر رہے ہیں اور یہ کہنا دشوار ہے کہ جنگ کے اختتام پر فاتح کس چیز کی طرف مائل ہوں گے۔ البتہ دولت عامہ کا تصور جسے غالباً رجحان اول کی ایک شاخ قرار دیا جا سکتا ہے مختلف مقاموں پر مختلف رنگ لا رہا ہے۔

دولت عامہ کی مرکز گریزی | برطانوی دولت عامہ گذشتہ جنگ کے زمانے میں ایک طرح کی وحدانی مملکت تھی اور ہر چیز کا آخری اقتدار مثلاً ڈاؤننگ اسٹریٹ کو حاصل تھا۔ اب حالات نے مجبور کیا ہے کہ اس اقتدار کو بانٹ دیا جائے چنانچہ قلمرو اب اگر کسی بات میں قانوناً مشترک ہیں تو وہ صرف یہ کہ باہمی رضامندی سے خانوادۂ ہانوور کے تاجدار کو فرداً فرداً نہ کہ مشترکہ طور سے اپنا بادشاہ تسلیم کرتی ہیں۔ اگرچہ اس سلسلے میں بھی آئرے (آئرستان) کی حد تک بعض دشوار مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ساتویں ایڈورڈ کی تخت سے دست برداری کو تسلیم نہ کرنا بڑے اہم اثرات رکھتا اگر وہاں دستور سے بادشاہ کے حلف کی ضرورت اور بادشاہ کے

ا۔ The Status of British Commonwealth in International Law by Corbett.

نمائندے کے طور پر گورنر جنرل کا عہدہ دسمبر ۱۹۳۶ء کی آئرے کی دستوری ترمیم کے ذریعہ سے برخواست نہ کر دیا جاتا۔ برطانوی قلمروؤں میں یک جہتی گھٹتی ہوئی نظر آرہی ہے اور حالیہ جنگ میں شرکت سے جنوبی افریقہ کا تامل اور آئرے کا انکار ایک طرف اور دوسری طرف بے زبان ہندوستان کی مقننہ میں جنگ سے بیزاری کی کامیاب قرار دادیں بے معنی نہیں کہی جاسکتی ہیں۔ ہندوستان باوجود قلمروی مرتبے پر فائز نہ ہونے کے اب دولت عامہ سے باہر کے سفیر قبول کرتا اور اس کے جواب میں اپنے سفیر بھیجتا ہے۔ چنانچہ امریکہ اور چین اور ایک حد تک خود روس سے سفارتی تعلقات قابل ذکر ہیں، جو معمولی تجارتی اور قونصلی تعلقات کے علاوہ ہیں۔ ۱۹۴۴ء کے آغاز پر کینیڈا کے وزیر اعظم نے یہاں تک کہدیا کہ اگر کوئی شہنشاہی جلسہ ہو اور اس میں جملہ قلمرو اپنی خارجی سیاست کے لیے کوئی اصول مقرر کریں تو وہ تک کینیڈا کی پارلیمان کے لیے واجب التعمیل نہ ہوگا کیونکہ کینیڈا کا اقتدار اعلیٰ صرف کینیڈا کی پارلیمان کو حاصل ہے ۱۹۴۰ء ہی میں برطانیہ نے ویشی کی حکومت فرانس سے تعلقات منقطع کر لیے تھے لیکن جنوبی افریقہ اور کینیڈا کی قلمروؤں نے ۱۹۴۲ء تک ایسا نہ کیا اور ان کے سفارتی تعلقات ویشی سے برقرار رہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ لندن کے اقتدار[1] کی یہ زوال پذیری کس حد تک دولت عامہ کی یک جہتی اور قوت کا باعث بنے گی۔

ممالک شورائیہ روس کا وفاق دولت شورائیہ روس بھی اسی پہلے رجحان کی ایک دوسری مثال ہے وہاں بھی ۱۹۴۴ء کے آغاز پر ایک بڑا معنی خیز بلکہ انقلابی اصول بظاہر کسی کشمکش اور دباؤ کے باعث نہیں بلکہ خود مرکز کی تحریک پر منظور کیا گیا ہے۔ چنانچہ ممالک شورائیہ روس کا وفاق اب ایک طرح سے عہدیہ بنا دیا گیا ہے اور اس میں شریک ہر مملکت کو یہ اختیار دیدیا گیا ہے کہ اپنی علحدہ وزارت خارجہ رکھے اور اپنے دفاع کے لیے اپنی ایک الگ فوج بھی۔ فی الوقت تو ان دونوں پر مرکز ماسکو کے اثرات غالب رکھے گئے ہیں لیکن بہرحال ایک نیا رجحان روسی تصور حکومت میں نظر آنے لگا ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد جب روس میں بالشویک حکومت قایم ہوئی تو اس وقت بھی وہاں مرکزیت نہ تھی۔ مثال کے طور پر کمالی ترکوں کے ساتھ جو معاہدے ہوئے وہ ایک نہیں بلکہ تین روسی جمہوریتوں سے

---

[1] ۔ قانون بین الممالک کی تازہ ترقیاں اور تحقیقاتیں از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔

ہونے والے معاہدے سمجھے گئے۔ بعد میں خارجہ تعلقات میں مرکزیت قایم کردی گئی اب دوبارہ مرکز گریزی کا احیا، معنی خیز ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا منشا، ایک طرف تو یہ ہو کہ صلح کانفرنس میں جس طرح برطانیہ ایک کی جگہ چھپے چھپے نمایندے اپنی قلمرودوں کے ذریعہ سے لاسکتا ہے اسی طرح روس کو سولہ نمایندے حاصل ہوں۔ دوسری طرف جب شورائیہ روس کی مملکتوں پر اپنی مدافعت آپ کرنے کا بار پڑیگا تو خاص کر ان میں کی وہ مملکتیں جو سرحد پر واقع ہیں اور طاقتور دشمنوں کی ہمسایہ ہیں وہ ماسکو سے ٹوٹنے کی جگہ جڑنے کی طرف زیادہ مائل ہو جائینگی اور اپنی کمزوری کا علاج مرکز سے وابستگی میں پائیں گی جس نے جرمنی جیسے دشمن کے بھی چھکے چھڑا کر تمام دنیا سے خراج تحسین حاصل کرلیا ہے۔

تیسرے طرف عالم گیری کے سلسلے میں شورائیہ روس سے خارج خاص کر چھوٹے ہمسایہ ممالک کے لیے شورائیہ روس میں شرکت کی ایک ترغیب و تحریص مہیا کرائے اور انھیں یقین دلائے کہ انکی خود مختاری کے دو نوں بڑے معیار یعنی فوج اور سفارت کاری اس انضمام کے باوجود بحال رہیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ قطرہ قطرہ دریا میگردد کی طرح بہت سے چھوٹے ممالک کے انضمام کے بعد ماسکو میں اتنی قوت آسکتی ہے کہ بڑے ممالک کو بھی بے کھٹکے دھمکا سکے۔

بہر حال نظام عالم کے متعلق مختلف ممالک کا سرکاری تصور اور مختلف مفکرین کا خانگی تصور مختلف تصویریں ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے۔ جو سب کی سب اس جنگ کی پیداوار ہیں۔

منشور اوقیانوس | اس سلسلے میں غالباً منشور اوقیانوس کا ذکر بیجا نہ ہوگا جس میں انگلستان اور امریکہ نے جنگ کے بعد کی دنیا کے متعلق اپنے تصورات کا مشترکہ طور سے اظہار کیا اور یہی وہ اعلان ہے جسے بعد میں روس نے بھی قبول کرکے یہ ظاہر کیا کہ تمام اہم متحدین اس کے مندرجات پر متفق ہیں۔

۱۴ اگست ۱۹۴۱ء کو نائب وزیر اعظم انگلستان نے لاسلکی پر تقریر کرتے ہوئے یہ بیان کیا کہ وزیر اعظم انگلستان مسٹر چرچل نے سفر امریکہ کے موقع پر صدر ممالک متحدہ امریکہ مسٹر روزولٹ کے ساتھ گفتگو کرکے دونوں ممالک کا اس امر پر اتفاق حاصل کرلیا ہے کہ:

W

۱ـ London Times 1944 (File)

(۱) ممالک متحدہ امریکہ اور برطانیہ عظمیٰ کوئی نیا علاقہ یا کوئی اور چیز نہیں چاہتے۔

(۲) وہ کوئی ایسی علاقہ وار تبدیلیاں دیکھنے کی خواہش نہیں رکھتے جو اقوام متعلقہ کی آزادانہ طور سے ظاہر کردہ خواہشوں کے مطابق نہ ہوں۔

(۳) ساری قوموں کے اس حق کا احترام کیا جائیگا کہ وہ اپنا طرز حکومت خود پسند کریں نیز وہ (یعنی امریکہ و برطانیہ) مفتوحہ اقوام کے حقوق اقتدار اعلیٰ کی بحالی دیکھنے کے خواہشمند ہیں۔

(۴) ضرورت اور واجبات کے مناسب احترام کے ساتھ وہ ساری قوموں کو دنیا کی منڈیوں اور خام سامان تک مساوی رسائی دینی چاہتے ہیں۔

(۵) وہ اس امر کے خواہشمند ہیں کہ کامل ترین بین الممالک اور اقتصادی اشتراک عمل قائم ہو جائے تاکہ مزدوروں کا معیار ترقی کرے اور سبھوں کے لیے اقتصادی ترقی اور معاشی تحفظ حاصل ہو سکے۔

(۶) نازی ظلم و تعدی کی آخری بربادی کے بعد انھیں توقع ہے کہ وہ ایک ایسے امن کا قیام دیکھیں گے جو ساری قوموں کو نیز سارے لوگوں کو خوف و احتیاج سے آزادی کا یقین دلا دے۔

(۷) ایسا امن سمندروں کی آزادی پر مبنی ہونا چاہئے۔

(۸) وہ باور کرتے ہیں کہ بین الممالک طور پر قوت کا استعمال ترک کر دینا چاہئے اور عام تحفظ کے ایک وسیع تر اور زیادہ مستقل قیام تک اقدامی اقوام کا غیر مسلح کر دیا جانا ضروری ہے اسی طرح وہ اس کی تائید کریں گے کہ برداشت سے باہر اسلحہ کے بوجھ کو بھی عام طور پر ہلکا کر دیا جائے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ بعد کی توجیہوں میں یہ بیان کیا گیا کہ اس کا اطلاق صرف ان ممالک پر ہوتا ہے جو اس جنگ میں محوریوں کے ہاتھوں ضرر اٹھا چکے ہوں۔ ان ممالک پر نہیں جو خود اعلان کنندہ مملکتوں یا ان کے رفیق جنگ ساتھیوں کے قبضے میں ہوں۔

مسٹر چرچل جیسی مستند شخصیت نے صراحت کے ساتھ بیان کیا کہ منشور اوقیانوس کے نقاط کا اطلاق ہندوستان پر نہیں ہوتا۔ البتہ یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ برما اور ملایا نیز جاوا و سماٹرا وغیرہ پر اس کا اطلاق ہوگا یا نہیں۔

سچ پوچھیئے تو دوران جنگ کے مواعید کچھ بہت زیادہ لفظی معنوں میں نہیں لیے جاتے ہیں۔

برطانوی اور فرانسیسی انضمام کی کوشش | نظام عالم کی کوششوں کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ کا ذکر اس سلسلہ میں بیجا نہ ہوگا۔

حالیہ[1] جنگ کے آغاز پر برطانیہ اور فرانس نے اپنی معاشی اور فوجی حالت کی حد تک وفاق قایم کرلیا تھا اور یہ قرار دیا گیا تھا کہ جنگ کے ختم ہونے کے چھے ماہ بعد تک ان دونوں کے سکون کے بٹادن میں کوئی تبدیلی نہ ہوسکے گی یہ آغاز جنگ کا انتظام تھا۔ سنہ ۱۹۴۰ء کے آخری ہفتہ میں یہ طے کیا گیا کہ ان دونوں ممالک کی فوجوں کی کمان ایک کردی جائے۔ رسد اور اسلحہ کی خریدی مشترکہ ہو۔ ضروریات کی تیاری پر مشترکہ نگرانی ہو۔ دونوں کی نوآبادیوں کی انتظامی جماعتوں نیز پیداوار اور برآمد میں یک عملی قایم کیجائے۔ اسی زمانہ میں یہ بھی طے کیا گیا کہ ڈاک اور ڈاک کے ٹکٹ فرانس اور برطانیہ میں مشترک کردیے جائیں چنانچہ فرانسیسی ٹکٹ لگاکر انگلستان کے ڈاک خانہ میں اور انگریزی ٹکٹ لگاکر فرانس کے ڈاک خانہ میں خط ڈالے جانے لگے

اس کے دو تین ماہ بعد جب فرانس پر جرمن اقدام شروع ہوگیا اور متحدین کی مقاومت ہر جگہ ٹوٹتی چلی گئی تو فرانسیسی حکومت میں اس کا میلان نظر آیا کہ اس معاہدے کو نظر انداز کردے جس کے تحت انگلستان اور فرانس صلح مشترکہ طور ہی سے کرسکتے تھے۔ ایک رفیق کو چھوڑ کر دوسرا رفیق اپنی علاحدہ صلح کرلینے کا مجاز نہ تھا ایسے موقع پر حکومت انگلستان کی طرف سے ایک پیش کش فرانس بھیجا گیا کہ انگلستان[2] اور فرانس کا مکمل قومی اتحاد عمل میں آجائے اور دونوں کی ایک مشترکہ قومیت اور متحدہ مملکت قایم کردی جائے لیکن اب یہ تجویز اتنی دیر سے پیش ہوئی تھی کہ اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کا وقت بھی نہ مل سکا۔ بہرحال اس زمانہ میں یہ تجویز زور و شور سے پیش ہوتی رہی کہ اگر فرانس اور برطانیہ اپنا وفاق قایم کرکے متحد ہوجائیں تو باقی دنیا کو بھی ترغیب ہوسکتی ہے۔

حالت امن کے دستوری انتظاموں پر جنگ کے اثرات | حالت امن کے دستوری انتظاموں پر جنگ کا جو اثر ہوتا ہے اس کی بعض پیچیدہ صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اولاً مشترکہ سیادت والے ممالک کا مسئلہ ہے مثلاً سوڈان۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

---

[1] The Attempts to form an Anglo-French Alliance by J. P. Salsam

[2] Annual Survey of English Law. Ch. Int. Law

ایسے ممالک کا اگر ایک آقا شریک جنگ ہو جائے اور دوسرا ناطرفدار رہے تو آیا ایسے علاقہ کو ہم شریک جنگ سمجھیں یا ناطرفدار اور واقعہ یہ ہے کہ اس وقت سوڈان کا ایک آقا یعنی مصر ناطرفدار ہے اور آقائی میں شریک انگلستان شریک جنگ ہے۔ اس بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوسکے لیکن عملاً چونکہ سوڈان میں انگریز افسروں کا دخل بڑھا ہوا ہے اس لیے کہ مصر کی ناطرفدار زمین سے جتنا استفادہ انگلستان کو رہا ہے اس سے کہیں زیادہ سوڈان سے مدد لیجا رہی ہوگی۔

دوسری قسم ان ممالک کی ہے جہاں مشترکہ سیادت تو ہے اور جن کے دونوں آقا ایک ساتھ شریک جنگ بھی ہوگئے ہیں لیکن بعد میں ایک فریق جنگ لڑائی سے باہر ہو جاتا ہے۔

نیو ہبریڈیز کی ایسی ہی صورت حال ہے چنانچہ پہلی اور دوسری اپریل سنہ ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا ہے کہ یہاں سنہ ۱۹۱۱ء سے فرانس اور انگلستان کی مشترکہ سیادت قایم ہے۔ اور انتظام یہ ہے کہ وقت واحد میں یہاں دو ہائی کمشنر مقرر ہوتے ہیں۔ ڈاک کے ٹکٹوں پر دونوں ملکوں کی علامت پائی جاتی ہے۔ اور انگریزی عبارت والا ایک سٹ اور فرانسیسی عبارت والا ایک سٹ وقت واحد میں رائج ہے۔ حکومت کا کام دونوں ملکوں کے افسر مل کر کرتے ہیں۔ سرکاری زبان بھی ایک نہیں دو ہیں۔ اور جملہ سرکاری نشریات دونوں زبانوں میں ہوتے ہیں۔ عدالتیں تین قسم کی پائی جاتی ہیں ایک خالص فرانسیسی دوسرے خالص انگریزی اور تیسرے مخلوط عدالتیں ہیں — جن میں سے آخر الذکر کا صدر کوئی اجنبی ہوتا ہے غالباً فرانس کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد یہ علاقہ انگریزی اثرات کے تحت جنگ میں برابر کا شریک رہا ہوگا۔ اور چونکہ فاتح جرمنی اپنی مرضی اس سے منوا نہیں سکتا تھا اور نہ ویشی کی حکومت وہاں پر پورا پورا اقتدار رکھتی تھی اس لیے انگریزوں کو کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی ہوگی۔

شخصی اتحاد کا بھی ایک مسئلہ قابل غور ہے۔ ۳۰ نومبر سنہ ۱۹۱۸ء کو ڈنمارک اور آئسلینڈ میں فی الحال پچیس سال کے لیے شخصی اتحاد عمل میں آیا۔ آئیس لینڈ ایک مقتدر مملکت ہے لیکن وہاں بری یا بحری فوج بالکل نہیں پائی جاتی۔ فوج کے عوض وہاں کل (۷۰) جوان کوتوالی پائے جاتے ہیں آبادی سوا لاکھ کی ہے۔ معاہدہ اتحاد میں طے ہوا تھا کہ پچیس سال گذر لینے پر یعنی ڈسمبر سنہ ۱۹۴۰ء کے بعد تین سال کے عرصہ میں دونوں

مملکتوں میں کوئی نیا معاہدہ نہ ہو تو یہ اتحاد منسوخ کیا جا سکتا ہے اور دونوں مملکتیں دوبارہ الگ ہو جا سکتی ہیں۔ جیسا کہ ۱۰ اور ۱۱ مئی سنہ ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا ہے۔ لیکن ڈسمبر سنہ ۱۹۴۰ء کے آنے سے پہلے یوروپی ڈنمارک پر جرمن فوجوں نے محافظانہ قبضہ کر لیا اور اس کے کچھ دن بعد آئسلینڈ پر انگریزی فوجیں اتر گئیں۔ ظاہر ہے کہ جنگ کے باعث میعاد سماعت منقضی نہیں سمجھی جا سکتی اور تجدید معاہدے کے حق پر تمادی عارض نہیں ہو سکتی۔

مجلس اقوام پر جنگ کے اثرات مجلس اقوام پر اس جنگ کے جو اثرات ہوئے ہیں ان کا بھی چلتے ہوئے مختصر ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

۱۴ ڈسمبر ۱۹۳۹ء کو فنلینڈ پر بے وجہ حملہ کے الزام میں روس کا مجلس اقوام سے اخراج عمل میں آیا۔ ۱۹۴۰ء میں انگلستان کو چھوڑ کر آخری بڑی مملکت یعنی فرانس نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ۱۰ جولائی ۱۹۴۰ء کو رومانیہ بھی الگ ہو گیا اور مجلس اقوام کی معتمدی معتمد کے لندن بھیج دی گئی اور دفتر مسائل مزدوران امریکہ روانہ کر دیا گیا جس کے باعث کہنا پڑتا ہے کہ یا تو مجلس اقوام کے حصے بخرے ہو گئے یا اس پر مشترکہ سیادت قایم ہو گئی۔ بہر حال اس کے بعد سے مجلس اقوام کا کوئی عملی وجود باقی نہیں رہا ہے۔ البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مجلس اقوام کی اصلاح و ترقی کے لیے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ غیر سیاسی مسائل کے ایک شعبہ کا اس میں اضافہ کیا جائے چنانچہ اس کی مجلس کا پہلا اجلاس جنیوا میں نہیں بلکہ شہر ہیگ میں ۱۴ فروری ۱۹۴۰ء کو ہوا۔ جس میں اس امر کی چھان بین کی گئی کہ اس شعبہ کا دائرہ عمل کیا ہوگا اور کون سے مسائل اس میں پیش ہو سکیں گے خاص کر ان مسائل کی چھان بین جو سیاسی یا غیر سیاسی ہونے کے متعلق پیچیدگی پیدا کر سکتے۔ چنانچہ ایسے مسائل کے صحیح زمرہ کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی جیسا کہ ۱۸ فروری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ روس کا مجلس اقوام کے اس شعبہ سے بھی اخراج عمل میں آیا تھا۔

مملکتوں کا تسلیم کیا جانا سلطنتوں کی خود مختاری کے ساتھ خود مختاری کا تسلیم کیا جانا ایک جز لاینفک ہے۔ خود مختاری کا صریح طور سے تسلیم کیا جانا۔ ضمناً تسلیم کیا جانا۔ بعض شرائط کی تکمیل کرتے رہنے کی پابندی کے ساتھ تسلیم کیا جانا۔ معنوی طور پر تسلیم کیا جانا اور مجلس اقوام کا رکن بننے کے

---

[1] The Annual Register 1939

[2] World Affairs. Publisehd by State Broadcasting Service, Hyderabad-Dn.

باحث تسلیم کیا جانا۔ یہ وہ مثالیں ہیں جو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہیں کیونکہ یہ قدیم چیزیں ہیں۔ اسی طرح واقعہ کی حد تک اور استحقاق کی حد تک Defacto — Dejure تسلیم کرنا بھی خاصا قدیم ہے چنانچہ ۱۹۳۷ء میں آئرے کی طرف سے اٹلی کی فتح حبشہ کو اسی طرح تسلیم کیا گیا تھا اور آئرلینڈ کا پہلا سفیر روما میں مقرر ہوا تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس فرق کو صراحت کے ساتھ ڈی والیرا کی حکومت نے ظاہر کیا تھا۔ جیسا کہ ۲۹ر ڈسمبر ۱۹۳۷ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا ہے۔ محدود تسلیم بھی کسی قدر پرانی ہے چنانچہ منچوکئو میں جاپان کے زیر اثر جو خود مختار مملکت قائم ہوئی اسے انگلستان نے تسلیم کرنے سے انکار کیا تو انگلستان سے جانے والی ڈاک کو منچوکئو کے ڈاک خانہ نے اپنے یہاں تقسیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر انگلستان نے منچوکئو کی حکومت کو ڈاک خانہ کی حد تک خود مختار مملکت تسلیم کیا جو اپنی نوعیت کا ایک دلچسپ واقعہ تھا۔

حالیہ جنگ کے دوران میں بھی ایک نئی چیز نظر آتی ہے چنانچہ اسے جزئی تسلیم یا منقسم تسلیم کہنا چاہیئے۔ ۲۰ر فروری ۱۹۴۲ء کے ٹائمز آف انڈیا نے یہ خبر شایع کی کہ جب ہالینڈ پر جرمنی نے قبضہ کر لیا اور پناہ گزیں اور مفرور ملکہ ہالینڈ نے لندن میں اپنی حکومت قائم کی جسے ہالینڈ کے مقبوضات اپنی جائز حکومت مانتے رہے تو جاپان نے جو اس وقت تک جنگ میں شریک نہ ہوا تھا یوروپی ہالینڈ کی حد تک ملکہ ولہلمینا کو جائز حکمران تسلیم کرنے سے انکار کیا لیکن جزائر شرق الہند جاوا وغیرہ کی حد تک ملکہ ولہلمینا کی پناہ گزیں حکومت کو جائز حکومت تسلیم کیا۔

حکومت کی دعویداری | جس طرح شکست خوردہ حکومت کسی دوست علاقہ میں جا پناہ گزیں ہوتی ہے اور وہاں سے اپنے چھنے ہوئے علاقہ کی ملکیت کی دعویدار رہتی ہے اور جس کی کم و بیش ایک درجن مثالیں حالیہ جنگ کے زمانہ میں پیش آچکی ہیں۔ اسی طرح اسی جنگ کے دوران میں ایک دلچسپ اور بظاہر مضحکہ خیز کوشش جاپان کی طرف سے ہوئی ہے۔ چنانچہ اس نے سوباش چندر بوس مفرور ہندوستانی لیڈر کے تحت آزاد ہندوستان کی ایک حکومت اپنے علاقہ میں قایم کر دی ہے جس کے ساتھ وزرا وغیرہ کا بھی پورا لوازمہ بنا دیا گیا ہے گویا برطانوی ہند کی موجودہ حکومت نہیں بلکہ جاپان میں پناہ گزیں ہندوستانیوں کی یہ جماعت ہی حکمرانی کا جائز حق رکھتی ہے۔

فی الواقع حکومت کے بالمقابل دو مدعیان استحقاق حکومتیں۔

گذشتہ زمانہ کی تاریخ میں ایسی نظیریں کافی ملتی ہیں کہ ایک حربی ملک اپنے حریف کی موجودہ حکومت کو ناجائز اور غاصب قرار دیکر اپنے ملک میں ایک نئی حکومت قایم کردے اور یہ حکومت جو کسی علاقہ اور سرزمین سے تو محروم ہوتی ہے لیکن اسے وہ تمام ممالک مستحق حکومت Dejure تسلیم کرتے اور اس کے پاس اپنے سفیر بھی متعین کرتے ہیں۔ حالیہ جنگ کے دوران میں ایک عجیب چیز یہ نظر آئی ہے کہ ایک ہی ملک کے متعلق اسی طرح کی برائے نام حکومتیں ایک سے زاید ممالک میں قایم ہوئیں اور یہ مخالفوں میں نہیں بلکہ حلیفوں اور آپس میں متحد رہ کر جنگ کی ایک فریق ہونے والی مملکتوں میں۔ چنانچہ پولینڈ پر جب جرمنی کا قبضہ ہوگیا تو پناہ گزیں لوگوں کی مدد سے لندن میں بھی ایک حکومت پولینڈ کے لیے قایم ہوئی اور ماسکو میں بھی حالانکہ انگلستان اور روس دونوں ملکر جرمنوں سے متحدہ طور پر لڑ رہے ہیں ——— بظاہر یہ انگلستان اور روس کی حکومتوں میں اختلاف رائے یا نامکمل ہم آہنگی کا نتیجہ ہے نہ کہ کوئی ایسا قاعدہ جو قانون بین الممالک میں جگہ پاسکے۔ بہرحال ایک دلچسپ مثال ہونے کی حیثیت سے قابل ذکر معلوم ہوا۔

انتداب

اس باب میں ایک آخری مسئلہ انتدابات کا ہے۔ یہ جدت بھرا ادارہ گذشتہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے اختتام پر وجود میں لایا گیا تھا اور مبینہ مقصد کے لحاظ سے تاریخ انسانیت میں واقعی قابل فخر چیز تھا۔ اس کی تاریخ سے ہمیں یہاں بحث نہیں ہے۔

حالیہ جنگ کے آغاز پر اس کی صورت حال یہ تھی کہ درجہ دوم وسوم کے انتدابات تو اپنی حالت پر برقرار تھے سوائے غالباً اس واحد فرق کے کہ جاپان بہ حیثیت رہنما متولی بعض انتدابات پر قابض ونگران تو تھا لیکن وہ مجلس اقوام کی رکنیت سے الگ ہوچکا تھا گو پھر بھی حسب قاعدہ وہ مجلس اقوام کے شعبہ انتدابات کو اپنی سالانہ انتظامی رپورٹ مجلس اقوام کے وجود کے آخری دنوں تک برابر بھیجتا رہا جیسا کہ ۵ ار ڈسمبر ۱۹۳۹ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا ہے۔

اس کے بعد سے چونکہ مجلس اقوام کی کارکردگی بند ہوگئی ہے اس لیے کوئی مزید امر قابل ذکر نہیں معلوم ہوتا۔

البتہ درجہ اول کے انتدابات میں سے ایک تو عراق اس جنگ کے آغاز سے پہلے خود مختاری کا اہل سمجھ کر انتداب سے آزاد کردیا جاچکا تھا۔ باقی فلسطین شام اور لبنان اپنی اپنی ابتدائی حالت ہی پر قانوناً برقرار تھے۔ حالیہ جنگ نے ان تینوں کی حالت پر معتدبہ اثر ڈالا ہے۔

فلسطین | فلسطین کی حد تک انگریزی سیاست بار بار کی تبدیلیوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ اعلان بالفور منسوخ کردیا جائے جس کے تحت فلسطین[1] یہودیوں کی مملکت تو نہیں البتہ قومی وطن بنانے کی کوشش کا اقرار تھا دوسرے ۹ ر نومبر ۳۸ ۹ ۱ء کو اعلان بالفور کی منسوخی سے قطع نظر فلسطینی عربوں اور یہودیوں کی آبادی کا ایک تناسب بھی مقرر کردیا جس کے تحت یہودی ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہوسکتے تھے۔ اور یہ وعدہ کیا گیا کہ دس سالہ عبوری دور کے گذرنے کے بعد فلسطین کو خود مختار قرار دے دیا جائیگا اور عرب مملکتوں کی اس بارے میں ضمانت حاصل ہوگی لیکن زمانہ جنگ کی ضرورتیں اس آخری حکم میں مجبوراً تبدیلیاں کرا رہی ہیں۔ ایک طرف تو یہودی مال کا دباؤ ہے جو خود انگلستان کے اندر سے اثر ڈال رہا ہے اور دوسرے امریکہ کے توسط سے متاثر کرنے کی بے انتہا کوشش کی جارہی ہے۔ مال کے علاوہ دوسری چیز تقریباً پورے یوروپ پر جرمنی کی حکومت کا قایم ہو جانا لاکھوں یہودیوں کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہیں ہزاروں یہودی جو نازی گھیرے سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے ناطرفدار اسپین و پرتگال وغیرہ میں پہنچے ان کی ناگفتہ بہ حالت ہر انسان کو ہمدردی پر آمادہ کرسکتی ہے۔ انگلستان اور امریکہ ان کے لیے اپنی دولت اپنی وسعت اور اپنے وسائل سے ٹھکانا مہیا کرنیکی کوشش کی جگہ پھر پھر کر اسی نقطہ پر آرہے ہیں کہ یہودیوں کو فلسطین میں جانے دیا جائے چنانچہ ۴۴ ۹ ۱ء کے آغاز پر یہ اطلاع شایع ہوئی کہ کافی تعداد میں یہودی پرتگال کی بندرگاہوں میں جہازوں پر سوار ہوئے اور فلسطین پہنچے۔ لیکن بحیثیت مجموعی یہ کہنا پڑتا ہے کہ تادم تحریر فلسطین کے سلسلہ میں قانون بین الممالک پر کوئی گہرا اثر نہیں پڑا ہے چاہے بین الممالک سیاست بدل گئی ہو۔

شام ولبنان | شام ولبنان کی کیفیت البتہ جدا ہے اس جنگ کے آغاز پر متحدین اپنی ناتیاری کے باعث بڑی ہراسانی محسوس کررہے تھے خاص کر فرانسیسی قومی خصوصیت یعنی زود تاثر پذیری

The Palestine Mandate in Practice, by B. Akzin (Iowa Law Review) [1]

Palestine Nationality and the Mandate, By Norman Bentwich [2]

اس کی سیاست میں بھی منعکس ہو رہی تھی چنانچہ ترکی کی حلیفی کی خواہش کے حصول میں فرانس نے اس بات کو منظور کر لیا کہ شامی انتداب کے متعلق مجلس اقوام سے رجوع کیے بغیر ایک معاہدہ ترکی کے ساتھ کر لے ۔ اور اس انتداب کا ایک سرحدی حصہ یعنی انطاکیہ اور اسکندرونہ کے سنجق (جن میں سے آخر الذکر کا اب ترکی نام حطائی ہے) انتداب سے خارج کر کے ترکی کو دیدے ۔ حتیٰ کہ اس معاہدے کو توثیق کے لیے تک مجلس اقوام میں نہ پیش کرے اس معاہدے کی تکمیل اور فوری نفاذ پر چند ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ ۱۹۴۰ء کے وسط میں نازسی سواستیکا کے بوجھ نے فرانس کے کانچ کے گولہ کو دبا کر چکنا چور کر دیا ۔ اس کے بعد بظاہر شام و لبنان لاوارث اور بے مالک ہو گئے ۔ اس میں شک نہیں کہ فرانس میں ایک حکومت قانوناً خود مختار اور برقرار رہنے دی گئی اور جرمن فوجی ضرورتوں کے لیے قبضہ کیے ہوئے علاقے کے باہر جو غیر مقبوضہ علاقہ تھا ان پر ویشی شہر سے اسی فرانسیسی حکومت کی حکمرانی باقی تھی ۔ جلدی ہی جنگ نے وسعت اختیار کی اور یہ گمان ہونے لگا کہ جرمن فوجیں شام پر قبضہ کر کے آگے بڑھیں گی اور مصر و عراق کی طرف توجہ کریں گی ۔ ایسے وقت انگریزی سیاست و تدبر نیز وسائل کار آمد ثابت ہوئے ۔۔ اور جرمنی کے قبضہ سے پہلے انگریزی فوجوں کا قبضہ شام و لبنان پر ہو گیا جس میں برائے نام فرانس کی وہ حکومت مالک قرار پائی جو جلا وطن اور پناہ گزین فرانسیسیوں کی مدد سے لندن میں جنرل ڈیگال کے تحت قایم کی گئی تھی ۔ شام و لبنان میں انگریزی و آزاد فرانس کی جو مشترکہ فوجی حکومت قایم ہوئی اس نے اپنی ذاتی ذمہ داری پر ان دونوں مملکتوں کو آزاد قرار دیدیا ۔ وہاں جمہوریتیں، قایم ہوئیں چنانچہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو برطانیہ نے اسے سرکاری طور سے تسلیم بھی کر لیا ۔ جیسا کہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۱ء کے لندن ٹائمز میں ذکر ہے لبنان کے متعلق اسی طرح کا اعلان ۲۶ نومبر ۱۹۴۱ء کو ہوا جس کی خبر ۲۸ نومبر ۱۹۴۱ء کے لندن ٹائمز میں دیدی گئی ہے ۔ البتہ یہ امر قابل یادداشت ہے کہ انگلستان اور فرانس نے شام و لبنان کی آزادی کا جو اعلان کیا وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقامی آبادی کا دل موہ لینے کے لیے تھا ۔ دلی خلوص اور صاف بیانی منظور نہ تھی کیونکہ ۱۶ اگسٹ ۱۹۴۱ء کو رہبر دکن حیدرآباد میں یہ خبر چھپی کہ شام و لبنان کی آزادی کے بعد بھی وہاں فرانس کو دیگر یوروپی اقوام پر اولیت حاصل ہونے اور فرانسیسی مفادات کو مرجح سمجھنے کی بابت انگلستان نے بھی علی الاعلان رضامندی دیدی بہرحال آزادی کے اعلان نے پیچیدہ

قانونی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ چنانچہ وہاں کی وہ معتدل ترین حکومت جو دوران جنگ میں قایم ہوسکتی تھی اس نے تک اپنے آپ کو اس کا مجاز خیال کیا کہ اپنے دستور میں اپنی مرضی سے اور اپنے پارلیمانی توسط سے حسب دلخواہ ترمیمیں کرے خاص کر لبنان نے اس کا اقدام کیا چونکہ شام ولبنان کی غیر فوجی (سیول) حکومت میں فرانسیسی عنصر پوری طرح چھایا ہوا تھا مصلحتاً انگریزی حکومت بھی شام ولبنان کا تعلق براہ راست اپنے سے رکھنے کی جگہ آزاد فرانسیسی حکومت کے توسط سے اپنے زیر اثر رکھنے پر تو بغ تھی۔ اور اس آزاد فرانسیسی حکومت کی قوت میں شمالی افریقہ کے پورے فرانسیسی علاقے کے آجانے کے باعث کافی قوت آگئی تھی اور امریکی ہمدردیاں بھی اب خالص انگریزی اثر میں ترازو کے دوسرے پلڑے پر اپنا بوجھ ڈالکر کمی پیدا کر رہی تھیں بہرحال ان حالات کے باعث یہ ممکن ہوسکا کہ لبنان میں کوتوالی کا فرانسیسی افسر اعلیٰ (جو ظاہر ہے کہ وزارت کے ایک افسر ماتحت سے زیادہ نہ تھا) شمالی افریقہ میں کارفرما آزاد فرانسیسی حکومت کے اشارہ سے پوری وزارت حتیٰ کہ صدر جمہوریہ کو گرفتار کرکے حکومت کو برخاست کر دیتا ہے اور صدر جمہوریہ کو باوجود اس کے بڑھاپے کے جبل الشیخ کے سدا برف میں ڈھکے ہوئے سرد مقام کی چوٹی پر ایک قلعہ میں قید کر دیتا ہے۔ اس اطلاع کا پھیلنا تھا کہ عربی بولنے والی دنیا میں بلکہ پوری دنیائے اسلام میں رد عمل عظیم اثرات پیدا ہونے کا باعث بنا اور انگریزی حکومت کچھ تو ان اثرات سے متاثر ہوکر اور غالباً خود کچھ اپنی اس خواہش کی بنا پر کہ شام ولبنان جیسے اہم علاقے آئندہ فرانس کے قبضہ میں نہ رہیں بلکہ انگریزی دائرہ اثر میں شامل ہو جائیں فوراً بیچ میں پڑکر یہ منوالیا کہ صدر جمہوریہ اور ارکان وزارت نہ صرف رہا کیے جائیں بلکہ اپنے عہدوں پر بحال بھی سمجھ لیے جائیں نیز لبنان سے کیے ہوئے وعدہ آزادی کی تکمیل کی پیش رفت میں دوران جنگ میں بھی کچھ حقوق اسے دیے جائیں۔ الجزائر کی آزاد فرانسیسی حکومت نے اسے منظور کر لیا اور جیسا کہ فروری ۱۹۴۴ء کے انڈین ریویو کی ماہوار ڈائری میں ریکارڈ کیا گیا ہے انتداب لبنان کی تاریخ میں پہلی دفعہ صدر جمہوریہ نے دستور کی حمایت کا حلف اٹھایا۔ اور بہت سے عہدے جو اب تک نگران انتداب فرانس کے راست اور خصوصی انتظام سے مخصوص سمجھے جاتے تھے مقامی حکومت کے سپرد کر دیے گئے اور ایک مزید کارروائی یہ بھی طے پائی کہ لبنان وشام کی مملکتوں میں آپس میں چنگی کے اتحاد کا معاہدہ طے کر لیا گیا اور قرار پایا کہ ان میں آپس میں تجارتی حمل ونقل آزاد اور

محصول درآمد سے بری ہو۔ اور بیرونی درآمدوں پر جو محصول دونوں علاقوں میں وصول ہو اسے ایک مشترکہ دفتر کے سپرد کرکے سالانہ حساب کے بعد ایک خاص تناسب سے آمدنی کو دونوں مملکتوں میں بانٹ دیا جائے۔ یہ گویا شام و لبنان کے اتحاد و انضمام کی خواہش کا ابتدائی اور عملی مظاہرہ ہے۔

بہرحال انتدابات کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ان کی حد تک نگران انتداب مملکتیں اب کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ جنگ کے اختتام پر کیا صورت حال پیش آئیگی ابھی کچھ کہنا دشوار ہے۔

انتداب سے باہر لیکن اس سے بڑی قربت رکھنے والا ایک امر بین الممالک نگرانی ہے۔

بین الممالک نگرانی | اس سلسلہ میں بھی فرانسیسی سیاست بعض اثرات چھوڑنے کا باعث بنی ہے چنانچہ شمالی مغربی افریقہ میں شہر طنجہ مشترکہ بین الممالک نگرانی میں تھا لیکن اسپین کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے فرانس نے اس پر آمادگی ظاہر کردی کہ وہاں کا انتظام بالکلیہ اسپینی نگرانی میں دیدیا جائے۔ ۱۴ر جون ۱۹۴۰ء کو اسپینی فوجیں آنی شروع ہوئیں اور فرانس اس سے دست بردار ہوگیا بظاہر انگریزی حکومت نے بھی بروقت واقفیت کے باوجود اس پر چپ سادہ لی لیکن فرانس کی شکست کے بعد جب اسپین نے طنجہ کے متعلق بعض حقوق جو انگریزوں کو بھی حاصل تھے یک طرفہ فیصلہ کے ذریعہ سے ختم کردیے تو انگریزی حکومت نے احتجاج کیا اور تلافی کے لیے مناسب وقت پر ضروری تدبیریں اختیار کرنے کا حق محفوظ رہنے کا اعلان کیا۔

غالباً دوران جنگ میں جرمنوں کا کسی علاقہ پر قبضہ اور وہاں حکمرانی میں دو عملی ہمارے موضوع سے کچھ بہت زیادہ تعلق نہیں رکھتی۔

بہرحال اس طرف اشارہ کرنا کافی ہوگا کہ اس سلسلہ میں متعدد واقعات پیش آچکے ہیں مثلاً جنوب مشرقی افریقہ کا فرانسیسی جزیرہ مڈغاسقر انگریزی قبضہ میں ہے اور جاپانی قبضہ کے خطرات سے بچانے کے لیے انگریزی فوج نے اس پر آزاد فرانس کے لیے قبضہ کیا ہے اسی طرح امریکہ کے قریب ہیرڈیز کے جزائر پر بھی انگریزی اور ممالک متحدہ امریکہ کے اثرات وزن ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

قانون جائداد | قانون جائداد کے تذکرے میں کوئی خاص چیز قابل ذکر نہیں نظر آتی بجز اس کے کہ ۱۹۴۰ء کے آغاز پر جرمنی اور اٹلی میں اس امر کے متعلق سمجھوتہ ہوگیا کہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے اختتام پر اٹلی کو تیرول کا جو علاقہ عطا ہوا تھا اور وہاں تقریباً ہر ارسال سے خالص جرمن نسل کی آبادی تھی اس کو حکم دیا جائے کہ یا تو جرمنی چلی جائے یا اس بات کو منظور کرے کہ اسے اس سرحدی علاقہ سے ہٹا کر اٹلی میں کسی اور مقام پر بسا دیا جائے جو آبادی جرمنی چلی گئی اس کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ اس کے قرضوں اور رہنوں اور دیگر جائیدادی حقوق کی مالیت ساڑھے سات ارب لیرہ قرار دی گئی اور زر ڈیبٹن لینڈ وغیرہ سے بھی اطالوی آبادی کو اٹلی چلے جانے پر جرمنی کی طرف سے چونکہ مجبور کیا گیا تھا اس لیے ان کے جائیدادی حقوق کا تیرول کی وصول طلب رقم سے مجرا دیا جانا طے پایا۔ جیسا کہ ۱۶ فروری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں بیان کیا گیا ہے۔

کثیر تعداد میں آبادیوں کا تبادلہ حالیہ زمانہ میں یونان و ترکی کی جنگ کے اختتام پر طے ہوا تھا۔ لیکن حالیہ جنگ کے زمانہ میں اس نے بہت بڑی اہمیت اختیار کرلی۔ چنانچہ ۹ نومبر ۱۹۳۹ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا تھا کہ یہودیوں کو اصل جرمنی سے نکال کر پولستان وغیرہ بھیجا جا رہا ہے چنانچہ برلن ہی سے تیس ہزار یہودی منتقل کیے گئے۔ مذکورہ بالا تیرول سے کئی لاکھ جرمن اٹلی نے خارج کیے۔ ۳۰ نومبر ۱۹۳۹ء کے لندن ٹائمز نے بیان کیا تھا کہ لبلن کے اطراف کے علاقہ میں جرمنی آسٹریا چیکوسلواکیہ سے ڈیڑھ کروڑ یہودیوں کو لاکر بسایا جارہا ہے۔ استھونیا لاتویا اور لتوانیا پر جب روس نے قبضہ کرلیا تو وہاں سے بھی بکثرت جرمن خارج کیے گئے چنانچہ ۱۴ فروری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز نے بیان کیا ہے کہ ۱۸ فروری سے یکم مارچ تک چھ لاکھ روسیوں کو جرمن علاقہ سے روس میں منتقل کرنا طے پایا ہے۔ ۲۲ فروری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں لکھا تھا کہ روسی پولستان سے اس وقت تک ایک لاکھ چالیس ہزار جرمن خارج کیے گئے جن کو جرمن حکومت لوڈز (LODZ) کے اطراف بسا رہی تھی۔ ان مختلف خبروں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تبادلہ آبادی اور جائدادی مسائل میں جنگ کے باعث کتنی عظیم وسعت حاصل ہوچکی ہے۔

اختیار سماعت | مسائل اختیار سماعت کے سلسلہ میں غالباً اس کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ اب تک اعلان جنگ کے قبل متوقع دشمن کی رعایا کے خلاف معمولی نگرانی اور جو کسی کے ....

کوئی اور سختی نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن اگسٹ ۱۹۳۹ء میں حکومت ہند نے جنگ چھڑنے سے کئی ہفتہ قبل ہی سے جرمن اور اطالوی مستامنوں میں سے بہت سوں کو نظر بند کر دیا تھا اور جنگ چھڑنے کے بعد جرمن نظر بندوہی حیثیت اختیار کر گئے جو عام طور پر جرمنی کی رعایا کی ہوتی ہے۔ برطانوی ہند میں جنگ سے پہلے یہ نظر بندی اپنی نوعیت کی سب سے پہلی معلوم ہوتی ہے ورنہ ایسے ناخواندہ مہمان زیادہ سے زیادہ فوراً ملک بدر کر دیے جاتے ہیں۔ نظر بند نہیں کیے جاتے۔ بظاہر اس پر اور جگہ عمل نہیں ہوا حتیٰ کہ جرمنی میں اعلان جنگ ہونے کے بعد مستامنوں کو جن کے ممالک سے جنگ چھڑ گئی تھی ملک سے چلے جانے کی کافی آزادی حاصل رہی۔ چنانچہ جامعہ ملیہ دہلی کے شیخ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کا معاملہ اسی کی ایک مثال ہے جو جرمنی سے سوئزرلینڈ اور اٹلی ہوتے ہوئے ہندوستان واپس آئے۔

حفاظتی منطقہ | علاقہ وار سمندر[1] کا مسئلہ اسی باب سے متعلق ہے اور باوجود بیسیوں کوششوں کے اب تک ساحل سے تین میل ہی تک سمندر کو متصلہ مملکت کے اختیار سماعت میں داخل سمجھا جاتا رہا ہے۔

اکتوبر ۱۹۳۹ء میں جب پناما کانفرنس کے نام سے امریکی ریاستیں ہم بزم ہوئیں تو انھوں نے جنگ کو اپنی سرزمین سے دور رکھنے کے لیے یہ اعلان کر ڈالا کہ حسب ضرورت تین سو سے چھ سو میل تک چوڑا رقبہ علاقہ وار سمندر سمجھا جائے گا جسے حفاظتی منطقہ (سیفٹی بلٹ) کا نام دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اس رقبہ میں کوئی بحری جنگ نہ ہونے پائے لیکن جو حربی ممالک امریکہ میں اپنے مقبوضات رکھتے ہوں (جن سے مراد فرانس برطانیہ اور برطانوی قلمرو تھے) انھیں اپنے علاقہ سے متصل مذکورہ حفاظتی منطقہ میں آزادی رہے گی کہ اپنے دشمن پر اگر وہ وہاں آئے تو اس پر وار کریں جیسا کہ ۴ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو لندن ٹائمز میں شائع ہوا۔

امریکی مملکتوں نے طے کرنے کو تو یہ فیصلہ کر دیا لیکن دو چار دن بعد ہی انہیں اس میں فائدہ کی جگہ نقصان نظر آنے لگا چنانچہ یہ سوال پیدا ہوا کہ اس تین سو میل چوڑے سمندر میں کیا کوئی جرمن جہاز ایک امریکی مملکت کی بندرگاہ سے دوسری کو امن و سلامتی کے ساتھ جا سکتا ہے

---

[1] قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔

یا انگلستان و فرانس اس حفاظتی منطقہ کی ناطرفداری کو توڑ کر جرمن جہاز کا پیچھا کر سکتے اور اس سے مقابلہ کر سکتے ہیں جیسا کہ ۶ر نومبر ۱۹۳۹ء کو لندن ٹائمز میں شایع ہوا تھا غالباً ایسی ہی دشواریاں ہونگی کہ پھر اس خود ساختہ قانون کا نام سننے میں نہیں آیا ۔

۲۰ر جولائی ۱۹۴۰ء کو ہوانا کانفرنس ہوئی جس میں امریکی ریاستوں نے طے کیا کہ جب یوروپی ممالک کے مقبوضات امریکہ میں ہوں ان کو شکست بھی ہو جائے تو ایسے ممالک کے امریکی مقبوضات فاتح پر منتقل نہ کیے جائیں اور ظاہر ہے ممالک نے لیے ہیں امریکی اتحاد پیش نظر تھا ۔

مراعاتِ خصوصی | مشرقی ممالک میں جس نظام کا چرچا ہو رہا ہے ان کی بعض آخری چیزیں بھی اس جنگ کے دوران پیش آئیں چنانچہ چین کے جنوبی صوبہ ہانگ کانگ میں فاتح جاپان نے مارچ ۱۹۴۳ء میں اپنے امتیازات اور مراعاتِ خصوصی سے دست برداری یدی اور ایک نئی پالیسی کا آغاز کیا غالباً یہ اس عمل کا ردعمل ہے چنانچہ ۱۳ر جنوری ۱۹۴۳ء کے اخبارو کی شایع کردہ اطلاع کے بموجب انگلستان نے دوران جنگ ہی میں چین میں مراعات سے دست برداری دیدی چنانچہ جلدی ہی اس کو امریکہ نے بھی تسلیم کر لیا اور چینی عدالتوں کو انگریزوں اور امریکیوں کے مقدمات کی سماعت کا مکمل اقتدار مل گیا ۔

حیدرآباد میں یوروپیوں اور امریکیوں کو بعض مراعاتِ خصوصی | ۱۹۴۱ء میں حیدرآباد میں ایک واقعہ پیش آیا جو قابل ذکر ہے اس کے پس منظر کے طور پر یہ یاد دلانا ہے کہ حیدرآباد میں بھی یوروپیوں اور امریکیوں کو بعض مراعات خصوصی اختیار سماعت کے سلسلہ میں حاصل ہیں اور ان کا مقدمہ معمولی عدالتوں میں پیش نہیں ہوتا بلکہ ان کے خلاف فوجداری مقدموں کی سماعت حکومت حیدرآباد کا ایک ایسا انگریز ملازم کرتا ہے جس کو خاص اس غرض کے لیے حکومت سرکارِ عالی نامزد کرتی ہے (مجموعہ ضابطہ فوجداری سرکارِ عالی باب ۲۸)۔

۱۹۴۱ء میں ایک امریکی تبلیغی مشن کے نگرانکار پادری نے حیدرآباد میں تحقیر عدالت کا اس طور پر ارتکاب کیا کہ اس نے ایک منصف کے مکان پر جا کر اسے دھمکی دی کہ ایک عورت کو جو پہلے عیسائی تھی اور جس نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا تھا اگر عدالت دوبارہ اس پادری کے سپرد نہ کر دے تو وہ اس منصف کو برطرف کرا دیگا منصف کی شکایت پر حیدرآباد کی عدالت عالیہ نے اس مقدمہ کی سماعت کی اور پادری کو یہ قرار دیتے ہوئے کہ تحقیر عدالت کے مقدمات میں یوروپین کے لیے کوئی امتیاز نہیں کیا گیا ہے ایک سو روپیہ جرمانہ کی سزا صادر

فرمائی گئی۔ (دکن لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ - سرکار عالی بنام ڈاکٹر میلے وغیرہ)

حیدرآباد کی عدالتیں کم از کم تحقیر عدالت کے مقدمات کی حد تک امریکیوں انگریزوں اور یوروپین اقوام کے متعلق بے بس نہیں ہیں اور ان کے مقدمات کی سماعت کر سکتی ہیں۔ وہ صورت بڑی مضحکہ خیز ہوگی جب احیاناً عدالت العالیہ کی تحقیر کوئی ایسا شخص کرے اور اس مقدمہ کی سماعت حکام عدالت العالیہ خود نہ کر سکیں بلکہ جس طرح اوپر ذکر کیا گیا ہے کوئی انگریز افسر کرے اور پھر اس کے مرافعہ کی ضرورت ہو تو وہ عدالت العالیہ میں آئے ۔ مگر فی الحال یہ بحث قبل از وقت ہے ۔

بحری قزاقی کا قانون | بحری جنگ کے سلسلہ میں ناطرفدار ممالک کی حیثیت کے متعلق بھی اس جنگ کے دوران میں بعض واقعات پیش آئے جن کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا ۔ ان میں سے ایک وہ مقدمہ ہے جس میں ایک جرمن جہاز آلٹ مارک انگریزی جنگی قیدیوں کو لیے ہوئے بحر بالٹک کی ایک ناطرفدار بندرگاہ میں لنگر انداز اور پناہ گزیں تھا ایسے میں انگریزی جنگی جہازوں کی ایک برتر قوت والی ٹکڑی وہاں پہنچی ۔ نہ تو مقامی حکومت اور نہ ہی اس جرمن جہاز میں اتنی سکت تھی کہ انگریزی بیڑے سے اس وقت مقابلہ کر سکے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے اپنے ہم وطنوں کو جو جرمن قید میں تھے چھڑا لیا اور واپس چلے گئے ۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے جرمن جہاز کو کوئی اور نقصان نہیں پہنچایا لیکن پھر بھی ناطرفدار اختیار سماعت میں دخل دیا اور اس کے دیئے ہوئے امان (کوارٹر) کی خلاف ورزی عمل میں آئی چنانچہ برطانیہ سے احتجاج کیا گیا تو حکومت برطانیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ جرمن ان انگریزی قیدیوں کے ساتھ خلاف انسانیت سلوک کر رہے تھے چنانچہ ان کو جہاز کے سب سے نچلے حصہ میں رکھا گیا تھا جہاں کی سردی اور نمی نے ایک انگریز قیدی کے پاؤں میں نقرس کے مرض کو دوبارہ پیدا کر دیا ۔ بظاہر یہ بہانہ سازی تھی لیکن سب بے بسی کچھ نہ کرا سکی اور جرمن بھی سمجھ گئے کہ اپنے دوست ناطرفدار مملکت کو کچھ سزا دینی بیجا ہوگی کیونکہ اس کی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا تھا اور وہ واقعی بے بس تھا ۔

The Naval Role in Modern Warfare, by Admiral Sir Herbert Richmond ۱؎

The Year Book - Times of India 1939 ۲؎

دوسرا مقدمہ جاپانی جہاز اسماماروکا ہے۔ اس میں چند جرمن مسافر بھی سفر کر رہے تھے انگلستان کے جنگی جہازوں نے جاپان کے علاقہ وار سمندر سے باہر ساحل سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر اسماماروکو روکا اور تیرہ جرمن مسافروں کو اُترواکر اپنے جہاز پر سوار کرالیا اور قیدی بناکر چلے گئے۔ جاپانی حکومت نے احتجاج کیا کہ یہ جاپانی سمندروں کی ہتک ہے اگرچہ مروجہ قانون بین الممالک کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی تھی لیکن جاپان کو ناطرفدار رکھنے کے لیے ہر رعایت دی جاسکتی تھی۔ اس لیے بالآخر اشکنشوئی کا انتظام یوں کیا گیا کہ جرمن مسافروں میں جو سپاہی تھے یا بھرتی کے حکم کے سلسلہ میں جاکر سپاہیانہ خدمت کا جائزہ لینے والے تھے ان کو رکھ کر باقی جرمن مسافروں کو جاپان کے سپرد کر دیا گیا اور اپنی قید سے چھوڑ دیا اور اس طرح اس قضیہ کا تصفیہ ہوگیا (ملاحظہ ہو لندن ٹائمز فروری ۱۹۴۰ء)۔

قانون سفارت | قانون سفارت پر حالیہ جنگ کا کوئی خاص اثر نظر نہیں آتا البتہ قانون سفارت میں کافی اضافے نظر آرہے ہیں چنانچہ:-

آزاد ممالک اور غیر آزاد ممالک | برطانوی ہند جیسے غیر آزاد علاقہ سے بھی اب برطانیہ کے علاوہ متحدین میں کے دیگر آزاد ممالک کے سفارتی تعلقات قایم کئے جا رہے ہیں۔ امریکہ کی طرف سے ایک نئی جدت یہ نظر آرہی ہے کہ سرکاری سفیر کے علاوہ صدر جمہوریہ کے شخصی نمائندہ کے نام سے بھی سفارت کار بھیجے جا رہے ہیں جن کی حیثیت ایک طرح سفیر غیر معمولی کی سی ہے۔

(ب) جنگ

قانون جنگ کے سلسلہ میں متعدد دلچسپ چیزیں نظر آتی ہیں۔

اعلان جنگ[۱] | سب سے پہلے اعلان جنگ کا مسئلہ ہے۔ ہیگ کانفرنسوں کا قایم کردہ قاعدہ کہ جنگ سے پہلے اعلان جنگ ضروری ہے یا کم از کم نہائیہ (الٹیمیٹم) بھیجنا لازمی ہے۔ اس قاعدہ کے سلسلہ میں چند چیزیں قابل ذکر ہیں۔

جب اٹلی نے یونان پر حملہ کیا تو اطلاع آئی تھی کہ اطالوی سفیر ایتھنز نے رات کے تین چار بجے یونانی وزیر خارجہ کو اس کے مکان پر جاکر بیدار کیا اور ایک مراسلت اس کے سپرد کی جس میں یہ درج تھا کہ گھنٹے دو گھنٹے کے بعد اٹلی اور یونان میں حالت جنگ قایم

---

۱ International Affairs by Berridale Keith Vol. 1 & 2
International Law and the Present War. by W. Friedmann

ہو جائے گی۔ ایسے وقت اطلاع کے متعلق یہ خیال کیا جائیگا کہ وہ قانون کے مغز کی نہیں چھلکے کی اور معنی اور مقصد کی نہیں بلکہ لفظ کی تعمیل ہے۔

(۲) جاپان کا برطانیہ اور امریکہ پر اعلان جنگ کچھ مبہم سا ہے۔ واقعات یہ معلوم ہوتے ہیں کہ انگلستان اور امریکہ کی طرف سے چین کو جو روز افزوں مدد دی جا رہی تھی اور جس کے باعث چین کی قوت مقاومت بڑھتی نہیں تو برقرار نظر آ رہی تھی اس پر جاپان کیا طرف سے احتجاج ہوئے اور بالآخر یہ دھمکی دی گئی کہ اگر آئندہ اس مدد کا اعادہ ہو تو جاپانی حکومت مناسب تدبیریں اختیار کرنے کا اپنا حق محفوظ رکھتی ہے۔ چنانچہ ایک صبح اخباروں میں یہ اطلاع شایع ہوئی کہ جاپانی حکومت نے کسی مزید زحمت کی ضرورت نہیں خیال کی اور صرف اس کے فوجی مستقر سے دنیا کو یہ سنا دیا گیا کہ اب جاپان کی امریکہ اور انگلستان کے ساتھ حالتِ جنگ قایم ہے۔

(۳) جرمنی کا پولستان پر حملہ کرنا آیا کسی اطلاع یا نہائیہ کے بعد تھا یا غفلت میں اچانک حملہ کیا گیا فی الحال نہیں بتایا جا سکتا کیونکہ ہمارے سامنے صرف یکطرفہ بیانات ہیں۔ اپنی حد تک یہ ظاہر ہے کہ حملہ سے ہفتوں پہلے سے جرمنی کی روش تخویفی انداز اختیار کر چکی تھی۔ اسلئے اعلان جنگ نہ ہونے کے باوجود تیاریوں سے غافل رہنا غفلت مجرمانہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

(۴) یہی حال روس اور جرمنی کی جنگ کا ہے کہ آیا اس میں کوئی اعلان یا نہائیہ بھیجا گیا تھا یا نہیں تا حال ٹھیک طور سے معلوم نہیں ہے۔

(۵) کنیڈا اور جرمنی میں حالت جنگ کا قایم ہونا ایک دلچسپ نظیر پیدا کرتا ہے برطانیہ نے جرمنی کو جو نہائیہ بھیجا وہ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء یا اس کے ایک دن بعد تھا اور ایک یا دو دن انتظار کرنے کے بعد ۳ ستمبر کی دوپہر سے حالت جنگ قایم ہوئی تھی۔ دولت عامہ برطانیہ میں جو قلمرو ہیں ان میں سے کینیڈا نے اگرچہ انگلستان کے چند دن بعد اعلان جنگ کیا لیکن اس صراحت کے ساتھ کہ اسے مستقدمانہ اثر حاصل ہوگا اور اسی وقت سے کینیڈا اور جرمنی میں حالت جنگ قایم سمجھی جائے گی جب سے کہ جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا۔ علاوہ اپنی نوعیت کی ایک دلچسپ مثال ہونے کے یہ تصفیہ قانونی اثرات سے خالی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی جرمن مستامن کو کنیڈا میں مثلاً ۲ ستمبر ۱۹۳۹ء تک حق دعویٰ حاصل رہا ہو

اور پھر اس کے بعد سے قانون میعاد سماعت کے تحت تمادی عارض ہونے والی ہو تو مستقد مات ائر والے اس اعلان جنگ کے باعث اس جرمن مستامن کو جنگ کے بعد حق دعویٰ حاصل ہو جانا چاہئے اور دو دن کی اسے مہلت ملنی چاہئے۔ اسی طرح کینیڈا کی عدالتوں میں جرمن مستامنوں کے متعلق یکم و دوم ستمبر ۱۹۳۹ء بلکہ اس کے بعد بھی چند دن تک یعنی اس وقت تک جب کہ کینیڈا نے واقعتاً اعلان جنگ جرمنی کے خلاف کیا، فیصلے ہوئے، باوجود فیصلہ ہو چکنے کے کالعدم سمجھے جائیں کیونکہ جب قانوناً حالت جنگ یکم ستمبر سے قائم ہو گی تو پھر حربیوں کو عدالتی چارہ جوئی کا حق بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ یہ اور اس طرح کے دیگر مسائل قابل لحاظ عملی اہمیت رکھتے ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

اعلان جنگ کے بعد مستامنوں سے برتاؤ پہلے بھی قانون بین الممالک میں کوئی خاص متفق علیہ قاعدہ کے تحت برتاؤ نہیں ہوتا تھا پھر بھی اب تک رواج یہ معلوم ہوتا تھا کہ خطرناک افراد کو چھوڑ کر باقی عورتوں اور بچوں کو گرفتار نہیں کیا جاتا تھا۔ اسی طرح مشرقی ممالک میں آئے ہوئے مشنری پادریوں کو چھیڑا نہیں جاتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حالیہ جنگ کے زمانہ کی سیاست سے دلچسپی ہر طبقہ رعایا میں پھیل گئی ہے۔ حتیٰ کہ مسیحی مبلغ بھی خالص مذہبی کاموں سے وابستہ رہنے اور کم از کم سیاسیات سے الگ تھلگ رہنے کی جگہ سب نہیں تو کم از کم نوجوان مسیحی مبلغوں کا ایک حصہ مذہب کے ساتھ ساتھ اپنی قومی سیاست کا بھی ہمدرد و ہمنوا بلکہ معاون و مددگار بن گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چند استثناؤں کے سوا حربی سلطنتوں کی رعایا کو جو جنگ سے پہلے مستامن کی حیثیت رکھتی تھی نظر بند کر دیا گیا ہے۔ عورتیں ہوں کہ بچے، پادری ہوں کہ کوئی اور پیشہ انجام دینے والے سب کی حیثیت جنگی قیدیوں کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ برتاؤ میں ہر ایک کے ساتھ فرق ہے اور جنگی خدمت انجام دے سکنے والے مردوں کی چوکسی نا زیادہ سختی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ نیز بیرون قید خانہ سے ان کی خط و کتابت بھی محدود تر ہے۔ بعض صورتوں میں تو نظر بندی کے کیمپ کی جگہ زبانی اقرار کے کیمپ قائم کیے گئے ہیں جن میں رہنے والوں سے فرار نہ ہونے کا زبانی اقرار لیکر انھیں کافی آزادی دی گئی ہے۔ یہ ہندوستان کے حالات ہیں، غیر حربی ممالک کے حالات معلوم کرنے کے وسائل اس وقت نہیں ہیں۔

سلہ Legal Aspects of Internment by E. J. Cohn 4. Modern Review p. 200

کشوری اور لشکری آبادی کا فرق مقاتل اور غیر مقاتل یا لشکری و کشوری آبادی کا فرق بھی اس جنگ میں پہلے کی بہ نسبت اب بہت کم ہو گیا ہے۔ آج سے سالہا سال قبل لارڈ برکن ہیڈ نے اپنی کتاب انٹرنیشنل لا میں لکھ دیا تھا کہ طیارہ رانی، مملکتوں کی حکومت میں عوام کے منتخبین، جنگ میں قریب ہر ایک صنعت کے مفید ہونے سے ہر فرد قوم کو جنگ کے کامیابی تک پہنچانے میں کچھ نہ کچھ حصہ لینا ہوتا ہے غرض جنگ کی ہمہ گیری کے باعث نیز اس بنا پر کہ ناکہ بندی، محاصرہ، ہوائی بمباری وغیرہ کی صورت میں بے ضرر سے بے ضرر کشوری آبادی کا متاثر ہو جانا ناگزیر ہے ان وجوہ سے لشکری و کشوری میں فرق کا ہونا سابق سے کہیں زیادہ موجودہ جنگ میں حقیقت کا ترجمان بن گیا ہے۔ حتیٰ کہ اندھے اور لنگڑے بھی میدان جنگ سے دور ہتھیار سازی کے کارخانوں وغیرہ میں جنگ کی تیاریوں میں مصروف و منہمک ہیں۔ ۱۹۴۴ء کے آغاز پر یہاں تک اطلاعیں شایع ہوئی ہیں کہ جرمنی اور جاپان میں آٹھ آٹھ بارہ بارہ سال کے بچوں کو بھی جبراً جنگی ضرورتوں کے لیے خدمت انجام دینے پر مجبور کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بچے ان لوگوں کو جو نسبتاً کم اہم فرایض انجام دیتے تھے ان کی خدمات سے چھڑا کر اہم تر جنگی خدمات میں جانے کا موقع دیں گے۔ بہر حال انسانیت کی بیرحمی حد اعتدال سے متجاوز ہو چلی ہے۔

جدید آلات حرب جنگ کے طریقوں کے سلسلہ میں کم از کم یہ امر باعث اطمینان ہے کہ زہریلی گیس اور وبائی جراثیم کا پھیلانا فریقین میں سے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا ہے۔ آبدوزوں اور سرنگوں کی کارکردگی البتہ کم ہونے کا نام نہیں لیتی اور سائنس کی ترقی نے ان کی ہولناکی اور ان کے موثر ہونے میں اضافہ ہی کر دیا ہے۔ بعض نئے آلات جنگ استعمال ہونے لگے ہیں جن میں مقناطیسی سرنگیں، بری اور بحری اور ہوائی سرنگیں، جگر شگاف چیخیں مارنے والے بم، ہوائی چھتریوں کا بکثرت استعمال اور اسی طرح کی متعدد چیزیں دنیا کے سامنے آئی ہیں لیکن بظاہر ان میں کوئی قابل اعتراض چیز نہیں پائی جاتی۔ ایک مرتبہ مسٹر چرچل وزیر اعظم انگلستان نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ جرمن اب ایسی سرنگیں استعمال کر رہے ہیں جو انگریزی جہازوں کی آواز پہچانتی ہیں نیز غیر انگریزی جہاز کے گذرتے وقت پھٹنے کا نام نہیں لیتیں۔ معلوم نہیں کہ یہ چھپا ہوا طنز تھا یا حقیقت حال۔ جرمن کامیابیوں کے زمانہ میں ایک مقامی اخبار نے یہ خبر بھی تراشی کہ آسٹریلیا کے اصلی باشندوں میں بومرانگ نامی درانتی کی قسم کا جو ہتھیار پایا جاتا ہے

Encyclopaedia Britannica (Supplement) ؎

اور جو پھینکنے پر یا تو شکار کو گرا دیتا ہے ورنہ شکاری کے ہاتھ میں واپس آجاتا ہے بالکل اسی طرح جرمن توپوں کے گولے انگریز جہازوں کو لگتے ہیں یا پھر جرمن توپوں میں واپس آجاتے ہیں!!

اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ غیر سپاہیوں کو بلا دریافت غنیم کے ہر آدمی پر گولی چلانے کی ممانعت ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والے آزاد وار کرنے والے Franc-Tireurs کہلاتے ہیں۔ (جن کو اندھا دھند وار کرنے والے کہنا بہتر ہوگا) اور اس طرح کا فعل ایک بڑا جرم ہے اور ہو سکتا ہے کہ غنیم کے جس آدمی پر گولی چلائی گئی وہ قابل قتل نہ ہو مثلاً سفیر ہو یا حالت اضطرار میں ہو جب کہ صرف اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ اور پناہ دی جانی ضروری ہے۔ خاص کر حالیہ جنگ۔ کے زمانے میں طیاروں سے چھتری پکڑ کر کودنے والے دو طرح کے ہو سکتے ہیں ایک اقدامی جو حریف سے لڑنے کے لیے کودتے ہیں اور دوسرے اضطراری جو اپنی اڑنے والی سواری کی تباہی کے باعث گر کر پاش پاش ہو جانے سے بچنے کے لیے چھتری پکڑ کر کودتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اقدامی کودنے والوں کو بے شک گولی کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے لیکن اضطراری طور سے کودنے والے پناہ دیے جانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ غیر سپاہیوں کو گولی چلانے کی جو ممانعت تھی وہ حالیہ جنگ میں بہت کچھ ختم ہو گئی ہے۔ چونکہ کشوری آبادی کے ہر ہر گاؤں میں جو محافظ دستے قایم کیے گئے ہیں اور جن کو انگلستان میں ہوم گارڈ (وطنی محافظین) کہا جاتا ہے۔ وہ ہتیار سے بھی لیس ہوتے ہیں۔ اور حربیات کے خاصے تربیت یافتہ بھی۔

وطنی محافظین | ۱۲ر فروری ۱۹۴۲ء کے روزناموں میں وزارت انگلستان کے ایک ممتاز فرد کی تقریر شایع ہوئی ہے جس میں وزیر موصوف نے اس پر زور دیا ہے کہ یہ وطنی محافظ اب اچھی طرح تربیت پا چکے ہیں اور ضروری ہتیاروں سے بھی لیس ہو چکے ہیں اور ہر ناگہانی صورت سے نمٹنے کی پوری صلاحیت پیدا کر چکے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نوجوان کو اہم تر فوجی قواعد و ضوابط سے بھی واقف کرا دیا جاتا ہے لیکن یہ توقع فضول ہے کہ وہ تربیت یافتہ سپاہیوں کی طرح جنگی قواعد و ضوابط سے باخبر رہیں گے اور ناگزیر فوجی اور غیر فوجی اشخاص کا فرق نہ صرف ہدف بننے میں بلکہ لڑنے اور ہدف بنانے میں بھی ختم ہوتا نظر آرہا ہے اور وہی پرانا نظریہ زندہ ہوتا نظر آتا ہے کہ:۔

Bellum Omnium Contra Omnes.

Status of Home Guard international Law, By J. Merdyn Jones. 56 Law. Q. Review, p. 212

یعنی سب کی جنگ سب کے ساتھ۔ دوسرے الفاظ میں حربی مملکتوں کی رعایا کا ہر فرد اپنے حریف کے علاقہ کے ہر فرد سے عملاً برسر جنگ ہوتا ہے۔

پانچواں کالم | اس سلسلہ میں دو اور چھوٹی چیزوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے جو زیادہ تر اس جنگ کی پیداوار ہیں۔ ایک تو پانچویں کالم کی اصطلاح ہے جو زیادہ تر اس جنگ ہی کی پیداوار ہے جس سے منشا یہ ہوتا ہے کہ حریف کے علاقہ میں ہمارے ہمنوا لوگ ہماری ہی فوجی قوت کی پانچ ستون والی عمارت کا ایک ستون ہیں اور ان کی بروقت عملیت یا غداری ہمارے لیے قابل لحاظ مدد پہنچا سکتی ہے۔ یہ اصطلاح اولاً مالیہ اسپینی خانہ جنگی کے سلسلہ میں جنرل فرانکو نے استعمال کی تھی اور اس کا استعمال حالیہ جنگ کے زمانہ میں بہت عام ہو گیا ہے۔

کوئز لنگ | ایک دوسری اصطلاح خالص اس جنگ کی پیداوار ہے یہ کوئز لنگ ہے۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مفتوحہ علاقہ کا ایسا شخص جو اپنی سابقہ حکومت کے حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کرکے نئے فاتحوں اور قابضوں کو جائز حکمران تسلیم کرے اور ان کے قبضہ کو مستحکم بنانے میں عملی حصہ لے۔ اصل میں کوئز لنگ ایک فوجی افسر کا نام تھا جس نے ناروے میں جرمنوں کے ساتھ بڑا تعاون کیا اور جرمن نگرانی دتابئیت نے اسے ناروے کا وزیر اعظم اور صدر حکومت بنا دیا تھا۔ اگر حالیہ جنگ میں محوریوں کو فتح ہو تو یہ لفظ غالباً جلدی ہی استعمال باہر ہو جائیگا ورنہ بظاہر اب وہ کم از کم انگریزی ادبیات میں اپنے لیے اپنی صوتی خوبی کے باعث مستقل جگہ پیدا کر چکا ہے۔

جنگی قیدیوں سے سلوک | جنگی قیدیوں سے سلوک کے سلسلہ میں کوئی خاص جدتیں نظر نہیں آتیں۔ قیدیوں کا تبادلہ نسبتۂ بے حد گھٹ گیا ہے۔ جنگی قیدیوں کو اپنے ملک میں اپنے رشتہ داروں سے خط و کتابت کرنے اور خیریت کی اطلاع دینے اور اطلاع حاصل کرنے کی سہولتیں باقی ہیں لیکن انتظامات کی دشواریوں کا کچھ اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جرمنی کے قبضہ میں فرانس کے دس پندرہ لاکھ قیدی تھے (قبل اس کے کہ پورے فرانس پر جرمنی کو قبضہ کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی) روسی قیدیوں کی تعداد بھی اس سے کم نہ ہوگی۔ جاپان کے قبضہ میں بھی متحدین کے لاکھوں قیدی ہیں ان سب کے خطوط کو محکمہ احتساب سے جلد سے جلد گذارنے میں ظاہر ہے کہ بڑے وسیع انتظامات کی ضرورت ہوگی جاپان کی حد تک اخباروں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ متحدین کے قیدیوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں بھی متحدین سے

مقابلے سے کافی مقدار میں بھیجی جا رہی ہیں۔ غالباً وجہ یہ ہوگی کہ جاپانی غذا اور جاپانی معیارِ زندگی یورپیوں اور امریکیوں کے مقابلہ میں بالکل جدا ہونے کے باعث دشواری پیدا ہوتی ہوگی اور جاپان سے یہ مطالبہ ممکن نہیں ہوگا کہ جو خود کھاتا ہے اور جتنا خود کھاتا ہے اس کے سوا کچھ اور ان قیدیوں کو مہیا کرے۔

جنگی قیدیوں سے برتاؤ حالیہ جنگ میں جنگی قیدیوں کی تعداد جو ہر فریق کے قبضہ میں ہے وہ لاکھوں سے متجاوز ہے۔ ان سے معمولی جسمانی محنت کے کام لینے کے علاوہ حالیہ جنگ میں جبراً فوجی کارخانوں میں فنی مہارت کے کام بھی لیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اسلحہ سازی کے کارخانوں میں اور اسی طرح دوسرے مقاموں پر یہ قیدی اپنی ہی قوم کے خلاف جنگی خدمات انجام دینے پر مجبور ہیں اور اس طرح کی خدمت لینے سے فریقین میں سے کوئی بھی بری نہیں ہے۔

ہندوستان میں ۱۹۴۴ء کے آغاز پر مجلس مقننہ مرکزی میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اطالوی قیدیوں کی بڑی اکثریت اب باہر بھیجی جا چکی ہے بجز ایسے لوگوں کے جو اہم خدمات کی انجام دہی کے لیے ناگزیر ہوں۔ اس سے غالباً مذکورہ قسم ہی کے کاموں کی طرف اشارہ مقصود تھا۔

مختلف معیارِ تربیت کی فوجیں مروجہ قانون بین الممالک میں اس پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ وحشی باشندوں کو کبھی فوج میں بھرتی نہ کیا جائے اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک تو یہ لوگ ضبط و نظم کے پابند نہیں ہوتے اور افسروں کی اطاعت پوری طرح نہیں کرتے جس کے باعث قواعدِ جنگ کی خلاف ورزی عمل میں آنے لگتی ہے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایسے لوگ ضرورت سے زیادہ بے رحمی اور بربریت دکھاتے ہیں جو انسانیت کے لیے باعثِ ننگ ہے۔ لیکن صدیوں سے یورپی سلطنتیں اس پر عامل رہی ہیں کہ اپنی محکوم قوموں سے لوگوں کو فوج میں بھرتی کیا جائے اور جس وقت گوروں کو خطرے کی ضرورت ہو اس وقت ان بیچاروں کو آگے بڑھایا اور آگ میں جھونکا جائے یا مثلاً کسی مقام پر ڈائنامائیٹ یا بری سرنگوں کا خطرہ ہو تو اولاً اس طرح کی فوجیں آگے بڑھائی جائیں۔ خطرہ ان کو پیش آ جائے اور ان کے گذرنے کے بعد دوسروں کے لیے راستہ بے ضرر بن جائے اور پھر گورا فوجیں کسی مقام پر جب فاتحانہ داخلہ کی ضرورت ہو تو سب سے آگے اور سب سے اعزازی مقام پر رہیں۔

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے زمانہ میں کالی فوجیں جرمنی کے خلاف یورپ میں بکثرت استعمال ہوئیں اور اس چیز نے حالت امن میں بڑے دوررس اثرات پیدا کیے ۔ چنانچہ اصلی ترین ذمہ داران حکومت اپنی تشخیص یہ بیان کرتے ہیں کہ کالی آبادیوں میں جو احساس خودداری پیدا ہوا اور ان کے دلوں سے گوروں کا جو رعب کم ہوگیا اس کی وجہ یہی جنگی استعمال ہے۔ چنانچہ جب یورپ میں یہ لوگ اپنی سپاہیانہ آزادیوں کے ساتھ مہینوں بلکہ برسوں رہے تو خاص کر گوری عورتوں سے ان کا خلا ملا انھیں یہ باور کرانے لگا کہ وہ کسی بات میں گوروں سے کم نہیں ہیں بلکہ بہادری جفاکشی اور دیگر جنگی قابلیتوں میں بہت سے گوروں سے بڑھے ہوئے ہیں ۔

غالباً یہی وجہ ہوگی کہ حالیہ جنگ میں کالی فوجوں کا استعمال یورپ میں نسبتاً کم ہے لیکن بعض نئے عناصر فوجوں کے سلسلہ میں زیادہ نمایاں ہوگئے ہیں مثال کے طور پر روسی محاذ پر بے قاعدہ گوریلا دستے بے انتہا موثر کارروائیاں کرتے رہے ہیں اس سے مراد سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں ہوتی ہیں جن میں آپس میں کوئی ربط نہیں ہوتا اور نہ ان پر کوئی افسر مامور رہتے ہیں بلکہ انھیں ایک عام ہدایت رہتی ہے کہ جہاں اور جس طرح موقع پاؤ دشمن کو نقصان پہنچاؤ ۔ آدمیوں کو قتل کرنا، رسد کو لوٹ لینا، ریلوں موٹروں وغیرہ کو گزرتے وقت تباہ کر دینے کی کوشش کرنا اور اس طرح کے ہزاروں کام اس زمرہ میں شامل ہوتے ہیں ۔ اس طرح کے بے قاعدہ دستے باقاعدہ فوجوں سے کہیں زیادہ دشمن کے لیے تکلیف کا باعث بنے ۔

موجودہ جنگ میں عورتوں کا حصہ اب تک عورتوں کی پلٹنیں محاذ جنگ پر کم نظر آتی تھیں شاذ ہی صورتوں میں کسی لڑائی کے آخری لمحات عورتوں اور بچوں کو اس پر آمادہ کر دیتے تھے کہ وہ بھی میدان میں ٹوٹ پڑیں اور اپنے نازک ہاتھوں میں تلوار نہ سہی سونٹے لیکر اور کچھ نہیں تو تعداد ہی کا اضافہ کر دکھائیں ۔ لیکن حالیہ زمانہ میں عورتوں کی تربیت خاصکر روس میں فوجی اغراض کے لیے مردانہ معیاروں پر ہی ہوتی رہی ہے وہ نہ صرف ریل اور موٹر چلاتی ہیں بلکہ طیارہ ران بھی ہیں ۔ خالص زنانہ پلٹنیں بھی ہیں اور ایسی اطلاعیں شایع ہوتی رہی ہیں کہ ان عورتوں نے چاہے وہ سپاہی ہوں کہ افسر بڑی بہادری سے اور جم کر مقابلہ کیا ۔ ان حالات میں عورتوں کو غیر مقاتل قرار دینا ظاہر ہے کہ مجبوراً ناممکن ہو جائیگا ۔

ممنوعات جنگی | ممنوعات جنگ کی فہرست اب بظاہر ہر چیز پر حاوی ہوگئی ہے اور نہ صرف مشروط بلکہ خالص غیر جنگی سامان بھی کوئی باقی نہیں رہا ہے کیونکہ جنگ کی ہمہ گیری پوری آبادی کو مقاتل بنا چکی ہے جس کی وجہ سے آبادی کے ہر ہر فرد کی ضرورتیں بھی مقاتلوں کا سامان ہی سمجھی جا سکتی ہیں چاہے وہ عورتوں کا غازہ اور سرخی ہی کیوں نہ ہو۔

۲۳ر جنوری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز کی شایع شدہ اطلاع کی رو سے اب بانڈ اور ریونیو بھی ممنوعات کی فہرست میں داخل کر دیا گیا ہے جس سے ناطرفدار کے ڈاک کی نگرانی اور احتساب ناگزیر ہوگیا ہے۔

اسی طرح فوجی اہمیت کی اطلاعیں جو ناطرفدار ممالک کے نام ہوں یا جو ناطرفداروں کی طرف سے آئیں مثلاً برطانوی حکومت کا وہ خط جو لندن میں مقیم امریکی سفیر کے نام لکھا گیا تھا اسی کے تحت داخل سمجھا گیا۔

۳۱ر جنوری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں لکھا تھا کہ جرمنی نے کاغذ بنانے کا گودا (ملپ) بھی ممنوعہ چیز قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کاغذ کو اس جنگ میں بڑی اہمیت حاصل ہے علاوہ بہت سی جنگی ضروریات کے خود دشمن کے ملک پر طیاروں سے دعایہ کاری (پروپیگنڈا) کی جو چٹھیاں برسائی جاتی ہیں ان کی طرف اشارہ کافی ہے۔

(ج) قانون غیر جانبداری

قانون بین الممالک کا جو حصہ اس جنگ میں سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے وہ ناطرفداری ہی سے متعلق ہے۔ ہم یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ یہ نہ صرف متاثر ہوا بلکہ سرے سے بدل ہی گیا ہے کیونکہ اکثر بنیادی اصول ایسے ہیں جن پر فریقین جنگ بیک وقت سابقہ رواج کے خلاف عمل کر رہے ہیں مگر یہ چیز انتقام اور جوابی انتقام کی حیثیت نہیں رکھتی ہے بلکہ تجدید کی سے حالت امن میں طے کیے ہوئے علانیہ مجلس اقوام میں رجسٹر کرائے ہوئے معاہدوں کے مطابق ہے۔

اصول | ناطرفداری کا تصور اگرچہ قدیم زمانہ ہی سے چلا آرہا ہے لیکن قدیم تر زمانہ میں اس میں قانونی سے زیادہ اخلاقی عنصر غالب نظر آتا تھا۔ ظالم کے خلاف مظلوم سے رعایت مناسب بلکہ ایک حد تک ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اس سے انکار نہیں کہ مظلومیت کا معیار بڑی حد تک انفرادی صوابدید پر منحصر تھا اور اس کے لیے کوئی معینہ قواعد نہیں پائے جاتے تھے ہم نے بھی

رشتہ داری، دشمن کا دشمن ہونا وغیرہ مختلف اثرات کارفرما تھے۔ ہر چیز جیسے رعایت آمیز ناطرفداری
کہتے ہیں ۱۸۹۹ء تک مسلم اور جائز سمجھی جاتی رہی **Benevolent Neutrality.**
اور اس سال ہیگ کانفرنس میں ایک بین الممالک معاہدہ ہوا جس پر دنیا کی اکثر متمدن سلطنتوں نے
نے دستخط کیے۔ اس میں بڑے مباحثوں کے بعد یہ طے ہوا تھا کہ ناطرفداری کے لیے فریقین جنگ کے
ساتھ یکساں سلوک اور مساوات کا برتاؤ ہونا چاہیے اور ناطرفداروں کو فریقین جنگ کے حق و
ناحق ہونے کا دوران ناطرفداری میں لحاظ نہیں کرنا چاہیے۔ اور قرار پایا کہ کسی ناطرفدار علاقہ کو
کسی فوجی کارروائی کا نہ تو مستقر (بیس آف آپریشن) بننا چاہیے اور نہ ہی وہاں سے کوئی جنگجو یانہ مہم
(وار لائک اکسپیڈیشن) روانہ ہونی چاہیے۔ لیکن معاہدے میں ان الفاظ کے مطالب کی کوئی توضیح
نہیں کی گئی بلکہ عمداً ان کو مبہم رکھا گیا تاکہ شرکاء کانفرنس کے شدید اختلافات میں مصالحت کی
کوئی صورت پیدا کی جائے، اور دکھاوے ہی کے لیے سہی کانفرنس کو کامیاب اختتام پر
پہنچایا جائے۔

تعریف | لارنس کی رائے میں اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ جن کاموں کو تھوڑی مقدار اور تھوڑے
عرصے کے لیے کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھا جاسکے لیکن زیادہ مقدار یا زیادہ عرصہ کے لیے کرنے
میں کسی حربی کو اپنے غنیم پر بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہو، ایسے کاموں کو اپنے علاقہ میں کرنے دینا
مستقر کارروائی جنگ (بیس آف آپریشن) بننا ہے۔ مثلاً کسی جنگی جہاز کا اکثر مرمت یا آرام
کے لیے آنا یا بحری غنیمت کو لا رکھنا تاکہ غنیم دوبارہ ان کو چھین نہ سکے اسی میں داخل ہے۔

وار لائک اکس پیڈیشن یعنی جنگجو یانہ مہم کے معنی یہ لیے جاتے ہیں کہ سپاہیوں کا
افسروں کی سرکردگی میں لڑائی میں حصہ لینے کے لیے ایک تنظیم کے ساتھ جانا۔ ۱۸۷۰ء میں
جرمنی اور فرانس میں جنگ چھڑی تو نیویارک سے دو فرانسیسی جہازوں میں (۱۲۰۰) بارہ سو
فرانسیسی روانہ ہوئے۔ جہازوں میں کچھ سامان جنگ اور بندوقیں بھی تھیں مگر چونکہ ان فرانسیسیوں
کے ساتھ کوئی افسر تھے اور نہ ان میں کوئی فوجی تنظیم تھی اس لیے اس روانگی کو جنگجویانہ مہم نہیں
سمجھا گیا۔

لہ قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں صفحہ ۱۶۶۔

Principles of International Law, by Lawrence.

Neutrality by Edwin M. Borchard Y. L. J. p. 237

جدید ترین تصورات ناطرفداری: مذکورۂ صدر بنیادی قاعدہ میں تھوڑی سی ترمیم میثاق مجلس اقوام کی دفعہ ۱۶ کے ذریعہ سے ارکان مجلس اقوام کی حد تک عمل میں آئی چنانچہ اقدامی جنگ کرنے والی مملکت کے خلاف یہ انتظام طے کیا گیا کہ ناطرفدار ممالک اوّلاً اس مملکت کا معاشی بائیکاٹ کریں اور اگر یہ غیر مؤثر ثابت ہو تو جنگی کارروائی میں ارکان مجلس اقوام اپنا اپنا حصہ پیش کریں اور چونکہ ان معاشی ہی نہیں جنگی تہدیدات میں بھی پوری فوجی کل کو حرکت میں لانا ضروری نہ تھا بلکہ ہر مملکت فوجی دستوں اور ساز و سامان کا کچھ حصہ اپنی استطاعت کے مطابق مقدار بطور چندہ پیش کرتی ہیں۔ کے باعث غالباً ارکان مجلس اقوام کا جنگ میں شریک ہونا نہیں سمجھا جا سکتا۔ چونکہ مجلس اقوام کی جنگی تہدیدات Sanctions کبھی بھی نافذ نہ ہوئیں اس لیے اس کے متعلق کوئی واقعاتی توضیح ممکن نہیں ہے۔

موجودہ یا تیسری جنگ کے آغاز پر مہذب دنیا کا قانون ناطرفداری یہی تھا۔ اب حالیہ جنگ میں جو نئے عناصر قانون ناطرفداری میں داخل ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں اُن کا مختصراً ذکر کیا جائے گا۔

اوّلاً چند نئی اصطلاحیں قابل ذکر ہیں۔

حالیہ جنگ کی دو نئی اصطلاحیں غیر حربیت Non-belligerency اور غیر ناطرفداری Non-Neutrality خاص طور پر کثرت سے استعمال ہوتی رہی ہیں۔ ان کا آغاز بظاہر اٹلی سے ہوا ہے۔ موجودہ جنگ کے چھڑنے سے کچھ ہی پہلے جرمنی اور اٹلی نے ایک جنگی حلیفی کر لی تھی اور طے کیا تھا کہ آئندہ دس سال تک امن اور جنگ ہر صورت میں دونوں باہم متفق رہیں گے۔ عالم سیاست میں اپنی انتہائی یک جہتی ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا گیا کہ محورِ سیاست کا ایک سرا اٹلی ہے تو دوسرا جرمنی۔ موجودہ جنگ کے آغاز پر ان محوریوں میں سے جن میں جاپان بھی بعد کو شامل ہو گیا تھا اٹلی نے اپنے آپ کو ناتیار پایا اور باوجود جرمنی سے جنگی حلیفی کے جنگ میں عملی شرکت سے معذرت چاہی۔ جرمنی نے اسے برادرانہ اور جنگ میں عملاً شریک ہوئے بغیر اٹلی کے اور طور پر رفیق اور معاون رہنے کو جو مسولینی کے الفاظ میں "اٹلی کی طرفدارانہ غیر حربیت" تھی کافی اور جنگی حلیفی کے مطابق تسلیم کیا۔ یہ غیر حربی امداد جو اٹلی نے دی کتنی اور کس نوعیت کی تھی، وہ تا حال بڑی حد تک غیر شایع شدہ دستاویزوں میں ہماری دسترس سے باہر ہے۔ لیکن معلوم شدہ واقعات کی تحلیل اور ان سے

اصول کے استنباط پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ غیر حربیت بڑی حد تک قدیم رعایت آمیز ناطرفداری ہی کا احیاء تھا۔ غیر حربیت میں طرفداری کو تسلیم کیا جاتا ہے اور زور صرف جنگ میں عملی حصہ نہ لینے پر دیا جاتا ہے۔ اور رعایت آمیز ناطرفداری میں رعایت دہی کو شرمائے بغیر تسلیم کیا جاتا ہے اور زور ناطرفداری پر دیا جاتا ہے۔ گویا رعایت دینے کی مقدار اور درجہ کا نیز نیت کا فرق ہے۔ گو نتیجہ تقریباً یکساں ہے۔ اور ان میں امتیاز تو کیا جا سکتا ہے لیکن فرق نہیں۔

یہ غیر حربیت تھی۔ غیر ناطرفداری بھی عملاً یہی چیز ہے۔ ٹھیک طور پر معلوم نہیں کہ اولاً یہ لفظ کس نے استعمال کیا تھا۔ نئے الفاظ کے برتنے کا شوق بلکہ خبط اس کا ذمہ دار خیال کیا جا سکتا ہے البتہ یہ ظاہر ہے کہ اس میں ناطرفدار نہ ہونے پر زور دینا مقصود ہے۔ اور محدود عملی حصہ لینا ضمناً تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

ہمیں زیادہ تفصیل ان امدادوں کی نہیں معلوم ہے جو جنگ میں شریک ہونے سے پہلے اور دیگر غیر حربی یا غیر ناطرفدار ممالک کی طرف سے جرمنی کو ملتی رہی لیکن امریکہ کے متعلق بعض اہم اور دلچسپ معلومات درج کیے جاتے ہیں۔

امریکہ کا تصور ناطرفداری امریکہ نے اپنے طرفدارانہ سلوک کے متعلق کوئی نیا لفظ وضع نہیں کیا بلکہ اپنے کو غیر جانبدار ہی قرار دیتا رہا۔ اس کے باوجود اس کی پوری ہمدردیاں محوریوں کے خلاف اور متحدین کی تائید میں تھیں۔

حالیہ جنگ کے آغاز پر امریکہ میں علاوہ عام قانون بین الممالک کے تحت عائد ہونے والی پابندیوں کے، بعض خود ساختہ پابندیاں بھی تھیں جو امریکہ نے اپنے آپ پر عاید کر لی تھیں مثلاً فریقین جنگ میں سے کسی کے ہاتھ بھی ہتھیار کا فروخت نہ ہونے دینا۔ امریکی جہازوں کو کسی منطقۂ جنگ میں جانے سے ممانعت کیا جانا۔ ان مملکتوں کو امریکی بازار میں قرضہ نہ لینے دینا جنھوں نے سابق میں بدمعاملگی دکھائی تھی، وغیرہ۔ لیکن متحدین کی سیاست جلدی ہی امریکی رائے عامہ کو ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گئی اور موجودہ جنگ کے چھڑنے کے چند ہفتوں بعد ہی ۴ر نومبر ۱۹۳۹ء کو یہ قانون منسوخ کر دیا کہ حربیوں کے ہاتھ اسلحہ فروخت نہ کیے جائیں نیز یہ قانون بھی کہ انھیں قرضہ نہ دیا جائے۔ نومبر ۱۹۴۱ء میں یہ پابندی بھی منسوخ کر دی گئی کہ حربیوں کی بندرگاہوں کو کوئی امریکی جہاز نہ جائے اور "نقد لو اور لیجاؤ" (کیش اینڈ کیری بیسس) کا نفاذ کر دیا۔ بظاہر یہ خالص ناطرفداری تھی لیکن عملاً بہت بڑی

طرفداری کیونکہ بحریہ کی حد تک متحدین کے وسائل بہت زیادہ تھے اور اس کا امکان کم تھا کہ جرمن جہاز سامان کے خود لیجانے میں کام آسکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ سے لاکھوں کروڑوں روپیوں کا سامان متحدین کو ملنے لگا جن سے ان کی فوری جنگی ضرورتیں بڑی حد تک پوری ہونے لگیں۔ چند دن بعد صدر جمہوریہ امریکہ نے ایک اور قاعدہ بنایا کہ جنگی سامان تیار کرنے والے کارخانوں کو حکومت کے احکام کی تعمیل اس بارے میں کرنی پڑیگی کہ کس فرمایش کو مقدم رکھیں۔

امریکہ جنگ میں شریک نہ تھا اس لیے اسے اپنی ذاتی ضرورتوں کے لیے سامان کی کوئی بڑی مقدار مطلوب نہ تھی اور اس بظاہر بے ضرر حکم کے ذریعہ سے یہ ممکن ہوگیا کہ جرمنی کی کسی فرمایش کی ختم جنگ تک تعمیل ہی نہ کی جائے۔

یہ ظاہر ہے کہ کوئی ناطرفدار ملک اپنے علاقہ کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک کچھ سامان جنگ لے جائے تو کسی فریق جنگ کو اعتراض کا حق نہیں ہوسکتا اور نہ ایسی حمل ونقل ممنوعات کے تحت آتی ہے۔ اس اصول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ نے یہ چاہا کہ آئیس لینڈ میں جو ۱۹۴۰ع کے آغاز پر انگریزوں کے قبضہ میں آچکا تھا اور امریکہ کے مقابلہ میں انگلستان سے بے حد قریب تھا جزیرہ کا کچھ حصہ امریکہ کو عارضی طور سے حاصل ہوجائے مسٹر چرچل نے بظاہر اس پر ناک بھوں چڑھائے اور ناپسندیدگی و ناگواری کے اظہار کے ساتھ امریکہ کے اس مطالبہ کو منظور کرلیا۔ لیکن یہ کہنا بے جا نہیں کہ یہ دل کے حقیقی جذبات کا اظہار نہ تھا بلکہ مصلحت شناسی ہوگی۔ بہرحال جو بھی ہو ایک حربی کے مقبوضہ علاقہ کا کچھ حصہ ایک ناطرفدار مملکت نے حاصل کرلیا اور کثیر مقدار میں وہاں سامان جنگ روانہ کرنا شروع کیا اور یہ ظاہر ہے کہ براعظم امریکہ سے سامان بار کرکے لانے کے مقابلہ میں وہاں یعنی آئیس لینڈ سے انگلستان تک سامان لانا انگریزی جہازوں کے لیے نسبتاً بہت زیادہ آسان تھا۔

ناطرفدار امریکہ نے نیوزیلینڈ میں بھی اسی طرح کی چوکیاں حاصل کیں اور ڈچ گیانا میں بھی بعض اسی طرح کے انتظامات عمل میں لائے گئے جن کی تفصیل طوالت کا موجب ہوگی۔

امریکہ کو یہ اصرار رہا کہ ایسی امریکی چوکیوں تک امریکہ سے ہر قسم کا سامان لیجانے کی آزادی رہنی چاہیئے اور ان چوکیوں کو امریکی سرزمین ہی کا ایک جز سمجھنا چاہیئے۔ وسط ستمبر ۱۹۴۱ع میں صدر روزولٹ نے اعلان کیا کہ جو کوئی اس آزادی میں آڑے آئیگا تو

اسے قوت سے روکا جائیگا۔

قرضہ اور پٹہ یا عاریت اور کرایہ پر دینے کا قانون

سب سے پہلا اقدام جو امریکہ کی طرف سے ہوا وہ قرضہ اور پٹہ یعنی عاریت اور کرایہ پر دینے کا مشہور نظام ہے۔

اصول یہ تھا کہ جن ممالک کی حفاظت اور خود مختاری خود امریکہ کی حفاظت کا بالواسطہ ذریعہ ہو یا دوسرے الفاظ میں جو ممالک امریکہ کے اگلے مورچے ہوں ان کی ہر طرح مدد حفاظتِ ذاتی کے فطری اصول کے تحت، امریکہ کے لیے نہ صرف جائز اور امریکہ کے لیے اس کا حق ہے بلکہ امریکہ کی حکومت کا ایک فریضہ ہے۔ اس مقصد کے لیے امریکہ کی حکومت نے اپنے موازنہ میں کروڑوں روپیوں کی گنجائش مہیا کی اور اس بات کا فیصلہ کرنے کا اختیار کہ کونسا ملک اس طرح کی امداد کا مستحق سمجھا جا سکتا ہے صرف ایک فرد کی تنہا صوابدید پر چھوڑ دیا گیا جو صدر امریکہ کی بلند شخصیت تھی۔ چنانچہ اس کے لیے مجلس نمائندگان سینیٹ وغیرہ سے رجوع کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہی اور اس اصول کے تحت امریکہ سے انگلستان کو کروڑوں روپیوں کا جنگی سامان انتہائی شدید ضرورت کے وقت بلا خرچ پہنچنے لگا۔ قرضہ اور پٹہ کے متعلق فی الحال یہ قرار دیا گیا ہے کہ بے دریغ دیتے جائیں اور جو سامان جنگ میں تلف ہو جائے اس کی بازیابی کا کوئی سوال نہیں اور جو سامان امداد یاب کے پاس ختمِ جنگ پر محفوظ اور موجود رہے وہ بعینہٖ امریکہ کو واپس کر دیا جائے۔ باقی دورانِ جنگ کے استعمال کا کرایہ اور نقصان کا ہرجانہ اور متعلقہ معاملات، جنگ کے ختم ہونے کے بعد گفت و شنید کے ذریعہ سے طے کیے جائیں۔ اس طرح کی امداد نہ صرف شرکائے جنگ کو ملتی رہی بلکہ ناطرفدار ممالک بھی اس سے مستفید ہو چکے ہیں جن میں ترکی ایک حد تک نمایاں ہے۔ جو تنہا ناطرفداری پر عمل پیرا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ آگے بیان کیا جائیگا پرتگال لائبیریا وغیرہ نے ناطرفداری کے باوجود اپنے علاقوں میں متحدین کو فوجی مستقر قایم کرنے کی اجازت دیدی ہے لیکن ترکی نے اس سے اب تک قطعی انکار کیا ہے جیسا کہ فروری ۱۹۴۴ء میں متحدین کی صحافت نے علانیہ شکایت کی۔

بہر حال ناطرفداروں کو مدد دیکر قوی تر بنانا ہماری بحث سے خارج ہے لیکن اس کی دلچسپی یوں ہے کہ امریکہ کی ناطرفداری کے زمانہ میں انگلستان وغیرہ حربیوں کو امریکہ سے سرکاری طور پر قرضہ اور پٹہ کے اصول پر مدد ملتی رہی اور امریکہ کے شریک جنگ ہونے کے بعد

اس کی طرف سے ناطرفدار ترکی کو یہ مدد ملنی شروع ہوئی۔ اس میں ستم ظریفی یہ ہے کہ فریقین جنگ کی طرف سے ترکی کو یہ فوجی سامان مل رہا ہے اور اس طرح وہ گویا ناطرفدار رہنے کے معاوضہ میں چونکہ فریقین کی خدمت کررہا ہے اس لیے فریقین سے اس کا معاوضہ اس طور سے حاصل کررہا ہے۔ ورنہ اس کا کسی ایک فریق کی طرف سے شریک جنگ ہو جانا جنگ کو مختصر کردینے میں انقلاب آفریں حصہ لے سکتا تھا۔

امریکہ کی طرفدارانہ ناطرفداری کا مظاہرہ ایک اور طور پر بھی ہوا۔ چنانچہ ۱۹۴۰ء میں جب انگلستان کا جہازی نقصان جرمن آبدوزوں کے باعث ناقابل برداشت ہوگیا تھا اور حمل ونقل کے لیے جہازوں کی ضرورت انتہائی شدید تھی تو انگلستان نے اپنے مملوکہ چند جزیرے جو امریکہ کے قریب تھے اور دفاعی نقطہ نظر سے امریکہ کے لیے بڑی اہمیت رکھتے تھے ان کا ۹۹ سال کے لیے پٹہ امریکہ کے نام کردیا گیا اور اس کے معاوضہ میں امریکہ کی حکومت کی طرف سے حمل ونقل کے جہازوں کی خاصی بڑی تعداد انگلستان کے حوالہ کردی گئی۔

۱۹۴۱ء میں امریکی رائے عامہ جرمنی کے خلاف اس قدر برانگیختہ کردی جاتی ہے کہ امریکہ اپنا سامان جنگ جو متحدین کو بیچ رہا تھا سرکاری بیڑوں کی نگرانی میں بھیجنا طے کردیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ جرمن آبدوز اگر آڑے آئیں تو انھیں بے تامل گولہ مار کر ڈبو دیا جائے گا۔ اسی طرح بین الاقوامی قواعد کے برخلاف امریکہ نے اس کو بھی منظور کرلیا کہ متحدین کے جنگی جہاز اگر متضرر ہو کر امداد کے محتاج ہوں تو کھلے سمندر میں انکی مرمت کے لیے امریکہ کے امدادی جہاز (جن میں مرمت کا جملہ سامان مہیا ہوگا) تیار رکھے جائیں گے۔ یہ اور اس طرح کے متعدد امور امریکہ کی طرف سے انجام پائے، جن کی توجیہ سوائے اس کے کچھ نہیں کی گئی کہ ہٹلری حکمران انسانیت کے لیے باعث ننگ اور جرم مجسم ہیں۔ ان کے ساتھ کسی قاعدہ قانون کا ملحوظ رکھنا غیر ضروری ہے۔ یہ کہنا غالباً بے جا نہ ہوگا کہ امریکہ میں صحافت جس قدر یہودی سرمایہ داروں کے زیر اثر ہے اور ساتھ ہی امریکی معاشیات پر یہودی جس قدر چھائے ہوئے ہیں وہ بھی اس کے بڑی حد تک ذمہ دار ہوں گے کہ امریکی حکومت ایسی انتہائی کارروائیاں کرتے ہوئے نہ شرمائے۔ یہودیوں کے ساتھ ہٹلری جرمنی نے جو سلوک کیا تھا اس سے تمام یہودی دنیا کی آبادی میں غم و غصہ کی لہر کا دوڑ جانا قابل فہم ہے اور خاص کر یہودیوں کا حد سے زیادہ قومی یکجہتی کے جذبات سے لبریز ہونا ہر کوئی جانتا ہے۔

جرمن لاسلکی کا یہ بیان انگریزی اخباروں میں بھی شایع ہوا تھا کہ خود صدر جمہوریہ مسٹر روزویلٹ کے جسم میں یہودی خون دوڑ رہا ہے۔ آخر دسمبر ۱۹۴۱ء میں جب جرمنی اور اٹلی نے امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تو پھر قانون شکنی کے یہ مسائل اپنی حد تک ختم ہو گئے۔

طرندارانہ ناطرفداری کے سلسلہ میں ایک اور دلچسپ مثال امریکہ کے علاوہ نیپال کی ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے زمانہ میں نیپال کی حیثیت بمشکل ہی کسی بین الممالک شخص کی سمجھی جا سکتی تھی کیونکہ اس کے تعلقات بیرونی دنیا سے بالکل نہ تھے۔ لیکن اس اثناء میں اس کے یہاں انگلستان کا فرستادۂ سفارتی (ایبوائے) اور فرانس کا بھی سفارتی نمائندہ مقرر ہو چکا تھا۔ غالباً جرمنی سے بھی کچھ نہ کچھ تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔

اسی بنا پر اگر گذشتہ جنگ کے زمانہ میں نیپالی فوجیں بڑی تعداد میں انگریزوں کے دوش بدوش لڑتی رہیں تو یہ تصور کیا جا سکتا تھا کہ نیپال کو اعلان جنگ کی ضرورت نہیں ہے اور انگلستان کا اعلان جنگ ہی اس کو بھی خود بخود شریک جنگ کر چکا ہے۔ لیکن حالیہ جنگ میں اس کی طرف سے کسی شرکت کا اعلان سننے میں نہیں آیا اگرچہ حکومت انگریزی کی طرف سے اس کا شکریہ کے ساتھ اعتراف شایع ہوا کہ حکومت نیپال نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے فوجی دستے حکومت انگریزی کے سپرد کر دیے ہیں، تاکہ جب اور جہاں ضرورت ہو ان سے فوجی خدمت لیجائے اور یہ گورکھا سپاہی ایشیا یورپ اور افریقہ کے ہر محاذ پر کام کرتے رہے ہے۔ غالباً طرفدارانہ ناطرفداری کی یہ انتہائی صورت ہے جو حالیہ جنگ میں دیکھنے میں آئی ہے۔

اس طرح نظر آتا ہے کہ انتہائی اور فریقین جنگ کے ساتھ مساوی ناطرفداری اب محض ایک داستان پارینہ ہے جو طاق نسیاں پر رکھ دی گئی ہے۔

اوپر ابتداً اس باب میں بیان کیا گیا کہ قانون ناطرفداری کے دو بنیادی اصول ہیں: ناطرفدار علاقہ میں کسی فریق جنگ کا نہ تو فوجی کارروائی کا مستقر بنایا جا سکتا ہے اور نہ وہاں سے کوئی جنگجو یا مہم کسی حربی ملک کو جانی چاہیئے۔ لیکن ان بنیادی قاعدوں پر بھی کوئی فریق عمل نہیں کر رہا ہے جس کے باعث اس خلاف ورزی کو قانون شکنی نہیں بلکہ قانون کی تبدیلی کہے بغیر چارہ نہیں چنانچہ اس سلسلہ میں ہر دو فریق کے طرز عمل کی مثالیں پیش کیجائیں گی۔

قانون ناطرفداری کے بنیادی اصولوں کے خلاف موجودہ جنگ میں عمل۔ بذریعہ معاہدہ | ایران۔ تاریخ دار لحاظ سے

سب سے قدیم معاملہ ایران کا کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ قاچاری دور میں کمزور ایران سے روس نے یہ منظور کرا لیا تھا کہ اگر کسی وقت ایران کی حالت تشویش ناک ہو جائے اور اس کا خطرہ ہو کہ کوئی ایسی مملکت ایران پر قابض ہو جائے جو روس کی دشمن ہو تو روسی حکومت کو حق ہوگا کہ پیش بندی اور حفاظت ذاتی کے لیے اپنے دوست ایران کے ان علاقوں پر جو روس کے لیے اہمیت رکھتے ہوں، اپنی فوجیں بھیج کر اپنے قبضہ میں لے لے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایران کی ناطرفداری ہی کے زمانہ میں موثر ہو سکتا تھا ورنہ دشمن یا حلیف جنگ کی حیثیت سے قبضہ کسی معاہدہ کا محتاج نہ تھا۔ پہلوی خانوادہ کے قیام کے باوجود کہتے ہیں یہ معاہدہ منسوخ نہ کیا گیا اور چونکہ روس کے ان کے استعمال کی اس اثناء میں کبھی ضرورت پیش نہیں آئی تھی اس لیے پہلوی دور کے حساس ارباب حکومت بظاہر اس کو بھلا بیٹھے اور خموشی کے ذریعہ سے اس کو نافذ رکھا۔

۱۹۴۰ء کے اواخر میں جب جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا اور انگلستان وغیرہ روس تک ضرورت کا سامان بھیجنے کے ہر راستہ سے محروم رہے تو بظاہر اس غرض کے لیے کمزور ایران کو تاکا گیا اور بزور اسے اس پر مجبور کیا گیا کہ اپنے علاقہ میں سے ہو کر سامان جنگ روس کو جانے دیا جائے۔ ضمناً ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ دیگر راہوں کے مقابل ایرانی راستہ خطروں سے محفوظ بھی تھا۔ بہرحال جو بھی ہو روسی جرمن کشمکش جیسے جیسے روسیوں کے لیے تشویش ناک ہوتی گئی ان کو ایران کے راستہ کے کھولنے کی ضرورت بڑھتی گئی۔ چنانچہ انگلستان اور روس دونوں کی طرف سے ایران کو یہ مطالبہ بھیجا گیا کہ جرمن عنصر کو وہاں سے خارج کر دیا جائے۔ لیکن چونکہ کوئی خودمختار اور ناطرفدار ملک ایسے مطالبوں کو قبول نہیں کر سکتا تھا اس لیے ایران نے ناگزیر اس کے ماننے سے انکار کیا اور یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ متحدین اس انکار کی توقع بھی کر رہے تھے چنانچہ فوراً ہی پیشگی تیار انگریزی فوجیں ایک طرف سے اور روسی فوجیں دوسری طرف سے ایران میں گھس گئیں اور طہران کے قریب دونوں کا اتصال ہوا اور یہ فوجیں بظاہر ایران کو نازیتی وبا سے پاک کرنے کے لیے آئی تھیں۔ انگلستان کی طرف سے عذر سیدھا سادہ تھا کہ ہمارے دشمن تمہارے علاقہ میں تمہاری ناطرفداری سے بے جا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے خلاف سازش کر رہے ہیں لیکن روس کا استدلال ہماری اس علمی بحث کے لیے دلچسپ ہے چنانچہ اس نے اسی قاچاری دور کے آزیاد رفتہ معاہدہ سے استدلال کیا

اور اپنے فعل کو کوئی معاندانہ فعل نہیں قرار دیا بلکہ دو دوست مملکتوں کے خوش دلی سے طے کیے ہوئے معاہدے کی تعمیل و نفاذ بنایا گیا۔ بہر حال نتیجہ سے سب واقف ہیں کہ ایران کے راستہ سے روس کو مطلوبہ سامان جنگ کثیر مقدار میں بھیجا جانے لگا اور بے بس ایرانی حکومت نے یہ بھی منظور کر لیا کہ اسے اس اجنبی سامان کے عبور و مرور کے سلسلہ میں چنگی کا محصول عبور (ٹرانزٹ ڈیوٹی) بھی نہ دیا جائے۔ یہ کہ ان حربیوں کی فوجیں نہ صرف حالیہ جنگ کے دوران میں بلکہ اس کے ختم ہونے کے چھ ماہ بعد تک ایران میں رہیں اور ان سب کے باوجود ایران خود مختار بھی سمجھا جائے، اور ناطرفداری بھی اس کی سالمیت رہے۔

اگرچہ ایران نے کچھ عرصہ بعد اعلان جنگ کر کے اس صورت حال کو جائز بنا لیا لیکن اس وقت تک کی حالت قانون ناطرفداری کے سلسلہ میں دلچسپی کا باعث سمجھی جا سکتی ہے۔

عراق | دوسرا واقعہ عراق کا ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد جب ترکی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی اور عراق پر برطانیہ کا انتداب قایم ہوا تو معاہدۂ صلح کی متعلقہ دفعہ کی رو سے یہ قرار پایا تھا کہ جیسے ہی اس زیر انتداب علاقہ میں اس کی قابلیت پیدا ہو جائیگی کہ اپنے آپ حکومت کر سکے تو اسے انتداب سے آزاد کر کے خود مختار مملکتوں کی سماج میں داخل کر لیا جائیگا۔ انگلستان نے عراق کی اہلیت آزادی کا صداقت نامہ اس وقت تک نہ دیا جب تک کہ عراق نے یہ اقرار نہ کر لیا کہ اس کے مکمل خود مختار ہونے کے بعد بھی وہ انگلستان کے لیے بعض اہم فوجی مراعات ملحوظ رکھے گا۔

اگرچہ بجائے خود یہ مسئلہ دلچسپ اور تحقیق طلب ہے کہ کسی متولی کا اپنے زیر ولایت شخص سے اخلاقی یا مادی دباؤ کے تحت کوئی ایسا معاہدہ کر لینا جس میں متولی کے لیے بے جا مراعات ہوں تو ایسا معاہدہ کس حد تک قابل پابندی ہے، لیکن ہمیں یہاں نفس معاہدہ سے بحث ہے جو نہ صرف حالت امن میں ہوا اور شایع کیا گیا بلکہ اسے مجلس اقوام میں رجسٹر بھی کرا لیا گیا۔ گویا عدم اعتراض کے ذریعہ سے متمدن دنیا میں اجماع آراء کے ذریعہ سے اس معاہدہ کے اصول کو درست تسلیم کر لیا گیا۔ بہر حال اس معاہدہ میں یہ طے کیا گیا کہ عراق کے پایہ تخت کے قریب ایک بڑا ہوائی مرکز قایم کرنے کی انگلستان کو مستقل اجازت حاصل ہوگی۔ اور انگریزی فوجوں کو عراق کی سرزمین سے دوستانہ گذرنے کی ہر وقت اجازت رہے گی۔ اسی طرح بندرگاہ بصرہ کے استعمال کے متعلق بعض رعایتیں منظور کی گئیں۔ یہ شرطیں اس

صورت میں کوئی پیچیدگی پیدا نہیں کرسکتی تھی جب عراق بھی انگلستان کے دوش بدوش جنگ میں شریک رہے۔ لیکن اگر کسی وقت عراق کی ناطرفداری کے باوجود انگلستان کو جنگ میں گھسیٹ لیا گیا ہو اور وہ ان شرائط کی تکمیل پر اصرار کرے تو قانون بین الممالک کے مذکورہ بنیادی اصول پر زد پڑتی ہے کیونکہ انگریزی فوجیں اگر عراق سے گذر سکیں اور انگریزی ہوائی فوج کا مستقر عراقی سرزمین میں قائم رہے نیز عراقی وسائل حمل ونقل حربی انگلستان کے تصرف میں آجائیں تو وہ سرزمین جنگ کس طرح عراق کی ناطرفداری کے دعوے کو مطابق واقعہ تسلیم کرسکتا ہے جب کہ قول و فعل میں تضاد ہو؟ بہرحال یہ معاہدہ ہوا اور حالیہ جنگ کے دوران میں عراق کی ناطرفداری نے دنیا کو بتادیا کہ پرانا قانون ناطرفداری اب باقی نہیں ہے۔

اس کے بعد کے واقعات سے ہمیں کوئی زیادہ بحث نہیں ہے کہ کس طرح عراق نے اپنی ناطرفداری کو پرانے قاعدے کے مطابق بنانے کی کوشش کی اور کس طرح وہ پہلے سے زیادہ جکڑنے والی بندشوں سے گھیر لیا گیا۔ اسی طرح جب کچھ عرصہ بعد عراق نے بھی محوریوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تو پرانے قواعد کی خلاف ورزی ختم تو ہوگئی لیکن نظیر منسوخ ہو سکی۔

<u>مصر</u> ۱۹۱۴ء کی جنگ میں انگلستان نے مصر کو ترکی سے چھین کر اپنے سے الحاق کرلیا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں اس کی خودمختاری تسلیم کرلی گئی لیکن چند شرائط کے تحت جن میں سے ایک یہ تھی کہ نہر سویز کی حفاظت کے لیے انگریزی فوجیں مصر میں رہیں گی نیز دیگر شرائط طے کیے گئے۔ طویل کشمکش کے بعد انگریزی گرفت کم کرانے میں کامیابی حاصل ہوئی اور طے ہوا کہ انگریزی فوج کا مصر میں رہنا دائمی نہیں بلکہ صرف اس وقت تک کے لیے ہوگا جب تک کہ خود مصر نہر سویز کی مدافعت کے قابل نہ ہو جائے۔ بعد ازاں انگلستان اور مصر میں ایک جنگی حلیفی ہوئی جس کے تحت یہ قرار دیا گیا کہ اگر انگلستان شریک جنگ ہو تو اسے مصر کی سرزمین سے جنگی استفادہ کرنے کا پورا حق حاصل رہے گا اور مصر کے وسائل حمل ونقل انگلستان کو سہولت بہم پہونچانے کے لیے کوشش کریں گے۔ یہ تمام معاہدے بھی حالت امن کے تھے اور ان کو بھی علی الاعلان طے کیا گیا تھا۔ اگر انگلستان کے ساتھ مصر بھی رفیق جنگ ہو جاتا تو کوئی خاص پیچیدگی پیدا نہ ہوتی۔ لیکن حالیہ جنگ میں مصر نے ناطرفدار رہنا ہی بہتر خیال کیا اور اب تک بھی ناطرفدار ہی ہے۔ اس کے باوجود اس کی ناطرفدار سرزمین سے ایک فریق جنگ کا پورا پورا استفادہ کرنا قابل غور ہے۔ انگلستان کے ساتھ ان مراعات کا روا رکھنا مصر کی حد تک رعایت یا طرفداری سے کہیں زیادہ معاہدہ کی

دفادارانہ تعمیل ہے۔ قانون بین الممالک کی عمداً خلاف ورزی بالکل مقصود نہیں۔
یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایسی صورتوں میں جب کہ ایک فریق جنگ کو کسی ناطرفدار علاقہ سے اتنا زیادہ فائدہ حاصل ہورہا ہو تو دوسرا فریق جنگ اس انتہائی طرفدارانہ ناطرفداری کا کس حد تک احترام ملحوظ رکھے گا۔ یہ بالکلیہ اس کی مرضی پر منحصر ہوگا اور غالباً اس کا بس چلے تو وہ اس طرح کے سلوک کو ناطرفداری تسلیم کرنے سے قطعی انکار کرکے اس ناطرفدار علاقہ کو دشمن علاقہ ہی قرار دیگا۔
حالیہ جنگ میں یہ عجیب وغریب صورت حال پیدا ہوئی کہ ایک فریق جنگ کی فوج جو مصر کے ناطرفدار علاقہ میں تھی اور دوسرے دشمن پر وار کرنے کی تیاریوں میں روز افزوں منہمک تھی تو دوسرے فریق جنگ نے اپنے دشمن کی فوج کے تعاقب اور ایسے ناطرفدار علاقہ سے نکال باہر کرنے کے لیے بھی جدوجہد شروع کی چنانچہ ناطرفدار علاقہ میں وہ بہت دور تک گھس بھی آیا اور وہاں اپنا فوجی تسلط بھی قایم کیا اور مصر کی سرزمین پر اپنے حریف مقابل کے فوجی مرکزوں کو تباہ کرنے کے لیے بمباری بھی کی چنانچہ سرحد کی فوجی چوکیوں اور استحکاموں پر ہی نہیں بلکہ اسکندریہ اور قاہرہ پر بھی محوری طیاروں نے بم برسائے جس سے ناطرفدار مصری رعایا کو کافی جانی اور مالی نقصان ہوا۔
مصری حکومت نے احتجاج کیا اور ہرجانہ کا مطالبہ اور مناسب کارروائی کا حق بھی محفوظ رکھا اور خود اپنی سرزمین پر اجنبی فوجی پیش قدمی کے خلاف کوئی حرکت نہ کی اور نہ مقابلہ کے لیے اپنی فوج کو بڑھایا بلکہ ناطرفدار ہی رہا اور تادم تحریر وہ ناطرفداری پر قایم ہے۔ اگرچہ ایک حربی یعنی انگلستان کے لیے اس کی رعایتوں کا سلسلہ غیر منقطع طور سے جاری رہا۔

ترکی | اب تک جن تین ممالک کا ذکر ہوا ان کے معاہدے واقعات کی کسوٹی پر گھسے اور آزمائے جاچکے ہیں لیکن ترکی کا مندرجہ ذیل معاہدہ ابھی تک صرف علمی دلچسپی کا حامل ہے۔
۱۹۳۹ء کے اواخر میں انگلستان فرانس اور ترکی نے ایک سہ گانہ معاہدہ کیا کہ اگر ترکی پر کوئی مملکت حملہ آور ہو تو انگلستان اور فرانس اس کی ممکنہ مدد کریں گے۔ اور اگر بالفرض بحر متوسط میں جنگ چھڑ جائے جس میں انگلستان اور فرانس شریک ہوں تو ترکی ان کی کامل مدد کریگا بجز اس کے کہ ترکی حکومت روس سے کبھی اسلحہ آزمائی نہ کریگی۔

سلہ۔ قانون بین الممالک کا تازہ ترقیاں اور تحقیقاتیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

اب فرض کیجیے کہ اواخر ۱۹۳۹ء کے توقعات کے مطابق اگر روس اور جرمنی مشرقی بحر متوسط میں جنگ چھیڑ دیتے تو ترکی فوجیں جرمنوں سے لڑتیں اور روسیوں سے نہیں اور غالباً انگلستان اور فرانس کی فوجیں ترکی سرزمین میں آزادانہ گردش کریں اور وہاں سے جرمن محاذ پر بھی جاتیں اور روسی محاذ پر بھی اور اگر کسی محاذ پر روسی اور جرمن مخلوط فوج ہوتی تو ترکی سپاہی اپنی بندوقوں اور توپوں کے گولوں کو یہ حکم دے کر چھوڑتا کہ خبردار روسی سپاہی کو ہرگز نہ چھونا اور جرمن کو جہنم واصل کر دینا۔ یہ کس حد تک ممکن ہوتا اور روسی حکومت ترکی کے اپنے علاقہ میں روس سے برسر جنگ انگلستان اور فرانس کی فوجوں کو جنگی کارروائیوں کی اجازت دینے کے باوجود کس حد تک ترکی کو اپنے لیے غیر جانبدار سمجھتی۔ یہ ایسے مسائل ہیں جو علمی دلچسپی اور دل بہلائی کے سوا کوئی خاص وقعت نہیں رکھتے ہیں۔ اور اب بظاہر اس معاہدہ کے نفاذ کا امکان بھی نہیں ہے کیونکہ اس سہ گانہ معاہدہ کا ایک اہم فریق یعنی فرانس لڑائی سے باہر ہو چکا ہے گو انگلستان و ترکی کی دوگانہ ذمہ داری لفظاً باقی ضرور ہے[1]

ناطرفدار تجارت پر پابندیاں | پرانے زمانہ میں یوروپ میں قاعدہ تھا کہ فریقین جنگ میں سے ہر ایک اپنے حریف کو نقصان پہنچانے کے لیے ناطرفدار ممالک کی تجارت کو بھی حریف مقابل کے ملک سے جبراً بند کر دیتا۔

حالیہ زمانہ میں بین الممالک سماج کا ہر فرد دوسرے فرد سے کچھ نہ کچھ احتیاج رکھنے لگا ہے اور یہ باہمی احتیاج ان ممالک کو مجبور کرتی ہے کہ عارضی منفعتوں کی خاطر دیگر مستقل نقصانات نہ کرلیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناطرفدار تجارت کو جو حربی ممالک سے ہوتی ہے جنگ کے زمانہ میں ضروری پابندیوں کے ساتھ جاری رہنے دیا جاتا ہے۔ لیکن حالیہ زمانہ کی جنگوں کی ہمہ گیری پھر قرون مظلمہ کی وحشت ہی کو دوبارہ زندہ کرتی جارہی ہے۔

موجودہ جنگ کے آغاز پر جرمنی کی مقناطیسی سرنگوں سے انگلستان اور فرانس کا بے پناہ نقصان ہونے لگا تو ان دونوں نے وزارتی حکم (آرڈر ان کونسل) کے ذریعہ سے یہ اعلان شایع کیا کہ دشمن کے ملک سے چلا ہوا سامان قابل ضبطی و تباہی ہے چاہے کسی ناطرفدار ملک نے اس کی قیمت بھی کیوں نہ ادا کر دی ہو اور اپنے ناطرفدار

---

[1] لندن ٹائمز ۲۰ر اکتوبر ۱۹۳۹ء میں اس معاہدہ کا متن چھپا ہے۔

جہازوں پر بار کرکے ہی کیوں نہ لے جارہا ہو۔ منشا یہ تھا کہ جرمنی کی خارجہ تجارت کو دھکا لگنے سے اس کی معاشی قوت متاثر ہو جائیگی اور جنگ جرمنی کے خلاف جلد تر طے ہو سکے گی۔ یہاں ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ پورے براعظم یورپ کے کھلے رہنے کے باعث محض بحری تجارت کے کم ہو جانے سے جرمنی کو کوئی بڑا نقصان نہیں ہو سکتا تھا یہاں ہم صرف اس قاعدے ہی سے بحث کر رہے ہیں۔ یہ اپنی نوعیت کا نہایت ہمہ گیر حکم تھا جس نے ناطرفدار تجارت کو قرون متوسط کے بعد بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ اس حکم کی مکمل تعمیل نہ تو کرائی گئی اور نہ ہی ممکن تھی چنانچہ ایک نہ وقت بوقت رعایتیں منظور کی جانے لگیں اور مثال کے طور پر امریکہ نے جب کچھ دوائیں، عینکیں، دوربینیں اور اسی طرح کی کچھ ضروری چیزیں جرمنی سے خریدلیں تو خصوصی راہ گزر اس امریکی سامان کے لیے عطا کر دیا گیا۔ یا مثلاً ترکی کے لیے چند جنگی جہازوں کی جرمن کارخانوں کو فرمایش دی گئی تھی اور ترکوں کو خصوصی اجازت نامہ دیا گیا کہ اگر ترکی جہاز ران یا اُن کا عملہ جرمنی پہنچے اور ان جہازوں کو مکمل طور پر اپنی نگرانی میں لے لے اور ان جہازوں پر کوئی جرمن بھی رہنے نہ پائے اور وہی ان جہازوں کو چلاتے ہوئے جرمنی سے لے جائیں تو ان کو روکا نہیں جائے گا۔

اسی طرح جب تک اٹلی ناطرفدار رہا تو وہ اس زد میں آتا رہا ہے۔ کوئلہ کی قلت کے باعث جرمنی سے اطالوی جہاز کوئلہ خرید کر اٹلی لے جاتے تھے اور ریل کے مقابلہ میں یہ چکردار بحری سفر ہی سستا ہوتا تھا۔ اطالوی حکومت نے انگریزی اور فرانسیسی حکومتوں کے مذکورۂ بالا وزارتی حکم کی کوئی پروا نہیں کی۔ اس پر اطالوی جہاز جو جرمنی سے کوئلہ لا رہے تھے انہیں انگریزی جہازوں نے پکڑا اور ان کو روک رکھا۔

چونکہ اٹلی کی ناطرفداری بہر حال مفید و مطلوب تھی اس لیے اٹلی سے صرف یہ اقرار لیا گیا کہ آئندہ مذکورہ حکم کی خلاف ورزی نہیں کیجائیگی۔ اور ان جہازوں کو رہا کر دیا گیا اور برائے نام توجیہ کے لیے یہ کہا گیا کہ اطالوی حکومت نے یہ بیان کیا تھا کہ مذکورہ حکم کے ٹھیک ٹھیک اثرات اسے معلوم نہ تھے اور اسے اس حکم کے مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی تھی اور یہ کہ یہ عذر قابل پذیرائی ہے۔ کم و بیش اسی زمانہ میں جاپانی حکومت نے مذکورہ بالا وزارتی حکم پر احتجاج کیا اور کہا کہ اس کا فلاں جہاز جرمنی سے سامان بار کرکے

جا پان جا رہا ہے اور نہ وہ عمداً اس حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور یہ کہ اسے جاپان ایک آزمائشی مقام بنانا چاہتا ہے۔ بظاہر انگریزی یا فرانسیسی جنگی جہازوں نے اس جاپانی جہاز کو واقعتہً یا عمداً سمندر پر نہ پایا کیونکہ پھر اس کے متعلق کچھ سننے میں نہیں آیا ہے۔

یہ تو وہ مثالیں تھیں جن میں اس وزارتی حکم کی تعمیل عمداً نہیں کرائی گئی اب اس سے کچھ بحث کی جاسکتی ہے کہ اس کی تعمیل ممکن بھی نہ تھی اور اس سلسلہ میں ہمیں بحری ناکہ بندی اور "نادی سرٹ" اجازت ناموں کے نظام سے سابقہ پڑتا ہے۔

بحری ناکہ بندی اور نادی سرٹ اجازت ناموں کا نظام | پرانا قاعدہ یہ ہے کہ ایک فریق جنگ اپنے حریف مقابل کی کسی معینہ بندرگاہ یا محدود رقبہ کی ناکہ بندی کا اعلان کرسکتا ہے اور حکم دے سکتا ہے کہ کوئی ناطرفداران حدود کے اندر نہ تو جائے اور نہ وہاں سے باہر نکلے۔ اور درسی کتابوں میں یہ ذکر ملتا ہے کہ اس طرح کا رقبہ اتنا ہونا چاہیئے کہ ناکہ بندی کرنے والے ملک کی بحری قوت واقعی طور پر اس کی تعمیل کراسکتی ہو ورنہ ناکہ بندی کا کاغذی حکم بے سود ہے اور ناطرفدار ممالک اس کی عمداً بھی خلاف ورزی کریں تو کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں آبدوزوں کی مدد سے جرمنی نے جزائر برطانیہ کے چاروں طرف کے سمندر کو ممنوعہ رقبہ قرار دیدیا تھا اور خلاف ورزی کرنے والے ناطرفدار جہازوں کو بے تامل ڈبونا شروع کیا تھا۔ اس پر بڑا سخت احتجاج کیا گیا تھا۔ یوں بھی آبدوز شکن ہتھیاروں کا استعمال اس واقعی قوت کا بڑی حد تک خاتمہ کردیتا ہے۔

اگر رقبہ بہت بڑا ہو تو یہ ناممکن ہے کہ بڑی سے بڑی بحری قوت جو طیاروں، جنگی جہازوں اور آبدوزوں کے مکمل ارتباط سے ناکہ بندی کے اعلان کے نفاذ میں مصروف ہو اس سے بھی یہ ممکن نہیں کہ سو فیصد اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکے۔ رات کی تاریکیاں، سمندر کے طوفان، اور رقبہ کی وسعت کے باعث چوکسی کرنے والوں کے درمیانی فصل میں سے بچ کر نکل جانے کے امکانات کی وجہ سے ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم ہی نے بحری ناکہ بندی کو بے سود ثابت کردیا تھا۔

مزید برآں کسی بڑے ملک کو جانے والے ناطرفدار جہاز اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی مکمل جھڑتی لینا اور اس پر بار کیے ہوئے ہر ایک سامان کو کھول کر تنقیح کرنا ناقابل برداشت محنت اور وقت کو ضایع کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ جنگ کے

آخری (جنگ) میں برطانیہ نے یہ طریقہ رائج کر دیا تھا کہ اگر ناطرفدار ممالک سے چلنے والے جہاز چلنے سے پہلے مقامی انگریز قونصل سے اجازت نامہ حاصل کر لیں کہ جہاز کی تنقیح کی گئی اور اطمینان حاصل کر لیا گیا ہے کہ اس میں ممنوعات بار نہیں ہیں تو ایسا اجازت نامہ کھلے سمندر پر انگریزی جہازوں سے مدبھیڑ ہونے والے ناطرفدار تجارتی جہاز کو امان اور راہ گذر کا مترادف قرار پاتا ہے۔ ایسے اجازت نامے نادی سرٹ کہلاتے ہیں۔ حالیہ جنگ میں بحر منجمد شمالی سے لیکر جنوب مشرقی یوروپ تک ہزاروں میل طویل ساحل جرمنی کے زیر اثر رہا ہے۔ اور انگلستان ہی کیا تمام دنیا کی مجتمعہ بحری قوت بھی اس طویل ساحل کی بحری ناکہ بندی میں کامیاب طور سے لینے میں قاصر رہے گی۔ اسی لیے نادی سرٹ اجازت ناموں کا انتظام جو اصل میں ایک طرح سے دکھاوا اور اپنی بے بسی کا مہذب اعتراف ہے، پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا گیا ہے۔

یوں بھی یوروپ میں بعض ناطرفدار ممالک کچھ ساحل رکھتے ہیں چنانچہ ترکی پرتگال اسپین وغیرہ کو دیگر ناطرفدار ممالک سے جو سامان جاتا ہے اس میں زیادہ رکاوٹ نہیں ڈالی جا سکتی۔ جنگ کے باعث بڑھتی ہوئی قیمتیں ان ناطرفدار یوروپی ممالک کو باسانی اس پر آمادہ کر سکتی ہیں کہ اپنے لیے درآمد کیا ہوا سامان منفعت کی خاطر کسی حربی ملک کو مکرر برآمد کر دیں۔

اس کے سوا بحری ناکہ بندی انتہائی مکمل حالت میں بھی صرف کسی جزیرہ کے خلاف موثر ہو سکتی ہے۔ جرمنی جیسے ملک کے لیے جس کا تعلق روس کے جنگ میں شریک ہونے سے پہلے تک تقریباً پورے یوروپ اور پورے ایشیا سے خشکی کی راہ تھا، محض بحری ناکہ بندی کوئی خاص اثر نہیں ڈال سکتی تھی۔ یہی وجوہ ہونگے کہ ۳۱ جولائی ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز نے ایک اداریہ لکھا تھا کہ پرانے طریقہ کی ناکہ بندی میں اب کوئی فائدہ نہ رہا۔ اس بارے میں ایک اور نکتہ یہ قابل ذکر ہے کہ ہوائی قوت کے وجود نے جنگی جہازوں اور آبدوزوں کے ذریعہ سے کسی مقام کی واقعی اور مستقل ناکہ بندی کو بھی ناممکن بنا دیا ہے اور ناکہ بندی کرنے والے خود ہوائی حملوں سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ناطرفدار ممالک کا حربیوں کو سہولتیں مہیا کرنا

اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ متحدین اور محوریوں کے دوست ناطرفداری کے زمانہ میں کس کس طور سے ناطرفدارانہ طرفداری دکھاتے رہے اس کا تتمہ یوں ہوتا ہے کہ امریکہ وغیرہ اپنی ناطرفداری کے اختتام پر جب جنگ میں شریک ہو جاتے ہیں تو

بعض دیگر ناطرفدار ممالک سے بھی وہ مختلف اثرات کے ذریعہ سے اپنے حق میں ایسی ہی رعایتیں چاہتے ہیں اور تاریخ ناطرفداری میں پہلی مرتبہ بعض رواج پھیلتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں پرتگال کی ناطرفدار حکومت نے اپنے مقبوضہ جزائر آزور کی گودیوں وغیرہ کا استعمال دوران جنگ کے لیے متحدین کے جہازوں کو عطا کردیا۔ غالباً اس کے معاوضہ میں پرتگال کو کچھ رعایتیں اور منفعتیں حاصل ہوئی ہونگیں۔ اسی کے مماثل دوسرا واقعہ لائبیریا کی جمہوریت کا ہے۔ اس نے امریکہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا کہ امریکہ وقت ضرورت لائبیریا کی حفاظت میں مدد دے۔ اور اس کے معاوضہ میں لائبیریا کی بندرگاہیں امریکی جہازوں کے لیے دوران جنگ میں کھلی رہیں۔ ۱۹۴۴ء کے آغاز پر لائبیریا نے محوریوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا لیکن پرتگال تادم تحریر ناطرفداری کا دعویدار ہے۔

اسپین کا رجحان متحدین کے برخلاف ہے۔ اس کے تعلقات محوریوں کے ساتھ زیادہ دوستانہ ہیں۔ اسپین میں پٹرول نہیں ہوتا ہے۔ ۱۹۴۴ء کے آغاز پر امریکہ نے اپنے آپ کو قوی پایا۔ یہاں تک کہ اس نے یہ طے کیا کہ اپنی قوت کے بل پر اسپین پر سختی کی جائے۔ چنانچہ اسپین کو جانے والی پٹرول کی درآمدوں کی یک لخت مانعت کردی گئی۔ اس کا بظاہر کافی اثر ہوا اور اسپین کی طرفدارانہ ناطرفداری گھٹ کر عملاً کمل ناطرفداری کی صورت اب اختیار کرنے لگی ہے۔

میرا اپنا یہ خیال ہے کہ اپنے ناطرفدار علاقے کے استعمال کا حق کسی حربی کو دینا کوئی نیا قاعدہ نہیں بن رہا ہے بلکہ ضرورت کے باعث حسب موقع اس کی خلاف ورزی کی جارہی ہے اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ترکی اور متحدین کی خاصی گہری دوستی کے باوجود جب ۱۹۴۴ء کے آغاز پر متحدین نے ترکی سے یہ مطالبہ کیا کہ پرتگال اور لائبیریا کی طرح وہ بھی اپنے علاقہ کے ہوائی مرکز متحدین کو مستعار دیدے جہاں سے جرمنی پر کافی موثر حملے کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن ترکی نے اس مطالبے سے صاف انکار کردیا اور اپنی مکمل ناطرفداری کو برقرار رکھا ہے۔

ترکی کا استدلال یہ تھا کہ یہ چیز ناطرفداری کے خلاف ہوتی ہے اور وہ یا تو شریک جنگ نہ ہوگا اور اپنی ناطرفداری کی پوری پابندی کریگا یا جنگ میں شریک ہوگا اور کھلم کھلا مقابلہ کریگا۔ اس کے بین بین حالت جو نافذالوقت قانون کے خلاف ہے اسے کسی طرح منظور نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مستعار اور کرایہ پر دینے کے نظام کے تحت امریکہ نے ترکی کو کچھ نہ کچھ فوجی سامان

[redacted]

مہیا کیا ہے ۔ لیکن ترکی حکومت نے یہ صاف ظاہر کر دیا کہ وہ اگر لڑے تو اپنے سپاہیوں کے ذریعہ سے خود لڑیگا اور یہ نہیں کہ ترکی حکومت ما تحتانہ تماش بینی کرتی ہوئی جنگ میں شریک ہو اور متحدین کی فوجیں اپنا سامان خود لاکر اپنے دشمنوں سے لڑنے کے لیے ترکی سرزمین کا استعمال کریں اور یہ کہ ترکی کو مطلوبہ سامان جنگ مہیا کر دیا جائے تو وہ اپنے ہی سپاہیوں کے ذریعہ سے اس سامان سے مدد لیکر متحدین کی مدد کرنے کے لیے آمادہ ہے ۔

بظاہر ترکی روش ہی بہتر قانون کی نشان دہی کرتی ہے ۔

جزئی ناطرفداری اور جزئی شرکت جنگ | حالیہ جنگ کا یہ سب سے عجیب و غریب پہلو ہے کہ اس میں جو سلطنتیں شریک ہوئی ہیں وہ دو حصوں میں منقسم ہیں ایک یہ کہ جیسا کہ اس سے پہلے ہمیشہ ہوتا رہا ہے یعنی ایک طرف کے جملہ ممالک دوسری طرف کے جملہ ممالک سے فرداً فرداً اور مشترکاً برسر جنگ ہیں ۔

پرانے قاعدے کو قانونی ریاضیات کے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ دوست کا دوست دوست ہوتا تھا ۔ دوست کا دشمن دشمن ہوتا تھا ۔ اور دشمن کا دشمن دوست ہوتا تھا ۔

لیکن حالیہ قاعدہ اس ریاضیاتی مساوات کو تسلیم نہیں کرتا ۔ اب یہ قطعاً کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہے کہ دوست کا دوست دوست ہی ہو یا دشمن کا دوست دشمن ہی ہو ۔ بلکہ ہر ایک ممکنہ صورت واقعۃً موجود ہے ۔ مثال کے طور پر ۱۹۳۹ء کے اواخر میں جب روس نے پولستان پر حملہ کر دیا اور اس بارے میں جرمنی کا رفیق جنگ بن گیا تو جرمنی سے لڑنے والے ممالک یعنی فرانس انگلستان وغیرہ نے روس کی حد تک غیر جانبداری رکھی باوجودیکہ ان ممالک کے رفیق اور حلیف جنگ پولستان پر روس حملہ آور تھا ۔

کچھ دنوں بعد جب اٹلی اور یونان میں جنگ چھڑی تو کافی طویل عرصہ تک جرمنی اور یونان میں دوستانہ تعلقات رہے ۔ اور یونان کا سفیر برلن میں اور جرمنی کا سفیر ایتھنز میں برابر متعین رہے ۔ حالانکہ اٹلی اور جرمنی ایک طرف سے شریک جنگ تھے اور یونان پر انھیں محوری حریفوں میں سے ایک نے حملہ کیا تھا ۔

اسی طرح جاپان اور چین میں جنگ جاری رہی اور جاپان نے جرمنی کے حریفوں پر اعلان جنگ کیا تو بھی عرصہ دراز تک جرمنی اور چین کے دوستانہ تعلقات برقرار رہے ۔ اور چین اور جاپان کی جنگ میں جرمنی ناطرفدار رہا گو بعد میں چین نے خود ہی جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ۔

ایک اور مثال عراق کی ہے اس نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ تو کر دیا لیکن اٹلی کے

خلاف اعلان جنگ کرنا اسے ضروری معلوم نہیں ہوا۔

خود ان سطور کے لکھنے کے وقت فنلینڈ اور روس برسر جنگ ہیں لیکن امریکہ اس حد تک جنگ سے خارج ہے چنانچہ فنلینڈ اور امریکہ کے دوستانہ تعلقات برقرار ہیں۔

بلغاریہ متحدین کے ساتھ برسر جنگ ہے لیکن روس ان کی جنگ میں پوری طرح ناطرفدار ہے اور روس کے دوستانہ تعلقات بلغاریہ کے ساتھ اتنے گہرے ہیں کہ ایک دوسرے کے سفیروں کے تبادلہ ہونے کے علاوہ ۱۹۴۴ء کے آغاز پر ان میں تجارتی معاہدہ کی اطلاعیں شائع ہوئی ہیں۔

خود جرمنی اور روس کی زندگی و موت کی کشمکش ہیں جرمنی کا یار غار جاپان پوری طرح ناطرفدار ہے اور اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ وہ اپنی اس حیثیت کو سالہا سال گذرنے کے باوجود بدلنے پر آمادہ ہو اگرچہ اس کے باعث جرمنی کے لیے مشکلات میں شدید تر اضافہ ہوگیا ہے۔

غالباً حالیہ جنگ کا سب سے دلچسپ پہلو یہی ہے اور کوئی تعجب نہیں جو زمانہ آئندہ میں یہ مزید وسعت اختیار کر حق امان پناہ یہ پرانے زمانہ سے قانون شہامت Chevalry چلا آرہا ہے اور سیاسی پناہ گزیں کو اس کے دشمنوں کے تحویل میں نہ دیے جانے کا اصول مسلم ہے۔ تحویل ملزمین صرف غیر سیاسی جرایم کے متعلق ہی ہو سکتی ہے۔

۱۹۴۳ء کے اواخر میں صدر جمہوریہ امریکہ کی طرف سے ایک یادداشت ناطرفدار ممالک کے نام گشت کرائی گئی جس کی انگلستان نے بھی تائید کی۔ اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ محوری ارباب حکومت انسانیت کے خلاف گھناونے جرایم کے مرتکب ہو چکے ہیں اس لیے ان کی شکایت پر اگر وہ بھاگ کر کہیں پناہ لینا چاہیں تو ناطرفدار ممالک کے لیے مناسب یہ ہوگا کہ انھیں پناہ نہ دیں اور اس طرح ان گھناونے جرایم کے ساتھ اپنی عدم ہمدردی کا ثبوت دیں۔ اور مقصد یہ بتایا گیا کہ محوری ارباب حکومت پر مقدمہ چلایا جائے اور انھیں سزا دی جاسکے۔ بظاہر کسی بھی ملک نے اس کا جواب صراحت کے ساتھ اثبات میں نہ دیا۔ ترکی کی حکومت ہی اس کی اخلاقی جرأت رکھتی تھی کہ اس کو قوت اور صراحت کے ساتھ رد کر دے۔ اس نے اس بات سے قطعی انکار کیا کہ اگر اس کے یہاں کوئی پناہ گزینی کے لیے آئے تو وہ پناہ دینے کے اپنے حق کو استعمال کرنے میں آزاد نہ رہے۔ چونکہ یہ ابھی قبل از وقت ہے اس لیے متحدین کی طرف سے کوئی اصرار بھی غالباً نہیں کیا جارہا ہے۔ ۱۹۱۸ء کی جنگ کے اختتام پر قیصر ولہلم کی حوالگی کا بھی فاتحوں نے مطالبہ کیا تھا لیکن ہالینڈ کی پناہ دہندہ حکومت نے تحویل سے قطعی انکار کیا تھا۔ فتح حاصل ہو چکنے پر خود ہی محوری علاقوں میں انقلاب ہو جائیگا اور وہاں فاتح من مانے انتظامات عمل میں لاسکیں گے۔ دوچار

بڑے بڑے ارباب حکومت کو گرفتار کر کے اگر سزا بھی دی جائے تو وہ کسی دور دراز مقام پر نظر بندی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ نپولین کے متعلق کہا گیا تھا۔ ان ارباب حکومت کا دل شکستگی کی حالت میں کسی جگہ پناہ گزیں ہونا نظر بندی سے کہیں زیادہ ان کے لیے جانکاہ ہو سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر محوریوں کو فتح حاصل ہو تو پیشگی ان کو مجرم قرار دیدینا ان ناطرفدار ممالک کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے اور آئندہ مصیبت کا باعث بن سکتا ہے۔ اسی لیے ترکی روش ہر طرح قرین صواب بھی معلوم ہوتی ہے اور احتیاط کے مطابق بھی۔

متفرقات | قانون ناطرفداری کے سلسلہ میں آئرے (آئرلینڈ) کی حیثیت بڑی دلچسپ ہے ایک طرف تو وہ برطانوی دولت عامہ کا شریک ہے اور اس سے علیحدگی کے متعلق اپنے حق کو کام میں لانے کا وہ کوئی ارادہ نہیں رکھتا حتی کہ ۱۰ر فروری ۱۹۴۴ء کے ٹائمز آف انڈیا میں یہ خبر شایع ہوئی کہ جون ۱۹۴۲ء میں پانچ آئرستانی جو انگلستان میں تھے اس جرم میں قابل سزا قرار پائے تھے کہ انھوں نے فوجی خدمت انجام دینے کے حکم کی تعمیل نہ کی تھی۔ انگریزی قوانین کے تحت انگریزی مقبوضات کا ہر فرد جو انگلستان میں ٹھیرا ہوا ہو جنگی خدمت کی انجام دہی کے لیے طلب کیا جا سکتا ہے۔ تجویز مقدمہ کے سلسلہ میں حکام عدالت سے استدعا کی گئی کہ وہ ان آئرستانیوں کو برطانیہ میں مقیم اجنبی مستامن قرار دیں لیکن حکام عدالت نے بیان کیا کہ یہ ان کے لیے ممکن نہیں ہے کیونکہ برطانوی دولت عامہ سے حق علیحدگی کا آئرے نے استعمال نہیں کیا ہے۔ اس لیے اسے فی الحال برطانوی دولت عامہ کا ایک جز ہی قرار دیا جائیگا اور اس کے باشندے برطانوی رعایا سمجھے جائیں گے۔

۱۹۴۴ء کے آغاز میں ایک مماثل واقعہ ہندوستان کی حد تک پیش آیا۔ ایک ہندوستانی اخبار نویس کو جو انگلستان میں مقیم تھا اس بنا پر سزا دی گئی کہ اس نے بھی فوجی خدمات کی انجام دہی کے لیے نام رجسٹر کرانے کے حکم کی تعمیل نہیں کی تھی کہ اس کا یہ عذر بھی حکام عدالت نے تسلیم نہیں کیا کہ وہ اپنے ضمیر کے مطالبہ کی بنا پر جنگ میں شرکت کرنا جائز نہیں سمجھتا ہے حالانکہ یہی عذر باشندگان برطانیہ کو جنگی خدمت سے مستثنیٰ کرا دیتا ہے۔ وزیر ہند نے اس استدلال کو بھی غیر اہم قرار دیا کہ خود ہندوستان میں جنگی خدمت جبری نہیں ہے تو کسی ہندوستانی پر برطانیہ میں جنگی خدمت کا واجب کر دینا درست نہیں ہو سکتا۔

آئرے کے سلسلہ میں اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ برطانوی دولت عامہ کا رکن ہونے کے باوجود وہ حالیہ جنگ میں ناطرفدار ہے۔ اس سلسلہ میں بعض اور دلچسپ واقعات پیش آچکے ہیں مثلاً ۲ر جنوری ۱۹۴۱ء کے اخبار ہندو مدراس نے یہ اطلاع شایع کی کہ آئرے سے برآمد کیے جانے والے سامان پر نادی سرٹ کے اجازت نامے ضروری قرار دیے گئے ہیں گویا کہ وہ کوئی اجنبی ملک ہو۔ اس کا اعلان کرتے ہوئے برطانوی وزیر حرب معاشی نے بیان کیا کہ ۲۲ر جنوری سے ا بات کی ضرورت ہوگی کہ آئرے کے برآمد کنندہ نادی سرٹ کے تجارتی اجازت نامے حاصل کر لیا کریں۔ ایسے

اجازت ناموں کے بغیر جو جہاز روانہ ہوں گے وہ قابل ضبطی ہونگے حتیٰ کہ اگر کسی ناوی سرٹیفکٹ اجازت نامہ میں چند چیزوں کا ذکر ہو اور اسی جہاز پر اس کے علاوہ بھی سامان پایا جائے تو اس طرح کا زائد سامان قابل ضبطی ہو سکیگا۔

اسی طرح حکومت آئرے کے متعلق ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۰ء کے ٹائمز آف انڈیا میں ایک بڑی عبرت ناک خبر چھپی ایک برطانوی جنگی طیارہ آئرستانی سرزمین پر اُترا تو اُسے نیچے اترآنے پر مجبور کیا گیا پھر طیارہ ضبط اور طیارچی کو بالکل اسی طرح نظر بند کر دیا گیا جس طرح کسی خود مختار غیر جانبدار ملک میں برطانوی جنگی طیارہ کے متعلق ہو سکتا۔

ایک اور خبر اخباروں میں یہ شایع ہوئی تھی کہ برطانوی پارلیمان میں ایک مرتبہ یہ دریافت کیا گیا کہ آیا یہ صحیح ہے کہ آئرے کی بندرگاہوں میں جرمن آبدوز رسد اور پیٹرول حاصل کیا کرتے ہیں تو برطانوی ارباب حکومت نے اس کو جھٹلایا نہیں بلکہ صرف یہ جواب دیا کہ اس امر کی نگہداشت کہ آیا آئرے کی سرزمین سے کوئی خلاف قاعدہ و قانون استفادہ ہو رہا ہے یا نہیں خود آئرے کی حکومت کے فرایض میں داخل ہے۔

غرض برطانیہ کی طرف سے آئرے کو بعض چیزوں کی حد تک برطانوی دولت عامہ کا رکن قرار دیا جا رہا ہے اور اس رکنیت کے فرایض اس پر عاید کیے جا رہے ہیں اور بعض چیزوں کی حد تک اس کے ساتھ وہی سلوک ہو رہا ہے جو ارکان دولت عامہ نہیں بلکہ اس کے باہر کی خود مختار مملکتوں سے ناطرفداری کی صورت میں روا رکھا جا سکتا۔

آئرے کی ناطرفداری کا سب سے پر لطف تماشہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جارج ششم قانوناً آئرے کا بھی بادشاہ ہے اور وہی جارج ششم انگلستان کا بھی بادشاہ ہے۔

انگلستان کا بادشاہ جارج ششم جرمنی کے ساتھ اس جنگ میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور یہی جارج ششم آئرے کے بادشاہ کی حیثیت میں اسی جرمنی کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا ہے۔ باہم سفیروں کا تبادلہ کرتا ہے حتیٰ کہ انگلستان کے بادشاہ سے لڑنے کے لیے جانے والی جرمن آبدوزوں کو رسد اور پناہ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ قانون قدیم سے یہ تسلیم کرتا ہے کہ ایک شخص کی دو حیثیتیں ہوں تو قانوناً اسے ایک شخص نہیں بلکہ دو اشخاص سمجھنا چاہیئے مثلاً کسی نابالغ کا ولی اس نابالغ کی طرف سے جو کام کریگا وہ اپنی خانگی حیثیت سے بالکل علحدہ سمجھا جائیگا اور مثلاً اپنی خانگی حیثیت میں اس نابالغ کو کچھ چیز ہبہ کرے تو اس نابالغ کے ولی کی حیثیت سے اس ہبہ کو قبول کریگا اور یہ چیز اپنے آپ کو ہبہ کرنا یا اپنے ہی ہبہ کو قبول کرنا نہیں سمجھا جائیگا۔ لیکن اس کو منطقی انتہا تک اس جنگ ہی نے پہنچایا ہے اور تاریخ نے پہلی دفعہ یہ منطقی نتیجہ صحیح پایا کہ ایک ہی شخص اپنی دو حیثیتوں میں اپنے آپ کا جانی دشمن بھی ہو سکتا ہے۔

اس صورت حال کو کیا نام دیا جائے اس کا طے کرنا بڑا مشکل ہے۔ اور برطانوی دولت عامہ کو نہ وفاق بلکہ شخصی اتحاد بھی نہیں کہتا۔ اسے بجز نام نہاد [illegible] کے سوا کسی اور نام سے موسوم کرنا موزوں نظر نہیں آتا۔

خاتمہ۔ اب ہم شاہدات کے اس تذکرے کو ختم کرتے ہیں۔ یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا کہ حالیہ جنگ جو انسانیت کے لیے ایک عبوری دور کی نشاندہی کر رہی بھی جاری ہے اس کا قانون بین الممالک سے زیادہ صحیح مصداق کوئی اور شعبۂ حیات مشکل سے ہوگا۔ خاص کر قانون ناطرفداری کچھ اس قدر متاثر ہو چکا ہے کہ پرانے قواعد داستان پارینہ اور تاریخی دلچسپی کے سوا کوئی اہمیت رکھتے نظر نہیں آتے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پرانے قواعد ہی زیادہ معقول زیادہ بہتر اور زیادہ قابل عمل تھے اور نیا رواج جو فریقین جنگ کے یہاں یکساں طور پر نظر آ رہا ہے رجعت قہقری کے سوا کچھ اور نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور یہ نیا رواج خطرات سے اس قدر لبریز ہے کہ اس سے دنیا کو امن و چین کا حاصل ہونا قطعاً ناممکن ہے۔

فریقین جنگ اپنی فوری ضرورتوں کے باعث ان سہولتوں سے (جو محض ناجائز استفادہ بھی سمجھی جا سکتی ہیں) کام تو لے رہے ہیں لیکن اپنے سکون کے لمحہ میں غور کریں تو وہ اس میں خود اپنے لیے بھی خطرات کا انبار پائیں گے حقیقت میں لاٹھی راج نہ تو کبھی انسانی دنیا میں امن قایم کر سکتا ہے اور نہ انسانیت کے لیے کوئی شایان شان امر۔

تاریخ عالم بتاتی ہے کہ ہر کمالے را زوالے۔ تمدن و تہذیب کسی قوم کے لیے ہمیشہ کا میراث نہیں! ور جب کوئی انتہائی ترقی یافتہ قوم انسانیت کے ان ادنی فرائض یعنی معقولیت پسندی کا لحاظ رکھنا چھوڑ دے تو پھر قدرت کی طرف سے فرائض و امتیازات پر تبادلہ عمل میں آ جاتا ہے! ور انسانیت کی علمبرداری کی قسمت ایک سے لیکر دوسرے کو دیدی جاتی ہے۔ یہ دوسرا ابتداً کم اہل ہوتا ہے بڑی بڑی غلطیاں کرتا ہے لیکن اپنی نیک نیتی کے باعث منزل مقصود سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔

ایک اور چیز بھی تاریخی دروس میں شامل ہے کہ ترقی ہی نہیں بقا کے لیے بھی کشمکش کا موجود ہونا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر جب تک ہندوستان میں وجیانگر کی حکومت قایم رہی اسکی دہشت دکن کی پانچوں اسلامی مملکتوں کو جو اس زمانہ میں پائی جاتی تھیں ہر وقت مستعد رہنے، اپنے فرایض کے انجام دینے اور خانہ جنگیوں سے باز رہنے پر مجبور کرتی رہی۔ لیکن ایک مرتبہ ان پانچوں کی متحدہ قوت نے وجیانگر کو مٹا دیا، تو پھر اردو کے ایک ادبی محاورہ میں یہ پانچوں اسلامی ممالک کچھ اس طرح گھوڑے بیچ کر سوئے کہ کبھی انہیں جگنے کا موقع ہی نہیں ملا اور سر پر کھڑا سیلاب انہیں سوتے ہی میں بہالے گیا۔ یہ کہنا پیشین گوئیوں کی خطرناک دنیا میں قدم رکھنا ہوگا کہ اپنے دشمنوں کو بالکلیہ فنا کر دینے کے بعد متحدین کی حیثیت کہیں دکن کی مذکورہ اسلامی مملکتوں کی سی نہ ہو جائے۔ ابھی سے پولستانی علاقہ کے متعلق روسی بدنیتوں کا مظاہرہ مستقبل کے متعلق بدگمانیاں پیدا کر رہا ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسانیت کی علم برداری اب کی مرتبہ کسی گمنام قوم کو قدرت کی طرف سے عطا ہونی منظور ہے اور اولاد آدم میں برادرکشیوں کا یہ باعث ننگ سلسلہ کب ختم ہونے والا ہے۔

واللہ عاقبۃ الامور

فرانس میں قومی تحریک کا نشوونما (۱۸۵۲ء تا ۱۸۷۲ء)

از جناب محمد ضیاءالدین احمد صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ)

یورپ میں قومی تحریک کی ابتدا یوں تو نشاۃ ثانیہ کے بعد سے ہوتی ہے لیکن اس تحریک کو زیادہ کامیابی انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ہوئی یورپ میں سب سے پہلی مرتبہ پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں میکیاولی نے قومیت پر زور دیا اور اپنے سیاسی نظریوں سے تمام دول یورپ کو متاثر کیا۔ ایک تو اس نے سیاست کو مذہب سے علحدہ کرکے بتلایا اور دوسرے ہر ملک کے عوام الناس کو یہ تعلیم دی کہ وہ اپنے اپنے حکمرانوں کی سرکردگی میں متحد ہوکر ملک کی بھلائی و برتری کے لیے کام کریں میکیاولی کی مشہور کتاب The Prince یورپ میں اتنی مقبول عام ہوئی کہ برک کے خیال کے مطابق اس وقت ہر شہزادے کے سرہانے پائی جاتی تھی۔ گو میکیاولی نے یہ کتاب لیزر بورجیا کے لیے لکھی تھی لیکن اس سے دیگر حکمرانوں نے فائدہ اٹھایا علاوہ قومیت کے آزادی کے مسئلہ نے بھی اہمیت اختیار کرلی شروع کی چنانچہ عوام اور حکمران کے درمیان اختیارات کے لیے ایک کشمکش شروع ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ معاہدہ معاشری کے مفکرین نے زیادہ تر زور اس پر دیا کہ بادشاہ کے اختیارات عوام کے دیے ہوئے ہیں۔ لہذا مقتدر اعلی عوام ہیں نہ کہ بادشاہ۔ چنانچہ معاہدہ معاشری کے مفکرین نے جو عوام کے سیاسی خیالات کو بدلنے میں بہت بڑا حصہ لیا وہ لانگے، ہوٹو گروٹیز، اسپینوزا، بیوڈ کانن، ماریانا، ہابس، لاک، اور روسو تھے۔ انہیں مفکرین کی وہ انقلاب انگیز تحریریں تھیں جنھوں نے نہ صرف یورپ کے عوام الناس کو متاثر کیا بلکہ امریکیوں کو بھی جیسے جان آڈمس، ٹامس جفرسن، آئنکس لی اور فرنکلین جیسی ہستیاں یورپی خیالات سے متاثر ہوکر امریکی انقلاب کی پیشرو بنیں۔ جب ۱۷۷۶ء میں جنگ آزادی امریکہ کی ابتدا ہوئی تو اس جنگ میں فرانسیسی افواج نے بھی حصہ لیا۔ اور جب جنگ ختم ہونے کے بعد فرانس واپس ہوئیں تو انھوں نے بھی اس امر کی کوشش کی کہ لوئی سولھویں کی مطلق العنان و جابر حکومت کا جوا عوام کے کندھوں سے نکال پھینکدیں تراں تراک روسو کی تحریروں، امریکی انقلاب کے اثر اور لوئی سولھویں کی مطلق العنان حکومت نے تمام فرانسیسی قوم کو بےچینی کے عالم میں مبتلا کردیا تھا اور شہنشاہیت سے

نفرت ہونی شروع ہوگئی تھی یہ وہ اسباب تھے جنکے باعث ۱۷۸۹ء میں فرانس کے ان مشہور انقلابات کی ابتدا ہوتی ہے جو یورپ میں قومیت وآزادی کی روح پھونکدیتے ہیں قومیت تحریک آزادی کی ابتداء تو فرانس سے ہوتی ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے والے ممالک میں سب سے پہلے یونان اس کے بعد بلجیم اور جرمنی واطالیہ کی تحریک آزادی فرانس سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہے کیونکہ ان ممالک میں اس بات کی جدوجہد کی گئی کہ مختلف ریاستوں کے عوام کو ایک رہنما کی سرکردگی میں متحد کرکے قومیت اور تحریک آزادی کے مقصد کو حاصل کیا جائے برعکس اس کے فرانس میں بہ نسبت قومیت کے قومی آزادی کا مسئلہ بہت اہم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرانسیسوں کی ایک قوم تھی جس کا ایک حکمران تھا اور یہ بہت امن وچین کے ساتھ شاندار طور پر زندگی بسر کررہی تھی لیکن جب حکمران اور امراء نے ظلم و زیادتی کرنی شروع کی تو پھر ساری قوم متحد ہوکر قومی آزادی کے لیے اپنے حکمران کے خلاف کھڑی ہوگئی اور ”آزادی، اخوت اور مساوات کو اپنے لیے مشعل راہ بنایا اور اسی کے لیے اس کا تقریباً سو سال تک انقلابی دور سے گزرنا پڑا چنانچہ ۱۷۸۹ء سے لیکر ۱۸۱۲ء تک کئی دساتیر بنے اور ختم ہوگئے۔

۱۸۱۵ء میں نپولین بوناپارٹ کے خاتمہ کے بعد پھر بوربوں شاہی حکومت فرانس میں قایم کی گئی جس کے خلاف یہ انقلاب برپا ہوا تھا۔ لیکن چارلس دہم کی زیادتیوں کے باعث ۱۸۳۰ء میں پھر فرانس نے انقلاب کو دیکھا جس کے بعد بوربوں خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور اورلین خاندان کے ایک فرد فلپ نامی کو تخت فرانس پر بٹھایا گیا۔ پہلے پہل تو فلپ نے عوام کی دلجوئی و دلبستگی کی لیکن لوئی بلانک کی اشتراکی تحریک نے فلپ کو عوام کا مخالف بنادیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فبروری ۱۸۴۸ء میں فلپ کو تخت فرانس چھوڑکر بھاگ جانا پڑا اور دوسرا جمہوریہ پیرس میں قایم کیا گیا اور بادشاہت سے نفرت کا اظہار کیا گیا سوال یہ پیدا ہوا کہ صدر جمہوریہ کس کو بنایا جائے اس وقت فرانس میں ”نپولیانی افسون“ **Napoleonic Myth** عوام پر بہت گہرا اثر کیے ہوئے تھا اور عوام یہ چاہتے تھے کہ فرانس یورپ میں وہی جگہ حاصل کرے جو نپولین بوناپارٹ کے دور میں اس کو حاصل تھی۔ نپولین کی شاندار فتوحات کی یاد نے لفظ نپولین سے عوام میں محبت پیدا کردی تھی چنانچہ دوسرے جمہوریہ کا جو صدر بنا وہ لوئی نپولین تھا

"نپولین اعظم" کا بھتیجا تھا حالانکہ لوئی نیپولین میں وہ خصوصیات نہیں تھیں جو نپولین بوناپارٹ میں پائی جاتی تھیں اور نہ ہی اس نے کسی میدان کارزار میں اپنے جوہر دکھلائے تھے کہ فوج اس کو پسند کرے بلکہ عوام کی ایک اکثریت لوئی نیپولین کے نام سے بھی واقف نہیں تھی کیونکہ اس کی زندگی کنج عزلت میں بسر ہوئی تھی لیکن اس کے دماغ میں یہ سودا سمایا ہوا تھا کہ وہ ضرور ایک نہ ایک روز فرانس کا بادشاہ بنے گا چنانچہ فروری کے انقلاب اور "نیپولیائی افسوں" سے اس نے فائدہ اٹھایا عوام نے جب لوئی نیپولین کا نام سنا تو انہوں نے بے سوچے سمجھے نیپولین کو دوسرے جمہوریہ کی صدارت کے لیے رائیں دینی شروع کیں کیونکہ عوام کو لفظ نیپولین سے عشق ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ کہ لوئی نیپولین عوام کو بہت ساری امیدیں دلا کر دوسرے جمہوریہ کا صدر بن بیٹھا لیکن رفتہ رفتہ اپنے اثر کو بڑھانا شروع کیا اور ۱۸۵۱ء میں مجلس مشاورت Senatus Consultain نے یہ فیصلہ کر دیا کہ لوئی نیپولین کے سر پر تاج رکھا جائے اور اس کو فرانس کا شہنشاہ بنا دیا جائے اس فیصلہ کی توثیق عوام کی رائیں Plebosite لیکر کی گئی (۷۸۴۳۹۰۰۰) آرا سے لوئی نیپولین سوم کے لقب سے فرانس کا شہنشاہ بن گیا۔

لوئی نیپولین نے ۱۸۴۸ء کے دوسرے جمہوریہ کا صدر بننے سے پیشتر مختلف رسالوں

Political Reveries, 1832   Les Ideas Napoleoniennes, 1839

اور Extinction of Pauperism, 1844 میں اپنے سیاسی عقیدوں کا اظہار کیا تھا جن کا مطلب یہ تھا کہ انقلاب کے باعث فرانسیسی معاشرہ کا اس پچاس سال کے عرصے میں جو شیرازہ بکھر گیا تھا اس کو نئے سرے سے منظم کیا جائے اور آزادی و عوام کے حقوق کو ایک مقتدر کی سرکردگی میں برقرار رکھا جائے" چنانچہ ۲ دسمبر ۱۸۵۲ء کے فرانسیسی دستور کی رو سے جب وہ فرانس کا شہنشاہ بن گیا تو اس نے یہ امید دلائی کہ بیکاروں کو کام دیا جائیگا۔ اور مفلسی کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ عمومی آزادی کی بنیاد عمومیت پر رکھی گئی جیسا کہ آگسٹن کہتا ہے۔

"عیسائیت کی فتح نے غلامی کو ختم کیا فرانسیسی انقلاب کی کامیابی نے زرعی غلامی کا خاتمہ کیا اور اب عمومیت کی کامیابی مفلسی کو ختم کر دیگی" اسطرح آزادی کی بنیاد رکھی جائیگی لیکن یہ صرف ایک دکھاوے کی چیز تھی کیونکہ لوئی نیپولین نہ صرف فرانس کا شہنشاہ بننا

چاہتا تھا بلکہ نیپولیانی خاندان کے افراد کو پھر سے تخت فرانس کیلئے جائز حقدار تسلیم کروانا چاہتا تھا چنانچہ جیسے ہی اس کو پورے اختیارات حاصل ہوگئے اس نے اس امر کی کوشش کی کہ "سرخول" Reds کو جنکو وہ اپنے لیے خطرناک سمجھتا تھا اس کا قلع قمع کردینا چاہئے۔ اور اس کے لیے اس نے ایک بہترین حیلہ یہ تراشا کہ "دوبارہ امن قایم کرنے کیلئے "سرخول" کے خلاف یہ طریقہ کار اختیار کرنا پڑا کیونکہ یہ "سرخ" امن عامہ کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔

اس طرح ۲ / ڈسمبر ۱۸۵۲ء کے علان نے لوئی نیپولین کی اس حکمت عملی کو ظاہر کیا جو سنہ ۱۸۴۹ء سے بحیثیت صدر جمہوریہ کے وہ عمل پیرا ہوا تھا چنانچہ دوسری مجلس مشاورت Senatus Consultes نے عام آرا حاصل کرنے کے بعد ۲۵ / ڈسمبر ۱۸۵۲ء کو فرانس میں ایک نئی حکومت کا اعلان کیا۔ جس وقت لوئی نیپولین دوسرے جمہوریہ کا صدر بنایا گیا تھا اسی وقت اس کو "قوم کے سامنے ذمہ دار" اور فرانس کی "مطلق العنان شخصیت" بنا دیا گیا تھا اس کو خشکی اور سمندر دو افواج کی کمان حاصل تھی۔ جنگ اور امن کے اختیارات اسی میں مرکوز تھے اسی کے نام سے انصاف کیا جاتا تھا اور وہی معافی دے سکتا تھا۔ کسی قانون کو وہی پیش کرسکتا تھا حالات کے لحاظ سے اس کو وقتی قواعد و احکام صادر کرنے کا بھی اختیار تھا۔ اپنے اثر کو کام میں لاتے ہوئے وہ مقننہ میں قوانین اپنی مرضی کے مطابق پاس کرواتا تھا غرض یہ کہ اسکو نہ صرف پورے عاملانہ اختیارات حاصل تھے بلکہ اس کا اثر عدلیہ اور مقننہ دونوں پر بھی تھا۔ ۲۵ / ڈسمبر ۱۸۵۲ء کی مجلس مشاورت نے تو واضح طور پر اس کے شاہی اختیارات کی تشریح کردی اور اب وہ شخصی طور پر فرانس کا شہنشاہ تھا۔ تجارتی معاہدات اب تک مجلس مقننہ کرتی تھی لیکن اب شہنشاہ خود براہ راست دیگر ممالک سے تجارتی معاہدات کرسکتا تھا اور عوام کے مفاد کے لیے جتنے تعمیری کام تھے وہ سب اس کے اختیار میں آگئے تھے۔ سینات اور مجلس مقننہ کے اختیارات کا تعین کرنا اسی کے ہاتھ میں تھا۔ گو وزارت کے لیے موازنہ مجلس مقننہ کی اکثریت سے منظور ہوتا تھا لیکن اس موازنہ کے مصرف کے لیے مختلف عنوانات بھی قایم کرتا تھا کہ کس مد پر کتنا روپیہ خرچ کیا جائے اس طرح سے شہنشاہ ظاہرا طور پر تو قوم کے سامنے ذمہ دار گردانا گیا تھا لیکن حقیقت میں ذمہ داری کا کہیں وجود باقی نہیں تھا۔

شاہ لوئی نیپولین اپنے وزرا اور صوبہ داروں Prefects کے ذریعہ

تمام فرانس پر حکومت کرتا تھا اور یہ ایک قسم کی انتہائی مرکزیت تھی گو ۱۸۵۲ء کے دستور کے مطابق وزراء کی ایک ذمہ دار مجلس تھی لیکن حقیقت میں یہ شہنشاہ کے آلۂ کار تھے اور آگسٹن کے قول کے مطابق وہ شہنشاہ کی وفاداری کا حلف اٹھاتے تھے انھیں مجلس مقننہ سے علیحدہ کردیا گیا انمیں کا ہر ایک اپنے محکمہ میں بالکل اپنی مرضی اور شہنشاہ کے خیالات کے مطابق عمل کرتا تھا یہ وزراء تعداد میں دس تھے جو سلطنت کے مختلف محکمہ جات کے کاروبار انجام دیتے تھے اور انھیں کی رہنمائی میں حکومت کی مشنری چلائی جاتی تھی۔ ہفتہ میں کئی مرتبہ یہ شہنشاہ سے ملتے اور اپنی اپنی رپورٹیں معہ اپنے نقاط نظر کے پیش کرتے اور شہنشاہ سے احکامات حاصل کرتے تھے یہ تو مرکز میں شہنشاہ کا اختیار تھا۔

مقامی امور کو بھی مرکزی حیثیت دی گئی۔ جو صوبہ دار Prefects مقرر کیے جاتے تھے ان کو ۲۵ مارچ ۱۸۵۲ء کی رو سے پورے شاہی اختیارات حاصل تھے انھیں خاص مقامی معاملات میں قانون بنانے کا اور مختلف دفاتر میں اپنے لوگوں کو نامزد کرنے کا اختیار تھا۔ ۱۴ جون ۱۸۵۴ء کے قانون کی رو سے انھیں مدارس میں اساتذہ مقرر کرنے کا بھی اختیار حاصل ہوگیا جو پہلے ریکٹر Rector کو تھا انھیں مقامی ادارات پر پوری طرح قابو تھا خواہ تعلیمی ہوں یا زرعی امور ان میں ان کی مداخلت ضروری ہوتی تھی۔

بلدیات میں میر بلدیہ Mayor کو پورا اقتدار حاصل تھا لیکن ۱۸۵۲ء کے ستاونویں دفعہ کی رو سے نہ صرف میر بلدیات Mayor بلکہ نائب میر بلدیہ Deputy Mayor کا تقرر براہ راست عاملہ کے تحت کردیا گیا۔ علاوہ ازیں ان کا انتخاب بلدیہ کی مجلس کے اراکین میں سے ہونا کوئی ضروری نہ تھا۔

فوج کی نئے سرے سے تنظیم کی گئی پوری فوج کو شہنشاہ نے اپنے ماتحت کرلیا۔ فوج کے علاوہ پولیس کی بھی جدید طریقہ پر تنظیم عمل میں آئی اس طرح سے فرانس میں بغاوت کو تقریباً ناممکن بنادیا گیا کیونکہ پولیس کا کام یہ تھا کہ خفیہ طور پر شہنشاہ کو ان لوگوں کی رپورٹ کرے جو اس کے مخالف ہیں اور اگر بغاوت ہو بھی جائے تو اس کے کچلنے کے لیے فوج شہنشاہ کے ساتھ تھی۔

مطابع کی آزادی کو بھی مکمل طور پر سلب کرلیا گیا مطابع پر پولیس کی نگرانی رکھی گئی اخبارات پر یہ پابندی عائد کی گئی کہ کسی مضمون کو اخبار میں شایع کرنے سے پیشتر اس مضمون کی

اشاعت کے لیے حکومت سے اجازت لیں۔ علاوہ ازیں اخبارات کی ضمانت کی رقم بھی دگنی کردی گئی۔ چنانچہ پیرس میں اس کی رقم (۵۰۰۰۰) فرانک تھی۔ اسٹامپ ڈیوٹی میں بھی دگنا اضافہ کیا گیا۔ کسی اخبار کے اجرا کے لیے قبل از قبل حکومت سے اس کی اجازت لینا ضروری رکھا گیا۔ اخبارات کے عملہ میں بغیر وزیر داخلہ کی رضامندی کے کسی قسم کی تبدیلی نہیں کیجا سکتی تھی وزیر داخلہ کو یہ اختیار تھا کہ اخبار کے مدیر کو اس کے فرائض سے سبکدوش کردے جو اخبار حکومت کے خلاف کچھ کہہ دیتا تو اس کا مقدمہ عام عدالتوں میں نہیں جاتا تھا بلکہ پولیس کی عدالت میں اسکی سماعت ہوتی تھی۔ جہاں سختی کے ساتھ پولیس کارروائی اختیار کرتی تاکہ دوسری مرتبہ پھر اس قسم کے جرم کے مرتکب نہ ہونے پائیں شہنشاہ پورا اختیار رکھتا کہ اگر کسی اخبار کو حکومت کے خلاف پائے یا اس کو امن عامہ میں مخل ہوتا دیکھے تو فوراً اپنے اخبار Bulletin des Lois میں ایک اعلان کے ذریعہ اس اخبار کو بند کردے۔ مطابع کے مقدمات کے فیصلے مجلس مقننہ کی نشست اور ایسی خبریں جن کو حکومت ناپسند کرتی ہو کسی اخبار میں شایع نہیں کیجا سکتی تھیں۔

مقننہ میں شہنشاہ نے اپنا اثر اس طرح قایم کیا کہ جو انتخابات مقننہ کی رکنیت کے لیے ہوے وہ عوام کے عام انتخاب کے ذریعہ ہوتے ہر بالغ میں ایک شہری کو حق رائے دہی حاصل تھا لیکن شہنشاہ کی جانب سے بھی امیدوار رکنیت کھڑے کیے جاتے۔ شہنشاہ کے آدمیوں کو رائے دینا شہنشاہ کو رائے دینا سمجھا جاتا چنانچہ اس طرح سے مقننہ میں شہنشاہ کے کھڑے کیئے ہوئے نمایندے زیادہ تعداد میں آتے۔ نتیجہ یہ کہ مقننہ کی اکثریت وہی قوانین پاس کرتی جو شہنشاہ چاہتا اور عوام کو یہ مغالطہ تھا کہ انہیں کے بھیجے ہوئے نمایندے ہونے کے باعث وہ ایسے ہی قوانین منظور کریں گے جو اُن کے مفاد کے لیے ہوں۔ یہ ایک دھوکہ کی ٹٹی تھی جس کی آڑ میں شہنشاہ اپنی مقصد براری کررہا تھا نہ کہ عوام کی چنانچہ دستور کا لب لباب یہ تھا کہ "شہنشاہ، وزرا، مجلس مملکت، سینات اور مجلس مقننہ کے ذریعہ حکومت کرتا ہے" ظاہر ہے کہ جب یہ تینوں اختیارات ایک شخص میں مرکوز ہوں تو پھر مانٹسکو کے خیال کے مطابق ایسا حکمراں عوام کی آزادی کو ختم کردے سکتا اور عوام پر ظلم کرسکتا ہے۔ ہوا بھی یہی کہ فرانس میں آزادی کا نام ونشان تک باقی نہیں تھا یہاں تک کہ مذہبی آزادی بھی عوام سے چھین لی گئی تھی۔ مدارس میں تاریخ و فلسفہ کی ڈگریاں دینا بند کردیا گیا تھا تاکہ عوام پچھلے واقعات کو

بڑھ کر پھر کہیں آزادی کے لیے جدوجہد نہ کرنے لگیں۔

فرانس میں سینٹ سائمن کے پیرؤوں کی ایک ایسی جماعت تھی جو یہ چاہتی تھی کہ ملک کی صنعت وحرفت میں ترقی ہو اور مزدوروں کو کام فراہم کیا جائے۔ چنانچہ لوئی نپولین نے بھی اسی طرف توجہ کی Credit Foncier نے جو حکومتی بنک تھا ۱۸۵۲ء اور ۱۸۶۴ء کے درمیان اکھتر کروڑ چار لاکھ فرانک کی رقم پیرس کی نئے سرے سے تعمیر کے لیے منظور کی لیکن زرعی ترقی کے لیے صرف پانچ کروڑ سات لاکھ فرانک کی رقم قرض لی۔ شہروں کی رونق اور صنعت وحرفت پر تو حکومت نے بے دریغ روپیہ صرف کیا لیکن کاشتکاروں کے لیے بہت کم رقم دی گئی۔ لوئی نپولین نے ۱۸۵۴ء میں ایک صنعتی نمائش بھی کی جس میں دنیا کے بڑے بڑے صنعتی ممالک کے لوگوں کو دعوت دی گئی نتیجہ یہ کہ بڑے بڑے کارخانے قایم ہو جانے کے باعث مزدوروں کی ایک کثیر تعداد فرانس کے شمالی اضلاع وادی لوئیر اور آلسس میں جمع ہوگئی اور یہ اجتماع حکومت کے لیے بےچینی کا باعث ہونا شروع ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان صنعتی شہروں میں اجرتیں تو مزدوروں کی کم تھیں لیکن اشیائے خورونوش کی قیمتوں میں پچاس فیصد کا اضافہ ہوگیا۔ خاندان اورلیون کی جو ملکیت ۲۲ر جنوری ۱۸۵۲ء میں قوم کے لیے منتقل ہوگئی تھی وہ ایک کروڑ فرانک تھی اور خود شہنشاہ نے بھی گراں قدر رقم مزدوروں کی آسایش کے لیے وقف کردی۔ چونکہ مزدوروں کے مطالبات بڑھتے ہی چلے جارہے تھے اس لیے حکومت نے یہ مناسب سمجھا کہ کارخانوں پر حکومت کی خاص نگرانی ہو۔ کارخانوں کے لیے جو بورڈ ہوتا اس کے صدر کو نامزد کرنے کا اختیار حکومت نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ علاوہ ازیں ۱۸۵۴ء کے قانون کی رو سے ایک خاص لباس جس کو Livert کہتے تھے مزدوروں کے لیے رکھا گیا تاکہ پولیس کو ان کے پہچاننے میں آسانی ہو اور جب کبھی یہ حکومت کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کریں تو انہیں آسانی کے ساتھ گرفتار کیا جاسکے۔ الغرض یہ کہ مزدوروں کی تحریک کو اس طرح دبانے کی کوشش کی گئی۔

بات یہ ہے کہ شہنشاہ لوئی نپولین کے پہلے دس سال یعنی ۱۸۵۲ء سے ۱۸۶۲ء تک بڑے ہی اچھے گذرے۔ لیکن بعد کے دس سال یعنی ۱۸۶۲ء سے ۱۸۷۲ء تک اس کا عہد رعایا اور دیگر دول یورپ کے لیے بڑا ہی پریشان کن رہا اسکی وجہ یہ تھی کہ اس کی خارجی حکمت عملی ناکام رہی۔

چونکہ شہنشاہ اور ملکہ دونوں رومن کیتھولک مذہب کے حامی تھے اس لیے ان پر فرانس کے رومن کیتھولکس کا اثر بڑھا ہوا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اطالیہ کے معاملہ میں کوئی نیپولین نے پیڈمانٹ سلطنت سے پاپائی ریاستوں میں اپنی افواج بھیج مخالفت مول لی دوسرے یہ کہ میکسیکو میں اس کی مہم ناکام رہی۔ آسٹریا کو وہ اپنا جانب دار نہ بنا سکا بلکہ پرشیا سے جو اس وقت آسٹریا سے جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا ایک معاہدہ کر لیا صرف اس امید پر کہ لکسمبرگ فرانس کو ملے گا۔ یہ اس لیے کرنا پڑا کہ اس کو میکسیکو اور اطالیہ میں کامیابی نہیں ہوئی تھی اور یہ عوام میں دن بدن غیر ہر دلعزیز ہوتا جا رہا تھا چنانچہ اپنے کو ہر دلعزیز کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ کچھ نہ کچھ فرانس کے لیے حاصل کرے اور فرانس کے وقار کو برقرار رکھے۔ لیکن اس کا یہ منصوبہ بھی ناکام ہی رہا۔ بسمارک کی چالوں سے یہ بچ نہ سکا۔ جب بسمارک نے آسٹریا کو ختم کیا تو لکسمبرگ کی آزادی کا مسئلہ اہم ہوگیا۔ برطانیہ نے کہا کہ ایک کانفرنس اس سلسلہ میں لندن میں کی جائے۔ چنانچہ لندن میں بڑے بڑے دول یورپ کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں یہ طے پایا کہ لکسمبرگ سے جرمن افواج ہٹالی جائیں اور اس علاقہ کی آزادی کی ضمانت برطانیہ، جرمنی اور فرانس دے۔ لوئی نیپولین اس فیصلہ کو ماننے پر مجبور ہوا اور اس طرح سے اس کو لکسمبرگ کے معاملہ میں بھی ناکامی ہوئی۔

اس کے علاوہ اسپین کی تخت نشینی کا مسئلہ بھی حکومت فرانس کے لیے تردد کا باعث ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ اسپین کی تخت نشینی کے لیے بلجیم کے شہزادہ لیوپولڈ کو پرشیا نے نامزد کیا جب فرانسیسیوں کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے بڑی ہی لے دے کی اور لوئی نیپولین کی حکومت کو کمزور ٹھیرایا اور اس بات پر زور دیا کہ یہ چیز فرانس کے لیے ذلت کا باعث ہے۔ جب شہنشاہ نے یہ حالات دیکھے کہ ایک طرف تو مزدور اس کی حکومت کی شکایت کر رہے ہیں اور دوسری جانب پوری رعایا اس کی خارجی حکمت عملی سے نفرت کر رہی ہے تو پھر وہ مجبور ہوا کہ فوراً اسپین کی تخت نشینی کا مسئلہ حل کرے اور ضرورت ہو تو پرشیا سے جنگ کرکے پھر سے فرانس کی ساکھ کو یورپ میں قایم کرے۔ ادھر لوئی نیپولین یہ سوچ رہا تھا اور ادھر بسمارک اس موقع کی تاک میں تھا کہ ذرا بھی حیلہ ملجائے تو فرانس سے جنگ چھیڑ دے۔ چنانچہ بسمارک اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوا۔ حکومت فرانس کی جانب سے جو سفیر فریڈرک ولیم چہارم شاہ پرشیا کے پاس روانہ کیا گیا اس کے متعلق برلن کے اخبارات نے یہ خبر شایع کی کہ

شاہ پرشیا نے اس سفیر سے گفتگو کرنے سے انکار کر دیا جب حکومت فرانس کو یہ خبر پہنچی تو وہ بہت ہی چیں بہ جبیں ہوئی اور فوراً ایک ٹیلیگرام شاہ پرشیا کو کیا گیا جو بجائے بادشاہ کو ملنے کے بسمارک کو ملا بسمارک نے اس ٹیلیگرام میں نہایت چالاکی سے الفاظ کی تبدیلی کر دی جس سے ٹیلیگرام کا مقصد بالکل بدل گیا۔ نتیجہ یہ کہ سنہ ۱۸۷۰ء میں فرانس اور پرشیا میں جنگ چھڑ گئی اور ۱۸۷۱ء میں پیرس پر پرشیا کی افواج کا قبضہ ہو گیا اور اس طرح سے لوئی نیپولین کو پیرس چھوڑ کر فرار ہو جانا پڑا۔ اور ۱۸۷۵ء میں ایک نیا جمہوری دستور بنا اور شہنشاہیت کا فرانس سے بالکل خاتمہ کر دیا گیا۔

یہ تھی فرانس کی وہ تحریک آزادی جو پیرس کی قوم نے شروع کی تھی جس کا تجربہ پوری قوم نے اس شکل میں دیکھا کہ کبھی فرانس جمہوریہ میں جاتا تو کبھی شہنشاہیت میں تبدیل ہو جاتا اور آزادی کا بالکل خاتمہ کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جس وقت ۱۷۹۹ء میں جمہوریہ فرانس کا صدر نیپولین بونا پارٹ بنایا گیا تھا تو وہ ۱۸۰۴ء میں شہنشاہ بن گیا تھا اسی طرح فروری ۱۸۴۸ء کے انقلاب کے بعد لوئی نیپولین دوسرے جمہوریہ کا صدر بنایا گیا لیکن ۱۸۵۲ء میں وہ فرانس کا شہنشاہ بن گیا اس طرح سے پھر عوام کی آزادی کا خاتمہ ہوا جس کا ردعمل یہ ہوا کہ لوئی نیپولین کی انتہائی مطلق العنان حکومت کی سختی کے ساتھ عوام نے مخالفت شروع کی اور اسی شہنشاہ سے بسمارک نے فائدہ اٹھایا۔ لیکن ۱۸۷۱ء کے بعد پوری فرانسیسی قوم اس نتیجہ پر پہنچی کہ فرانس کے لیے شہنشاہیت نقصان عظیم کا باعث ہے لہٰذا ۱۸۷۱ء کے انقلاب کے بعد فرانس کا جو دستور بنایا گیا اس میں ایک دفعہ یہ بھی شامل کی گئی کہ آئندہ فرانس بادشاہت میں تبدیل نہ ہو سکیگا علاوہ ازیں پچھلے تجربے نے بتلا دیا تھا کہ جمہوریہ کے صدر کو زیادہ اختیارات دینا بیحد خطرناک تھا اس لیے صدر کو بالکل ہی بے دست و پا کر دیا یہاں تک کہ شاہ انگلستان سے بھی اس کے اختیارات کم ہو گئے۔ اس کو صرف یہ اختیار دیا گیا کہ جو قانون مقننہ کے دونوں ایوان منظور کریں اس پر دستخط کرے جو کسی قانون پر ضروری رکھی گئی۔ چنانچہ فرانسیسی جمہوریہ کے صدر کے اختیارات کی بابت ایک مشہور امریکن کا خیال ہے

"The King of England reigns but does not rule, The President of America rules but does not reign; The President of France neither rules nor reigns."

یہ تھا فرانس کا وہ صدر جو موجودہ جنگ میں فرانس کو شکست ہونے کے قبل تک فرانس پر حکومت کرتا رہا اور یہی تھی فرانس کی وہ تحریک آزادی جو طاقتور حکومت کے خلاف کامیاب رہی۔ فقط

میرے کلیاتی تجربے

از جناب مولوی محمد عبدالرحمن خاں صاحب وظیفہ یاب صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ

(۸ رجون ۱۹۴۲ء م ۱۳ امرداد ۱۳۵۱ف کو یہ تقریر نشرگاہ حیدرآباد سے نشر کی گئی تھی جو باجازت شائع کی جاتی ہے)

میرے کلیاتی تجربے کچھ تو خود کے دور طالب علمی سے متعلق ہیں اور کچھ زمانہ پروفیسری و پرنسپلی سے۔ میں آج کی تقریر میں اپنے چند ایسے تجربے بیان کروں گا جو خالص اصول تعلیم اور طلبا و ملک کے فلاح پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ جن سے معلوم ہو سکے گا کہ ایک عالم کو جب علم کی خدمت کا موقعہ ملتا ہے تو وہ کس طرح اس خدمت کو کامیاب طریقہ پر انجام دے سکتا ہے علم کا شیدائی باوجود گوناگوں مخالف عوامل کے کیونکر ماحول کو علم کی خدمت میں اپنا ہمنوا بنا سکتا ہے۔ علم کا ایک شعبہ دوسرے شعبوں کے لیے کیسے کارآمد ہو سکتا ہے۔ ممالک غیر کے علماء کے ساتھ بے لوث طریقہ پر کس طرح تعاون کیا جا سکتا ہے اور بین الاقوامی تحقیقاتی مساعی میں اپنے آپ کو اور اپنے شرکاء کار کو حتیٰ کہ اپنے ہونہار طلباء کو کس طرح نمایاں مقام تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ عزم و استقلال سے مشکلیں کیونکر حل ہو سکتی ہیں۔ صداقت اور دور اندیشی کی بدولت مفاد کل کا جذبہ بالآخر جزو کو بھی اس کا واجبی صلہ کیسے دلا سکتا ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں ہمارے ملک کی جو تعلیمی حالت تھی لوگ اس سے اب بھی بخوبی واقف ہیں۔ ان دنوں سررشتہ تعلیم میں مشرقی ادب و حکمت کے علماء کو چھوڑ کر شاذونادر ہی ایسے افراد نظر آتے تھے جو حقیقی معنوں میں اعلیٰ درجہ کی سند رکھتے تھے۔ قحط الرجال کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہے کہ نظام کالج کے چند انگریز پروفیسروں کے سوا (اگر ڈاکٹر اگھورناتھ آنجہانی کو مستثنیٰ کر دیا جائے) یوروپی جامعات کی آنرز ڈگری والے کہیں نہیں ملتے تھے۔ بلدہ و چادرگھاٹ کے سربرآوردہ فوقانی مدارس کے صدر بھی مدت دراز تک انٹر گریجویٹ تھے۔ اس پر یہ مجبوری کہ میٹرک اور اس سے بالاتر درجوں کے امتحانات جامعہ مدراس سے ملحق تھے۔ پڑھانے والے بیچارے اپنی بساط کے موافق حق نمک ادا کرنے کی کوشش ضرور کرتے تھے اور طالب علم بھی رطب و یابس سب کچھ دماغ کے مختلف گوشوں میں جیسے سما سکا بھر بھرا کر شریک امتحان ہو جاتے تھے لیکن اکثر و بیشتر بہ نصیب بری طرح ناکامیاب ہوتے تھے۔

امتحان دراصل مقررہ نصاب کے تابع ہوتے ہیں۔ ان کا منشا طلبا کو علم کی طرف پوری طرح متوجہ کرانا ہے لیکن کسی قدر مصنوعی طریقہ پر۔ ورنہ بغیر آزمائش بے بحث علم کتابوں کی اوراق گردانی ہی پر ختم ہوجاتا ہے۔ اس زمانہ میں تحصیل علم کی اصلی غایت (یعنی تربیت دماغ و کردار ترغیب تحقیق و تجسس) نہ معلم پر پوری طرح منکشف ہوئی تھی اور نہ متعلم پر۔ اس لیے امتحان ہی کو تعلیم کی اول اور آخر منزل تصور کیا جاتا تھا۔ انگریزی زبان ذریعہ تعلیم ہونے کی وجہ سے کچھ سیکھ لی جاتی تھی۔ فارسی وعربی کے مشہور اساتذہ شاگردوں کو بہرکیف اپنے فیض علم سے مستفیض کر لیتے تھے لیکن صرف درسی کتب کی حد تک۔ دیسی زبانوں میں حیدرآبادی اردو کی نسبت دلی اور لکھنو والوں کی رائے کچھ بہت اچھی نہ تھی۔ یہی حالت تلنگی مرہٹی اور کنٹری کی تھی بیرون ملک جو علاقہ جات اپنے آپکو ان زبانوں کا منبع و مسکن سمجھتے ہیں ہمارے ملک کے محاورات و انشاپردازی کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ سائنس و ریاضی کی ماہیت سے چونکہ بہت کم لوگ واقف تھے اس لیے عام طور پر یہ مضامین انتہادرجہ ادق اور عوام کی فہم سے ماورا تصور کیے جاتے تھے الحمدللہ رفتار زمانہ کے ساتھ یہ تمام دقتیں بتدریج رفع ہونے لگیں۔ پہلے اعلیٰ درجہ کی سند رکھنے والے اہل وطن استادوں کے تقرر سے بعد کو چل کر طایف تعلیم یورپ و ایشیا کے صحیح اصول پر اجرا ہونے سے اور سب سے بڑھ کر جامعہ عثمانیہ میں اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دینے سے ملک میں علم کا دریا بہنے لگا۔ اردو میں مہارت لازمی ہوگئی۔ دیسی زبانوں کے مستند استاد بھی مامور ہونے لگے۔ کتب سائنس و ریاضی کے صحیح ترجموں کے ساتھ ان کی ماہیت بآسانی سمجھ میں آنے لگی۔ اچھے تجربے خانے بننے لگے جہاں عملی کام پر زیادہ توجہ ممکن ہوسکی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج سے ایک قرن پہلے کی بہ نسبت ہمارا ملک علم و حکمت میں بہت ترقی کر گیا ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر چیز کی قدر و قیمت اضافی ہوتی ہے اگر ہم نے ترقی کی تو کیا ہمارے بعض پڑوسی ممالک ہم سے کہیں زیادہ ترقی نہیں کر رہے ہیں موجودہ زمانہ میں سکون کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یا ترقی ہے یا تنزل۔ ترقی پر پہنچکر ٹھیر جانا تنزل کا آغاز ہے۔ اس خدشہ سے بچنے کی تدابیر ہر مفکر بآسانی معلوم کر سکتا ہے بشرطیکہ اپنے گرد و پیش غائر نظر سے دیکھے۔ سررشتہ تعلیم حکومت کے مختلف شعبوں کی طرح ایک واحد شعبہ ہے۔ اس کی ترقی دوسرے سررشتوں کے ساتھ یقیناً مربوط ہے۔ جس طرح اہل وطن

جامعہ کی فضا میں اعلیٰ قابلیت اور بیرون ملک بلکہ بین الاقوامی شہرت کے حامل افراد پیدا کرنے کی
کوشش کی گئی اگر دوسرے سررشتوں میں بھی اسی طرح کے مساعی جاری رکھی جائیں تو سارے ملک
میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہو سکتی ہے ۔ انسانوں کا ذہنی ارتقا بڑی تعداد میں باقاعدہ
تربیت ہی سے ہوتا ہے ۔ اگر مناسب انتظام کیا جائے تو ہر شعبہ میں ملک کا باشندہ اپنے
کام کی خوبی کے اعتبار سے نقادوں کی نظر میں ایسا ہی بلند مرتبہ حاصل کر سکتا ہے جیسا کہ جامعہ
کی خالص علمی فضا میں ۔

میں اپنے آپ کو بڑا ہی خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ ایسے وقت دنیا میں قدم رکھا جبکہ
شعبہ تعلیم میں بہت سے کام کرنے کی شدید ضرورت داعی تھی ۔ پہلے ایک کالج کا پروفیسر پھر
ایک یونیورسٹی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا ۔ چند ایک جدید علوم و فنون کو اردو زبان میں منتقل کیا ۔ اپنے
مصائب اور حالات کی نامساعدت سے یہ سبق سیکھا کہ جو تکالیف مجھ کو برداشت کرنی پڑیں
اور جن مجبوریوں کی وجہ سے میدان تحقیق و تجسس میں مجھ کو اپنا راستہ آپ خود ڈھونڈنا
اور صاف کرنا پڑا یہ تمام رکاوٹیں دوسروں کے سد راہ نہ ہونی چاہیں ۔ آج کا طالب علم
کل کا معلم ہے آج کا کارآموز کل کا کارفرما ۔ دنیا بقول شکسپیر ایک اسٹیج ہے جس پر پروگرام
کے بموجب ایک مدت کے لیے مختلف اداکار اپنا پارٹ ختم کر کے رخصت ہوتے ہیں ۔ عہدہ
ہو کہ ذیلی خدمت دنیا کے نظام العمل میں دونوں کی نوعیت اداکاری کی ہی ہے ۔ البتہ دنیا
کی اداکاری کی مدت اسٹیج کی متعلقہ مدت سے علی العموم بہت زیادہ ہوتی ہے ۔ لیکن تاریخ
تمدن کے معیار سے ہیچ ہے ۔ ایسی صورت میں انسان کا فرض ہے کہ اپنے آپ کو ملک کا
حقیقی خدمت گزار سمجھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اشتراک عمل کرے ۔ اشتراک عمل ہی سے
دنیا کے بڑے بڑے کام انجام پائے ہیں جب تک دوسرے مستحقین کو اچھے کام کرنے کا موقع
نہ دیا جائے کوئی کام تکمیل نہیں پا سکتا ۔ اس زمانہ کے سررشتہ فینانس کے اشتراک عمل ہی سے
میری مساعی نظام کالج میں بلند پایہ سائنس کے معمل تیار اور مرتب کرانے میں کامیاب
ہو سکیں ۔ اس کے فوراً ہی بعد یہ کالج جامعہ مدراس کے شعبہ سائنس میں اپنا سکہ منوانے لگا
اسی طرح جب تک جامعہ عثمانیہ سے ریسرچ جرنل جاری نہ ہوا اور اس کے اساتذہ اپنے تصانیف
اور تحقیقاتی کام دنیا کے ممتاز رسالوں میں شایع نہ کیے جامعہ عثمانیہ کو اس کے مخالفین محض
ایک تجربہ ہی سمجھتے رہے ۔ بعد کو آنکھیں کھلیں اور اس کی کامیابی کو دیکھ کر اس کی تقلید کی جانے لگی

نباتیات وحیوانیات کی تعلیم طبیہ کالج کے قیام کا پیش خیمہ ہوئی۔ طبیعات وریاضی کی تعلیم کلیۂ انجینیری کے قیام کا باعث ہوئی۔ طبیعات کی بدولت خود مجھ کو نہ صرف ایک مناظری آلہ کی ایجاد کا برطانوی پیٹنٹ مل سکا بلکہ اسٹرو اور جیو فزکس میں چند ایک نئے انکشافات کی نعمت نصیب ہوئی۔ پچاس برس پہلے مغربی دنیا میں یہ افسانہ مشہور تھا کہ اہل ہند لسانیات فلسفہ تاریخ و دینیات میں کافی مہارت حاصل کر سکتے ہیں۔ ریاضی میں بھی ملک کے باشندوں کا ایک طبقہ جو صدیوں سے حساب کتاب میں مشغول ہے کافی ترقی کر سکتا ہے لیکن عملی سائنس جراحی میکانیات یا ان کے مماثل علوم کی تحصیل ہندوستانیوں کے دماغ کی فطری ساخت کی وجہ سے ان کے امکان سے باہر ہے۔ لطف یہ ہے کہ بہتیرے ضعیف الاعتقاد ہندوستانی خود اس افسانہ کے مؤید و معتقد تھے۔ لیکن جب ہندوستانیوں کو وہ تمام سہولتیں یکے بعد دیگرے میسر ہوئیں جو عملی سائنس کے لیے لازمی ہیں تو تیس سال کے اندر ہندوستانی محققین نے اپنے انکشافات اور نظریوں سے دنیائے علم کو مسخر کر لیا۔ حتیٰ کہ کالجوں کے نوآموز بھی اپنی رایوں پر مصر ہونے لگے۔ آلات کی ایجاد چنداں مشکل کام نہیں اگر مروجہ آلات سے حقیقی واقفیت ہو اور ایجاد کا شایق ان کے حسن و قبح کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ قبل از وقت جامعہ سے تعلق منقطع کرنے کی وجہ سے میں اپنے دو اور دلچسپ اور مفید ایجادات رائج نہ کر سکا۔

سب سے زیادہ آسان اور نسبتاً مفید کام جس کی طرف میں حیدرآباد کے علمی اداروں کو اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر متوجہ کرانا چاہتا ہوں وہ عرب عجم اور ہند کے حکما زمانہ ماسبق کے شاہکاروں کی تدوین و طباعت ہے۔ تجربہ خانوں کو چھوڑ کر خانہ نشین ہونے کے بعد میں نے رات کو مشاہدات فلکی اور دن کو تاریخ سائنس و تمدن کی نذر کر دیا ہے۔ پروفیسر مارگولوت آنجہانی جیسے مشہور مستشرق کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حکما عرب و عجم کی سائنس کی تصانیف اگر ترجمہ کے ساتھ طبع کرائی جائیں تو ملک سے احساس کمتری بہت جلد دور ہو جائیگا۔ اور جو کام زیادہ تر سیاسی نقطۂ نظر سے جرمنی فرانس ہالینڈ روس انگلستان و امریکہ میں کیا جا رہا ہے خالص علمی نقطۂ نظر سے بطریق احسن حیدرآباد میں انجام پا سکیگا۔

بسا اوقات ایک چیز جب کمال کو پہنچتی ہے تو اس کے کارپردازوں کی رعونت یا غفلت سے اس میں تنزل شروع ہو جاتا ہے۔ ایک شہرۂ آفاق جامعہ کا بلند پایہ کلیہ ایک وقت ایسے دور سے گذرا ہے کہ اس کا وارڈن ۱۸۳۰ء میں بی اے کا امتحان لیوی Livy کے چند جملوں کا ترجمہ اور اقلیدس کی پہلی کتاب کے پانچویں مسئلہ کا ثبوت دیکر کامیاب ہوا۔ کیا عجب کہ

اس نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں یہ عقیدہ ظاہر کیا ہو کہ "دنیا حق پسندی کی طرف اس وقت تک عود نہ کریگی جب تک تصنیف طباعت و اشاعتِ کتب کو ممنوع قرار نہ دیا جائے" ہمیں یقین ہے کہ ایسا دور پھر کبھی نہ آئیگا۔

میرے کامیابی تجربوں میں ایک اہم تجربہ اصول اعداد و شمار علی الخصوص طبیعات کے نظریہ تحرک پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ ایک کافی بڑی جماعت میں خواہ وہ طلبا پر مشتمل ہو یا کسی اور نوعیت کے افراد پر اگر معدودے چند بدنصیب صفر رفتار کے سالمات کی طرح سست و کاہل ہوں تو چند دیگر لامتناہی رفتار کے سالمات کے مماثل انتہائی ذہانت و توانائی کے بھی افراد ضرور ہوتے ہیں۔ ہر ادارہ کو چاہیے کہ اس دوسری نوع کے خوش نصیبوں کو پہلے اپنی ذاتی ذہانت اور طبع رسا سے پہچانے اور پھر ان کی حفاظت و تربیت کا انتظام کرے۔ اسی پالیسی پر عمل کرنے کی وجہ سے آج حیدرآباد میں زمرۂ اہل وطن سے چند ایسی صورتیں نظر آرہی ہیں جن کی دنیائے علم میں کافی شہرت ہے۔

ذمہ دار اشخاص کے حافظہ کی کمزوری بھی دنیا کو بہت نقصان پہنچاتی ہے۔ [اکثر اوقات احسان فراموشی اور فرائض سے بے توجہی اسی کے نتائج ہوتے ہیں۔] سچ پوچھو تو انسان اللہ تعالی کی دوسری جاندار مخلوق پر اپنے ترقی یافتہ حافظہ ہی کی بدولت غالب اور حکمران ہے۔ حصول علم اور ذہنی تربیت سے حافظہ میں بھی نمایاں ترقی ہوتی ہے۔ نیک نہاد انسان سے غلطی اکثر بھول چوک سے سرزد ہوتی ہے۔ اسی لیے مجالس شوری میں اگر کوئی واقف کار رسا فکر رکن سچی بات ظاہر کردے تو ضدی سے ضدی شخص بھی اپنی غلط رائے ترک کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ [بشرطیکہ برائی کی طرف بالطبع مائل نہو۔] انسان اور خصوصاً نوعمر انسان عموماً نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اس کا ضمیر اس کو سیدھے راستہ سے منحرف ہونے نہیں دیتا۔ بری صحبت میں ضمیر کی چیخ پکار کم سنائی دیتی ہے۔ استاد ہی اپنے بلند کردار اور نفسیاتی پاکیزہ اثر سے طالب علم کو سیدھے راستہ پر قایم رکھ سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا عالم کو بہت قلیل معاوضہ دیکر بڑی ذمہ داری کے کام لیتی ہے لیکن اسکا علم ذاتی وقار اور احساس خدمت خلق اسکی تمام دنیاوی کوتاہیوں کا کافی معاوضہ ہیں۔ دنیا نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی ہے کہ ہر چیز کی صحیح قدر معین کرسکے۔ زر کا رواج بہترین سہولتوں کے باوجود جب اخلاق و کردار علم و فضل کی قیمت مشخص کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے تو بڑی غلطیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے باوجود کثرت علم و افراط صنعت و ایجاد دنیا قتل و خون کی منزل سے آگے نہیں بڑھی۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ بنی نوع انسان کے دلوں میں علم کی صحیح قدر و منزلت کا جذبہ پیدا کرے تاکہ عالم کو موقعہ ملے کہ بھٹکی ہوئی دنیا کو سیدھے راستہ پر پھیر لائے۔ فقط

یوسف زلیخا تالیف ہاشمی بیجاپوری اور نورس

از محمد غوث ام اے مدیر مجلہ

آج سے بیس سال قبل تاریخ زبان اردو کی جانب شاذ و نادر کسی کسی کی توجہ تھی جناب مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی کی تالیف "دکن میں اردو" شایع ہونے کے بعد اس موضوع کی دلکشی نے ہر طرف لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ نہ صرف مضامین بلکہ خود تالیفوں کی نوبت آئی اور اردو سے قدیم، پنجاب میں اردو، مغل اور اردو، یوپی میں اردو، بہار میں اردو وغیرہ کتابیں مسلسل یکے بعد دیگرے مرتب ہوئیں علاوہ ازیں کلیات کے متعلق اب اس قدر وافر مواد مہیا ہو گیا ہے کہ اس موضوع کے کسی پہلو یا اس کی کسی کتاب یا مخطوطہ پر قلم اٹھاتے ہوئے اس مواد سے استفادہ نہ کرنا سراسر ناانصافی ہوگی۔

رسالہ "ہندوستانی ادب" میں دو ایک ماہ قبل دو ایک مضامین "دکنی مخطوطات" کے متعلق شایع ہوئے ہیں ایک مضمون تو نومبر کے پرچہ میں ہاشمی بیجاپوری کی یوسف زلیخا پر ہے اور دوسرا مضمون دسمبر کے رسالہ میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کی "نورس" پر۔
ان کے دیکھنے سے صاف طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قابل مضمون نگار نے کافی تحقیق نہیں کی۔

"ہاشمی" بیجاپوری کے حالات کے متعلق بہت کچھ صراحت کی جا سکتی تھی۔ وہ "ریختی" کا موجد تھا۔ علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں ہاشمی نے بڑی شہرت حاصل کی تھی لیکن "ہندستانی ادب" کے مضمون میں ہاشمی کی سوانح حیات کے متعلق بہت کم روشنی ڈالی گئی ہے۔
"نورس" کے متعلق جب کوئی حسب ذیل عبارت ہندستانی ادب کے مضمون میں پڑھتا ہے تو اس کو حیرت ہوتی اور تعجب پیدا ہوتا ہے۔

> "بہر حال آج سے تین سو سال پہلے کی یادگار تصنیف سے متعلق تلاش اور جستجو کے بعد جو بھی معلوم ہو سکا تبرک کے طور پر ہم نے پیش کر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کتاب کے اور بھی مخطوطے کہیں موجود ہوں۔ اگر یہ کتاب مکمل حالت میں کسی صاحب کی نظر سے گذری ہو تو ہم انھیں مشورہ دیں گے کہ وہ بہر قیمت اس کو حاصل کر کے چھپوا دیں۔"

"نورس" کے متعلق آج سے کئی سال پیشتر جناب مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی کا ایک بہت تفصیلی مضمون رسالہ معارف میں شایع ہوا۔ اور اس کے بعد "مقالات ہاشمی" میں (جو تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور سے شایع ہوئی ہے) اسی مضمون کو شریک کیا گیا ہے۔ یہ کتاب عام طور سے ملتی اور آسانی سے دست یاب ہو جاتی ہے۔

نصیرالدین صاحب ہاشمی بتا چکے ہیں کہ حیدرآباد میں اس کے چار مخطوطے موجود ہیں۔ کتب خانۂ دفتر دیوانی، عجائب خانہ سرکار عالی، کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر اور کتب خانہ آغا حیدر حسن لکچرار نظام کالج میں اس کتاب کا ایک ایک مخطوطہ موجود ہے۔ جناب مولوی ابو محمد عمر یافعی صاحب نے فرمایا کہ بمبئی کے میوزیم میں بھی اس کا ایک نسخہ مخزون ہے۔ دفتر دیوانی کا نسخہ تو خصوصیت سے قابل تذکرہ ہے جو خاص شاہی کتب خانہ بیجاپور کا نسخہ ہے۔ اس پر سلطان ابراہیم کے دستخط اور کتب خانہ کی مہر بھی ثبت ہے۔ اور ہر طالب علم بسہولت خطاطی کے اس شہ کار کے معائنہ سے سرور و انبساط حاصل کر سکتا ہے۔

ہاشمی صاحب نے اپنے مضمون میں یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ مصنف اردو سے قدیم کا یہ بیان کہ "نورس میں سر ز ہندی کے قواعد و ضوابط قلم بند کیے گئے تھے" درست نہیں ہے۔ ہم عصروں کی تالیفات سے استفادہ کسی طرح معیوب نہیں سمجھنا چاہیے ہمارا مشورہ تو یہ ہے کہ آئندہ اس موضوع پر جو بھی کچھ لکھنا چاہے وہ پہلے جناب حکیم شمس اللہ صاحب قادری، ڈاکٹر زور اور نصیرالدین صاحب ہاشمی کی جملہ تصانیف کو پیش نظر رکھے۔ ورنہ ایسی لغزشوں کا اندیشہ رہیگا جس کا ایک نمونہ نورس کے زیر تبصرہ مضمون میں نظر آتا ہے۔

تنقید و تبصرہ

سراج الترتیل۔ رسالہ سراج الترتیل فی تجوید کلام رب جلیل مصنفہ جناب قاری سید کلیم اللہ حسینی صاحب استاذ فارسی جامعۂ عثمانیہ۔

یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں مصنف نے اختصار کے ساتھ تعلیم قرآن اور تلاوت فرقان کے فضائل تحریر فرمائے ہیں۔ یہ فن قراءت کے طالب کی بہتر ذہنیت کے لیے گویا بنیادی باب ہے۔

اصل کتاب دوسرے باب سے شروع ہوتی ہے۔ اس باب کی بارہ فصلیں ہیں ان اہم اور ضروری فصلوں میں مصنف نے نہایت کامیاب طریقے پر علم تجوید اور اس کے قواعد و مخارج کو نہایت شرح و بسط سے تحریر فرمایا ہے۔ آخری فصل میں مصنف نے قرآن کریم کے رسم الخط سے بحث کی ہے کتاب کے اختتام پر متفرقات کے باب کا اضافہ فرمایا ہے۔

کتاب بحیثیت مجموعی جامعیت۔ سلاست اور وضاحت کے لحاظ سے اردو زبان میں ایک بہتر اضافہ ہے۔ توقع ہے کہ طلبہ اس سے استفادہ کرینگے۔

یعقوب الرحمن عثمانی لکچرار دینیات جامعہ عثمانیہ

اسلام اور سود

تالیف ڈاکٹر انور اقبال صاحب قریشی، ام اے، ام ایس سی اکنامکس (لندن) پی ایچ ڈی، (ڈبلن) ۲۳۸ صفحات، چھوٹی تقطیع۔ طباعت، کتابت اور کاغذ بہتر۔ قیمت تین روپیے۔ ادارہ معاشیات فاطمہ منزل حمایت نگر سے مل سکتی ہے۔

یہ تو ایک حقیقت نفس الامر ہے کہ اس دنیا میں اگر ایک طرف دولت اور امارت کی دھوم ہے تو دوسری طرف غربت اور افلاس کی پکار۔ ہزاروں سال سے دنیا اسی متضاد تنظیم کی بھول بھلیاں میں سرگرداں ہے۔ روس کی اشتراکیت بھی اس کا کوئی حل معلوم کرسکتی ہے یا آگے چلکر خود بھی سرگرداں ہو جاتی ہے اس کو ابھی دیکھنا باقی ہے۔ اہل مذہب کا یہ ادعا ہے کہ دنیا کے اس متناقص نظام کی پیچیدگیوں کو سلجھانے میں اس کی روشنی ہی میں کامیابی کا راستہ نظر آسکتا ہے۔

اسلام نے امارت اور غربت میں توافق پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس نے معاشرت کے ایسے دل پذیر آئین وضع کیے کہ ان کی پابندی سے ہر شخص جی کا سکھ حاصل کرسکتا ہے۔

سود کی وجہ سے نظام معاشرت میں جو فساد پیدا ہوتا ہے اس کے سد باب کے لیے اسلام نے بہت سخت نقطۂ نظر قایم کیا۔ اسلام نے ہر قسم کے سودی کاروبار کو خدا سے جنگ کے مصداق قرار دیا ہے۔ بعد میں اسلامی قوانین کے ردعمل کے طور پر مغربی مہاجنوں کے جنون امارت نے دنیا میں اپنی برتری منوالی۔ دنیا اب اس جنون کے ردعمل کے چنگل میں گرفتار ہے۔ معاشی قوانین اسلام کے ردعمل سے پہلے عقاید اسلام کو ایک بہت شدید لسانیانہ ردعمل

دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس وقت یہ ہوا کہ مسلمان فلسفہ کے مکاتیب میں شریک ہو کر زانوے ادب تہ کرتے اور ان علوم میں پوری مہارت اور دست رس پیدا کرتے تھے جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان سے اسلام کی بنیادیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ نہیں گزرا کہ خود فلسفیانہ علوم کی تائید و مدد سے مسلمان فلاسفروں نے خود فلسفہ کی بنیاد متزلزل کر دی۔ امام رازی اور امام غزالی نے فلسفہ کے خیال و وہم کے تار و پود کو بکھیر دیا۔ اور اس زمانہ میں بالآخر پروفیسر نکلن کو تسلیم کرنا پڑا کہ فلسفہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں امام غزالی کی شخصیت سد سکندری ثابت ہوئی۔

لوگ منتظر تھے کہ اس معاشی افراط و تفریط کے دور میں بھی بالآخر ایسے افراد ضرور پیدا ہوں گے، جو تاریخ کو دہرائیں گے۔ اور اسلامی ماہرین معاشیات مغربی معاشیات سے واقف ہو کر اس کی بساط بھی الٹ دیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز شروع ہو چکا ہے۔ البتہ چند دن یہ تکلیف دہ مناظر ضرور نظر آئے جیسا کہ خود فلسفہ کے عروج کے وقت بھی ہوا تھا کہ خود مسلمان اساتذۂ معاشیات سود کا کلمہ پڑھتے تھے۔ اور سود کا جواز ثابت کرنے کے لیے خود مسلمان اہل علم داد تحقیق دیتے تھے۔

لیکن ڈاکٹر انور اقبال صاحب قریشی کو غالباً یہ اولیت حاصل ہوئی ہے کہ مغربی معاشیات کے اصول و ضوابط کا اسلامی معاشی اصول و ضوابط سے تقابل کریں۔ ڈاکٹر صاحب کے مدت العمر تحقیق اور کاوشوں کے نتائج اب ایک تالیف کی صورت میں طبع اور شائع ہو چکے ہیں۔ گو یہ کہنا درست ہوگا کہ مضامین کی ترتیب اور اسلوب بیان کی حد تک مزید توجہ کی ضرورت تھی۔

اس تالیف میں ڈاکٹر صاحب نے یہ کوشش کی ہے کہ ابتدائی زمانہ سے آج تک سود کے مختلف نظریوں کو بیان کیا جائے ساتھ ہی ساتھ ہر نظریہ کے نقائص پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ پھر انھوں نے اسلام کا نظریۂ سود پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلامی نظریہ اس موضوع سے متعلق دوسرے تمام معلوم اور موجود نظریوں سے بہتر ہے اور یہ کہ کس طرح عصری معاشی افکار اور خیالات اسلامی نظریہ کی جانب کھنچے چلے آ رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس تالیف میں جو نہایت مستند مواد ایک جا کر دیا ہے اس پر تفصیلی تبصرہ موجب طوالت ہوگا۔ اس مواد کی روشنی اور رہبری میں اور زیادہ عمیق

جاننے اور مزید چھان بین کی ضرورت ہے۔

جامعۂ عثمانیہ ہی اس نوعیت کے دقیق علمی مباحث کا بہترین مرکز ہو سکتا ہے۔ زندگی کے ہر پہلو کے متعلق جن مسائل کو عصری حیات کیا جاتا ہے ان پر پلٹ کر اسلامی نظام زندگی کی روشنی میں نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ قانون کے سلسلہ میں اس نوعیت کا کام جامعۂ عثمانیہ میں ہی آغاز ہوا اور اب معاشیات پر کام کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ اسی طرح سلسلہ آگے چلیگا۔

جامعۂ عثمانیہ کا جو خواب ہمارے بزرگوں نے دیکھا تھا اب اس کی تعبیر دل نواز صورتوں میں نظر کے سامنے ہوتی جا رہی ہے۔

محمد غوث

مشرق بعید از شاہد حسین رزاقی قیمت عہ

مشاہیر کی بیویاں از طاہر اور رفعت قیمت ۱۱ر

یہ دونوں کتابیں دارالاشاعت سیاسیہ نے شائع کی ہیں۔ سیاسی کتابوں کی اردو میں جس قدر شدید ضرورت ہے وہ ظاہر ہے۔ اور دارالاشاعت سیاسیہ اس کی تکمیل کی کوشش کر رہا ہے کہ سیاسی موضوع پر کتابیں شایع کرے۔

اول الذکر کتاب کے دو حصے کیے گئے ہیں پہلا حصہ مشرق بعید کا اور دوسرا حصہ سامراجی دول کی سیاسی بساط پر مشتمل ہے قابل مصنف نے مختلف مشرقی ممالک کے سیاسی حالات اور چین اور دیگر دول عظمیٰ کے تعلقات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ عہد حاضر کی مشرقی سیاست کو سمجھنے میں یہ کتاب نہایت کارآمد ہے۔ دوسری مختصر کتاب مشاہیر کی بیویاں حصہ اول ہے اس میں میڈم اسٹالن، سنیورا مسولینی، مسز چرچل، مسز روزویلٹ، بوبو فرانکو اور مسز ڈی ولیرا کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں صرف مسز روزویلٹ اور مسز ڈی ولیرا نے اپنی قوم اور اپنے ملک کی خدمت کی ہے اور اس کو ترقی پر لانے میں اپنی کوشش صرف کی ہے اور باقی خواتین کی زندگی اتنی نمایاں طور پر اثر انداز ہوتی نظر نہیں آتی۔

کتاب کے مطالعہ سے ان بڑے بڑے مدبرین کی ذہنیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے لیے کیسی رفیقۂ حیات منتخب کی۔ ہر دو کتابیں دلچسپ اور قابل مطالعہ ہیں۔　　ا۔ س

حیدرآباد کی نسوانی دنیا۔ از نصیر الدین ہاشمی۔ ناشر ادارہ ادب جدید حیدرآباد۔ قیمت دو روپے چار آنے۔

اس کتاب میں کچھ تو حیدرآباد کی مختلف خواتین کے تذکرے ہیں اور کچھ ایسے مضامین جو یہاں کی عورتوں کے بعض حالات اور ان کی معاشرت کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ خواتین کے تذکرے کا حصہ "حیدرآباد کے تینتیس ستارے" کے زیر عنوان ہے اس میں بعض ایسی ہستیاں بھی ہیں جن کی شہرت کا انحصار ان کے شوہروں پر ہے گویا اس طرح ان تینتیس ستاروں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو دوسروں کے نور سے روشن ہیں۔ مضامین کے حصے میں قدیم و جدید اور مخلوط طرز کی عورتوں کی خصوصیات، عورتوں کی تعلیم اور ان کے کارناموں اور طبقہ نسواں کی معیشت وغیرہ کے متعلق جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اس میں شک نہیں کہ دلچسپ ہے۔ بعض باتوں میں مبالغہ سے بھی کام لیا گیا ہے شاید مصنف نے خواتین کی حوصلہ افزائی کے خیال سے اس کو مناسب سمجھا ہو۔ بایں ہمہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے اس بات کا ایک حد تک اندازہ ہو سکتا ہے کہ حیدرآباد کی نسوانی دنیا میں کس قسم کی سماجی تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور اس سلسلے میں تعلیم کا کیا اثر پڑ رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مصنف نے اس مضمون سے جس میں انہوں نے اپنے خاندان کی عورتوں کے حالات قلم بند کیے ہیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہاں ایسے معاشرے بھی پائے جاتے ہیں جو کم تغیر پذیر نوعیت رکھتے ہیں۔

نورتن یا ایک ایکٹ کے ڈرامے۔ از علی عباس حسین صاحب۔ ناشر مکتبہ جامعہ لکھنؤ۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

چھوٹے چھوٹے ایک ایکٹ کے دلچسپ ڈراموں کا مجموعہ جس میں چھ ڈرامے ہندوستان کے تاریخی کردار پر اور تین سماجی موضوع پر مبنی ہیں ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ڈرامہ نگاری کے اسلوب سے واقف ہے مختلف کردار کی حیثیت اور اس کی نفسیات کو صحیح طور پر اس کی گفتگو اور عمل میں ظاہر کر سکتا ہے مصنف نے تاریخی کردار کے انتخاب اور اس کو ڈرامہ کی شکل دینے میں خاص خاص اخلاقی سبق پیش نظر رکھے ہیں۔ ان ڈراموں میں "میراث" جو گوتم بدھ اور "ہر ملک ملک ما ست" جو شیر شاہ کے بچپنے کے کردار پر مبنی ہے۔ بہت ہی کامیاب کہے جا سکتے ہیں۔ سماجی موضوع سے متعلق "دل بہلاوا" نہایت دلچسپ ہے۔ جس میں ایک پردہ نشین باذوق خاتون کا کردار بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس کے حرکات، انداز گفتگو اور زبان وغیرہ نہایت مثالی ہیں غرض بحیثیت مجموعی یہ تمام ڈرامے اپنا ایک خاص معیار رکھتے ہیں۔

س۔ ف۔ ح

مجلّۂ طیلسانین

حصۂ معاشیات

چوتھی جلد پہلا شمارہ بہمن ۱۳۵۴ف جنوری ۱۹۴۵ء

(مدیر)

محمد غوث ام اے، ال ال بی (عثمانیہ)

(نائب مدیر)

محمد اکبرالدین صدیقی ام اے (عثمانیہ)

(مہتمم)

محمد نوراللہ بی ایس سی (عثمانیہ)

قیمت سالانہ تین روپے علاوہ محصول ڈاک

قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنے

مطبوعہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن

مجلۂ طیلسانین حصۂ معاشیات

جلد ۹ شمارہ (۱)	فہرست مضامین	بہمن ۱۳۵۴ف م جنوری ۱۹۴۴ء

حرفِ آغاز

یہ امر مسرت اور مبارک باد کے قابل ہے کہ رضاکارانہ اصول پر مصنوعات ملکی کی ترقی کے لیے جو کوشش سات سال قبل شروع کی گئی تھی۔ وہ بحمد اللہ برگ و بار لا رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے بہ نفس نفیس نمائش کا افتتاح فرمایا اور نمائش کے آخری دن تفصیلی معائنہ سے شاد کام اور سرفراز فرمایا۔

مجلس نمائش کے سپاس نامہ کے جواب میں زبان فیض ترجمان سے جو کچھ ارشاد فرمایا اس سے حضرت پیر و مرشد کے مرکوزات شاہانہ کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ کم کوئی ملک ہوگا جس کو ایسا فرماں روا نصیب ہو مملکت آصفیہ اپنی خوش بختی پر جس قدر بھی ناز کرے بجا ہے۔

حضرت جلالت الملک کی حکیمانہ رہبری کا ہی نتیجہ ہے کہ ملک میں ہر طرف ایک نئی سرگرمی پیدا ہے۔ اور کیا ملازمان سرکاری اور کیا عامۃ الناس سب کوشاں ہیں کہ مملکت آصفیہ شاہ عثمان کے بابرکت سایہ میں ترقی کے بلند ترین منازل بعجلت ممکنہ طے کرے اسٹیٹ بنک کے کاروبار کی وسعت - اشاکوں کی سرگرمی، صنعتی مدارس کا قیام، حیدرآباد دکن کمپنی کے جملہ اثاثہ کی خریدی، نظام ساگر، حیدرآباد الکٹرک سکیم کا آغاز، تنگ بھدرا کے کام شروع ہونا یہ سب ملک کے ایک نشاۃ تجدید کا آوازہ بلند کرتے ہیں - لیکن چاہیے مجلس نمائش ہو یا کوئی اور اس کو فضیلت مآب صدر اعظم مملکت آصفیہ کے وہ الفاظ یاد رکھنا چاہیئے جو انھوں نے نمائش کے دوران میں معاشی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے ارشاد فرمائے کہ

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ حیدرآباد کے صنعتی مستقبل کی تعمیر میں مصروف ہیں مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ آپ حضرات جو "نوجوان حیدرآباد" کے نمائندے ہیں - ملک کی نشاۃ اور ترقی کے لیے بے چین ہیں - لیکن میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ گو آپ کی موجودہ کامیابی قابل قدر اور آپ کے مساعی قابل عزت ہیں - سعی پیہم آپ کی زندگی کا نصب العین ہونا چاہیئے - آپ کا مستقل عزم اور آپ کی انتھک کوششیں جن میں حضرت بندگان اقدس اعلیٰ کی حکومت کی عملی ہمدردی اور مدد شامل رہیگی - آپ کی کامیابی کی ضامن ہوں گی۔

اور انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں ہے جب کہ حضرت اقدس و اعلیٰ کی دلی تمنا کہ مملکت آصفیہ کی رعایا خوش حال اور خورسند رہے پوری ہو کر رہیگی"

اس جنگ نے زندگی اور معاشرت کے قدیم نظام کا تار و پود بکھیر دیا ہے۔ اب جب کہ جنگ کے اختتام کا آغاز آنکھوں کے سامنے ہے۔ دنیا امن اور سلامتی کی ایک دل نواز صبح صادق کے لیے ہمہ تن منتظر ہے۔ خدا کرے کہ دنیا اپنے نئے دور میں کوئی ایسا معاشی نظام اختیار کرے جو ہر طوفان کا مقابلہ کر سکے۔

معاشیات کے عملی مسائل جس طرح ہر وقت ایک نیا قالب اختیار کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس جنگ کے دوران میں مہیا ہو گیا۔ قوموں کی قوت برداشت اور زندہ رہنے کی قابلیت کا ایسے ہی مواقع پر امتحان ہوتا ہے۔ زندہ قومیں اپنے آپ کو بدلتے ہوئے حالات پر ڈھال لیتی ہیں۔ لیکن افسوس ہندوستان میں ناجائز ذخیرہ بندی اور ناجائز نفع اندوزی کے ایسے ہوش ربا مناظر دکھائی دیے کہ الامان۔ الحفیظ۔ اخلاق، انسانیت، ہمدردی اور مواسات کے قدیم مشرقی روایات گویا ہم نے قطعی طور سے بھلا دیئے۔ قانون سے بچنے کے لیے عذر تراشیاں اور حیلہ جوئی میں ہم نے اپنی ذہانت اور جودت کے جوہر دکھائے ہیں۔ جلب منفعت کا بھوت سر پر اس طرح سوار ہے کہ حکومت اور بے بس رعایا کا کوئی افسوں کارگر نہیں ہوتا۔ آخر یہ لوگ کبھی یہ غور بھی کرتے ہیں کہ ان کی منزل مقصود کیا ہے؟ امن۔ سلامتی اور شانتی کے راستہ پر ہم نہیں جا رہے ہیں۔

ہندوستانی معاشیات کے مبادی کے نام سے مجلہ میں جو سلسلۂ مضامین عرصہ سے جاری تھا۔ اسکی تکمیل اس شمارہ میں بہ تمام و کمال ہو گئی۔ اس کو بطور کتاب علحدہ بھی شایع کیا گیا ہے۔ اس کے صفحات کا نشان اب تک جو سلسلہ شایع ہوا ہے اسکی مناسبت سے قایم کیا گیا ہے۔

قوانین مالگزاری

از جناب مولانا محمد مرتضیٰ مرحوم

مرحوم مملکت آصفیہ کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ لکھنے کے لیے سال ہا سال تک مواد فراہم کرتے رہے اور مطالعہ جاری رکھا۔ چنانچہ بادیجو نسل کا تقرر ان کے قیام کے بعد اس کے کاروبار میں کچھ اس طرح گتھے گئے کہ علمی مشاغل کی آرزو، آرزو ہی رہ گئی پھر بھی کچھ نہ کچھ کام جاری تھا کہ پیام اجل آ گیا۔ مرحوم کے متعدد مسودے اور یادداشتیں اس قابل ہیں کہ ان کو شائع کر دیا جائے تو کام کرنے والوں کو کچھ نہ کچھ مدد ملے گی۔ اسی خیال سے موضوع منتخب کردہ عنوان پر ان کی ایک یادداشت شائع کی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ یادداشت مرحوم مکمل نہ کر سکے۔ اب یہ نوخیز نسل کا کام ہے کہ اس قسم کے عنوانوں پر تحقیق اور کاوش سے صداقت کو روشن کرے۔ ادارہ مجلہ

سلطنت آصفیہ میں سررشتہ مالگزاری دولت مغلیہ کے اصولوں پر کامل باقاعدہ طور سے موجود تھا۔ بعد میں اس انتظام میں یہ قباحت ہوئی کہ عہدے موروثی بن گئے۔ نواب مختار الملک نے بہت جلد قدیم اصول کو قائم کیا اور اس کے نتائج بھی بہت بلند نظر آ گئے۔ کیا ہی عمدہ بات ہوتی اگر ہم بجائے جدید کورانہ تقلید کے ہمارے قدیم مردہ اصولوں کو زندہ کرتے۔ مگر غلط فہمی سے اس حالت کو اب اور عمدہ بنانے کا خیال پیدا ہوا تو اس کے لیے مناسب تجویز یہ خیال کی گئی کہ برٹش انڈیا کا طریقہ دکن میں رائج کیا جائے۔

ابتداءً ۱۲۹۳ھ میں مولوی مہدی علی خان (محسن الملک) معتمد سررشتۂ مال مقرر ہوئے۔ اس میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ نئے معتمد نے جنکی بہت سی اعلیٰ قابلیتیں مسلم ہیں ملک کو ایک نئے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔

جیساکہ محسن الملک نے سر لیپل گریفن کے جواب میں بیان کیا ہے بنگالہ کا انتظام بندوبست دکن کے لیے نمونہ ٹھیرایا گیا۔ افسوس ہے کہ بنگالہ کا نمونہ دکن کے لیے نہایت ناموزوں تھا۔ سرکار برطانیہ نے مختلف صوبہ جات میں جن مختلف اصول پر مالگزاری کا انتظام کیا ہے وہ خود اس امر کی صاف صاف گواہی دے رہا ہے کہ ایک خطہ کی تقاضیہ

دوسرے خطہ کے لیے کس قدر نامناسب ہے۔ اودھ، ممالک مغربی و شمالی کا طرز بنگالہ سے جدا گانہ ہے۔ پنجاب، اور احاطۂ مدراس میں اصول الگ قرار دیے گئے۔ سرکار برطانیہ کے سمجھدار افسروں نے ہر ملک کے مطابق کام کیا اور مقامی گزشتہ حالت پر آئندہ کی بنیاد رکھی جس سے آج اس قدر توفیر آمدنی کی صورت نظر آرہی ہے۔

لیکن خود برطانوی ہند کے طرز عمل مالگزاری میں جس قدر بھاری نقص خود اس وقت موجود ہیں اور جن سے ملک اور رعایا کی بربادی ہو رہی ہے اور ان کے مقابلہ میں دولت مغلیہ کے عمدہ اصول جس سے ملک اور رعایا خوش حال تھی اس کو خود بنگالہ ہی کے نامور افسروں نے جنھیں اس سررشتہ کا کامل طور سے تجربہ ہے مثل رویش چندر دت ایسے مدلل طور سے ثابت کر دکھایا ہے کہ کسی انصاف پسند کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

محسن الملک نے جو تقلید کی قباحتوں سے واقف ہیں اس تقلید بندوبست پر بغیر تحقیقات جس قدر کوشش صرف کی وہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ اس کے لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ بنگالہ کی مالگزاری کی ایک مختصر تاریخ لکھیں جس سے معلوم ہو جائے کہ برطانوی حکومت کو کن وجوہ نے اس طرز عمل پر مجبور کیا۔ اور کیا وہ وجوہات دکن میں بھی موجود تھے جس کے لیے اس طریقہ کا رواج یہاں مفید ہو سکتا۔

۱۲ اگست ۱۷۶۵ء کو بمقام الہ آباد عالی شان سلطنت مغلیہ کے باعث ننگ شاہ عالم نے صوبہ جات بنگال، بہار اور اڑیسہ کی سند دیوانی لارڈ کلایو کو عطا کی تو اسی وقت لارڈ کلایو کا یہ تخیل برو‌ئے کار آنے لگا کہ "وہ زمانہ آگیا ہے جب کہ کل سلطنت مغلیہ ہمارے ہاتھ میں ہوگی"۔ لارڈ کلایو کے پاس ایک تدریجی رفتار عمل یقیناً مرتب تھی۔ اسی مخفی رفتار عمل کا آئندہ زمانہ میں مسلسل ظہور ہوتا گیا۔

اول اول چونکہ عہدہ داران کمپنی سررشتۂ مال سے واقف ہی نہیں تھے اور اس کے علاوہ جن آلات کے ذریعہ سے دیوانی کا رتبہ حاصل ہوا تھا دفعتہً ان کو شل کر دینا عام مصلحت کے خلاف تھا، لہذا تمام قدیم مغلیہ انتظام بحال رکھا گیا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ خود سلطنت مغلیہ کی طرح یہ پرانا مضبوط انتظام بھی جان کندنی کی حالت میں ہو رہا تھا اور اس کی وجہ شایستہ افراد کا قحط تھا جو تنزل کی اصلی وجہ ہے۔ وہی پرانے افسر تھے جن کے احسانات کا بار کمپنی کی گردن اٹھا نہیں سکتی تھی۔ محمد رضا خاں دیوان بنگالہ، راجہ شتاب رائے دیوان صوبۂ بہار،

راجہ دولب رام اور جگت سیٹھ وغیرہ۔ مگر اب ان کے ساتھ انگریز افسر بھی روپیہ کمانے اور تجربہ حاصل کرنے کی غرض سے شریک تھے۔ اس وقت جیسا کہ بالاتفاق مان لیا گیا ہے ملک کی بد سے بدتر حالت ہو رہی تھی۔ ذکاء اللہ جیسے خوشامدی مورخ نے لکھا ہے کہ۔

"اب ان تین صوبوں میں حکمران ایک تاجروں کی جماعت تھی جنکی تعداد معین نہیں تھی۔ جو شخص روپیہ دیتا اس میں شریک ہو جاتا۔ گورنر اور ان کی کونسل اختلاف رائے سے یہاں کے آدمیوں کو تباہ کرتے غرض جو حاکم ہوتا اسکو اپنا اعتماد تھا نہ اپنے حکم پر اختیار تھا۔ جو اپنا انتفاع دیکھتا اسے حاصل کر کے چلتا بنتا۔ اس بے انتظامی کی بدولت لٹیروں، ڈاکوں اور رہزنوں کا زور رہوا"

اس زمانہ میں اصول بندوبست کے یہ متعدد طریقے جاری تھے۔

۱۔ خالصہ۔ جس کا بندوبست ہندوستانی افسر کیا کرتے تھے۔

۲۔ انعامات، جاگیرات جو عطیہ کے طور پر دیے گئے تھے اور جن کی مالگزاری معاف تھی۔

۳۔ اجارہ۔ جو ہر سال مستاجروں کو دیا جاتا تھا۔

۴۔ زمینداری۔ تعلقہ داری جس کا محاصل ادا کیا جاتا ہے۔

اس بدنظمی پر زیادہ زور دینے سے انگریزی مورخوں کا یہ مقصد ہے کہ آئندہ انتظام کے سلسلہ میں افسران کمپنی کی خود مطلبی کی پردہ پوشی ہو جائے۔ مگر جس شخص کو یورپ کی پراسرار پالیسی کی خبر ہے اور جس نے تاریخ یورپ و ایشیا کے آخر دور پر گہری نظر ڈالی ہے اسکو صاف صاف نظر آجائیگا کہ یہ تمام مسلسل انتظامات جو بظاہر بالکل جداگانہ اور وقتاً فوقتاً ضرورت کی وجہ سے قایم ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں در اصل ایک ہی خاکہ کے رنگ ہیں جنکی بتدریج خانہ پری کی جاتی ہے۔ یہی یورپ کا وہ سربستہ راز ہے جس نے مشرقی زمین کی یہ درگت کردی۔ مصر اور ٹرانسوال کا مجوزہ خاکہ جس طریقہ پر پورا کیا گیا وہ حال ہی کا واقعہ ہے اور گذشتہ ڈیڑھ دو صدی پہلے کے واقعات کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

خیر تو لارڈ کلایو کے زمانہ تک یہی حالت رہی۔ بتدریج انگریزی افسروں کو زیادہ دخیل بنایا جا رہا تھا۔ ۱۷۶۹ء میں ہندوستانی محصل اور عمال کی نگرانی کے لیے سرکار کمپنی کے ملازم بھیجے گئے۔ بنام "سوپر وائزر" پھر ان کی تنقیح کے لیے دو کونسل پٹنہ اور مرشد آباد میں

قایم ہوئے ۔ یہ سب آئندہ انتظام کا پیش خیمہ تھا ۔

جدید انتظام سات سال کے بعد جب کہ لارڈ کلایو کو ہندوستان سے واپس جانا پڑا تو ان کے ہوا خواہوں سے لحاظ و مروت کی ضرورت نہ رہی تھی ۔ ۱۷۷۲ء میں یہ تجویز جس کی سات سال پہلے ہی بحث ویز ہو چکی تھی بزمانہ وارن ہسٹنگز عملاً جاری ہو گئی ۔ وارن ہسٹنگز کی عیاری تو بے نظیر ہے ۔ اب کورٹ آف ڈائرکٹرز نے مصمم ارادہ کرلیا کہ تمام انتظام فرنگستانی افسروں کے ذریعہ سے عمل میں آئے ۔ ہندوستانی افسروں کے مامور رکھنے سے وہ سخت متنفر تھے جس کے وجوہ یہ بیان ہوتے تھے ۔

۱ ۔ ملک کی آمدنی دن بدن گھٹ رہی ہے ۔

۲ ۔ دیسی افسر خائن ہیں ۔

۳ ۔ نگرانی عمدہ طور سے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی زمینات انعام میں شامل ہو گئی ہیں ۔

۴ ۔ زمینداروں نے ۴۰ لاکھ بیگہ زمین کی معافی دے کر برہمنوں کو عطا کر دی ہے ۔

۵ ۔ اس طرح ۳۰ لاکھ اور ۴۰ لاکھ کے مابین محصول سے کمپنی کا خزانہ محروم ہو گیا ۔

ان وجوہات کے متعلق اب تحقیقات کرنی بیکار ہے ۔ "رفتار عمل" کا اصول ایسا روشن ہو گیا ہے کہ اب کوئی دھوکہ ہو نہیں سکتا ۔ ان وجوہات کے اصلی معنی اب سمجھ میں آگئے ہیں ۔ کمپنی کے ملازموں کی خیانت، فریب اور رشوت خواری تاریخ کے ہر صفحہ سے نمایاں ہے ۔ جان کلارک مارشمن نے لکھا ہے کہ

"رعایا اور زمینداروں کے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس کا حکم مانیں اس لیے کہ ایک طرف تو بظاہر سرکاری کارروائی نواب کے علاقہ داروں کو مفوض تھی لیکن دوسری طرف انگریز تمام ملک میں اس قدر صاحب اقتدار تھے کہ ہندوستانی افسر ان کو اپنا تابع بنا ہی نہیں سکتے تھے ۔"

بہر حال باشندگان ملک میں حُبِّ وطن کی کسی روح کا موجود نہ ہونا اور دیسی افسروں کی نااتفاقی اور شایستہ افراد کا قحط ان سب باتوں نے کمپنی کے ڈائرکٹروں کا حوصلہ بڑھا دیا اور بذریعہ مراسلہ ۲۸ اگست ۱۷۷۱ء تجویز جدید جاری کرنے کے لیے گورنر فورٹ ولیم کو حکم دے دیا گیا اس کی تکمیل دوسرے سال ۱۷۷۲ء کے اپریل و مئے میں کی گئی ۔ یہ بھی

ایک ثبوت ہے اس امر کا کہ بحث ویز مدت سے ہو چکی تھی۔ یہ نہیں کہ واقعات کی وجہ سے تجویز جدید جاری کرنے کی ضرورت ہوئی ہو۔ غرض اعلان شایع کیا گیا کہ آئندہ مالگزاری کا کام انگریز کلکٹر کیا کرے گا۔ گویا پہلے سوپر وایزر کلکٹر بنا دیے گئے۔

کمپنی کا پہلا اصول بندوبست

اصول بندوبست کے بارے میں وارن ہسٹنگز نے رزولیوشن پاس کروایا کہ بندوبست متاجری کا قاعدہ جاری کیا جائیگا اور پٹہ ایک مدت معینہ کے لیے لکھوایا جائیگا۔ جو رزولیوشن اب پاس کیا گیا وہ انگریزی بندوبست کا پہلا نمونہ تھا۔ سلطنت مغلیہ کے باقاعدہ وسیع اور مکمل بندوبست کے سامنے اس خفیف بندوبست کو پیش کرنا ہی ایک سخت غلطی ہوگی۔ اس برائے نام ناقص بندوبست کی بدولت تمام گزشتہ ثابتہ اصول مفقود کر دیے گئے اور مالگزاری کی تاریخ صدیوں پیشتر کے تاریک زمانہ کی طرف پھر لوٹ گئی۔ اس انتظام سے بجز اس کے کہ حق داروں کو بے دخل بنا یا جائے بلاوجہ اور کوئی خیال پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور آخر کار کہا جب مقصد پورا ہو گیا اس ناقص بندوبست کو خیرباد کہنا پڑا۔ مسلمانوں نے اس سررشتہ کو جس حالت میں پایا تھا اس میں کوئی ابتری نہیں پیدا کی۔ کمپنی نے جس حالت میں اس کو پایا اس کو خراب کر دیا۔

پہلے دفعہ کا اجارہ

سب سے پہلے دفعہ جو اجارہ دیا گیا اس میں میعاد متاجری ۵ سال قرار دی گئی۔ ایک کمیٹی بورڈ کی قرار پائی جس میں گورنر کونسل کے چاروں ممبر شریک تھے کہ وہ انتظام کی نگرانی دورہ کر کے کیا کرے۔ تھوڑے سے تجربے کے بعد معلوم ہو گیا کہ متاجری کے جو شرایط قرار دیے گئے ہیں ان سے کام نہیں نکل سکتا۔ اس لیے یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ زمین کا عام نیلام ہوا کرے۔ پرانے حق داروں کی بے دخلی کے متعلق مارشمن نے لکھا ہے کہ۔

"جس جگہ پرانا زمین دار یا تعلقہ دار محصول معتدبہ کی ادائی پر راضی ہوتا تھا تو زمینات اس کے قبضہ میں رکھی جاتی تھیں ورنہ اس کو بے دخل کر دیا جاتا اور کسی قدر وظیفہ اس کے لیے مقرر کر دیا جاتا اور زمین کسی نئے متاجر کے قبضہ میں دیدی جاتی تھی"

"قیاس کن زگلستان من بہار مرا" اسلامی دور کی تاریخ مالگزاری میں بلاوجہ بے دخلی کی ایسی

کوئی ایک بھی نظیر نہیں مل سکتی ۔

محمد رضا خاں وغیرہ کی گرفتاری | جدید اعلان کی اجرائی کے ساتھ ہی محمد رضا خاں دیوان اور راجہ شتاب رائے (جس نے فن زراعت کے متعلق بہت سی ایجادیں کی ہیں) کو بالکل خلاف ضابطہ راتوں رات گرفتار کیے جانے اور نہایت ذلت کے ساتھ کلکتہ میں لائے جانے کے تمام واقعات ہم بوجہ اختصار قلم انداز کرتے ہیں ۔

راجہ تو خیر فوراً چھوٹ بھی گیا اور اس ذلت کی تاب نہ لا کر مر بھی گیا مگر محمد رضا خاں کا جھوٹا مقدمہ دو سال تک زیر تحقیقات رہا اور آخر اس کی تمام دولت انگریز وکلا اور ملازمین کی نذر ہو جانے کے بعد اس کو برأت نصیب ہوئی ۔

یہ سب واقعات ہمیشہ تاریخ کے صفحوں پر نمایاں رہیں گے ۔

وارن ہسٹنگز کی مالی کارروائیاں | ذکاء اللہ نے لکھا ہے کہ

"صیغہ مال میں ہسٹنگز کی عہد گورنری میں حسن کارگزاری کی تحسین و آفرین کی جاتی ہے کہ انھوں نے سرکار کمپنی کے افلاس اور بے زری کی مشکلات کو آسان کر دیا ۔ اور ملک کی آمدنی کو بڑھا دیا ۔ بے شک یہ کام ان کا قابل ستائش ہوتا اگر افزائش زر، ملک کی پیداوار کی قابلیت بڑھانے سے ہوتی جس سے باشندوں کو فلاح ہوتی اور وہ انگلستان کے مرہون اور ممنون ہوتے مگر ان کی تو تحصیل زر کی سبیل ایسی تھی کہ خرد سال نواب بنگالہ کے ۳۲ لاکھ سے ۱۶ لاکھ روپیے ۔ بادشاہ کا خراج موقوف کر دیا ۔ شجاع الدولہ کو سپاہ کرایہ دے کر (۴۰) لاکھ روپیہ نقد لے لیا ۔ اور اس سے ایک تہائی خرچ سپاہ کا کم کر لیا ۔ خالص آمدنی میں قرض کے منہا کرنے کے بعد ۱۷۷۲ء سے ۱۷۸۵ء تک بقدر ۴۲ لاکھ افزائش معلوم ہوتی ہے جس کے عوض میں نہیں معلوم کہ کتنوں کے گلے پر چھری پھری ہوگی اور کیا کیا کوتاہ کرنے پڑے ہوں گے ۔"

دوسرے دفعہ کا اجارہ | پہلے اجارہ کی مدت اب ختم ہوگئی (۱۷۷۷ء) حالات ملک

ناواقف رہکر جو تجویز جاری کی گئی چند ہی دنوں میں اس کے نقصانات نظر آ گئے۔ بقول انگریزی مورخوں کے ایک کروڑ ۲۰ لاکھ روپیہ مستاجروں پر بقایا رہ گیا۔ ذکاءاللہ نے لکھا ہے ۲

"اب اس زر مالگزاری کے ادا کرنے کے لیے سرکار نے زمینداروں کو شکنجہ میں کھینچنا شروع کیا۔ اور زمینداروں نے رعیت کے گلے پر چھری پھیرنی شروع کی۔ اس بندوبست نے خلق خدا کو برباد کیا۔ اور ملک کو ویران بنایا۔ اگر یہی بندوبست رہیگا تو نہ کسی کے کانوں میں چکی کی آواز سنائی دیگی نہ کسی گھر میں چراغ کی روشنی نظر آئے گی"

غرض کہ گورنر جنرل اور ممبروں میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی رائے انتظام مالگزاری اور بندوبست کے بارے میں کمپنی کے ڈائرکٹروں کے پاس لکھ بھیجی ہسٹنگز اور بارویل نے جو مسودہ قانون تیار کیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اکثر اضلاع کا بندوبست زمینداروں کے ساتھ کیا جائے بشرطیکہ وہ بہت کم روپیہ مال گزاری کا بہ نسبت کسی غیر شخص کے دیتے ہوں اور اس بندوبست کی میعاد زمیندار کے حیات تک یا اس کی دو نسل کی حیات تک ٹھیرائی جائے اور اس کے ساتھ سب طرح کی رعایت کی جائے۔

فرنسیس ممبر نے ایک کتاب مرتب کی جس میں یہ امور شرح و بسط سے لکھے کہ زمین کا مالک بادشاہ کو سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ اس سے کچھ خراج معین لیا جائے۔ اس کی مقدار ایک دفعہ جو ٹھیر جائے وہی لی جائے پھر اس میں تغیر و تبدل نہ ہو لیکن کمپنی کے پاس سے حکم آیا کہ نیلام کا قاعدہ موقوف کیا جائے اور زمینداروں کے ساتھ برعایت یک سالہ بندوبست کیا جائے۔ اس حکم کے مطابق یہ تجویز ٹھیری کہ پرانے زمینداروں کو زمین سال آخر کی جمع پر یا از سر نو جمع تشخیص کرکے کونسل اضلاع دیدے۔ زمینداروں اور مستاجروں کو اوروں پر ترجیح دی جائے۔ ہر سال نیا اجارہ دینے کا یہ اصول سنہ ۱۷۷۳ء تک جاری رہا اس کی بھی اصلی وجہ مارشمن نے بیان کردی ہے کہ :-

"نئے اجارہ کا قاعدہ جاری کرنے کا اصلی منشا یہ تھا کہ گزشتہ سالوں کا بقایا بھی وصول ہو جائے اور اسی منشا کے مطابق تا بمقدور اجارہ گزشتہ مستاجروں ہی کو دیا جاتا تھا"

آخر کار وارن ہسٹنگز کا دور ختم ہوا اور کارنوالس کے زمانہ کی ابتدا ہوئی۔

دکن کی سرزمین

از جناب مولوی محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب صدر وظیفہ یاب کلیہ جامعہ عثمانیہ

(یہ تقریر نشرگاہ حیدرآباد سے بتاریخ ۳۰ مارچ سنہ ۱۹۴۳ء نشر کی گئی جو باجازت نشرگاہ شائع کی جاتی ہے)

دکن سے مراد عموماً ہند کا وہ حصہ ہے جو بندھیاچل کے جنوب میں واقع ہے۔ اس میں بلحاظ تنظیم حالیہ مدراس اور بمبئی پریزیڈنسی کے وسیع علاقے اور سلطنت حیدرآباد ریاست ہائے میسور، ٹراونکور و کوچن وغیرہ داخل ہیں۔ اقلیم ہند کے اس جنوبی حصہ کی شکل ایک مثلث کی سی ہے جس کا سرا راس کماری پر قایم ہے۔ سمندر کے دونوں بازو ساحل سے کسی قدر ہٹ کر کم بلندی کی پہاڑیاں ہیں جو مشرقی و مغربی گھاٹ کہلاتی ہیں۔ ان کے علاوہ سرزمین کے وسطی حصہ میں بھی چند ایک سرسبز و ادر وہ پہاڑیاں ہیں (جیسے نیلگری، اوٹاکمنڈ، کوڈائی کنال، کونور وغیرہ) جہاں باوجود قربت خط استواء ارتفاع کی وجہ گرمیوں کے زمانہ میں بھی موسم خوشگوار ٹھنڈا رہتا ہے اور اسی لیے اکثر ذی استطاعت لوگ وہاں گرما کی چھٹیاں منانے جاتے ہیں۔

اس خطۂ ملک میں سب سے بڑی ندی گوداوری ہے جو اس کی شمالی سرحد کے متوازی بہتی ہے۔ اس کے جنوب میں کرشنا، تنگبھدرا، کاوری اور پینار وغیرہ بھی کافی بڑی ندیاں ہیں۔ ان سبھوں کا بہاؤ عموماً مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ دریائے کاوری کے پانی کو روک کر ریاست میسور نے اپنے ہائیڈرو الیکٹرک اسکیم سے صنعت و حرفت و عام تمدن کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔

سلطنت حیدرآباد کا علاقہ کسی زمانہ میں بشمول علاقہ جات شمالی سرکار، کرناٹک و ارکاٹ، خلیج بنگال تک پہنچا تھا اور جنوب میں میسور کی حالیہ شمالی سرحد تک پھیلا ہوا تھا۔ اب وہ ممالک حیدرآباد و برار ہی پر مشتمل ہے۔ مملکت حیدرآباد کے موجودہ حدود تقریباً شمالی عرض بلد ۱۵ درجے ۱۰ دقیقے سے لیکر ۲۰ درجے ۴۰ دقیقے تک، اور مشرقی طول بلد ۷۴ درجے ۴۰ دقیقے سے ۸۱ درجے ۳۵ دقیقے تک تصور کیے جاتے ہیں۔ اس کا رقبہ

بیاسی ہزار سات سو مربع میل ہے ۔ اس کا بیشتر حصہ مرتفع پہاڑی میدان کوئی ساڑھے بارہ سو فٹ بروئے اوسط بلند ہے ۔ اگرچہ اس میں چند ایسی پہاڑیاں بھی ہیں جو کہیں کہیں ڈھائی ہزار بلکہ ساڑھے تین ہزار فٹ سے بھی اونچی ہیں ۔

دریائے گوداوری مملکت حیدرآباد کی شمالی سرحد کے مشرقی حصہ کی تعیین کرتا ہے اور دریائے تنگبھدرا اس کی جنوبی سرحد کی ۔ ارضیاتی نقطۂ نظر سے ملک کا بیشتر رقبہ دکن ٹراپ پر مشتمل ہے اور اس کے شمال مغرب اور جنوب مشرق میں آرکے امن جتنے قدیم ترین عہد کی چٹانیں پائی جاتی ہیں ۔ متعدد مقامات پر زمینی دریا برآمد ہے ۔ شہر حیدرآباد کے گرد کے اضلاع میں سرخ رنگ کی مٹی کے طبقات (لاٹیرائیٹ) بکثرت موجود ہیں ۔ اور گونڈوانا نوع کی چٹانیں دو سو میل تک چلی گئی ہیں ۔

اس سرزمین کی پہاڑیوں میں اکثر جگہ بڑے بڑے گول پتھر ایک دوسرے کے بازو اور کہیں کہیں ایک دوسرے کے اوپر کچھ ایسی ترتیب میں واقع ہیں کہ دیکھنے والے کو شبہ ہوتا ہے کہ شاید کسی زمانہ میں کوئی دیو ہیکل مخلوق نے اپنے ہاتھوں سے ان کو خطرناک مقامات پر رکھ چھوڑا ہے ۔ چنانچہ کرنل میڈوز ٹیلر نے امیر علی ٹھگ کے مشہور قصہ میں بعض لوگوں کا عقیدہ بیان کیا ہے کہ یہ پتھر وہ ہیں جو ہنومان کی فوج کے بندر ہمالیہ پہاڑ سے لائے تھے تاکہ راجہ رام چندرجی سمندر عبور کرکے لنکا جا سکیں ۔ اکثر پتھر تو پل بنانے کی غرض سے سمندر میں ڈال دیے گئے جو بچ رہے وہ دکن کی پہاڑیوں میں جوں کے توں بندر جس وضع میں رکھ چھوڑے تھے رہ گئے ۔ حالیہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صورت بعض نباتات (مثلاً کروندہ شریفہ اور دیگر جنگلی جھاڑیوں) کی جڑوں کے کیمیائی تعامل اور کرۂ ہوائی کے اثرات کا نتیجہ ہے ۔

بعض پہاڑ ایک ہی چٹان سے بنے ہیں (مثلاً قلعہ بھونگیر کا پہاڑ یا مولی کا پہاڑ وغیرہ) اور کافی بلند اور وسیع بھی ہیں ۔ ایک امریکی سیاح نے میرے ایک دوست سے کہا ہے کہ بھونگیر والا پہاڑ اس لحاظ سے دنیا بھر میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے ۔ شاید ایک یا دو ہی ایسے ایک چٹان والے بڑے پہاڑ اور جگہ موجود ہوں گے ۔

ممالک محروسہ کے بعض علاقوں میں ساگوان اور دیگر قیمتی لکڑیوں کے جنگل ہیں ۔ بڑ پیپل ببول سرشں بانس اور چندن کو بھی اہمیت حاصل ہے ۔ میوے کے درختوں میں

آم، املی ناریل تاڑ کویٹ اور چرونجی وغیرہ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ باغات میں لیمو، نارنگی سنترہ موسمبی انجیر انگور امرود کیلا کٹہل اور فالسہ بھی آسانی سے پھل دیتا ہے۔ لیکن جب کبھی خشک سالی مسلط ہوتی ہے تو باغ کے باغ سوکھ جاتے ہیں اور از سرنو پودے لگانے پڑتے ہیں۔ اسی طرح بعض جگہوں پر مٹی میں دیمک اور درختوں پر کیڑے اس بلا کے نازل ہوتے ہیں کہ بڑے سے بڑے درخت بھی مر جاتے ہیں۔ امید کہ سائنٹیفک تحقیق سے یہ نقائص جلد رفع کیے جاسکیں گے۔

خوشبودار پھولوں میں موتیا یہاں تقریباً خود رو ہے۔ پاکھال کے جنگلوں سے باسانی فراہم کیا جا سکتا ہے۔ چنبیلی چمپا سیوتی گیندا ہند کے پرانے پھولوں کے لیے تو یہاں کی زمین فطری طریقہ پر موزوں ہے۔ مغلیہ بادشاہت کے زمانہ میں ایران سے لایا ہوا گلاب بھی یہاں خوب پھولتا اور خوشبو دیتا ہے۔ اقصائے مشرق سے آیا ہوا ہنا بانا (رات کی رانی اور دن کا راجہ) بھی چاندنی راتوں میں خوب بہار دیتا ہے۔

ہمارے ملک میں بارش زیادہ تر جنوب مغربی موسمی ہواؤں کے زمانہ میں (جون سے سپٹمبر تک) ہوتی ہے۔ یہ ہوائیں بحیرۂ عرب اور بحر ہند سے چلتی ہوئی آبی بخارات سے سیر ہو جاتی ہیں اور خشکی پر سے گذرتی ہوئی ان بخارات کو بارش کی شکل میں مطروح کرتی ہیں۔ شمال مشرقی موسمی ہواؤں کے زمانہ (اکتوبر و نومبر) میں بھی خلیج بنگال سے آنے والی ہواؤں سے کچھ بارش میسر ہو جاتی ہے لیکن ہر سال نہیں۔ یہاں اوسط بارش ۲۸ انچ سالانہ شمار ہوتی ہے کبھی ۳۵ انچ تک بھی پہنچ جاتی ہے اور خشک سالی میں دس پندرہ انچ پر ہی ختم ہوتی ہے۔ ملک کی اوسط تپش ۸۱ درجے فارن ہائٹ قرار دی گئی ہے سرما میں بعض اوقات ۵۵ درجے سے بھی کمتر محسوس ہوتی ہے اور گرما میں ۱۰۵ درجے سے بھی زیادہ۔

ممالک محروسہ میں کئی ایک قدرتی تالاب بھی ہیں جو بارش کے زمانہ میں پہاڑوں کے دامن میں پانی سے لبریز ہو کر بہنے لگتے ہیں۔ سال بھر ان میں پانی رہتا ہے۔ سب سے بڑا پاکھال کا ہے جس کی وسعت ۱۳ مربع میل ہے۔ مصنوعی تالاب بکثرت ہیں۔ سب سے بڑا نظام ساگر کا ہے جو دریائے مانجرا کو روک کر نظام آباد میں تیار کیا گیا ہے۔ بلدہ سے قریب عثمان ساگر حمایت ساگر حسین ساگر اور میر عالم کا تالاب بھی کافی بڑے ہیں۔

معدنیات میں سب سے بڑھ کر اہمیت پتھر کے کوئلہ کو حاصل ہے جو سنگرینی وغیرہ کی

کانوں سے نکالا جاتا ہے۔ کسی زمانہ میں دریائے کرشنا کے کنارے الماس بھی پایا جاتا تھا چنانچہ ہندوستان کا مشہور کوہ نور یہیں سے برآمد ہوا تھا۔ سونا پہلے کافی مقدار میں ملتا تھا اب صرف ہٹی کے معادن سے برآمد کیا جا رہا ہے۔

سنگ سیلو سنگ مرمر ابرک تامڑا وغیرہ بھی قابل ذکر معدنی اشیا ہیں۔ چند سال پیشتر ورنگل کے صوبہ سے ایک کمپنی نے معقول مقدار میں یاقوت حاصل کیے تھے اب وہ ختم ہوگئے۔ باضابطہ تلاش اگر سائنٹیفک اصول پر کی جائے تو کیا عجب کہ اب بھی ایسی چیزیں برآمد ہوسکینگی جن کی صنعت و حرفت میں بہت قیمت ہے۔

زبانوں کے لحاظ سے ممالک محروسہ کی تین حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ مشرقی حصہ تلنگانہ کہلاتا ہے۔ شمالی مغربی حصہ مرہٹواڑی اور جنوبی و جنوب مغربی حصہ کنڑا علاقہ۔ تلنگانہ میں دو قسم کی کاشت ہوتی ہے۔ بارش کے موسم میں آبی اور گرما سرما وغیرہ میں تابی جس کے لیے تالابوں سے پانی لیا جاتا ہے۔ بقیہ دو علاقوں میں چونکہ بارش کم ہوتی ہے باولیوں سے پانی لیکر کاشت کی جاتی ہے یا سرما کی شبنم سے استفادہ کرکے۔

تلنگانہ میں زیادہ تر چاول کی کاشت کی جاتی ہے۔ مرہٹواڑی اور کنڑا علاقوں میں جوار گیہوں سور مونگ تل اور کرڑ وغیرہ بوئی جاتی ہے۔ چنا بھی جاڑے کے موسم میں تالابوں کے پیٹھے میں یا ریگڑ کی زمین میں کاشت کیا جاتا ہے۔ کالی مٹی کپاس کی کاشت کے لیئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ یہاں چند مقامی ترکاریاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ لیکن موزوں اقسام کے کھاد کا استعمال چند ہی سال سے مروج ہو رہا ہے۔ توقع ہے کہ آگے چلکر ملک کے باہر کی ترکاریاں بھی بخوبی کاشت کی جاسکینگی۔ زراعت کے ساتھ مویشی اور دیگر مفید جانوروں کی پرورش و نگہداشت پر اب زیادہ توجہ کی جا رہی ہے۔

ملکی صنعتوں میں سمنٹ تیل دیا سلائی اور شیشہ کی تیاری و باعث پارچہ بافی کاغذ اور شکر سازی وغیرہ بہت کامیاب ہو رہی ہیں۔ جدید تالابوں سے پانی بافراط حاصل ہونے سے ان دنوں گنّے کی کاشت بڑی ترقی کر رہی ہے۔ میکانیات سے جوں جوں واقفیت زیادہ ہوگی اور معاملہ فہم متدین لوگ سرمایہ داروں کے ساتھ مل کر کام کرینگے صنعتوں کو مزید فروغ ہوگا اور امید کی جاتی ہے کہ ملک سے جلد تعلیم یافتہ بیروزگاری رفع ہو جائیگی۔

حیدرآباد کو اس کے آثار قدیمہ کی بدولت عالمگیر شہرت حاصل ہے۔ ایلورا اور اجنٹے

غاروں کی سنگتراشی اور صناعی ہند میں اپنی آپ نظیر ہے۔ ان کی محافظت اور معائنہ کی سہولت کے لیے سرکار آصفیہ کی طرف سے فیاضانہ طریقہ پر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ بیدر کے بریدشاہوں کی عمارتیں ان کے گنبد، محمود گاواں کا مدرسہ وغیرہ قلعہ گولکنڈہ کا بالاحصار اور اس کے گردونواح کی قدیم عمارتیں اور خود وسط شہر حیدرآباد میں مکہ مسجد چار مینار وغیرہ نہ صرف اپنے حسن تعمیر کے لحاظ سے جاذب نظر ہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ اسی طرح اورنگ آباد خلد آباد اور دولت آباد کی عمارتیں اور زیارت گاہیں بھی۔

دکن کا تمدن کئی ایک پرانے اور نئے تمدنوں کی آمیزش و ارتقا کا کامیاب نمونہ ہے ورنگل وغیرہ کی قدیم عبادت گاہیں کاکتیا عہد کی شاندار یادگاریں ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے پہاڑی قلعے قرون وسطیٰ کے تلنگانہ کنڑا اور مرہٹواڑی کی چھوٹی ریاستوں اور ان کے باہمی خانہ جنگیوں کی عبرت انگیز تصویریں ہیں۔ خلجی، تغلق اور افغانی سپہ سالاروں کے فتوحات کے بعد مسلم ہندو سمجھوتے کے ساتھ گلبرگہ کی خود مختار بہمنی حکومت کا قیام، اور اس کے شکست و ریخت پر برار کے عماد شاہی احمد نگر کے نظام شاہی بیدر کے برید شاہی بیجاپور کے عادل شاہی اور گولکنڈہ کے قرا قیونلی کالے بکرے کے قومی نشان والے ترکمان نژاد قطب شاہی ریاستوں کا نشو و نما، ان کے باہمی نزاع، پھر موقت اتحاد اور ریاست وجیانگر کا سقوط اور بعد ازاں بادشاہان مغلیہ کا تمام ہند پر تسلط اور مغلوں کے زوال پر سلاطین آصفیہ کا حسن تدبر دور اندیشی اور رواداری اور بالآخر انگریزوں کے ساتھ دوستانہ اتحاد، ان تمام واقعات سے ملک کے تمدن اور معاشرت میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کی ترجمانی دکنی تہذیب کی ہر دلعزیزی اور اردو زبان کی جادو اثر ترقی سے ہوتی ہے۔

ہمارے ملک میں بعض جنگجو اقوام کے تاخت و تاراج کے علامات، پرتگالی اور فرانسیسی تجارت پیشہ سیاحوں کی سیاسی ریشہ دوانیوں اور پھر فوجی تسلط کی کوششوں کے آثار کا بھی جا بجا پتہ چلتا ہے۔ لیکن ان دقتوں کے باوجود شاہان آصفیہ کا حکیمانہ تدبر اور منصفانہ شعار ملک کو ہمیشہ خوش حال رکھا۔

سرزمین دکن میں زمانہ قدیم سے علم و ہنر کی سرپرستی چلی آرہی ہے۔ قطب شاہی دور گولکنڈہ اردو اور فارسی شعر و سخن کا مسکن رہا۔ اسی طرح دیگر بہمنی ریاستوں نے بھی اپنے عروج کے زمانہ میں علم کی اچھی خدمت کی۔ دور دور سے عالم و فاضل چلے آئے اور اپنی قابلیت

سند پائے ۔ ظہوری و فرشتہ کی شہرۂ آفاق تصنیفات اسی قدر شناسی کے خوشہ چیں ہیں ۔ بہمنی دور ختم ہونے پر شاہان آصفیہ باوجود جنگی و سیاسی مصروفیتوں کے بذات خود شعر و سخن کے سرپرست بن گئے ۔

حضرت غفران مکاں کو اردو شاعری میں ید طولیٰ حاصل تھا ۔ موجودہ عہد میں حضرت سلطان العلوم سلطان الشعراء نے ملک دکن کو دنیائے علم میں جس اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچایا ہے اس کا ثبوت قیام جامعۂ عثمانیہ و رشحات کلک عثمانی کی شہرت سے نمایاں ہے ۔

سلطنت آصفیہ کا برطانوی شہنشاہیت کے ساتھ مخلصانہ ارتباط نہ صرف اقلیم ہند کو زمانۂ امن میں ترقی کے راستہ پر چلانے میں ممد و معاون رہا ہے، بلکہ ہر جنگ میں فتحیاب بنا کر موجودہ عالمگیر تباہی کے دوران میں مہذب و صلح پسند دنیا کو فتح و نصرت کی طرف آگے بڑھا رہا ہے ۔

اس مبارک سرزمین میں قدیم ڈراوڈی اقوام کی اولاد قبل دور مسیح علیہ السلام کے آریائی نسل کے ہندو، عصر جدید کے پارسی نصرانی یہودی جین سکھ وغیرہ حتیٰ کہ آوریقی والا یائی اقوام کے نمائندے بھی ملک کے مسلمان عرب ترکمان افغان اور ایرانیوں کے ساتھ شیر و شکر کی طرح ملکر زندگی بسر کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ قابل تقلید ارتباط زیر پرچم آصفی ہمیشہ برقرار رہے ۔ آمین

تنقید و تبصرہ

سلسلہ مطبوعات ادارۂ معاشیات

اردو میں معاشی ادب کا اضافہ کرنے کے لیے یہ ادارہ حال ہی میں قایم کیا گیا ہے۔ اس کے صدر ڈاکٹر انور اقبال قریشی صاحب استاذ معاشیات جامعۂ عثمانیہ و معاشی مشیر حکومت حیدرآباد ہیں۔ صاحب موصوف کو ان کے چند قدیم طالب علموں کا تعاون عمل حاصل ہے۔ چھ سات مہینے کی قلیل مدت میں اس ادارہ نے سات کتابیں شایع کی ہیں دو ایک کتابوں مثلاً "ہندوستان کے معاشی مسائل" پر مجلہ میں قبل ازیں تبصرہ ہو چکا ہے۔

ہندوستان کی آبادی:- از ڈاکٹر انور اقبال قریشی۔ کراؤن سائز۔ مجلد۔ مع رنگین گردپوش۔ ضخامت ۳۰۰ صفحات قیمت ۳ روپے۔

اس کتاب کے سات باب ہیں۔ ان میں آبادی کے قدیم نظریوں، مالتھس کے نظریۂ آبادی، کنن کے متوازن نظریۂ آبادی، ہندوستانی آبادی کے تاریخی پس منظر، ۱۹۴۱ء کی مردم شماری، آبادی اور خوراک اور کثرت آبادی کے مسائل پر جامع طور سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ زبان نہایت سلیس اور سادہ ہے۔ امید کہ اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ کریں گے۔

ہندوستان کا نظام زر:- از ڈاکٹر انور اقبال قریشی کراؤن سائز۔ مجلد۔ مع رنگین گردپوش ۳۰۰ صفحات قیمت ۳ روپے۔

اس کتاب میں ہندوستانی زر کی ایک سو سالہ تاریخ پیش کی گئی ہے۔ اور زر کے پیچیدہ مسائل کو نہایت عام فہم پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ شرح مبادلہ۔ معیار طلاء۔ افراط زر اور اسٹرلنگ تمسکات جیسے اہم مسائل کو ماہرانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اردو زبان میں یہ اپنی نوعیت کی گویا پہلی مستند کتاب ہے۔ مصنف نے پوری کوشش کی ہے کہ پڑھا لکھا شخص جسے ہندوستان کے زر کے مسائل سے دلچسپی ہو اس کتاب سے بآسانی استفادہ کر سکے۔ طلبا کے لیے یہ کتاب خاص طور پر مفید ہے۔ امید کہ بی۔ اے اور ایم۔ اے کے طالب علم اسے ایک نصابی کتاب کی حیثیت سے پڑھیں گے۔

ہندوستان کی معیشت اور جنگ:- از محمد احمد خاں صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) ال ال بی (علیگ) کراؤن سائز۔ ضخامت ۳۰۰ صفحے۔ مجلد۔

سعہ رنگین گرد پوش قیمت ۳ روپے۔

یہ کتاب پروفیسر انور اقبال قریشی صاحب کے پیش لفظ اور نو ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ موجودہ جنگ کی وجہ سے ہندوستانی زراعت کس طرح متاثر ہوئی۔ جنگ سے قبل زراعت کی کیا حالت تھی اور آغاز جنگ سے اس میں کس قسم کی تبدیلیاں شروع ہوئی ہیں۔ فصلوں کی نوعیت، رقبۂ کاشت، مقدار پیداوار اور قیمت پیداوار کے لحاظ سے گذشتہ پانچ سال میں کیا تغیرات ہوئے اور ان تغیرات کی وجہ سے ہندوستان کی معاشی زندگی کس طرح متاثر ہوئی۔

دوسرے باب میں ہندوستان کی صنعتوں پر بحث کی گئی ہے۔ سوت، جوٹ، لوہے، فولاد، کوئلے، سمنٹ، شکر، چائے، کاغذ، المونیم، جہاز، ہوائی جہاز، جنگی سازوسامان اور کیمیائی صنعتوں پر موجودہ جنگ کے جو اثرات پڑے ہیں انھیں نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ بھی بتایا ہے کہ اس جنگ کی وجہ سے گھریلو صنعتیں کس طرح متاثر ہوئی ہیں۔ حکومت کی صنعتی پالیسی اور مزدوروں کے مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسرا باب تجارت سے متعلق ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ۴۰-۱۹۳۹ تا ۴۴-۱۹۴۳ کی پانچ سالہ مدت میں ہندوستان کی تجارت خارجہ میں کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ جنگ سے پہلے اشیائے تجارت، مقدار تجارت، اور ممالک تجارت کے لحاظ سے کیا صورت حال تھی اور اب کس قسم کی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ملک کی معاشی زندگی پر ان تبدیلیوں کے کیا اثرات پڑے ہیں؟

چوتھے باب میں ذرائع حمل و نقل پر بحث کی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ جنگ کی وجہ سے ریل اور موٹروں کی حد تک کیا مسائل پیدا ہوئے ہیں؟ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے حکومت نے کونسی تدبیریں اختیار کی ہیں۔ آئندہ کس قسم کی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

پانچواں باب زر سے متعلق ہے۔ ہندوستان کے نظام زر پر جنگ کے بہت گہرے اثرات پڑے ہیں۔ مصنف نے ان اثرات کو نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ افراط زر کے وجوہ اسباب، نوعیت، اثرات اور اصلاح کی تدبیروں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

چھٹے باب میں نظام بنک کاری پر بحث کی گئی ہے۔ ریزرو بنک، جدولی بنک، غیر جدولی بنک اور امداد باہمی کے بنکوں پر موجودہ جنگ کے اثرات کو نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ساتویں باب میں مالیات کی تشریح کی گئی ہے ۔ موجودہ جنگ کی وجہ سے حکومت ہند کے اخراجات میں کتنا اضافہ ہوا ہے ۔ اس اضافے کی تکمیل کن مختلف ذرایع سے کی جا رہی ہے ۔ اس باب کا تنقیدی حصہ خاص طور پر قابل غور ہے ۔

آٹھویں باب میں ہندوستانی قومی قرض پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جنگ کے موافق حالات کی وجہ سے ہندوستان کس طرح ایک دین دار ملک کے بجائے لین دار ملک بن گیا ہے ۔ اسٹرلنگ قرضے کی نوعیت اور اس کی ادائی وغیرہ کے متعلق دلچسپ بحث کی گئی ہے ۔

نواں باب جنگ کے بعد کے معاشی مسائل سے متعلق ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی زراعت ، صنعت ، تجارت ، حمل و نقل ، زر ، بنک ، مالیات اور قومی قرضے کے سلسلے میں کیا مسائل رونما ہوں گے اور انھیں کیونکر حل کیا جا سکتا ہے ۔

یہ کتاب ہماری معاشی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر جنگ کے اثرات کے متعلق معلومات کا اچھا ذخیرہ پیش کرتی ہے ۔ زبان سادہ خیالات مربوط اور ابواب کی ترتیب میں تسلسل اور تناسب کا عمدگی کے ساتھ لحاظ رکھا گیا ہے ۔

معاشیات اور اعداد و شمار میں بہت قریبی تعلق ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ریاضیاتی عمل اور اعداد و شمار کی مدد کے بغیر معاشی مسائل کی خاطر خواہ تفہیم اور تحلیل ممکن ہی نہیں ۔ اعداد و شمار کی اس اہمیت کے باوجود اگر ان کا استعمال بہت زیادہ ہو تو عام قارئین کو دلچسپی باقی نہیں رہتی ۔ وہ اعداد و شمار کی بھرمار کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں اور مطالعہ کی طرف مائل نہیں ہوتے ۔ مصنف مناسب سمجھیں تو کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اعداد و شمار کو نمایاں طور پر گھٹا دیں ۔

بعض ابواب کے آخر میں متعلقہ مباحث کا خلاصہ دیا گیا ہے ۔ اگر یہ طریقہ تمام ابواب میں اختیار کیا جاتا تو اس سے نہ صرف طرز استدلال میں یکسانیت پیدا ہوتی بلکہ عام قارئین کو فائدہ پہنچتا ۔ بالخصوص طالب علموں کو ضروری نکات یاد رکھنے میں سہولت ہوتی ۔ آئندہ ایڈیشن میں اگر اس چیز کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو بہتر ہے ۔

کتاب کے آخر میں اشاریے بھی شامل ہے یہ وہ خصوصیت ہے جو عام طور سے اردو کتابوں میں نظر نہیں آتی ۔ معاشی زندگی پر جنگ کے اثرات کے متعلق انگریزی میں مختلف کتابیں اور رسالے شایع ہوئے ہیں ۔ اگر ان کی ایک مکمل فہرست شامل ہوتی تو عام قارئین اور طلبا کو اس سے بڑی مدد ملتی ۔

مجموعی طور پر یہ کتاب مستحق تعریف ہے۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی نے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ
زیر نظر کتاب میں ایسا مواد پیش کیا گیا ہے جو کسی انگریزی کتاب میں بھی یکجا نہیں ملتا . . . . .
. . . عثمانیہ جامعات کے طلباء کے لیے امتحانی نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے"۔
احمد خاں صاحب کی یہ پہلی کتاب نہیں ہے۔ اس سے قبل ان کی تین کتابیں "ہندوستان
زمی قرضہ" "ہندوستان کے زر پر جنگ کے اثرات" "انگلستان اور بین الاقوامی زر کے
مسئلے" شایع ہو چکی ہیں۔ بالخصوص پہلی دو کتابوں کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ انھوں نے
بیڈاکر کی مشہور کتاب . . . . کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے
عنقریب شایع ہو جائےگا۔ خاں صاحب، ہندوستان کی معاشی ترقی کے مختلف منصوبوں پر
کتاب لکھ رہے ہیں۔ ادارہ معاشیات کی جانب سے توقع ہے کہ جلد شائع کیجائیگی۔

۲) بمبئی پلان حصہ دوم مترجمہ سعید احمد صاحب مینائی بی۔ اے (عثمانیہ) ضخامت ۶۰ صفحے
اوسط سائز۔ **قیمت ۱۲ ار**

جنگ کے بعد ہندوستان کی معاشی ترقی کے لیے آٹھ سربرآوردہ کاروباری ماہرین نے
۱۹۴۴ء میں "ایک لائحہ عمل" مرتب کیا جو عام طور پر "بمبئی پلان" کے نام سے موسوم ہے۔
سعید احمد صاحب مینائی نے اس کا ترجمہ کیا تھا اور بزم معاشیات جامعہ عثمانیہ نے اسے
شایع کیا۔ یہ ترجمہ اردو میں بہت مقبول ہوا۔ چنانچہ پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہو گیا۔ حال ہی
میں "بمبئی پلان" کا حصہ دوم انگریزی میں شایع ہوا ہے۔ سعید احمد صاحب نے اردو داں پبلک کے
افادہ کی خاطر اس کا ترجمہ بھی اردو میں کر دیا ہے۔ ترجمہ مجموعی طور پر آسان اور عام فہم ہے۔ امید کہ پہلے
حصہ کی طرح دوسرا حصہ بھی بہت مقبول ہوگا۔

۳) نظری اور عملی معاشیات از محمد ناصر علی صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ) لکچرار معاشیات جامعہ عثمانیہ ۲۸ صفحات کراون ۱/۱۶ سائز
قیمت ایک روپیہ۔

اس مختصر کتاب میں مصنف نے حسب ذیل مضامین پر روشنی ڈالی ہے :۔
(۱) نظری اور عملی معاشیات (۲) معاشیات ہند (۳) سترھویں صدی کی ابتدا میں ہندوستان کی آبادی
(۴) ۱۹۴۱ء میں ہندوستان کی آبادی (۵) کیا ہندوستان کثیر الآبادی ہے (۶) ہندوستان کی قدیم صنعتیں
(۷) صنعتوں کے زوال کے اسباب۔

زبان سادہ ہے۔ طرز استدلال آسان ہے۔ جو مضامین ہندوستانی آبادی سے متعلق ہیں وہ عام
مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے خاص طور پر مفید ہیں۔ م۔ ر۔ ح

"ہندوستان میں امداد باہمی کی تحریک" مولف طاہر حامد صاحب۔

اس رسالے میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں امداد باہمی کی تحریک کب جاری ہوئی۔ اس کی موجودہ نوعیت کیا ہے اور اس سے ہندوستانی کاشتکاروں کو کس حد تک فائدہ پہنچا ہے۔

"ہندوستان کی تجارت" مولف معین الدین صاحب بلگامی بی۔اے (عثمانیہ)

اس رسالے میں ہندوستان کی خارجی اور داخلی تجارت کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران میں ہندوستانی تجارت کی جو حالت رہی ہے اس کی تشریح کی گئی ہے۔

"ہندوستان کے صنعتی مسائل" تالیف سعید احمد صاحب مینائی بی۔اے (عثمانیہ)۔

اس رسالے میں ہندوستان کی صنعتی تاریخ کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے اور عہد حاضرہ کی مختلف صنعتوں پر بحث کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ موجودہ جنگ کی وجہ سے ہندوستان کی صنعتیں کس طرح متاثر ہوئی ہیں اور جنگ کے بعد انھیں کن مسائل سے دوچار ہونا پڑے گا۔

"ہندوستان کا مالی نظام" تالیف محمد شمس الدین صاحب بی۔اے (عثمانیہ)

اس میں ہندوستان کے مالی نظام کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ صوبہ داری اور مرکزی حکومتوں کے ذرائع آمدنی اور مدات خرچ کی وضاحت کی گئی ہے۔ ہندوستانی مالیات پر موجودہ جنگ کے جو اثرات پڑے ہیں ان کی بھی تشریح کی گئی ہے۔

"ہندوستان میں زرعی پیداوار کی فروخت" تالیف مانک صاحب اور تاج الدین صاحب

اس رسالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں زرعی پیداوار کی فروخت کے مسئلہ کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ فروخت پیداوار کے موجودہ نقائص کیا ہیں۔ انھیں کیونکر دور کیا جا سکتا ہے اور حکومت نے اس بارے میں کیا کیا۔

ہندوستان میں زرعی قرضہ داری۔ مولف سید محمد عبداللہ صاحب ہندوستان میں زرعی قرض داری کے مسئلہ کو جو اہمیت حاصل ہے اس کی مفصل تشریح اس رسالہ میں کی گئی ہے۔ قرض داری کے اسباب اور اصلاح کی تدبیروں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ہندوستانی معاشیات کے مبادی

(بسلسلۂ سابق)

مملکت آصفیہ کے برآمدی اشیاء میں مندرجۂ ذیل کو اہمیت حاصل ہے۔

(۱) پارچہ بافی (۲) روغندار تخم (۳) روغنیات (۴) غلہ و دالیں (۵) کوئلہ و کوک (۶) دباغت شدہ چمڑا و کھال (۷) گرم مسالے (۸) تمباکو (۹) میوہ جات (۱۰) پیداوار شیرخانہ جات (۱۱) ریاسلائی (۱۲) شیشہ جات۔

مندرجہ ذیل تختہ سے مملکت آصفیہ کے جملہ درآمد و برآمد کے اعداد معلوم ہوسکتے ہیں۔

	درآمد	برآمد
سنہ ۱۹۲۷ء	۱۴ کروڑ ۸۰ لاکھ	۱۲ کروڑ ۸۴ لاکھ
سنہ ۱۹۳۰ء	۱۸ کروڑ ۶۹ لاکھ	۲۰ کروڑ ۲۸ لاکھ
سنہ ۱۹۳۳ء	۱۸ کروڑ ۷۸ لاکھ	۱۸ کروڑ ۶ لاکھ
سنہ ۱۹۳۴ء	۱۴ کروڑ ۵۷ لاکھ	۱۴ کروڑ ۳۴ لاکھ
سنہ ۱۹۳۰ء	۱۶ کروڑ ۶۱ لاکھ	۱۶ کروڑ ۸۹ لاکھ

مملکت کا کل ہندوستان کی درآمد و برآمد میں خاص اشیاء کا حسب ذیل تناسب ہے۔

اشیاء	مملکت میں درآمد بحساب من	مملکت میں برآمد بحساب من	تناسب	
			درآمد	برآمد
سیمنٹ	۳۸۹۲	۲۸۶۱۵۲۷	۱۸	۳
کوئلہ و کوک	۱۲۵۳۲۳۲	۱۱۲۹۸۳۹۱	۱۷	۴
کپاس	۲۷۴۳	۱۲۹۲۲۸۰	۱۶	۶
میوے	۴۶۷۸۱۶	۹۱۶۲	۴	۱۵

چانول	۱۳۰۴۰۹۶	۱۲۲۷۶	۱۱	۱۵
کھالیں اور چمڑے	۱۸۶۹	۴۵۰۹۴	۱۵	۳
لوہا و فولاد	۱۰۰۸۹۹۲	۴۰۶۴۹	۱۲	۱۷
کروسین آئیل	۴۷۱۹۹۶	۱۰۳۵	۹	۱۶
نباتاتی روغنیات	۷۱۹۰۴	۵۲۰۱۹۷	۱۵	۴
ارنڈی	۳۴	۱۰۵۰۸۷۵	۱۴	۱
بنولہ	۱۰۲۶۳	۷۹۵۰۵۷	۱۳	۳
مونگ پھلی	۶۰۶	۲۲۰۷۸۸۲	۱۸	۳
السی	۵	۱۴۹۵۴۰۸	۱۸	۳
سرسون	۷۹۱	۲۱۸۶۸۱	۱۷	۴
نمک	۱۶۱۷۰۲۰	۲۲۹۶	۲	۱۴
ساگوان	۱۴۲۳۳۳	۵۴۳۹۸	۴	۷

داخلی تجارت

ساحلی تجارت | داخلی تجارت کے دو حصے ہیں ایک ساحلی تجارت دوسرے اندرونی تجارت۔

۱۹-۱۹۱۸ء میں ہندوستان کی کل ساحلی تجارت ۱۶۶ کروڑ ۵۹ لاکھ روپیہ کی ہوئی۔ ۳۸-۱۹۳۷ء میں ۸۷ کروڑ ۲ لاکھ روپے تک گھٹ گئی کیونکہ برما ہندوستان سے علحدہ ہوچکا ہے۔ خارجی اور ساحلی تجارت کے لئے ہندوستان کی خاص بندرگاہیں بمبی، کلکتہ، کراچی، مدراس، کوچین، ٹٹی کورن اور اسحق پٹن ہیں۔ اول الذکر چار بندرگاہیں زیادہ اہم ہیں۔

اندرونی تجارت | ارضی وسعت، کثیر آبادی، وسیع اور مختلف ذرائع اور اپنی آب و ہوا کے اختلافات کی

بنا پر سلطنت برطانیہ کے برخلاف ہندوستان خارجی تجارت کے مقابلہ میں اپنی داخلی تجارت کی جانب زیادہ متوجہ ہے۔ حمل ونقل اور آمد ورفت کے ترقی یافتہ ذرائع تجارت کے فروغ میں اضافہ کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ سرکاری اشاعت موسومہ "ہندوستان کی داخلی تجارت بابتہ ۲۱-۱۹۲۰ء کے بموجب کل تجارت تقریباً ۱۱۵ کروڑ روپے کے مالیت کی تھی۔ ۴۰-۱۹۳۹ء میں بعض اہم اشیاء کی اندرونی تجارت بلحاظ مقدار ۲۸ کروڑ ۲۰ لاکھ من اور ۴۴-۱۹۴۳ء میں ۶۲ کروڑ ۴۸ لاکھ من تھی۔

1 اندرونی تجارت کی اہمیت کبھی بھی واجبی طور پر تسلیم نہیں کی گئی اور خارجی تجارت پر غیر متناسب توجہ منعطف کی گئی ہے۔ جہاں تک داخلی تجارت کا تعلق ہے ایک وسعت پذیر پالیسی اختیار کرنے کی ضرورت ہے خصوصاً ایسی صورتیں جبکہ ہماری خارجی تجارت بڑی حد تک گھٹ چکی ہے اور جسکے اُتار چڑھاؤ پر ہمارا کچھ قابو نہیں ہے۔

ہندوستان کے خاص تجارتی مراکز۔ چار بڑی بندرگاہوں کلکتہ، بمبئی، کراچی اور مدراس کے علاوہ حسب ذیل بڑے تجارتی مرکز ہیں۔

کانپور، دہلی، احمدآباد، امرتسر، آگرہ، لاہور، بنارس، لکھنؤ، ناگپور، جبل پور، مرزاپور، مدورا
گوالیار، ڈھاکہ، سری نگر، شولاپور، امراوتی، حیدرآباد دکن، الہ آباد، جے پور، بڑودہ اور بنگلور

تجارتی اطلاعات۔ ترقی یافتہ ملکوں جیسے جرمنی جاپان اور ممالک متحدہ امریکہ کے مقابلہ میں ہندوستان میں تجارتی اطلاعات بہم پہونچانے کا طریقہ اور تجارتی تنظیم کچھ اچھی حالت میں نہیں ہے۔ بہرحال اب اس جانب زیادہ توجہ کی جارہی ہے۔ سرکاری جانب سے تجارتی اطلاعات اور اعداد وشمار کا سررشتہ قایم ہے اور ہفتہ وار رسالہ "انڈین ٹریڈ جرنل" کے نام سے بھی شائع کیا جاتا ہے جسمیں اعداد وشمار اور دوسرے تجارتی معلومات مہیا کئے جاتے ہیں۔ لندن، میلان، نیویارک، ممبوسا، اسکندریہ، کابل اور کولمبو میں ہندوستانی ٹریڈ کمشنر مقرر ہیں۔ ان کے علاوہ غیر سرکاری مجالس بھی موجود ہیں مثلاً یوروپین اور ہندوستانی چمبرس آف کامرس یہ مجالس ملک کی صنعتی اور تجارتی ترقی کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں کہ ملکی اور غیر ملکی بازاروں کے متعلق صحیح اور مکمل معلومات تجارت اور پیداوار کی تشہیر ہماری تجارت اور صنعت میں توسیع کے لئے نہایت ضروری ہیں۔

مملکت آصفیہ میں بھی سررشتہ اعداد و شمار ۱۹۱۸ء سے قایم ہے۔ یہ سررشتہ تجارتی اعداد و شمار شائع کرتا ہے جو مفید ثابت ہو رہے ہیں۔ جنگ کی وجہ سے بازار کے اُتار چڑھاؤ کی بناء پر نرخوں کے اعداد و شمار کی بڑی مانگ ہے۔

حیدرآباد میں بھی چمبر آف کامرس قائم ہے جو تجارت پیشہ طبقہ اور ملکی صنعت کے مفاد کے تحفظ کا ضامن ہے۔ بہرحال تجارت میں حیدرآباد اس اعلیٰ پیمانہ پر منظم نہیں ہے جیسا کہ اسے ہونا چاہیئے لیکن اس کے باوجود بھی ہم شاہراہ ترقی پر منزل کی طرف گامزن ضرور ہیں۔

باب ۶۔ زر، قیمتیں اور بنک کاری

ہندوستانی زر

روپیہ کی مختصر سرگذشت ۱۸۳۵ء میں تمام برطانوی ہند میں مقررہ روپیہ بطور واحد زر قانونی جاری ہونے سے قبل سونے اور چاندی کے سکے ہندوستان میں رائج تھے۔ اس طرح ہندوستان میں ایک عرصہ تک دونوں دھاتوں یعنی سونے اور چاندی کے سکوں کا طریق جاری رہا۔

مسلمانوں کے عہد میں شمالی ہند میں بڑی حد تک چاندی کا اور جنوبی ہند میں سونے کا سکہ رائج تھا۔ مثلاً صوبۂ مدراس میں طلائی پگوڈا رائج تھا۔ بہرحال شمالی ہند میں بھی طلائی اشرفیوں کا محدود طور پر چلن تھا۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں ہندوستان میں مرکزی حکومت کمزور ہو جانے کی وجہ سے ملک بھر میں جگہ جگہ سونے اور چاندی کے متعدد سکے رائج تھے۔ رفتہ رفتہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے زر کا انتظام شروع کیا اور ۱۸۳۵ء میں تمام برطانوی ہند میں روپیہ کا ایک ہی سکہ جاری ہوا۔ اس روپے کا کل وزن ۱۸۰ گرین تھا جس میں گیارہ حصے یعنی ۱۶۵ گرین خالص چاندی اور ایک حصہ یعنی ۱۵ گرین کھوٹ شامل کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ سونے کے سکوں کا استعمال بند کر دیا گیا اور ہر دار الضرب میں چاندی کے سکے ڈھلوانے کا ہر شخص مجاز تھا۔ اس طرح ہندوستان کے زر کا معیار چاندی پر قائم ہو گیا۔ سونے اور چاندی کے سکے جو پہلے پہلو بہ پہلو زر قانونی کی حیثیت سے چلتے تھے اب وہ طریقہ مسدود کر دیا گیا۔

۱۸۹۳ء میں ہرشل کمیٹی کی سفارشات پر روپے کی آزاد تسکیک روک دی گئی۔ حکومت ہند نے اپنی مالیاتی مشکلات سے تنگ آکر یہ صورت اختیار کی کیونکہ ۱۸۷۱ء سے چاندی کی قدر سونے کے لحاظ سے گھٹ رہی تھی اور جیسے جیسے چاندی کی قدر گھٹتی گئی ہندوستانی روپے کی قدر میں بھی اسی مناسبت سے تخفیف ہونے لگی اس سے انگلستان میں مطالبات وطن کی ادائی میں سخت نقصان ہونے لگا۔ ۱۸۷۰ء میں روپے کی قیمت دو شلنگ تھی لیکن ۱۸۹۲ء میں روپے کی قیمت ایک شلنگ ۲۱/۴ پنس رہ گئی تھی۔ روپے کی قدر میں تخفیف ہونے سے خارجی تجارت اور ہندوستان میں مشغول بیرونی سرمایہ پر بہت برا اثر پڑا۔ چونکہ ۱۸۹۳ء سے روپے کی آزاد تسکیک روک دی گئی تھی اس لئے رفتہ رفتہ ۱۸۹۸ء تک روپے کی قیمت ایک شلنگ چار پنس ہوگئی۔ فاولر کمیٹی نے بھی اسی شرح مبادلہ کی سفارش کی ۱۸۹۹ء میں ہندوستان میں برطانوی ساورن کو زر قانونی قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ روپے اور ساورن کی شرح مبادلہ ایک شلنگ چار پنس فی روپیہ یا پندرہ روپے فی پونڈ مقرر کی گئی۔

معیار مبادلہ طلا | فاولر کمیٹی نے ہندوستان کے لئے زر طلا کا معیار اور ساورن کا دارالضرب قائم کرنے کی سفارش کی تھی لیکن زر طلا کا معیار قائم کرنے کے بجائے مختلف وجوہ کے باعث حکومت نے صرف معیار مبادلہ طلا کا طریقہ جاری کیا۔ روپے کی شرح مبادلہ بدستور ایک شلنگ چار پنس قائم رکھی گئی۔ "کونسل بل" کو حکومت ہند کے نام وزیر ہند لندن میں فروخت کرتا ہے اور "ریورس کونسل" حکومت ہند فروخت کرتی ہے جس پر لندن میں اسٹرلنگ یا سونا حاصل ہوتا ہے کونسل بل اور ریورس کونسل کی فروخت عموماً ایک شلنگ چار پنس کے حساب سے عمل میں آتی تھی۔

حکومت کے پاس دو طرح کے محفوظات زر موجود تھے۔ ایک تو محفوظات طلا جو ۱۹۰۰ء میں قائم ہوا۔ یہ رقم تسکیک کے منافع سے حاصل ہوتی تھی اس محفوظ کی بڑی مقدار لندن میں اسٹرلنگ تمسکات کی خریدی کے لئے جمع رہتی تھی۔ سکوں کے تبادلہ کے سلسلہ میں ۸-۱۹۰۷ء میں جو بحران پیدا ہوا تھا اس وقت اس محفوظ کی ضمانت پر ریورس کونسل فروخت کئے جاتے تھے تاکہ روپے کی

ساکھ باقی رہے - دوسرا ذخیرۂ محفوظ زرکا غذی کی ساکھ قائم کرنے کے لئے قایم کیا گیا جس کا کچھ حصہ ہندوستان میں اور کچھ لندن میں محفوظ رکھا جاتا تھا - کونسل بل کچھ تو محفوظ زر کاغذی کی طمانیت اور کچھ حکومت ہند کی نقد فاضلات کی طمانیت پر فروخت ہوتے تھے - چمبرلین کمیشن (۱۹۱۳-۱۴ع) نے معیار مبادلہ طلا کے جاری رکھنے کی سفارش کی اگرچہ کہ ہندوستانی رائے عامہ معیار زر طلا کی خواہشمند تھی -

جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ع) کے زمانہ میں ہندوستانی زر کے نظام میں بہت کچھ تغیرات نمودار ہوئے - چاندی کی قدر اسٹرلنگ معیار کے اعتبار سے اتنی بڑھ گئی تھی کہ روپے کا گلا دینا مفید ثابت ہونے لگا - اس لئے حکومت نے رفتہ رفتہ ڈسمبر ۱۹۱۹ع تک روپیہ کی شرح مبادلہ ۲ شلنگ ۴ پنس مقرر کر دی - اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ۱۸۹۳ع سے روپیہ زر وضعی رہا - اس کی قدر ذاتی اس کی قدر قانونی سے ایک شلنگ چار پنس کم تھی - جنگ سے قبل اس کی قدر ذاتی تقریباً دس شلنگ اور اس کی قدر قانونی ۱۶ شلنگ تھی - اس کے بعد چاندی کی قدر میں مزید تخفیف ہوئی اور روپے کی قدر ذاتی تقریباً ۸ پنس ہو گئی -

۱۹۱۹ع میں بیگٹن اسمتھ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا - اس نے شرح مبادلہ دو شلنگ فی روپے مقرر کرنے کی سفارش کی - اس کمیشن کی یہ رائے تھی کہ چاندی کی بڑھیا قیمت مستقلاً قایم ہو چکی ہے اس لئے روپے کو زر وضعی برقرار رکھنے کے لئے اس کی مجوزہ بڑھیا شرح نہایت ضروری ہے -
۱۹۲۰ع میں حکومت نے دو شلنگ فی روپے کی شرح سے ریورس کونسل فروخت کرنے شروع کئے لیکن حکومت کو اس سے سخت نقصان ہوا - ریورس کونسل کی فروخت بند کر دی گئی اور روپے کی شرح کو اس کی حالت پر کچھ عرصہ کے لئے چھوڑ دیا گیا -

معیار خشت طلا | ۱۹۲۵ع میں ہلٹن ینگ کمیشن کا تقرر عمل میں آیا - اس کمیشن نے معیار مبادلہ طلا کے بجائے معیار خشت طلا اختیار کرنے کی سفارش کی - حالانکہ حکومت ہند کے محکمہ مالیات اور کمیشن مذکور کے کئی ہندوستانی گواہوں نے بھی اس کی مخالفت کی تھی - کمیشن نے اس کا بھی مشورہ

دیا کہ روپے کی شرح بہ اعتبار طلا اسی مقرر کی جائے جس سے روپیہ ایک شلنگ چھ پنس کے مساوی ہو جائے۔ بجائیکہ ملک کی رائے عامہ ایک شلنگ چار پنس کی تائید میں تھی۔ کمیشن نے اس امر کی بھی سفارش کی کہ مجوزہ ریزرو بنک کا بنک آف انگلینڈ کی طرح یہ فرض بھی ہو کہ وہ ایک معینہ شرح سے سونا خریدے اور فروخت کرے بشرطیکہ مقدار خرید و فروخت بہ یک وقت چار سو اونس یا ۱۰۶۵ تولے سے کم نہ ہو۔ اس طرح ہر فرد ۲۲۶۲۹ روپے ریزرو بنک میں دے کر چار سو اونس سونا بصورت خشت حاصل کر سکتا تھا۔ (سونے کی شرح تقریباً ۲۱ روپے ۷ آنے ۹ پائی فی تولہ ہوتی تھی اس میں لندن کو سونے کی روانگی کے اخراجات شامل تھے)

ہلٹن ینگ کمیشن کی سفارشات کی بموجب مارچ ۱۹۲۷ء میں ایک نیا قانون زر منظور ہوا۔ اور ایک شلنگ چھ پنس کی شرح مقرر ہوئی۔ ریزرو بنک کے قیام تک حکومت ہند کو اس بات کا مجاز کیا گیا کہ وہ انتظام زر کی نگران رہے۔ نیز اس کو ۲۱ روپے ۳ آنے دس پائی فی تولہ کی شرح سے سونا فروخت کرنے کا بھی مجاز کیا گیا۔ شرط یہ لگائی گئی کہ خرید و فروخت میں سونے کی مقدار چار سو اونس سے کم نہ ہو یا چاہے تو اسٹرلنگ سے مبادلہ کر سکتی تھی اور اسکی شرح ایک شلنگ ۵ $\frac{49}{64}$ پنس تھی۔ اس میں بمبئی سے لندن کو سونے کی روانگی کے اخراجات بھی شامل تھے۔ چالیس تولہ یا پندرہ اونس سونے کی مقدار کے مقابلہ میں حکومت ہند روپیہ اور زر کاغذی اجرا کرنے کی بھی بنا قرار دی گئی۔ اگرچہ کہ حکومت ہند نے ہر ساورن پر تیرہ روپے پانچ آنے چار پائی ادا کرنے کی ذمہ داری لی لیکن ساورن زر قانونی کی حیثیت سے باقی نہ رہا۔ اس طرح معیار خشت طلا کا ضروری انتظام عمل میں آگیا۔ لیکن ریزرو بنک کے قیام تک اس کا مکمل نفاذ ملتوی کیا گیا۔ اس وقت تک حکومت کو اختیار دیا گیا کہ ہندوستان میں سونا دینے کے بجائے لندن میں حاصل کرنے کے لئے اسٹرلنگ فروخت کرے۔ اس حد تک یہ طریقہ معیار مبادلہ طلا کی حیثیت سے باقی رہا۔

<u>روپیے اور اسٹرلنگ کی شرح تبادلہ</u> ۲۰ ستمبر ۱۹۳۱ء تک معیار مبادلہ طلا کے اس طریقہ کی پابندی ہوتی رہی۔ اس تاریخ کو انگلستان نے معیار طلا کا طریقہ منسوخ کر دیا ہندوستان نے بھی اسکی پیروی کی

ساتھ ہی وزیر ہند نے اعلان کیا کہ روپیہ اور اسٹرلنگ کے مابین ایک شلنگ چھ پنس کی شرح سے تعلق قایم کیا گیا ہے آج تک بھی یہی سرکاری شرح ہے۔ ریزرو بنک کے قانون بابتہ ۱۹۳۴ء میں اس شرح کو قانونی قرار دیا گیا ہے اور بنک کو فی روپیہ ایک شلنگ چھ پنس کی شرح قایم رکھنے کا ذمہ دار گردانا گیا ہے۔ اس مقصد کے لئے ریزرو بنک ایک شلنگ ۱۳/۱۶ ۵ پنس فی روپیہ سے زیادہ شرح پر ہندوستان میں اسٹرلنگ نہیں خرید سکتا اور لندن میں ادا کرنے کے لئے ایک شلنگ ۵ ۴۹/۶۴ پنس فی روپے کی شرح پر اسٹرلنگ فروخت کرتا ہے دونوں صورتوں میں اسٹرلنگ کی رقم دس ہزار پونڈ سے کم نہ ہونا چاہیئے۔ غرض ہندوستان کے زر کا موجودہ نظام معیار مبادلہ اسٹرلنگ پر قایم ہے۔

بہرحال ریزرو بنک کے قانون میں ریزرو بنک پر یہ ذمہ داری عاید کی گئی ہے کہ ہندوستان کے مناسب حال معیار زر کی نسبت اس وقت، جبکہ بین الاقوامی زر کی حالت درست اور مستحکم ہوجائے بنک کی جانب سے رپورٹ پیش کی جائے۔

شرح مبادلہ کا اختلاف | اسٹرلنگ اور روپے کے مابین صحیح شرح مبادلہ کے مسئلہ پر اختلاف کا ایک وسیع سلسلہ بڑے عرصہ سے چلا آرہا ہے۔ ہلٹن ینگ کمیشن نے یہ استدلال پیش کیا کہ اس کی مجوزہ شرح مبادلہ (ایک شلنگ چھ پنس) کے مطابق ہندوستان میں اشیاء کی قیمتوں کو عالمی قیمتوں کے ساتھ کامل توازن حاصل ہوچکا ہے۔ اس لئے اگر شرح مبادلہ میں کوئی تبدیلی کی جائے تو اس سے وسیع معاشی مشکلات پیدا ہوجائینگے۔ کمیشن کے پیش کردہ استدلال کو عام طور پر تسلیم کرلیا جاتا ہے لیکن اس مسئلہ میں رائے کا اختلاف اصول پر نہیں بلکہ واقعہ پر مبنی ہے۔ ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ کمیشن کا پیش کردہ کامل توازن کا مفروضہ وجود میں نہیں آسکا۔ اگر وسیع معاشی مشکلات کا سد باب مقصود ہے تو قدیم شرح ایک شلنگ چار پنس ہی قابل ترجیح ہے۔ اس مسئلہ میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے کسی متفقہ فیصلہ تک پہنچنے کا امکان نہیں ہے۔ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کوئی شرح ایک عرصہ سے قایم ہے تو اجرتوں اور قیمتوں کا اس سے توازن پیدا ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں شرح میں تبدیلی پیدا کرنا دانشمندی نہیں ہے تاوقتیکہ

ایسے حالات نہ پیدا ہوجائیں جن کے باعث دوسری شرح اختیار کرنا ضروری ہو۔ دوسری چیز یہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ شرح مبادلہ میں کسی تبدیلی کا اچھا یا بُرا نتیجہ عام تصور کے خلاف محض عارضی ہوتا ہے۔ ۱۹۲۸ء میں مجلس قانون ساز کے غیر سرکاری اراکین نے کوشش کی تھی کہ روپے کے شرح مبادلہ میں تبدیلی کی جائے لیکن ان کی کوششیں ناکام رہیں۔

طلاء کی برآمد اور اسٹرلنگ سے تعلق | مسئلہ زر سے متعلق دو امور کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے پہلا اسٹرلنگ کے ساتھ روپے کا مسئلہ ہے۔ جس کی اجمالی تاریخ کا ذکر اوپر گذر چکا۔ معیار مبادلہ اسٹرلنگ کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے زر کا تعلق کسی خاص ملک کے نظام زر کے ساتھ وابستہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر اس ملک میں معاشی تغیرات پیش آئیں تو ان کے اچھے یا بُرے اثرات سے دوسرے ملک کو لامحالہ متاثر ہونا پڑے گا۔ اسٹرلنگ معیار (ایک شلنگ چھ پنس) کی نسبت یہ بحث بھی کی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے ہندوستانی بازاروں میں انگلستانی مصنوعات کو ترجیح حاصل ہوجاتی ہے۔ اور ہندوستان کو اس کے اس اختیار سے محروم کردیتا ہے جو اس کو اپنے زر کی شرح مبادلہ اسٹرلنگ اور دوسرے زروں کے بالمقابل تخفیف قیمت کے سلسلہ میں مقرر کرنے کی نسبت حاصل ہونا چاہیئے اگر یہ اختیار حاصل ہو تو ایسی صورت میں زرعی آبادی کے مفاد کی خاطر روپیہ کی قدر میں اضافہ کیا جاسکیگا۔ اسٹرلنگ معیار کی حمایت میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ ہندوستان ایک قرضدار ملک ہے مطالبات وطن اور دیگر رقوم کی ادائی کی جو ضرورت پیش آتی ہے اس کے باعث اس کو اسٹرلنگ کی صورت میں رقوم ادا کرنے پڑتے ہیں اس لئے روپے کا تعلق اسٹرلنگ سے قائم رکھنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اسٹرلنگ معیار کا قیام تجارت خارجہ کے لئے بھی سہولت کا باعث ہے۔ کیونکہ ہندوستان کی بیشتر تجارت ان ملکوں سے ہوتی ہے جہاں اسٹرلنگ کا رواج ہے۔ بہرصورت معیار مبادلہ اسٹرلنگ عارضی انتظام تصور کیا جاتا ہے اور اسی وقت تک برقرار رہے گا جب تک کہ دنیا کی مالی حالت تغیر پذیر رہیگی۔

دوسرا اختلافی مسئلہ ہندوستان سے طلاء کی برآمد کا ہے۔ ستمبر ۱۹۳۱ء سے جبکہ برطانیہ نے

معیار طلاء ترک کر دیا جنوری ۱۹۴۰ء تک ۲۵۱ کروڑ ۴۰ لاکھ روپے کا سونا برآمد ہو چکا ہے جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا ہے کہ سونا کی برآمد کس حد تک دوسرے برآمدی اشیاء کی جگہ لے سکی۔ اور موافق توازن تجارت کو برقرار رکھنے میں اس سے کچھ مدد حاصل ہوئی۔ جو بیرونی مطالبات کی تکمیل کے پیش نظر ضروری بھی ہے۔ روپے کے حساب سے سونے کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔ سونے کی برآمد سے قبل اس کی قیمت ۲۲ روپے فی تولہ تھی لیکن مئی ۱۹۴۳ء میں اس کی قیمت ۱۱۴ روپے فی تولہ تک بڑھ گئی اس صورت حال نے سونا پس انداز کرنے والوں میں اس کے فروخت کرنے کی خواہش پیدا کر دی۔ سونے کی قیمتوں میں کثیر اضافہ کے باعث بھی اسکی برآمد ہونے لگی۔ معاشی کساد بازاری کی وجہ سے بھی بہت سے افراد سونے کے فروخت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ معاشیات کے بعض ماہرین طلاء کی برآمد پر سخت اندیشہ کا اظہار کر رہے ہیں اور ان کا مطالبہ ہے کہ طلاء کی برآمد پہ ٹیکس عائد کیا جاتا یا خود اس کی برآمد قطعاً بند کر دی جائے تاکہ سونا ملک میں رہے اور ہندوستانی ریزرو بنک کے ذخیرۂ محفوظ کو اس سے تقویت پہنچے۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ موجودہ اعلیٰ نرخ سے سونے کی خریدی بہت گراں ثابت ہوگی۔ اور یہ صورت حال بڑی حد تک سٹہ بازی کی ترویج کا سبب بنے گی۔ حکومت نے برآمد طلاء پر بندش عائد کرنے کی تجاویز کے منجملہ ابھی تک کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا ہے۔

<u>زر کاغذی</u> اب ہندوستان میں زر کاغذی کے رائج ہونے کا اجمالی طور سے تذکرہ کیا جاتا ہے۔ قانون زر کاغذی بابتہ ۱۸۶۱ء کی رو سے زر کاغذی کے جاری کرنے کا حکومت نے اپنے لئے اجارہ حاصل کر لیا اور عندالطلب حامل نوٹ کو رقم ادا کرنے کی ذمہ داری لی گئی۔ اس سے پہلے تینوں پریسیڈنسی بنکوں (مدراس، بمبئی اور کلکتہ) کو نوٹ اجرا کرنے کا حق حاصل تھا اور عندالطلب حامل نوٹ کو رقم ادا کرنی ہوتی تھی۔ لیکن بہت محدود حلقوں میں ان کا چلن تھا۔ حکومت نے اپنے زر کاغذی کو پانچ، دس، پچاس، سو، پانچ سو، ایک ہزار اور دس ہزار روپے کی قیمت کا قرار دیا۔ ملک کو سات حلقوں میں تقسیم کیا گیا تھا (کلکتہ، بمبئی، مدراس، کانپور، لاہور، کراچی اور رنگون) اور جس

حلقہ میں نوٹ جاری کئے جاتے تھے وہ صرف اسی حلقوں میں زر قانونی تھے اور دفاتر خزانہ میں بھنائے جاسکتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کو عام کر دیا گیا اور تمام ہندوستان میں ان کو زر قانونی کی حیثیت حاصل ہوئی۔ موجودہ زمانہ میں دس ہزار کے سوا بقیہ تمام نوٹ عام ہیں۔ ان نوٹوں کو تمام سرکاری خزانوں اور امپیریل بنک کی شاخوں میں بھنانے کی سہولتیں بہم پہونچائی گئی ہیں۔

<u>محفوظ ذخیرہ زر کاغذی</u> ۱۹۲۰ء تک محفوظ ذخیرہ زر کاغذی کا انتظام ایک مقررہ محفوظ امانتی طور پر کیا گیا۔ جو ۱۸۴۴ء میں برطانیہ میں رائج تھا۔ گذشتہ جنگ عظیم سے قبل زر محفوظ کی زیادہ سے زیادہ مقدار جو کفالتوں میں لگائی جاسکتی تھی چودہ کروڑ روپے تھی اس چودہ کروڑ روپے کے منجملہ دس کروڑ روپے کے حکومت ہند کے تمسکات اور چار کروڑ روپے کے برطانیہ کے اسٹرلنگ تمسکات حاصل کئے گئے تھے۔ مابقی محفوظ کچھ تو بشکل سکہ جات نقرہ اور کچھ بشکل طلا محفوظ رکھا گیا۔ سونا تو لندن میں اور تمام ڈھلے ہوئے سکے ہندوستان میں رکھے جاتے تھے۔ گذشتہ جنگ عظیم سے قبل جاری شدہ کل نوٹوں کی مالیت ۶۶ کروڑ ۱۲ لاکھ روپے تھی۔ جنگ کے زمانہ میں اس میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ ۱۹۱۹ء کے اختتام پر اس کی مالیت ۱۸۰ کروڑ روپے ہوگئی تھی۔ یہ اضافہ ان اسٹرلنگ تمسکات کی طمانیت پر عمل میں آیا جو لندن میں وزیر ہند کے نام ان مصارف جنگ کی ادائی کے سلسلہ میں تبدیل کر دیئے گئے تھے جو برطانوی دفتر جنگ کی طرف سے حکومت ہند نے برداشت کئے تھے۔ ستمبر ۱۹۱۹ء میں مشغول ذخیرہ محفوظ کی مقدار ۱۲۰ کروڑ روپے قرار پائی جس میں ایک سو کروڑ روپے کی مالیت کے ٹریژری بلس موجود تھے۔ بابنگٹن اسمتھ کمیٹی کی سفارش پر ۱۹۲۰ء میں بحصہ متناسبہ ذخیرہ محفوظ کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اسی سال قانون زر کاغذی کے بموجب رائجہ زر کاغذی کے مقابلہ میں پچاس فی صدی رقم محفوظ رکھنا قرار پایا۔ اسی قانون کی رو سے ناگہانی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بالخصوص اس وقت جبکہ کاروباری چہل پہل کی وجہ سے زر کی زیادہ طلب ہوتی ہے بعض خاص تمسکات کی طمانیت پر پانچ کروڑ روپے کی مالیت تک زر کاغذی کی اجرائی کا اختیار دیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں اس کی مقدار ۱۲ کروڑ روپے کر دی گئی۔

ریزرو بنک میں اجرائی نوٹ کی منتقلی| اپریل ۱۹۳۵ء میں ریزرو بنک کا افتتاح ہوا ہلٹن ینگ کمیشن کی سفارش پر زر کاغذی کی اجرائی اور اس کا انتظام ریزرو بنک کے تفویض کر دیا گیا۔ جنوری ۱۹۳۸ء میں ریزرو بنک کے نوٹ اجرا ہوئے۔ اور پانچ روپے والے نوٹ دستیاب ہونے لگے۔ فروری میں دس روپے والے نوٹ اور مئی ۱۹۳۸ء میں ایک سو اور ہزار روپے والے نوٹ جاری ہوئے۔ ستمبر ۱۹۴۳ء تک جملہ اجرا شدہ نوٹوں کی مقدار ۷۶۴ء۳ کروڑ روپیہ تھی اور زیرگشت نوٹوں کی مقدار ۷۵۳،۵۳ کروڑ روپے رہی۔ ذخیرہ محفوظہ میں سونے اور خشت طلا کی مقدار ۴۴،۴۴ کروڑ روپے تھی۔ تمسکات اسٹرلنگ کی مقدار ۶۱۱،۰۹ کروڑ روپے تھی۔ روپے کے سکہ جات کی مقدار ۱۴،۸۱ کروڑ تھی۔ بنک نے اس بات کا تصفیہ کیا کہ پچاس اور پانچ سو روپے والے نوٹ اجرا نہ کئے جائیں کیونکہ ان کا رواج بہت ہی کم ہے حکومت کے موجودہ نوٹوں کے بجائے بالآخر ریزرو بنک کے نوٹ جاری ہونگے۔ جن کی حکومت ہند ضامن ہے اور حکومت کے قدیم نوٹوں کی طرح یہ بھی عندالطلب بھنائے جاسکتے ہیں۔ محفوظ معیار طلا اور محفوظ زر کاغذی پہلے علٰحدہ علٰحدہ جمع رہتے تھے اب ان کو باہم ضم کرکے محفوظ زر کی شکل دے دی گئی ہے اور اس کو ریزرو بنک کے شعبۂ اجرائی کے تفویض کر دیا گیا ہے۔ ریزرو بنک کے قانون بابتہ ۱۹۳۴ء میں اس بات کی صراحت کر دی گئی ہے کہ زر کاغذی کی طمانیت کے لئے جو رقم محفوظ کی جائے اس اثاثہ کا کم از کم چالیس فی صد حصہ طلائی سکوں، خشت طلا، یا اسٹرلنگ تمسکات پر مشتمل ہونا چاہیئے۔ طلائی سکے اور خشت طلا کی مالیت چالیس کروڑ روپے سے کم کی نہ ہونی چاہیئے اور یہ کہ حکومت ہند کے روپیہ کے تمسکات ۲۵ فی صدی یا ۵۰ کروڑ روپے سے زاید نہ ہوں۔ بقیہ اثاثے روپے کے سکے، تجارتی ہنڈیوں اور ہندوستان میں ادا ہونے والے پرامیسری نوٹوں کی شکل میں رکھے جاسکتے ہیں اور یہ کہ طلا، جو ہندوستان میں محفوظ رکھا جائے وہ اپنے مجموعہ کے $\frac{1}{2}$ حصے سے کم نہ ہونا چاہیئے۔ ریزرو بنک کو اس امر کا مجاز گردانا گیا ہے کہ بعض خاص حالات کے تحت محفوظ طلا کی مقدار چالیس فی صد سے بھی کم کر دیئے لیکن کمی کی صورت میں ٹیکس ادا کرنا

لازمی قرار دیا گیا۔ اعلان جنگ سے قبل یعنی اگست ۳۹ء کے اختتام پر ہندوستان میں جملہ ۲۰۵٫۹۴
کروڑ روپے کے نوٹ جاری کئے گئے تھے جن کے منجملہ ۱۷۰٫۲۹ کروڑ روپے کے نوٹ زیر گشت تھے ۱
بقیہ ۳۵٫۶۵ کروڑ روپیہ کے نوٹ شعبۂ بنک کاری میں تھے۔ ان نوٹوں کے لئے ذخیرہ محفوظ میں
۴۴٫۴۲ کروڑ روپیوں کے ہم قدر خشت طلا اور طلائی سکے رکھے گئے تھے اور اسٹرلنگ کے تمسکات
۵۹٫۵۰ کروڑ کے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں ایک روپے کے نوٹ اجرا کئے گئے۔

ہندوستان میں پچھلی جنگ کے بعد سے زر کاغذی کے استعمال میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے
آجکل زر قانونی کی مجموعی مقدار کا ۷۰ فی صد زر کاغذی کی شکل میں پایا جاتا ہے۔

ذیلی سکے | ہندوستان کے سکے جنکو زر قانونی کی حیثیت حاصل ہے روپیہ اور اٹھنی ہیں۔ ان کے
علاوہ ہندوستان میں بعض ذیلی سکے بھی ہیں مثلاً چاندی اور نکل کے آمیزے کی چونی۔ نکل کی اکنی
اور تانبے کے مختلف سکے۔

ہندوستانی زر پر موجودہ جنگ کے اثرات | موجودہ عالمی جنگ نے زر کے نظام پر بھی اثر ڈالا ہے جس کو گرانی کی
شکل میں ہندوستانی معاشرہ کے سب طبقات خاص طور پر متوسط المال
اور غریب طبقہ بہت زیادہ محسوس کر رہا ہے۔ مارچ ۱۹۴۲ء تک قیمتوں میں تدریجی اضافہ کا دور
ختم ہوا اور اس کے بعد سے قیمتوں کی سطح بہت تیزی سے بلند ہونا شروع ہوئی۔ قیمتوں کا اس طرح
تیزی سے بڑھنا "افراط زر" کہلاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں قیمتوں میں اضافہ اس نسبت سے نہیں
ہوا ہے جس نسبت سے زر کی مقدار بڑھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زر کی گردش پہلے کے مقابلہ میں
کم ہوگئی ہے۔ لوگ ذخیرہ کے طور پر زر کو رکھ رہے ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بنکوں کی امانتوں میں
اضافہ ہوگیا ہے .... اور ان امانتوں سے پوری طرح سے کام نہیں
لیا جارہا ہے، اسٹرلنگ کی ایک کثیر مقدار ہندوستان کے نام لندن میں جمع ہوگئی ہے۔ ملک کے
مختلف ایوان ہائے تجارت اور ماہرین معاشیات نے حکومت کی توجہ نئے حالات کی طرف مبذول
کرائی اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ افراط زر کے حالات کو روکنے کے لئے خاص تدابیر اختیار کی جائیں۔

لیکن حکومت اس بات سے قطعی طور پر انکار کرتی رہی کہ ہندوستان میں افراط زر کا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے۔ جنوری ۱۹۴۳ء کے بعد سے حکومت نے اپنی غلطی کو محسوس کیا۔ حالات پر قابو پانے کیلئے حکومت بعض خاص تدابیر اختیار کرنے کا اعلان کر چکی ہے۔ زائد منافع پر محصول کی شرح بڑھا کر ۹۳ فی صد کر دی گئی ہے۔ اور اس کے ایک حصہ کو علیحدہ کر دیا گیا ہے تاکہ جنگ کے بعد اس کو واپس کر دیا جائے۔ سرمایہ کاری پر تسلط اس طرح سے قائم کیا گیا ہے کہ بغیر حکومت کی اجازت کے کوئی نئی کمپنی قائم نہیں کی جا سکتی۔ سٹہ بازوں کے خلاف مہم جاری کی گئی اور بعض اشیاء کی اعلیٰ ترین قیمتیں مقرر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مزید برآں حکومت نے حال میں ایک ماہر معاشیات کا تقرر اس غرض سے کیا ہے کہ وہ ملک کا دورہ کر کے مختلف اداروں اور افراد سے تبادلہ خیال کریں اور افراط زر کو روکنے کے لئے تدابیر بتلائیں۔

افراط زر کی وجہ سے معاشرہ کے مختلف طبقات کے درمیان قومی دولت کی تقسیم بہت کچھ بدل جاتی ہے امیروں کی دولت میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور غریبوں کی غربت کی شدت بڑھ جاتی ہے۔ قیمتوں کا بڑھنا ہر شخص کو یکساں طور پر متاثر نہیں کرتا۔ غریب اور متوسط الحال طبقہ کی حالت سب سے زیادہ تباہ ہو جاتی ہے ان طبقات میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کی آمدنیاں معین ہیں۔ قیمتوں میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کی آمدنیاں نہیں بڑھتیں۔ منظم صنعتوں کے مزدوروں کی حالت بھی کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے۔ ان صنعتوں کو ترقی ضرور ہو رہی ہے اور مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ ضرور ہوا ہے لیکن یہ اضافہ قیمتوں میں اضافہ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ہنگامی مزدوروں، خانگی کام کرنے والوں اور گھریلو صنعتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی حالت کو جنگ نے بہت زیادہ تباہ کر دیا ہے۔ دیہی آبادی کا تقریباً نصف حصہ افراط زر سے بجائے فائدہ کے نقصان اٹھا رہا ہے۔ صرف بڑے بڑے کاشتکاروں کو افراط زر سے فائدہ اٹھانے کے مواقع ہاتھ آئے ہیں۔ سرمایہ دار، تاجر اور سٹہ کرنے والے ہی جماعت کے چند افراد ہیں جو اکثریت کی مصیبت کے دوران میں فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔

افراط زر کی وجہ سے اسٹرلنگ کی ایک کثیر مقدار ہندوستان کے نام لندن میں جمع ہوگئی ہے اس سے ہندوستان کا وہ قرضہ جو برطانیہ کو واجب الادا تھا بالکلیہ ادا کردیا گیا ہے۔ افراط زر کا یہ ایک اچھا اثر ہے۔ ہندوستان کے ذمہ ۱۹۳۶ء میں ۳۷۶ ملین پونڈ واجب الادا تھے لیکن ۱۹۴۳ء میں یہ رقم ادا کردی گئی ہے۔ اگر اسٹرلنگ کا صحیح استعمال کیا جائے تو یہ ذخیرہ مابعد جنگ کی تعمیر میں ہندوستان کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوسکتا ہے۔

حیدرآبادی زر | ۱۸۳۵ء میں برطانوی ہند میں ایک ہی سکہ جاری ہوا جو تمام برطانوی ہند کیلئے زر قانونی قرار پایا۔ لیکن ہندوستانی ریاستیں اپنا سکہ علیحدہ ڈھالتی تھیں۔ اولاً اُن سے یہ خواہش کی گئی کہ انگریزی دارالضرب میں اپنا سکہ ڈھلوائیں۔ اس کے بعد یہ کیا گیا کہ سکہ پر نہ صرف ریاست کی بلکہ برطانوی حکومت کی علامت بھی قایم کی جائے۔ بعد ازآں سوائے مملکت حیدرآباد کے تمام ہندوستانی ریاستوں میں بھی انگریزی سکہ بڑی حد تک رائج ہوگیا۔

بقول پروفیسر ہرنی کار آصفیہ نے اس موقع پر بڑی دوراندیشی سے کام لیا اور اپنے زر کا انتظام حکومت ہند کے سپرد نہیں کیا اپنے زر کی اصلاح اور انتظام پر خود آمادہ ہوگئی۔ ۱۸۵۵ء میں سالارجنگ اول نے تمام خانگی دارالضرب بند کردینے کے احکام جاری کئے۔ بلدہ حیدرآباد میں سرکاری دارالضرب کو ترقی دینے کا ارادہ کیا اور ہر قسم کی تسکیک اسی کے توسط سے عمل میں لانے کا انتظام کیا گیا۔ ۱۸۵۵ء میں یہ دارالضرب میر جملہ کے تالاب کے کنارے محل سلطان شاہی میں قائم ہوا۔ سرکاری دارالضرب میں جو روپیہ تیار ہونا شروع ہوا وہ اصطلاحاً حالی سکہ کہلایا۔ روپے کا وزن ۱۱ ماشہ برقرار رہا یعنی ۹ ماشہ چاندی اور ۲ ماشہ کھوٹ۔

سرکار ہند کی طرح سرکار آصفیہ کے دارالضرب میں بھی روپے کی تسکیک آزاد تھی یعنی لوگ اپنے طور پر چاندی داخل کرکے سرکاری دارالضرب میں روپیہ ڈھلوا سکتے تھے اور صرف ڈیڑھ فیصدی مصارف تسکیک ادا کرنے پڑتے تھے۔

زر کی کمیشن | سرکار آصفیہ نے ۱۸۹۲ء میں نواب محسن الملک کی صدارت میں ایک کمیشن مقرر کیا تاکہ

وہ نئے حالات کے مدنظر زر کی اصلاح و ترمیم کی مناسب تجاویز پیش کرے۔ اس کمیشن کے مندرجہ ذیل سفارشات قابل ذکر ہیں۔

(۱) حکومت ہند کی طرح سرکار آصفیہ بھی اپنے روپے کی تسکیک محدود کر دیے۔

(۲) حکومت ہند نے جس طرح کلدار روپے اور ساورن کی شرح مبادلہ معین کرنے کا ذمہ لیا ہے سرکار آصفیہ بھی حالی اور کلدار روپے کی شرح معین کرنے کا ذمہ لے۔

(۳) دارالضرب میں دستکاری کی بجائے کلوں کے ذریعے سے روپیہ تیار ہونا چاہیے اور اس کی شکل و صورت کو بھی بہتر بنانا چاہیے تاکہ مصنوعی روپیہ تیار ہونا مشکل ہو۔ علاوہ بریں قدیم روپے واپس لے کر ان سے نئے روپے تیار کیے جائیں۔

(۴) چھوٹے چھوٹے ذیلی نقروی اور مسی سکے بطور اجزاء روپیہ جاری کیے جائیں۔

(۵) مزید احتیاط کی غرض سے چاندی پر دس یا پندرہ فی صدی محصول درآمد بڑھا دینا چاہیے تاکہ مصنوعی روپیہ بنانے میں لوگوں کو منافع کی گنجائش نہ رہے۔

سرکار عالی نے مندرجہ بالا سفارشات منظور کر لیے۔ آخرالذکر سفارش کی بابت حکومت ہند سے بھی مشورہ کرنا پڑا۔ ۱۸۹۴ء میں حکومت ہند نے اس تجویز سے اس شرط پر اتفاق کیا کہ سرکار ہند کے کلدار روپے کی درآمد پر کبھی کوئی محصول نہ لگایا جائے بلکہ ممالک محروسہ کے لوگ اپنی خواہش سے کلدار روپیہ استعمال کرنا چاہیں تو ان کو اس سے منع نہ کیا جائے۔ باقی تجاویز سرکار عالی کے اندرونی انتظامات سے متعلق تھیں ان کی تعمیل شروع ہو گئی۔ ۱۸۹۴ء سے سرکار آصفیہ نے بھی حالی روپے کی تسکیک محدود کر دی۔

لیکن چند دن کے انتظام کے بعد بدنظمی پھر پیدا ہو گئی۔ لوگوں نے مصنوعی روپے بنانے اور چلانے شروع کر دیے۔ سرکار آصفیہ کے زر کے حق میں یہ وقت بہت نازک تھا۔ لیکن سرکار آصفیہ نے ہمت نہ ہاری چنانچہ ۱۹۰۰ء میں سخت ممانعتی احکام اجرا کیے گئے کہ سرکار عالی کے سوا کبھی کسی کے واسطے دارالضرب میں روپیہ تیار نہ کیا جائے۔ روپے کے نقش و نگار میں بھی ترمیم

اور چار ہزاری روپیہ منظور کیا گیا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اعلیٰ پیمانہ پر جدید دارالضرب قائم کرنے کی تجویز منظور ہوئی۔ ۱۹۰۳ء میں جدید دارالضرب حسین ساگر کے کنارے تعمیر ہوا۔ اور اس جدید دارالضرب میں تسکیک شروع ہوگئی۔ اس دارالضرب میں برابر توسیع اور ترقی ہو رہی ہے۔

مبادلات خارجہ کا انتظام | ۱۹۰۴ء میں سرکار عالی نے مبادلات خارجہ کی شرح استقامت پیدا کرنیکی غرض سے حسب ذیل انتظام کیا۔

(۱) عام لوگوں کو کلدار روپے کے معاوضہ میں سرکار عالی حالی روپیہ مہیا کرے گی شرح مبادلہ ایک سو پندرہ روپیہ حالی کے لئے ایک سو کلدار ہوگی۔

(۲) حالی روپے کے معاوضہ میں سرکار عالی کلدار روپیہ مہیا کرے گی اس صورت میں شرح مبادلہ ایک سو بیس روپے حالی کے لئے ایک سو روپے کلدار ہوگی۔

سرکار عالی نے حالی اور کلدار کی شرح مبادلہ معین کرنے کے واسطے جو کچھ انتظام کیا وہ مشابہ اس انتظام کے جو حکومت ہند نے کلدار اور پونڈ کی شرح مبادلہ قائم کرنے کے واسطے مقرر کیا تھا دونوں انتظامات کے اصول ایکساں ہیں۔

سکے اور طلائی اشرفی | کرنسی کمیشن کی سفارش کے مطابق ۱۹۰۵ء میں مسی فلوس دو پائی اور ایک پائی کے سکے جاری ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں نقرئی دوانی اور مسی نصف آنے کے سکے جاری ہوئے ۱۹ء تک اشرفی کی تسکیک آزاد رہی۔ لیکن اس کے بعد سے یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ سرکار عالی اپنے لئے اشرفیاں تیار کراکر مناسب نرخ پر فروخت کیا کرے گی۔ ۱۹۱۲ء میں نقرئی اٹھنی جاری ہوئی۔

حیدرآباد کے مبادلات خارجہ پر جنگ یورپ کا اثر | ۱۹۱۴ء سے زر کے معاملات میں حکومت ہند اور حکومت سرکار عالی یکساں دقتوں میں مبتلا نظر آتی تھی اور مبادلات خارجہ کو سنبھالنے کے لئے یکساں تدابیر اختیار کرنی تھیں۔ جنگ کے پہلے تین سال تو شرح مبادلہ سرکار عالی کے قابو میں رہی دو سال تو معمولی طور پر حالی سکہ کی رسد پوری رہی۔ تیسرے سال قرضہ سے مدد لی گئی اور رسد بڑھائی گئی لیکن طلب کا وہ زور بندھا کہ تنگ آکر سرکار عالی نے مبادلات کے انتظام سے علحدگی

اختیار کر لی۔ شرح مبادلہ ایک سو سولہ کے بجائے ایک سو آٹھ اور ایک سو نو (۱۰۹) کے درمیان قائم ہوگئی اور کبھی کبھی ایک سو روپے تک بھی چڑھ گئی۔ یہ غیر معمولی صورت پیش آئی اس کے چند اسباب تھے مثلاً درآمد کی کمی بیشی۔ چاندی کی گرانی اور روپے کی قلت اور سب سے بڑھکر سٹہ بازی یعنی محض نفع کمانے کی خاطر لوگوں کا مبادلات خارجہ میں حصہ لینا۔

زر کاغذی کا اجرا ۱۹۱۰ء میں زر کاغذی کا قانون منظور ہوا اور اس کا باضابطہ انتظام ہوگیا۔ نوٹوں کی طباعت کا انتظام لندن میں کیا گیا۔ چنانچہ اول سو روپے کے نوٹ اور دس دس روپے کے نوٹ خزانہ سے جاری ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں پانچ پانچ روپے اور ایک ایک روپے کے نوٹ بھی جاری ہوگئے۔ لیکن چند دن کے بعد ایک روپے کے نوٹ واپس لے لئے گئے۔ از روئے قانون ذخیرہ زر کاغذی کا دو ثلث نقد بشکل حالی یا کلدار روپیہ یا بشکل نقرہ و طلا محفوظ رہنا لازم ہے۔ البتہ بقیہ ایک ثلث سرکار عالی یا حکومت ہند کے تمسکات میں مشغول رہ سکتا ہے۔ ذخیرہ کے نقد حصہ میں کلدار روپے کی جو رقم شریک رہتی ہے وہ بھی بقدر گنجایش امپریل بنک میں بمد امانت قلیل المدت جمع رہتی ہے اور اس پر کچھ سود وصول ہوتا ہے البتہ حالی روپے کی رقم بالراست ذخیرہ میں محفوظ رہتی ہے۔

موجودہ جنگ کی وجہ سے زر فلزی اور زر کاغذی کی مقداروں میں بہت اضافہ ہو رہا ہے زر گشت زر کی مقدار ۲۸۰ء۱۷ کروڑ تھی جس میں زر کاغذی کی مقدار ۶ کروڑ ۳۸ لاکھ اور زر فلزاتی کی مقدار ۱۱ کروڑ تھی۔ بہر حال حیدرآباد بھی افراط زر سے محفوظ نہ رہ سکا ہے مگر ہندوستان کے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے حیدرآباد میں حالات البتہ نازک نہیں ہوئے ہیں۔ مارچ ۱۹۴۳ء میں زر کی مقدار ۲۹،۰۱ کروڑ ہوگئی ہے جس میں زر کاغذی کی مقدار ۱۷ کروڑ ۴۱ لاکھ اور زر فلزاتی کی مقدار ۱۲ کروڑ ہے۔ ایک روپے کے نوٹ جاری ہوئے ہیں۔ جنکی طباعت دار الطبع سرکار عالی میں عمل میں آرہی ہے۔

۴۱-۱۹۴۰ء میں سو تولے سونا سکہ سازی کے لئے ۵۰ ہزار روپے میں خریدا گیا۔ اس سال سلاخی چاندی نہیں خریدی گئی صاف شدہ اور معیاری چاندی جو وصول کیجا کر حسابات میں جمع کر لی گئی علی الترتیب ۳،۱۴۵ تولے اور ۳،۱۴۸۱۷۹۷ تھی۔ تانبا ۲۳۵۶۲۳ تولے خریدا گیا۔ اس سال

قلعی اور جست کی کوئی مقدار نہیں خریدی گئی اور نہ کوئی کانسے کا سکہ ڈھالا گیا۔ ۱۹۴۰-۴۱ء میں اٹھنیاں، چونیاں، نکل کی اکنیاں جنکی قیمت پچیس پچیس ہزار روپے تھی استعمال کے لئے جاری کئے گئے۔

ہندوستان میں قیمتیں

ہندوستان میں قیمتوں کے تغیرات

ذیل کی جدول میں ۱۸۶۱ء سے ہندوستان میں قیمتوں کی ایک عام کیفیت کو ظاہر کیا گیا ہے جس میں ۱۸۷۳ء کو بنیادی سال قرار دیا گیا ہے۔ اشاری عدد (INDEX NUMBER) ۳۹ اشیاء کی تھوک فروش قیمتوں پر مبنی ہے۔ (۲۸ برآمدی اور ۱۱ درآمدی اشیاء)

ہندوستان کی قیمتوں کا اشاری عدد

۱۸۷۳ء میں قیمت = ۱۰۰

سال	۳۹ اشیاء کے انڈکس نمبر	سال	۳۹ اشیاء کے انڈکس نمبر	سال	۳۹ اشیاء کے انڈکس نمبر
۱۸۶۱	۹۰	۱۹۱۴	۱۴۷	۱۹۲۵	۲۲۷
۱۸۶۵	۱۰۷	۱۹۱۵	۱۵۲	۱۹۲۶	۲۱۶
۱۸۷۰	۱۰۲	۱۹۱۶	۱۸۴	۱۹۲۷	۲۰۲
۱۸۸۰	۹۴	۱۹۱۷	۱۹۶	۱۹۲۸	۲۰۱
۱۸۸۵	۱۰۴	۱۹۱۸	۲۲۵	۱۹۲۹	۲۰۳
۱۸۹۰	۸۷	۱۹۱۹	۲۷۶	۱۹۳۰	۱۷۱
۱۸۹۵	۱۰۰	۱۹۲۰	۲۸۱	۱۹۳۱	۱۲۷
۱۹۰۰	۱۱۶	۱۹۲۱	۲۳۶	۱۹۳۲	۱۲۶
۱۹۰۵	۱۱۰	۱۹۲۲	۲۳۲	۱۹۳۳	۱۲۱
۱۹۱۰	۱۲۲	۱۹۲۳	۲۱۵	۱۹۳۴	۱۱۹
۱۹۱۳	۱۴۳	۱۹۲۴	۲۲۱	۱۹۳۵	۱۲۷
				۱۹۳۶	۱۲۵
				۱۹۳۷	۱۳۶
				۱۹۳۸	۱۳۲
				۱۹۳۹	۱۴۲
				۱۹۴۰	۱۶۳
				۱۹۴۱	۱۷۴
				۱۹۴۲	۲۳۸
				۱۹۴۳	۳۲۵

۱۸۶۱ء تا ۱۸۹۳ء کے مابین قیمتوں کے تغیرات کی خصوصیات ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) قیمتوں کا چڑھاؤ۔ (۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۷ء) امریکی خانہ جنگی لنکا شائر کے کارخانوں میں کپاس کی قلت کا باعث ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں قیمتی دھاتوں کی زیادہ درآمد اور روپیہ کی وسیع تسکیک ہونے لگی۔ اس کی وجہ سے مسلہ مقدار زر کے بموجب قیمتوں میں اضافہ ہوا۔

(۲) قیمتوں کا اتار ۱۸۶۶ء سے ۱۸۸۳ء تک قیمتیں مسلسل گرتی رہیں۔ لیکن ۱۸۷۶ء سے ۱۸۷۹ء تک زبردست قحط رہا جسکی وجہ سے عارضی طور سے اشیاء خوردنی کی قیمتیں چڑھ گئیں۔ اس دوران کے ابتدائی سالوں میں قیمتوں میں عام تخفیف کو پچھلے سالوں کی بڑھیا قیمتوں کا ردعمل اور سالہائے مابعد میں مغربی ممالک میں قیمتوں میں جو کمی ہو رہی تھی اس کا جواب تصور کرنا چاہیئے۔ اس صورت حال کو سونے کی پیدائش میں کمی پر محول کیا جاتا ہے جو عین اس وقت واقع ہوئی جبکہ سونے کی مانگ بڑھتی جارہی تھی اور پیدائش دولت کو فروغ ہونے کی وجہ سے تجارت کو ترقی ہو رہی تھی۔

(۳) قیمتوں کا چڑھاؤ (۱۸۸۳ء تا ۱۸۹۳ء) چاندی کی قیمت میں تخفیف ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں قیمتیں چڑھ گئیں اس کی وجہ روپے بمقدار کثیر تسکیک کرنا پڑا اور بالآخر روپیہ کی قیمت میں تخفیف ہوگئی۔ چاندی کی رسد اشیاء کی پیداوار کے مقابلہ میں بہت بڑھ گئی اور ایک ایسا زمانہ آگیا جبکہ قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا جو ۱۹۲۰ء تک برابر قائم رہا۔ (سوائے ۱۸۹۳-۹۹ء کی ایک قلیل مدت کے جس میں) دارالضرب کے بند ہونے کی وجہ قیمتیں کچھ گر گئی تھیں

چڑھتی ہوئی قیمتیں ۱۸۹۰ء تا ۱۹۱۲ء | ان حالات کی تحقیقات کے لیئے جو قیمتوں میں اضافہ کا باعث ہوئے حکومت ہند نے ۱۹۱۲ء میں سٹر کے۔ ایل۔ ڈاٹا کو مقرر کیا۔ چنانچہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۲ء تک کی تحقیقات کی گئی۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ قیمتوں میں عام اور مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ خصوصاً ۱۹۰۵ء کے بعد سے تو قیمتیں بہت بڑھ گئیں تھیں۔ قیمتوں کا اشاری عدد (۱۸۹۰-۹۴ء بنیادی سال = ۱۰۰) ۱۹۰۵ء میں ۱۱۶ اور ۱۹۱۲ء میں ۱۴۱ تک بڑھ گیا۔ اس زمانہ میں تمام دنیا میں قیمتوں میں

اضافہ ہوگیا تھا لیکن ہندوستان میں دیگر ممالک کے مقابلہ میں بہت زیادہ اضافہ عمل میں آچکا تھا۔

(۱) ہندوستان میں گرانی کے خاص اسباب :- قیمتوں کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے بموجب ہندوستان میں قیمتوں کے اضافہ کے خاص وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(ا) زرعی پیداوار اور خام اشیاء کی رسد میں کمی (ب) ان اشیاء کی طلب میں اضافہ (ج) ہندوستان میں ریلوے اور دوسرے ذرائع آمد و رفت کی ترقی جس کے نتیجہ کے طور پر ایک حصہ ملک میں قیمتوں کا اضافہ دوسرے اقطاع ملک میں محسوس ہونے لگا (د) زر اور بنک کاری میں اصلاح اور ساکھ کا بڑھنا۔ (ی) زر کی گردش میں ترقی۔ افراط زر۔ (معیار مبادلہ طلا کے تحت) کی وجہ سے ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۷ء میں روپیہ کی ٹسکیک میں اضافہ ہوا تاکہ وزیر ہند نے جو کونسل بل فروخت کئے تھے اس کی رقم ادا کی جائے۔ ہندوستان میں قیمتوں کے اضافہ کا یہ بھی ایک بڑا سبب ہے۔

(۲) عالمی اسباب — ہندوستان میں قیمتوں میں اس وجہ سے بھی اضافہ ہوا کہ تمام دنیا کیا مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر اس زمانہ میں قیمتیں چڑھ گئی تھیں۔

(ا) دنیا کے بازاروں میں خام اشیاء کی طلب میں اضافہ اور ان کی رسد میں کمی (ب) دنیا کے معدنوں سے سونے کی بڑھتی ہوئی فراہمی (ج) ساکھ میں ترقی (د) تخریبی جنگیں اور مستقل افواج و بحریہ کا قیام۔

جنگ کے زمانہ میں قیمتیں | قیمتوں میں اضافہ کا جو رجحان پہلے سے موجود تھا اس میں ۱۹۱۴ء تا ۱۹۲۰ء میں جنگ کے حالات کی وجہ سے بہت اضافہ ہوگیا۔ تمام دنیا میں بھی قیمتوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں افراط زر کا دور دورہ تھا۔ ہندوستان میں بھی بڑی مقدار میں جدید روپیہ اور کرنسی نوٹ جاری ہوئے تاکہ توازن تجارت ہندوستان کے موافق قائم رہے اور حکومت کی جانب سے عائد شدہ اخراجات جنگ کی پابجائی ہوسکے۔ ۱۹۱۴ء میں اگر بنیادی قیمت کو ۱۰۰ فرض کیا جائے تو کلکتہ کی تھوک فروشی قیمتوں کا اشاری عدد ۱۹۲۰ء میں ۲۰۱ ہو گیا تھا۔ جرمنی فرانس اور انگلستان میں تو قیمتوں میں اس سے زیادہ اضافہ ہوگیا تھا۔ ہندوستان میں قیمتوں میں نسبتاً جو کمی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ

یہاں افراط زر زیادہ نہیں تھا۔ اتحادیوں کی جانب سے اضافہ طلب کی بناء پر غلہ اور خام پیداوار کی قیمتوں میں اضافہ ہوا تھا اس کے علاوہ قیمتیں اس وجہ سے بھی زیادہ ہوگئی تھیں کہ ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۰ء میں ہندوستان میں غلہ کی قلت ہوگئی تھی۔ درآمدی اشیاء مثلاً پارچہ اور شیشہ کی قیمتوں میں اس وجہ سے اضافہ ہوا کہ ان اشیاء کی درآمد میں کمی واقع ہوچکی تھی۔

قیمتوں میں تخفیف | ۱۹۲۰ء میں قیمتیں اپنی انتہا کو پہونچ جانے کے بعد ۱۹۲۱ء سے ہندوستان اور تمام ممالک میں زر کی قلت، پیدائش دولت میں اضافہ اور تجدید تجارت کے باعث قیمتوں میں تخفیف ہونے لگی۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں امریکہ میں وال اسٹریٹ کے بحران کی وجہ سے قیمتوں میں کمی ہوگئی جسکو دنیا کی گذشتہ طویل معاشی کساد بازاری کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ قیمتوں میں اس عالمگیر تخفیف کو سونے کی کمی اور اس کی غیر مساوی تقسیم پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے ساکھ بگڑ گئی اور زر میں کمی واقع ہوگئی نیز اس کی وجہ یہ تھی کہ معمولاً جس قدر مصنوعات دنیا کے بازارات میں کھپ سکتے تھے اور جس قدر زرعی پیداوار صرف ہوسکتی تھی اس سے بڑھکر پیداوار ہونے لگی۔ اس کے اثرات صنعتی ممالک مثلاً انگلستان سے زیادہ زرعی ممالک مثلاً ہندوستان میں نمودار ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں اگر بنیادی قیمت ۱۰۰ فرض کی جائے کلکتہ کی تھوک فروش قیمتوں کا اشاری عدد ستمبر ۱۹۲۹ء میں ۱۴۳ ہوگیا تھا۔ ستمبر ۱۹۳۱ء میں جب انگلستان نے معیار طلا ترک کیا تو یہ اشاری عدد ۹۱ تک گھٹ گیا یعنی جنگ سے قبل کی سطح سے بھی کم ہوگیا۔ دسمبر ۱۹۳۱ء میں چونکہ روپیہ کا تعلق اسٹرلنگ سے قائم ہوگیا تھا اسلئے نمبر ۹۸ تک کا خفیف اضافہ ہوا لیکن یہ برقرار نہیں رہا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں اشاری عدد ۸۸ ہوگیا مارچ ۱۹۳۳ء میں ۸۰ تک گھٹ گیا لیکن اس کے بعد قیمتیں ایک سطح پر قائم رہیں اور دسمبر ۱۹۳۴ء میں انڈکس نمبر ۸۹ ہوگیا اس کے بعد دو سال تک قیمتوں میں تغیرات ہوتے رہے اس کے بعد ان میں ترقی ہوئی کیونکہ دنیا میں اسلحہ سازی کی مہم آغاز ہوچکی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں اشاری عدد ۱۰۵ ہوگیا اس کے بعد سے قیمتوں میں تخفیف ہونے لگی اور ۱۹۳۸ء میں اشاری عدد ۹۴ ہوگیا اپریل ۱۹۳۹ء میں انڈکس نمبر ۹۹ ہوا اور اس کے بعد کسی قدر اضافہ ہونے لگا اور مئی ۱۹۳۹ء میں اشاری عدد ۱۰۱ ہوا۔

موجودہ جنگ اور قیمتوں کا مسئلہ | اس کے بعد موجودہ جنگ کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا ہے۔

جنگ کے شروع کے مہینوں میں قیمتیں بہت چڑھ گئی تھیں لیکن یہ اضافہ بحرانی کیفیت اور سٹہ کرنے والوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ سٹہ کرنے والے زیادہ قیمت پر فروخت کرکے زائد منافع کمانے کی امید میں اشیاء کے ذخیرہ کر رہے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد حالات سدھرنا شروع ہوئے اور جنوری ۱۹۴۰ء سے قیمتیں گرنے لگیں۔ قیمتوں کے گرنے کا سلسلہ تقریباً مئی ۱۹۴۱ء تک قایم رہا۔ اس کے بعد سے قیمتوں میں تدریجی اضافہ شروع ہوا۔ تدریجی اضافہ کا دور اپریل ۱۹۴۲ء تک قایم رہا۔ اپریل ۱۹۴۲ء سے قیمتوں میں اضافہ بہت تیزی سے ہو رہا ہے۔ کیونکہ جنگ کی وجہ سے درآمد کی موقوفی بالخصوص چاولوں کی رسد میں کمی ہو گئی ہے۔ جاپان کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے لئے ہندوستان کو مرکز بنا دیا گیا ہے۔ انگریزی اور امریکی افواج کے خوراک کے انتظام کے لئے وسیع پیمانہ پر حکومت نے خوردنی اجناس کی خریداریاں کیں جو قیمتوں میں اضافہ کا موجب بنی۔ نقل و حمل کی دشواریوں ملایا اور برما کے تخلیہ کنندگان اور جنگی قیدیوں کو ہندوستان میں رکھنے کی وجہ سے ملک کے غذائی وسائل پر بار پڑا ہے اور نتیجۃً اشیائے بحتاج کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔

<u>حیدرآباد اور قیمتوں کی نگرانی</u> موجودہ جنگ کے اثرات کا اندازہ کرنے کے لئے اگر شہر حیدرآباد کے ماہ اگسٹ ۱۹۳۹ء کو بنیادی سال قرار دیں اور قیمتوں کو ۱۰۰ فرض کریں تو اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۴۱ء تک قیمتیں بہت زیادہ نہیں بڑھی تھیں لیکن اگسٹ ۱۹۴۲ء میں اشاریہ کا عدد ۱۵۳ تک پہونچ گیا۔

حیدرآباد میں نگرانی نرخ اشیاء کی کمیٹی کا قیام ستمبر ۱۹۳۹ء میں عمل میں آیا۔ اس کمیٹی کے قیام کی غرض یہ تھی کہ اشیائے مایحتاج کی درآمد و برآمد اور ان کی قیمتوں پر نگرانی رکھنے کی تجاویز پر غور اور سفارشات پیش کرے۔ دو سال تک سرکار عالی نے اس کمیٹی کے مشورے سے نرخ کی نگرانی اور ان پر قابو رکھنے کے لئے یہ طرز عمل اختیار کیا کہ ذی اثر تجار کا تعاون عمل حاصل کرکے باہمی سمجھوتہ اور ترغیب کے ذریعہ ان کو اس امر پر آمادہ کیا کہ قیمتوں کو نامناسب حد تک بڑھنے نہ دیا جائے۔ جب جنگ کے ابتدائی زمانہ میں قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا تو خیال تھا کہ کاشتکار اس سے فائدہ اٹھائینگے۔

حکومت کے اس طرز عمل سے کاشتکاروں کو ضرور فائدہ پہونچا مگر اس کے ساتھ ساتھ کاشتکاروں سے کہیں زیادہ درمیانی اشخاص نے فائدہ حاصل کیا۔ بالآخر حکومت کو نگرانی نرخ اشیاء کی حکمت عملی اختیار کرنی پڑی اور یہ سلسلہ گیہوں کی قیمت کے تعین سے شروع ہوا۔

جنوری ۱۹۴۲ء میں نگرانی نرخ اشیاء کا صیغہ جو نظامت صنعت و حرفت سے متعلق تھا اب معتمدی مالگزاری میں منتقل ہوا اور زائد معتمد مال کو افسر نگرانی نرخ اشیاء مقرر کیا گیا۔ اب نگرانی نرخ اشیاء کا کام زیادہ تر ان اشیاء سے متعلق ہوگیا جو ضروریات زندگی سے تعلق رکھتی تھیں مثلاً اشیائے خوردنی، جلانے کی لکڑی کوئلہ، کاغذ، روغن گیاسی، دیاسلائی۔ پارچہ اور سوت افسر نگرانی نرخ اشیاء نے جن اشیاء کے قیمت کی نگرانی کی وہ حسب ذیل ہیں۔ شکر گیہوں، جوار، چانول باجرہ دیگر باریک دانے والے اجناس خوردنی، مونگ پھلی، چنا، تور، مسور، اڑد، کڑی گھی اور گڑ۔

اجناس خوردنی کے ذخائر اور ان پر موثر نگرانی کی غرض سے ٹھوک فروش بیوپاریوں پر اجازت ناموں کا حصول لازمی قرار دیا گیا۔ جون ۱۹۴۲ء میں ارزاں فروشی غلہ کے دوکانات کا قیام عمل میں آیا تاکہ مقررہ قیمتوں پر اشیاء کی فروخت عمل میں آئے اور عوام کو اپنی ضروریات کی اشیاء حاصل کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ حکومت کی جانب سے حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کا قیام بھی عمل میں لایا گیا تاکہ پیداکنندگان اور صارفین کے درمیان ربط قائم کیا جائے۔ اور جہاں تک ہوسکے ارزاں قیمت پر غرباء کو غلہ بہم پہنچایا جائے۔ حکومت خود اپنی ضروریات کی اشیائے خوردنی اس کارپوریشن کے توسط سے خریدتی ہے۔ اگر فاضل غلہ ہو تو بیرون ملک اس کی برآمد کارپوریشن کے توسط سے کی جاتی ہے اور جن اشیائے خوردنی کی حیدرآباد میں قلت ہے وہ بیرون حیدرآباد سے کارپوریشن درآمد کرتا ہے۔

حال ہی میں معتمدی رسد کا قیام عمل میں آیا ہے۔ کاشتکاروں کو ساہوکاروں کے پنجے سے آزاد کرنے اور صارفین کو حریص تجار سے نجات دلانے کے لئے ایک اسکیم "مشترکہ ادائی حصہ پیداوار اجناس خوردنی" عمل میں لائی گئی ہے۔ کاشتکاروں سے پیداوار کی خریدی اور دیگر متعلقہ کاروبار کے لئے

ہر موضع میں ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ ان کی امداد باہمی کے اصولوں پر تنظیم عمل میں لائی جارہی ہے۔

ہندوستان میں بنک کاری

<u>ہندوستانی بازار زر کے عناصر</u> | ہندوستان کے بازار زر اور بنک کاری کے اصلی عناصر حسب ذیل ہیں۔

(۱) ہندوستانی ریزرو بنک (۲) امپیریل بنک آف انڈیا (۳) مبادلات خارجہ کے بنک۔ (۴) ہندوستانی مشترک سرمایہ دار بنک (۵) ملکی بنک کار جو ملک کے مختلف حصوں میں مختلف ناموں سے موسوم ہیں (مثلاً صراف، ملتانی، بنیا، مارواڑی، مہاجن، ساہوکار) اس بنک کاری کے ابتدائی چار شعبے یوروپین طریقہ کا بازار زر ہیں اور سب سے آخری ملکی بازار زر ہے۔ امداد باہمی کے بنکوں کو درمیانی مقام حاصل ہے۔ ہندوستانی بازار زر کے دوسرے چھوٹے عناصر ڈاک خانہ کے سیونگ بنک، زمین گروی بنک، صنعتی بنک اور ملکی قرضوں کے ادارہ جات مثلاً بنگال میں لون آفس اور مدراس میں ندھی فنڈ ہیں۔ اب ہم ہندوستانی بازار زر کے سب سے اہم عناصر پر غور کریں گے لیکن آگے بڑھنے سے قبل ہندوستانی بنک کاری کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالنی بھی ضروری ہے۔

<u>دیسی بنک کاری</u> | ہندوستانی تجارت کی طرح ہندوستانی بنک کاری بھی قدیم زمانہ سے موجود ہے۔ ہنڈی جو دیسی بنک کاروں کی ساکھ کا خاص معیار ہے کئی صدیوں سے یہاں رائج ہے ہنڈی کی اس ملک میں وہی حیثیت ہے جو یوروپین ممالک میں بل آف اکسچینج کی۔ یوروپ میں بنک کاری کے ارتقاء سے کئی صدی قبل ہندوستان میں ملکی بنک کاری کا نظام موجود تھا۔ مغلیہ عہد میں بھی یہ کاروبار وسعت کے ساتھ جاری تھا۔ دیسی بنک کار مختلف کام انجام دیتے تھے وہ امانتیں محفوظ رکھتے تھے اور قرضے بھی دیا کرتے تھے۔ ملک کے ماہران مالیات بھی یہی لوگ تھے اور دارالضرب کے عہدہ دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ ان ہی کے ذریعہ زر اور ہنڈیوں کا تبادلہ عمل میں آتا تھا۔

---

۱ - کسی ملک کے بازار زر سے وہ خاص تنظیم مراد ہے جو ساکھ اور اصل فراہم کرنے کا کام انجام دیتی ہے اور جو خاص ادارہ جات جیسے بنک، صرافہ، بٹہ کاٹنے والی کوٹھیاں، ہنڈی دلالوں اور سرمایہ مشغول کرنے والے بنکوں وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔

اور یہی لوگ ملک کی تجارت کا سرمایہ فراہم کرتے تھے۔ کچھ عرصہ تک ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان کی سرپرستی کی۔ اٹھارویں صدی کے اختتام پر بہت سے ایسے اسباب پیش آئے جو ان کی خوش حالی کے منافی ثابت ہوئے۔ مثلاً ملک میں سیاسی بدنظمی، کلکتہ اور بمبئی کے اُن یورپین ایجنسی ہاؤس کی مسابقت جو بنک کا کاروبار کر رہے تھے اور جنکو ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرپرستی حاصل ہو چکی تھی۔ یورپین طرز کی پریسیڈنسی بنکوں کے قیام اور ہندوستان میں ایک ہی قسم کا زر جاری ہو جانے کی وجہ سے دیسی بنک کاروں کے کاروبار کو شدید نقصان پہنچا اور مبادلہ زر جو ان کا ایک اہم کام تھا
۹۰
بند ہو گیا۔ ان مشکلات کے باوجود دیسی بنک کار اب بھی اپنا کاروبار جاری رکھے ہوئے ہیں اور نود فی صدی باشندوں کی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں ہندوستانی بنک کار تقریباً ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں موجود ہیں۔ وہ کاشتکاروں، چھوٹے صناعوں اور تاجروں کو رقم مہیا کرتے ہیں۔ تیار شدہ فصول کو بندرگاہوں اور دوسرے مقامات تک پہنچانے میں مدد دیتے ہیں اور ملک کے اندرونی حصوں میں ہر قسم کی ضروری اشیاء کی تقسیم میں حصہ لیتے ہیں۔ دیسی بنک کار امانتیں محفوظ رکھتے ہیں لیکن جدید بنکوں کی طرح ان کے پاس امانتیں واپس حاصل کرنے کے لئے چک استعمال نہیں کئے جاتے۔ وہ ہنڈیاں جاری کرتے اور ان کی خرید و فروخت بھی کرتے ہیں جس کا مقصد ایک مقام سے دوسرے مقام کو روپے کی منتقلی یا تجارتی اغراض میں مالی امداد ہے۔ یورپین طرز کی بنکوں سے دیسی بنک کاروں کا بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ عموماً یہ اپنے ہی سرمایہ سے کاروبار کرتے ہیں۔ اور اکثر سرمایہ دار بنکوں سے مسابقت بھی کرتے ہیں۔ کاروباری گرم بازاری کے زمانہ میں جبکہ وہ اپنا سرمایہ کاروبار پر لگا چکتے ہیں تو امپیریل بنک یا شہروں کے دوسرے تجارتی بنکوں سے بڑی بڑی رقمیں ہنڈیوں پرامیسری نوٹ یا مال و اسباب کی ضمانت پر قرض لیتے ہیں۔ امپیریل بنک اور دوسرے مشترک سرمایہ دار بنکوں نے یہ آسانیاں صرف مشہور صرافوں تک محدود رکھی ہیں جن کے نام بنکوں کے ہاں فہرست میں مندرج ہوتے ہیں۔ اب ریزرو بنک ملک کے زر اور قرضہ پر قابو رکھنے والے ادارہ کی حیثیت سے قائم ہو چکا ہے اور اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دیسی کاروں

تعلق قایم رکھے تاکہ وہ ان کا مددگار ثابت ہو اور ان کی بنک کاری یا قرضہ کے کاروبار کو اپنے قابو میں رکھے جیسا کہ جدولی بنکوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ ہندوستانی ریزرو بنک کے قانون بابتہ ۱۹۳۴ء کے بموجب ۱۹۳۷ء میں ریزرو بنک نے اس سلسلہ میں تجاویز پیش کئے اور ذاتی سرمایہ، غیر بنک کارانہ تجارت کی موتوفی، حسابات کی نگہداشت وغیرہ کے سلسلہ میں بعض شرایط قایم کئے دیسی بنک کاروں نے ان کو قبول نہیں کیا۔

حیدرآباد میں دیسی بنک کاری | ڈاکٹر انور اقبال صاحب قریشی کے تحقیقات کے بموجب حیدرآباد میں جو ساہوکار کاروبار کرتے ہیں۔ سرمایہ کے لحاظ سے ان کی تعداد حسب ذیل ہے۔

وہ ساہوکار جن کا کاروبار ایک کروڑ سے زاید ہے ۵

۔۔۔ پچاس لاکھ سے زاید مگر ایک کروڑ سے کم ۵

۔۔۔ دس لاکھ سے زاید مگر پچاس لاکھ سے کم ۲۰

۔۔۔ ایک لاکھ سے زاید مگر دس لاکھ سے کم ۲۰

اب دو ایک دیسی بنک کاروں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں جن سے ان کے کاروبار کا اندازہ ہوسکے گا۔

موتی لعل بنسی لال کی فرم حیدرآباد میں ۱۸۰۱ء سے قائم ہے۔ اس فرم کی ابتدا غلہ فروشی سے ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ زر کا کاروبار آغاز کیا گیا۔ موجودہ زمانہ میں مملکت کی سب سے بڑی فرم ہے اور اس کی دولت کا اندازہ تقریباً پانچ کروڑ روپیہ ہے۔ کاشتکاروں کو قرضہ دینے کے لئے ممالک محروسہ سرکار عالی کے اضلاع میں اس فرم کی چار شاخیں ہیں۔ اس فرم کا اصلی کاروبار چھوٹے ساہوکاروں اور ضرورت مند اشخاص خصوصاً نوابوں اور جاگیرداروں کو قرضے دینا اور ہنڈیاں اجرا کرنا ہے۔ صرف ساہوکاروں سے قلیل مدت کے لئے امانتیں قبول کی جاتی ہیں۔

حیدرآباد کا دوسرا بڑا فرم رگھوتا تھ مل کا ہے جو تقریباً ۸۵ سال سے قائم ہے۔ ابتدا میں غلہ کی تجارت سے کاروبار شروع کیا گیا۔ ۱۹۱۳ء میں حالی کلدار کا تبادلہ شروع کیا گیا۔ ۱۹۱۰ء میں ایک

چھوٹے سے پیمانہ پر جدید طریقہ پر بنک کا قیام عمل میں آیا۔ جو امانتیں قبول کرتا ہے۔ چکوں کی اجرائی پر رقمیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اس بنک کی تین شاخیں اور کئی ایجنسیاں قائم ہیں۔

مملکت کے دیسی بنک کار اپنے فرد و اصل باقی شائع نہیں کرتے۔ ان کے کاروبار پردۂ اخفاء میں رہتے ہیں۔ اور اپنی مالی حالت کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ بہرحال دیسی بنک کاروں کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔

یوروپین بنک کاری کا نظام ہندوستان میں یوروپین بنک کاری کا نظام سب سے پہلے کلکتہ کے ایجنسی ہاؤس نے اپنے تجارتی کاروبار کو ترقی دینے کے مقصد سے رائج کیا۔ ہندوستان بنک جسکی داغ بیل مسرز الگزینڈر اینڈ کمپنی نے ڈالی ہندوستان میں یوروپین طرز کا سب سے پہلا خالص بنک کا ادارہ خیال کیا جاتا ہے۔ ۳۲-۱۸۲۹ء کے تجارتی بحران کے زمانہ میں ایجنسی ہاؤس مشکلات میں پھنس گئے اور ان کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد یونین بنک قائم ہوا جو ۱۸۴۸ء میں بند ہوگیا۔ بعد ازاں ۱۸۶۰ء تک بنک کاری کی ترقی سست رہی گو اس زمانہ میں ہی محدود ذمہ داری کا اصول تسلیم کرلیا جاچکا تھا۔ ۱۸۶۵ء میں کپاس کی قیمتوں کی کمی اور روپے کی شرح مبادلہ میں تخفیف کے باعث بمبئی میں مالی بحران رونما ہوا۔ ان حالات کے تحت بنک کاری میں کوئی ٹھوس ترقی نہ ہوسکی سودیشی تحریک کی وجہ سے عام لوگوں کو بیرونی سرمایہ سے قائم شدہ بنکوں میں اپنی رقمیں جمع کرانے میں تامل پیدا ہوگیا چنانچہ ۱۹۰۵ء کے بعد سے ترقی کی رفتار بہت تیز ہوگئی لیکن بدقسمتی سے بہت سے نئے بنک ناتجربہ کار افراد کے ہاتھوں ۱۴-۱۹۱۳ء کے بنک کاری کے بحران میں تباہ ہوگئے۔ اسکے بعد جنگ شروع ہوگئی۔ اس زمانہ میں ہندوستانی بنک کاری کو بہت تقویت حاصل ہوئی اور ابتدائی بنکوں کی ناکامیوں سے سبق حاصل کرکے ذمہ داری یوں کے مقابلہ میں زر نقد کی ایک مناسب مقدار محفوظ رکھنے کا عمل شروع کیا گیا۔ جنگ کے بعد قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے بھی نئے بنک قائم ہوئے لیکن پھر کساد بازاری کا دور دورہ شروع ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں بہت سے بنک دیوالیہ ہوگئے ۳۱-۱۹۲۹ء میں متعدد صوبہ جات ہند اور مملکت آصفیہ میں بنک کاری کے کاروبار کی تحقیقات

کے لئے کمیٹیاں قائم کی گئیں اور ایک مرکزی تحقیقاتی کمیٹی نے صوبہ واری کمیٹیوں کے ساتھ اشتراک عمل کیا۔ ہلٹن ینگ کمیشن نے ۱۹۲۶ء ہی میں ہندوستانی ریزرو بنک قائم کرنے کی سفارش کی تھی لیکن بڑی تاخیر کے بعد اپریل ۱۹۳۵ء میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ توقع ہے کہ اس کے ذریعہ ہندوستان کے بازار زر کی جدید تنظیم ہوسکے گی اور اس کا مستقبل ماضی سے زیادہ مستحکم ہوگا۔

ہندوستانی ریزرو بنک | ہندوستان کے لئے ایک مرکزی بنک قائم کرنے کا خیال ایک صدی پیشتر پیدا ہوا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے تینوں پریسیڈنسی شہروں میں پریسیڈنسی بنک قائم کئے۔ کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں علی الترتیب ۱۸۰۶ء، ۱۸۴۰ء اور ۱۸۴۳ء میں یہ بنک قائم ہوئے تاکہ ایک طرف تو ہندوستان کی روزافزوں تجارتی کاروبار اور دوسری طرف خود کمپنی کے بنک کارانہ ضروریات کی تکمیل ہوسکے۔ کل ہندوستان کے لئے ایک مرکزی بنک قائم کرنے کی تجویز بمقام لندن ۱۸۳۶ء میں پیش ہوئی جو بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ تینوں پریسیڈنسی بنکوں کے انضمام کے لئے سب سے پہلے ۱۸۶۷ء میں تجویز پیش ہوئی لیکن بنکوں کی باہمی رقابت کی وجہ سے یہ تحریک آگے نہ بڑھ سکی۔ اس کے بعد اس مسئلہ پر وقتاً فوقتاً بحث جاری رہی۔ آخرکار ۱۴-۱۹۱۳ء میں بنکوں کی ناکامی اور ۱۸-۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم نے ایک مرکزی بنک کے قیام کی شدید ضرورت محسوس کرائی اور قانون امپیریل بنک آف انڈیا بابتہ ۱۹۲۰ء کے بموجب تینوں پریسیڈنسی بنک ۱۹۲۱ء میں امپیریل بنک آف انڈیا میں ضم ہوگئے۔ اس کو محدود طور پر ایک مرکزی بنک کی حیثیت سے کام کرنے کا اختیار بھی عطا کیا گیا۔ حکومت ہند کے ساتھ اپنے معاہدہ کی تکمیل کی غرض سے امپیریل بنک نے ایک سو نئی شاخیں قائم کیں۔ اس کے بعد اس میں مزید اضافہ ہوتا رہا چنانچہ اس وقت اس کی ۱۶۱ شاخیں موجود ہیں۔

ہلٹن ینگ کمیشن نے ایک جدید مرکزی بنک قائم کرنے کی سفارش کی کیونکہ امپیریل بنک اپنی کثیر شاخوں کے ساتھ بڑی حد تک ایک تجارتی بنک ہے اور یہ کہ اس کو ملک بھر میں عصری بنک کارانہ سہولتوں کی فراہمی کا فرض انجام دینے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اس خیال کے مدنظر امپیریل بنک کے

۱۹۲۷ء میں پہلی دفعہ ہندوستانی ریزرو بنک کا مسودہ قانون پیش کیا۔ لیکن بنک کی ملکیت اور مرکزی و مقامی مجالس کے دستور کے متعلق شدید اختلاف رائے پیدا ہونے کی وجہ سے دو دفعہ اس مسودہ قانون کو ملتوی رکھنا پڑا[1]۔ آخر کار گول میز کانفرنس کی سفارش پر ہندوستانی ریزرو بنک کا قانون ۱۹۳۴ء میں مرتب کیا گیا اور یکم اپریل ۱۹۳۵ء کو اس کا افتتاح عمل میں آیا۔

ہندوستانی ریزرو بنک حصہ داروں کا بنک ہے اور اس کا کامل طور سے ادا شدہ سرمایہ پانچ کروڑ روپیہ ہے۔ ہر حصہ کی قیمت سو روپے ہے۔ اس کے دفاتر بمبئی، کلکتہ، مدراس، اور دہلی میں ہیں۔ ہر شاخ کے حصہ داروں کے جداگانہ رجسٹر ہیں ریزرو بنک نے لندن میں بھی اپنی شاخ قایم کرلی ہے۔ ریزرو بنک کے عام انتظام کا کام ایک مرکزی مجلس نظماء کے تفویض کیا گیا ہے۔ جس کے حسب تفصیل ذیل ۱۶ ارکین ہوتے ہیں۔ ایک گورنر اور دو ڈپٹی گورنر جن کو گورنر جنرل با جلاس کونسل بنک کی مرکزی مجلس کی سفارش پر مقرر کرتے ہیں۔ چار نظماء ان کو بھی گورنر جنرل با جلاس کونسل نامزد کرتے ہیں (یہ چار نظماء ٹیکس ادا کرنے والوں کی نمائندگی کرتے اور ملک کے اہم معاشی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہیں) آٹھ نظماء کو حصہ دار مختلف حلقوں سے منتخب کرتے ہیں۔ ایک سرکاری عہدہ دار اس کا رکن ہوتا ہے۔ بنک کی مرکزی مجلس کو مشورہ دینے کے لئے مقامی مجالس بھی قائم ہیں۔ مرکزی مجلس کے نظماء یا مقامی مجالس کے ارکین مرکزی یا صوبہ واری مقننہ کے ارکین نہیں ہو سکتے۔

اب یہاں ریزرو بنک کے اغراض و مقاصد کا اجمالاً ذکر کیا جائے گا۔ ریزرو بنک بلا سودی اماتیں قبول کرتا ہے۔ صوبہ واری امداد باہمی یا جدولی[2] بنکوں کے مصدقہ پرامیسری نوٹس اور ہنڈیوں کی

---

[1]۔ اختلاف یہ تھا:۔ (۱) ریزرو بنک اسٹیٹ بنک ہونا چاہیئے یا حصہ داروں کا (۲) مرکزی اور صوبہ واری مقننہ کے ارکین ریزرو بنک کے مرکزی اور مقامی مجالس میں شریک کئے جائیں یا نہیں۔ بالآخر منظور یہ ہوا کہ ریزرو بنک حصہ داروں کا بنک ہونا چاہیئے اور سیاسی اثرات سے آزاد رہے۔ ہلٹن ینگ کمیشن نے بھی اسی چیز کی سفارش کی تھی۔

[2]۔ جدولی بنکوں کی تعداد ۵۰ ہے۔ ہر ایک کا ادا شدہ سرمایہ اور ذخیرہ محفوظ پانچ لاکھ روپے اور اس سے زاید بھی ہے جو قانون ریزرو بنک کی ضمیمہ فہرست میں بتلائے گئے ہیں۔

خرید و فروخت کا کام انجام دیتا ہے۔ تجارتی کاروبار کی صورت میں ان ہنڈیوں اور پرامیسری نوٹس کی نوعیت ایسی ہونی چاہیئے کہ تاریخ خریدی سے نوّے (۹۰) دن کی میعاد میں ادا ہوسکیں لیکن موسمی زرعی کاروبار یا غلہ کی فروخت کی صورت میں نو مہینوں کی مدت دی جاتی ہے۔ ریزرو بنک کیلئے ضروری ہے کہ جدولی بنکوں سے اسٹرلنگ کی خرید و فروخت کرے۔ ان بنکوں کے علاوہ مرکزی اور صوبہ واری حکومتوں ہندوستانی ریاستوں اور مقامی حکومتوں کو قلیل المیعاد قرضے بھی دے سکتا ہے۔ ریزرو بنک حکومت کی جانب سے چاندی، خشت طلاء اور مسکوکات کی خرید و فروخت کرسکتا ہے۔ ایک ماہ کی مدت یا اس سے کم مدت کے لئے جدولی بنکوں سے قرضے حاصل کرسکتا ہے۔

ریزرو بنک کو نوٹ جاری کرنے کا اختیار بھی حاصل ہے۔ جس کی رقم عندالمطالبہ اس کے پیش کرنے والے کو ادا کی جائے گی۔ اس کو یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ عام بازار میں ہنڈیوں، پرامیسری نوٹس یا اسٹرلنگ کی براہ راست خرید و فروخت کرے اور عوام کو قرضے دے۔ اس اختیار کے عطاء کا منشاء یہ ہے کہ قرضہ کی مقدار پر قابو حاصل رہے اور اس کے ذریعہ بنک کی ساکھ اور اس کی شرح کی پالیسی کو موثر بنایا جائے۔

ہندوستانی ریزرو بنک کو بعض خاص قسم کے کاروبار انجام دینے کی اجازت نہیں ہے مثلاً اس امر کی ممانعت ہے کہ وہ خود کوئی تجارتی کاروبار چلائے یا کسی صنعتی اور تجارتی کاروبار سے براہ راست اپنا مفاد وابستہ رکھے۔ بنک کو جائداد غیر منقولہ کی ضمانت پر قرضہ دینے اور امانتوں پر سود ادا کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ اس کے علاوہ ریزرو بنک کو معمولی تجارتی بنکوں سے مسابقت کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

اب یہاں مختصر طور پر ریزرو بنک کے ان فرائض پر نظر ڈالی جائے گی جو اس کو بطور ایک مرکزی بنک کے انجام دینا چاہیئے۔ اس بنک کو حکومت کی جانب سے رقم وصول کرنے اور ادائی کے انتظامات عمل میں لانے ہوتے ہیں۔ مبادلہ، ترسیل زر، قرضہ عامہ اور دوسرے بنک کاری کے کاروبار کی تکمیل بھی اسی بنک کے ذمہ ہے۔ صرف ریزرو بنک کو ہی نوٹوں کی اجرائی کے کامل حقوق حاصل ہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے معاملات زر پر قابو رکھنے والے ادارہ کی حیثیت سے بنک کو ضروری ہے کہ روپے کی شرح مبادلہ کو ایک شلنگ چھ پنس اسٹرلنگ کی شرح پر قایم رکھنے کے لئے اسٹرلنگ کی خرید و فروخت کرے۔ ہر ایک جدولی بنک کو لازم ہے کہ ریزرو بنک میں اپنی ناگزیر اور موقتی واجبات کا علی الترتیب کم از کم دو اور پانچ فی صد نافضلات فراہم رکھے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ریزرو بنک ملک کے بنک کارانہ محفوظات کو کسی مرکزی نظام کے تابع کرائے۔ اور اس طرح ان قرضہ جات پر قابو رکھا جا سکے جو جدولی بنکوں کی جانب سے اجرا ہوتے ہیں۔ جدولی بنکوں کو اس کا بھی پابند کیا گیا ہے کہ اپنے کاروبار کا ہفتہ واری تختہ ریزرو بنک میں پیش کریں۔

امپیریل بنک کو پندرہ سال کے لئے ریزرو بنک کا واحد کارندہ مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی شاخوں کے ذریعہ حکومت کی جانب سے سرکاری خزانہ کے فرائض انجام دیے۔ ریزرو بنک کو بھی گورنر جنرل باجلاس کونسل کے پاس بنک کاری اور صیغہ اجرائے نوٹ کے حسابات کا ہفتہ واری تختہ پیش کرنا پڑتا ہے۔

قانون ریزرو بنک کے منشاء کے مطابق بنک نے زرعی قرضہ کا ایک خصوصی شعبہ قایم کیا ہے اس کے فرائض یہ ہیں زرعی قرضے کے مسائل کا مطالعہ کرنا۔ حکومت اور صوبہ واری امداد باہمی کے بنکوں کو ماہرانہ مشورہ دینا، صوبہ واری امداد باہمی یا دیگر بنکوں کے ساتھ جن کا تعلق زرعی قرضہ کے مسائل سے ہو اشتراک عمل کرنا۔

مسٹر یم۔ یل۔ ڈارلنگ آئی۔ سی۔ یس نے جو خاص اسی مقصد کے لئے مقرر کئے گئے تھے ضروری ابتدائی تحقیقات قبل از قبل مکمل کر لی تھی۔

اب جبکہ ریزرو بنک قایم ہو چکا ہے اس امر کی توقع کی جاتی ہے کہ ہندوستان کے بازار زر کی تنظیم جدید اور اس میں یکسانیت پیدا کی جائے گی۔ اس کے قدیم نقائص مثلاً بازار کے مختلف حصوں کے مابین باہمی تعلقات کا فقدان، حکومت اور امپیریل بنک کی جانب سے زر اور قرضہ کی نگرانی میں دو عملی، زر کی موقتی عدم تغیر پذیری اور اس کی اعلیٰ شرح اور ہنڈیوں کے قلیل استعمال کا ارتفاع

توقع ہے کہ ان کے علاوہ اس بنک کے قیام سے عام طور پر ہندوستانی بنک کاری کے طریق کو تقویت پہونچیگی۔ بشرطیکہ ریزرو بنک اور ملکی بنک کاروں کے درمیان باہمی اشتراک عمل کا انتظام کیا جائے۔

حیدرآباد اسٹیٹ بنک | حیدرآباد اسٹیٹ بنک کا قانون ۱۹۴۱ء میں منظور ہوا۔ ۹ دسمبر ۱۹۴۱ء کو حصہ داروں کا پہلا جلسہ عام منعقد ہوا۔ حیدرآباد اسٹیٹ بنک اس لئے قایم کیا گیا ہے کہ وہ ترویج زر کو منظم کرے اس کے استحکام و تحفظ کو برقرار رکھے۔ اندرون و بیرون ممالک محروسہ ادائی زر میں سہولت پیدا کرے۔ ملک کی معاشی زندگی کو ترقی دینے کے لئے ضروری قرضے فراہم کرے اور ممالک محروسہ میں زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی کا حوصلہ افزائی کرے۔

حیدرآباد اسٹیٹ بنک حصہ داروں کے ایک بنک کی حیثیت سے قایم کیا گیا ہے اور اس کے قانون میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ بنک آبادی کے تمام طبقوں کی ضروریات، بنک کاری کی تکمیل، اور ان کے مفاد کی حفاظت کرسکے۔ اس کا کامل طور سے ادا شدہ سرمایہ ۷۵ لاکھ روپے سکۂ عثمانیہ ہے ہر حصہ کی قیمت سو روپے ہے۔ ایک کروڑ پچاس لاکھ روپے کے مجوزہ سرمایہ میں سے ۷۵ لاکھ روپے مجموعی رقم کے حصص جاری کئے گئے جس میں سے ۳۰ لاکھ ۲۵ ہزار روپے کے حصص حکومت کیلئے مختص کردیئے گئے اور باقی ماندہ حصص عوام نے خریدے۔

اس بنک کی مجلس نظما میں حکومت کے نامزد کردہ اور حصہ داروں کے منتخب کردہ دونوں قسم کے نظما شامل ہیں اور اس انتظام کی وجہ سے یہ بنک اس قابل ہوگیا ہے کہ حکومت کی ساکھ سے پورا فائدہ اٹھائے اور باشندوں کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ملک کے معاشی وسائل سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرے۔ حکومت سرکار عالی نے اس بنک کے جاری کردہ سرمایہ حصص کا ۱۵ فی صد حصہ خرید لیا ہے اور ایسا کرنا ضروری تصور کیا گیا کیونکہ ایک تجویز یہ بھی ہے کہ حکومت کی تمام نقدی ملک بنک کے پاس امانت رکھی جائے۔ مختلف محفوظ سرمایہ کا انتظام بھی اس کے تفویض کردیا جائے جن میں

سرمایہ محفوظ زرکاغذی. قرضہائے عامہ کا انتظام اور حکومت کے کارندے کے طور پر کرنسی نوٹوں اور سکوں کی اجرائی جیسے امور شامل ہیں۔

اسٹیٹ بنک کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً حکومت کے جاری کردہ اعلانوں کے ذریعہ مقرر کی ہوئی اقل ترین اور بیش ترین شرحوں پر برطانوی روپیوں کی خرید و فروخت کرے اور اس طرز کار کی وجہ سے یہ بنک اس قابل ہوجاتا ہے کہ شرح مبادلہ کے اتار چڑھاؤ کو حکومت کی مقرر کردہ حدود (یعنی ۱۰۰ روپے کلدار کے معاوضہ میں ۱۱۶ آنے ۱۱ روپیہ حالی) کے اندر برقرار رکھنے پر قابو رکھ سکے۔

اس بنک کے تمام حصص پر کم از کم تین فی صدی سالانہ منافع دینا واجب ہے اور اس منافع کی مستقل ادائی کی ضمانت حکومت نے لی ہے۔

ممالک محروسہ کے تمام اہم تجارتی مرکزوں اور اضلاع کے صدر مقاموں میں اسٹیٹ بنک کی شاخیں قایم کرنے کی تجویز بھی زیر غور ہے۔ ورنگل گلبرگہ رائچور اور لاتور میں اس کی شاخیں قایم ہو چکی ہیں۔

امپیریل بنک آف انڈیا۔ ریزرو بنک کے قیام کے بعد امپیریل بنک آف انڈیا نے ملک کے سب سے بڑے تجارتی بنک کی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ ریزرو بنک کا واحد کارندہ مقرر ہونے کی وجہ سے یہ بنک جو عملاً حکومت کے فاضلات کی نگرانی کرتا ہے ایک خصوصی قانون کا پابند ہے۔ جس کی رو سے اسکے دائرۂ عمل پر تحدیدات عاید کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بنک چھ ماہ سے زائد عرصہ کے لئے یا غیر منقولہ جائداد مثلاً زمینات کی ضمانت پر قرضہ نہیں دے سکتا۔ لیکن انگلستان میں امانتوں کو قبول کرنے اور قرضے حاصل کرنے یا ممالک غیر کے کاروبار مبادلہ اختیار کرنے کے سلسلہ میں جو قدیم پابندیاں عاید تھیں ان سے اب یہ بنک آزاد ہے۔ امپیریل بنک امانتیں قبول کرسکتا ہے قرضہ پر رقمیں دے سکتا ہے۔ حکومتی تمسکات، اسٹیٹ ریلوے بانڈز، بلدیہ اور مقامی مجالس کے ڈبنچر یا پرامیسری نوٹ پر نقد قرضے ایصال کرسکتا ہے۔ اس بنک کو ہنڈی قبول کرنے ان پر بٹہ حاصل کرنے اور ان کو فروخت اور دوسرے قابل بیع و شری تمسکات کو قبول کرنے کی اجازت ہے اور بحیثیت وصی جائدادوں کے نظم و نسق کی ذمہ داری

بھی یہ بنک قبول کرسکتا ہے۔ اور بھی چند اختیارات اس بنک کو حاصل ہیں جن کی تفصیل موجب طوالت ہے۔

امپیریل بنک کی ۱۶۱ شاخیں ہیں۔ ہندوستان میں کسی بنک کی اس قدر شاخیں نہیں ہیں۔ پریسیڈنسی شہروں میں اس کے تین مقامی صدر دفتر قایم ہیں اور مقامی مجالس نظمار کے ذریعہ ہر شاخ کے کاروبار کی نگرانی اور انتظام کیا جاتا ہے۔ امپیریل بنک آف انڈیا کے کاروبار پر نگرانی قائم رکھنے کے لئے ایک مرکزی مجلس نظمار قایم ہے جو مقامی مجالس کے صدر اور نائب صدروں میں سے منتخب شدہ ایک رکن ایک منیجنگ اور ایک ڈپٹی مانیجنگ ڈائرکٹر جن کو مرکزی مجلس مقرر کرتی ہے دو اراکین جن کو گورنر جنرل باجلاس کونسل نامزد کرتے ہیں اور مقامی مجالس کے معتمدین پر مشتمل ہوتی ہے۔ امپیریل بنک کا سرمایہ اور مد محفوظ ۱۵ کروڑ روپے ہے۔ ۱۹۳۷ء میں ادا شدہ سرمایہ ۵ کروڑ ۶۲ لاکھ اور ذخیرہ محفوظ ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے ہے۔ جملہ امانتی رقم تقریباً ۸۱ کروڑ روپیہ ہے۔ بنک کے لئے لازم ہے کہ اپنے اثاثے اور ذمہ داریوں کا ہفتہ وار تختہ شائع کرے۔

امپیریل بنک کی ایک شاخ حیدرآباد میں ۱۸۶۸ء میں قایم ہوئی۔ اضلاع ناندیڑ، پربھنی، نظام آباد اور گلبرگہ میں بھی امپیریل بنک کی ایجنسیاں قایم ہیں۔

<u>مبادلہ بنک</u> ہندوستان میں کم و بیش سترہ مبادلہ بنک کام کررہے ہیں۔ ان تمام بنکوں کے صدر دفاتر بیرون ہند میں قایم ہیں۔ یہاں ان کی شاخیں کام کرتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم برطانوی بنک ہیں جنکی تعداد آٹھ ہے۔ دوسرے ممالک جن سے ہندوستان کے تجارتی تعلقات وابستہ ہیں انہوں نے ہندوستان میں اپنے مبادلہ بنک قائم کر رکھے ہیں۔ مبادلہ بنکوں کی سرکاری تقسیم حسب ذیل ہے۔

(۱) جو ہندوستان میں ایک قابل لحاظ پیمانہ پر کاروبار انجام دیتے ہیں اور جن کی امانتوں کا ۲۵ فی صدی ہندوستان میں محفوظ ہے۔ مثلاً نیشنل بنک آف انڈیا یا چارٹرڈ بنک آف انڈیا۔

(۲) وہ بنک جو ایسے بڑے بنکوں کی ایجنسیاں ہیں جو تمام ایشیا میں اپنا کاروبار انجام دے رہے ہیں اور جنکی امانتوں کا ۲۵ فی صدی سے کم ہندوستان میں محفوظ ہے۔

مبادلات خارجہ کے کاروبار میں ہندوستانی مشترک سرمایہ دار بنکوں کا بہت کم حصہ ہے

اس کے وجوہ یہ ہیں۔(۱) ضرورت کے بموجب سرمایہ کا فقدان ہے۔(۲) بیرونی مرکزوں میں شاخوں کی غیر موجودگی (۳) بیرونی مبادلہ بنکوں کے استحکام اور قدیم سے جاری رہنے کی وجہ سے ہندوستانی مشترک سرمایہ دار بنک ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

بہرحال پہلا ہندوستانی ایکسچینج بنک سنٹرل بنک آف انڈیا کے زیر سرپرستی لندن میں قائم ہوا لیکن بعد میں اس کا انضمام برکلے بنک لمیٹڈ لندن کے ساتھ ۱۹۳۰ء میں عمل میں آیا۔

مبادلہ بنکوں کا اصلی کاروبار خارجی ہنڈیوں کی خریدی اور اس پر بٹہ کاٹنے کے ذریعے ہندوستان کی تجارت خارجہ کو مالی امداد بہم پہونچانا ہے۔ یہ بنک اصل میں برآمدی ہنڈیوں پر لین دین کرتے ہیں یہ ہنڈیاں زیادہ تر وہ ہوتی ہیں جن کو ہندوستان کے ایسے تاجر جو اپنا مال باہر بھیجتے ہیں فروخت کرتے ہیں۔ بعد ازاں یہ ہنڈیاں لندن کو ارسال کی جاتی ہیں۔ لندن کے بنک ان پر دوبارہ بٹہ کاٹتے ہیں اور اپنے اسٹرلنگ فاضلات کی طمانیت پر جس میں خارجی ہنڈیاں خریدنے کی وجہ سے اور مزید اضافہ ہوتا ہے مبادلہ بنک ہندوستانی ریزرو بنک کو اسٹرلنگ فروخت کرتے ہیں۔ ریزرو بنک کو اس کی اس وجہ سے ضرورت مند رہتا ہے کہ وہ اس کو مطالبات وطن کی ادائی میں وزیر ہند کو ارسال کرنے میں استعمال کر سکے۔ دوسرے اشخاص مثلاً مال بیرونی ممالک سے ہندوستان میں درآمد کرنے والے یا طلبا جو بیرون ہند میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے سرپرست بھی مبادلہ بنکوں سے اسٹرلنگ ڈرافٹ لندن میں ادائی کے لئے خریدتے ہیں۔ اصول توازن تجارت کے حسب ضرورت یہ بنک یا تو سونا درآمد یا برآمد کرتے ہیں۔ ہندوستان کی درآمدی تجارت کو مالی امداد بہم پہونچانے میں مبادلہ بنکوں کی شاخیں جو بیرون ہند قائم ہیں بہت اہم اور نمایاں حصہ لیتی ہیں۔ اس کاروبار میں ہندوستانی شاخوں کا بڑا کام یہ ہے کہ ادائی کے زمانہ میں درآمدی ہنڈیاں (جو ہندوستانی درآمد کنندگان کے نام تحریر کئے جاتے ہیں) اکٹھا کر کے اپنے بیرونی صدر دفاتر اور شاخوں کو ان ہندوستانی درآمد کنندگان کی حیثیت اور وسائل کی نسبت معلومات بہم پہونچائیں جن کے نام بیرونی قرض خواہ ہنڈیاں حاصل کرتے ہیں۔

مبادلہ بنک مبادلات خارجہ کے کاروبار کے علاوہ معمولی بنک کاری کے کاروبار بھی انجام دیتے ہیں اس طرح وہ ہندوستانی مشترک سرمایہ دار بنکوں سے بھی مسابقت کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے بعض مبادلہ بنکوں نے اندرون ملک مثلاً کانپور اور دہلی میں بھی اپنی شاخیں قایم کی ہیں اور اس طرح ہندوستان کی داخلی تجارت کے لئے سرمایہ فراہم کرنے میں حصہ لیتے ہیں یہ بنک خود ہندوستان میں بمقدار کثیر امانتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں (چنانچہ ۱۹۲۷ء میں امانتوں کی بمقدار ۷۵ کروڑ ۲۲ لاکھ روپے تھی) بہرحال ہندوستانی مشترک سرمایہ دار بنکوں کو داخلی تجارت اور معمولی بنک کاری کے میدان میں بھی بیرونی مہیب رقابتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ملک کی خارجی تجارت کے کاروبار میں ہندوستان کو زیادہ سے زیادہ موقع بہم پہونچانے کے لئے مرکزی بنکنگ انکوائری کمیٹی نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ مبادلات خارجہ کے بنکوں پر اجازت ناموں کی قید عائد کر کے ان پر نگرانی قایم کی جائے۔ اس کی دوسری تجویز یہ ہے کہ اگر امپریل بنک مبادلات خارجہ کے کاروبار کو وسعت دینے میں ناکام رہے جس کے اختیار کرنے میں اب وہ آزاد ہے تو ایک خانگی ہندوستانی مبادلہ بنک حکومت کی امداد کے ساتھ قایم کیا جائے۔

<u>مشترک سرمایہ دار بنک</u> ہندوستان میں مشترک سرمایہ دار بنکوں کی حالیہ ترقی کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے ان بنکوں کی نوعیت بڑی حد تک تجارتی ہے اور صرف قلیل المیعاد قرضے ایصال کرتے ہیں۔ یہ امانتیں قبول کرتے اور مقامی ہنڈیوں پر بٹہ کاٹتے، نقد قرضے کے کھاتے کھولتے، صرافہ کے تمسکات غلے یا کپاس کی کفالت پر قرضے دیتے، کمپنیوں کے حصے خریدتے اور ان کو فروخت کرنے کے علاوہ متفرق بنک کاری کے کاروبار بھی انجام دیتے ہیں۔ ۳۱ ڈسمبر ۱۹۲۷ء تک مشترک سرمایہ دار بنکوں کی تعداد ۱۵۱ تھی اور ان کا اصل اور محفوظ سرمایہ ایک کروڑ روپے سے زاید تھا۔ ان کا ادا شدہ سرمایہ ۷ کروڑ ۷۳ لاکھ روپے مابقی سرمایہ بشمول مد محفوظ ۶ کروڑ ۲۷ لاکھ روپے امانتیں ۱۰۸ کروڑ ۶۶ لاکھ اور نقد فاضلات کی مقدار ۱۸ کروڑ ۱۳ لاکھ روپے تھی ہندوستان کے پانچ بڑے بنک، بنک آف انڈیا، سنٹرل بنک آف انڈیا (جو ایک ایسے کامیاب

بنک کی نمایاں مثال ہے جسکی ملکیت اور انتظام ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہے)، پنجاب نیشنل بنک، بنک آف بڑودہ اور الہ آباد بنک ہیں۔ ۱۴-۱۹۱۳ء میں بنکوں کی ناکامی کے بعد سے ہندوستان میں مشترک سرمایہ دار بنکوں میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے زیادہ توجہ مبذول کیگئی ہے۔

ہندوستان میں بنکوں کی ناکامی کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

(۱) نقد فاضلات کی عدم فراہمی (۲) اداشدہ سرمایہ کی قلت (۳) تجربہ کار اور تربیت یافتہ منیجروں کا فقدان (۴) غیر محتاط قرضے (۵) بعض صورتوں میں فریب دہی۔

مرکزی بنکنگ انکوائری کمیٹی نے ایک خاص قانون بنک کے نفاذ کی سفارش کی ہے کیونکہ موجودہ ہندوستانی کمپنیوں کا قانون جو تمام قسم کے مشترک سرمایہ دار کمپنیوں پر حاوی ہے بنکوں میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے قطعاً ناکافی ہے اگرچہ کہ ہندوستانی کمپنیوں کے مرمم قانون بابتہ ۱۹۳۶ء میں بنکنگ کمپنیوں میں زیادہ باقاعدگی پیدا کرنے کے خیال سے بعض دفعات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ریزروبنک کے زیر نگرانی ملک میں مشترک سرمایہ دار بنکوں کے قیام کی کافی وسعت ہے۔

<u>مملکت آصفیہ میں بنک کاری</u> تقریباً دس سال قبل بنک کاری کی تحقیقات کے متعلق خان بہادر احمد محی الدین صاحب ڈپٹی مینجنگ ڈائرکٹر حیدرآباد اسٹیٹ بنک نے سرکاری طور پر رپورٹ مرتب کی تھی۔ مملکت آصفیہ میں بنک کاری کی موجودہ صورت یہ ہے کہ بہت سا بیرونی سرمایہ ملک میں منافع کمارہا ہے اور باہر چلا جارہا ہے اور خود ملک کی بڑی رقمیں باہر کی بنکوں میں بغرض حفاظت جمع ہو کر باہر فائدہ پہنچارہی ہیں۔ یہ حالت فلاح ملک کے منافی ہے۔ ضرورت ہے کہ اعلیٰ اور متوسط طبقے کے اندوختے بنکوں میں جمع ہو کر قلت سرمایہ کی دشواری رفع کریں اور بنکوں کے ذریعہ کاروبار کو مالی امداد ملے۔ یہ سچ ہے کہ بنک چلانا کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن جو کام دوسرے ملکوں میں کامیابی سے انجام پارہے ہیں وہ یہاں کیوں محال سمجھے جائیں۔

سنٹرل بنک آف انڈیا کی ایک شاخ حیدرآباد میں ۱۹۳۳ء میں قایم ہوئی۔ اس کی شاخیں جالنہ، سیلو، ورنگل، رائچور، اورنگ آباد اور لاتور میں قایم ہیں۔ مملکت آصفیہ میں مشترکہ

سرمایہ دار بنکوں کی تعداد ۱۹۳۹ء میں ۲۲ تھی۔ حال ہی میں ایک کروڑ روپے کے سرمایہ سے اورنگ آباد میں ایک بنک قایم ہوا ہے۔ حیدرآباد اسٹیٹ بنک کے زیر نگرانی ملک میں مشترک سرمایہ دار بنکوں کے قیام کی کافی گنجائش موجود ہے۔

حیدرآباد اسٹاک اکسچنج | حکومت سرکار عالی نے حیدرآباد میں ایک منظم اسٹاک ایکسچنج کے قیام کی ضرورت خسوس کی تاکہ مقامی اداروں سے وسیع مفاد وابستہ رکھنے والے برطانوی ہند کے سرمایہ کاروں کے علاوہ حکومت سرکار عالی اور ممالک محروسہ کے سرمایہ دار بھی بنک کاری اور صنعت وحرفت میں کثیر اصل صرف کر رہے ہیں تمسکات کی منتقلی حیدرآباد میں وسیع پیمانہ پر جاری ہے۔ متعدد دلال اور بنک کار خود اپنی یا اصل کاروبار والے اشخاص کی جانب سے حیدرآباد اور بمبئی کے مارکٹوں میں یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ ان حالات کے تحت یہ محسوس کیا گیا کہ اگر یہ کاروبار کسی باقاعدہ اسٹاک ایکسچنج کے ذریعہ منظم نہیں کیا گیا تو ممکن ہے کہ عوام کے لئے اس کے نتائج بہتر نہ ہوں اور ایسی صورتیں پیدا ہو جائیں جن سے سٹہ بازی کا اندیشہ ہو۔

اس وجہ سے حکومت نے نواب کمال یار جنگ کی صدارت میں ایک کمیٹی کا اعلان کیا تاکہ ایک دستور مرتب کرے جس کے تحت حیدرآبادی صرافہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔ کمیٹی کی سفارشات میں ایکسچنج کے حسب ذیل مقاصد مقرر کئے گئے ہیں۔ (۱) تمسکات کے کاروبار کو بہتر طور پر منظم کرنا۔ (۲) ناپسندیدہ طریقوں کو مسدود کرنا (۳) ارکین کے باہمی نزاعات اور ارکین اور اُن کے انتخاب کنندوں کے درمیان نزاعات میں ثالثی کرنا اور تصفیہ کرنا۔ (۴) جب مقدار کاروبار اس کی اجازت دے تو ہنڈیاں پٹانے کے لئے حساب گھر کا انتظام کرنا۔ کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں جو قواعد وضوابط تجویز کئے ہیں وہ مختصراً حسب ذیل ہیں۔ ایکسچنج کی نگرانی ایک مجلس انتظامی کے سپرد ہوگی جس کے ارکین حکومت اسٹیٹ بنک کمیٹی ساہوکاران ایوان تجارت اور ارکین اسٹاک ایکسچنج پر مشتمل ہونگے۔ بورڈ کا فرض ہوگا کہ وہ ایسے تمسکات کی فہرست کا تعین کرے جن کے لین دین کی اجازت ہوگی۔ بورڈ دلالی کی شرح مقرر کرے گا اور ایکسچنج اور اس کے سرمایہ کے کاروبار کی نگرانی کرے گا۔ ۱۹۴۳ء میں حیدرآباد

سر پرشوتم واس ٹھاکرداس نے حیدرآباد اسٹاک ایکسچینج کا افتتاح کیا۔

ہندوستان میں دوسرے قسم کے بنک | اس سے قبل امداد باہمی اور زمین گروی بنکوں کا ذکر کیا جا چکا ہے ملک میں کسی بنک کاری کا کوئی خاص انتظام موجود نہیں ہے جو صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے مشنری کی خریدی اور کارخانوں کے تعمیری اغراض کے لئے طویل المیعاد قرضے دے اس قسم کے بنکوں کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی ہے صنعتی کمیشن اور مرکزی بنکنگ انکوائری کمیٹی نے بھی اس کی ضرورت پر بہت زور دیا ہے۔ آخر الذکر کمیٹی نے صوبہ داری حکومتوں اور ایک کل ہند صنعتی کارپوریشن کی مدد سے ہر صوبہ میں ایک صوبہ داری صنعتی کارپوریشن کے قیام کی سفارش کی ہے۔ حکومت کی جانب سے مدراس، پنجاب اور بنگال میں قانون امداد صنعت کے تحت قرضے عطا کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ امداد صرف گھریلو صنعتوں کی حد تک محدود ہے۔ صنعتی بنکوں کی ضرورت اب بھی برابر محسوس کی جا رہی ہے۔ تاکہ بیمانہ کبیری صنعتوں کے لئے طویل المیعاد قرضے فراہم کئے جا سکیں۔ اس موقع پر ڈاک خانوں کے سیونگ بنک کا ذکر بھی ضروری ہے جو ہندوستان کے تمام حصوں میں ۱۸۸۲ء اور ۱۸۸۳ء میں قائم ہوئے۔ ادنیٰ اور متوسط طبقوں کے لئے یہ بنک رقم بطور امانت محفوظ رکھنے کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہوئے ہیں۔ حکومت رقم کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ ڈاک خانوں کے سیونگ بنک کی تعداد ۱۲۰۳۷ء ۱۹۴۲ء میں ۱۲۶۳۱ کھاتہ داروں کی تعداد ۳۷۸۶۴۹۵ اور امانتی رقوم کی مجموعی مقدار ۷۷ کروڑ ۵۶ لاکھ روپے تھی۔ سیونگ بنک امانتوں پر ۲ فی صدی سود ادا کرتے ہیں جو کسی وقت بھی بعض شرائط کی تکمیل کے بعد بہ آسانی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہر شخص سالانہ ۷۵۰ روپے جمع کرا سکتا ہے مجموعی امانت کی اعظم ترین مقدار جو کھاتہ میں جمع کرائی جا سکتی ہے پانچ ہزار روپے اور اقل ترین مقدار چار آنے ہے۔ ان بنکوں سے رقم ہفتہ میں صرف ایک بار حاصل کی جا سکتی ہے۔

۱۹۴۱ء میں ڈاک خانوں نے قلیل مقدار کے مدافعتی قرضوں کا بھی انتظام کیا ہے جس پر زاید شرح سے سود ملتا ہے۔ ۴۳-۱۹۴۲ء میں اس کی مقدار ۵ کروڑ ۶۴ لاکھ روپے تھی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سے ڈاک خانوں میں پس اندازی کا ایک نیا طریقہ جاری ہوا ہے اس کے لئے

پانچ سالہ پوسٹل کیاش سرٹیفکٹس دس روپے سے لیکر دس ہزار روپئے تک کے اجرا کئے جاتے ہیں۔ ان پوسٹل کیاش سرٹیفکٹس کی مجموعی مقدار ۴۳-۱۹۴۲ء میں ۶۹ کروڑ ۲ لاکھ روپے تھی۔ شرح سود کے مسلسل تخفیف کے باوجود ان سرٹیفکٹس کی طلب روز افزوں ہے۔ موجودہ زمانہ میں جو سونا برآمد ہو رہا ہے اس کی فروخت کا کچھ حصہ ان سرٹیفکٹس میں لگا دیا جاتا ہے کوئی شخص دس ہزار سے زائد سرٹیفکٹس حاصل نہیں کر سکتا۔

<u>مملکت آصفیہ میں سیونگ بنک</u> سرکار عالی کے ڈاکخانوں میں سیونگ بنک قایم کرکے عوام کو کفایت شعاری و پس اندازی کی کافی ترغیب دی جاتی ہے کیونکہ ان سیونگ بنکوں کے قیام کی وجہ سے دور افتادہ علاقوں میں بھی بنک کاری کی سہولتیں فراہم ہوگئیں ہیں اور عام طور پر انہیں امانتیں رکھنے کا ایک محفوظ ذریعہ تصور کیا جانے لگا ہے۔ ۱۹۴۲ء میں مملکت آصفیہ میں سیونگ بنک کے کھاتہ داروں کی تعداد ۵۴۴۸۴ اور ان بنکوں میں امانتی رقوم کی مجموعی مقدار ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے تھی۔

حال ہی میں ڈاک خانوں میں کیش سرٹیفکٹ سسٹم کا طریقہ جاری کیا گیا ہے جس کے مطابق پانچ سال کی مدت کے لئے امانتیں رکھی جاتی ہیں شرح سود کا یہ حساب ہے کہ جتنی زیادہ مدت کے لئے رقم امانت رہے گی اتنی زیادہ سود کی شرح بھی ہو گی۔ فی الحال دس روپے سے لیکر پانچ ہزار روپے تک نو مختلف اقسام کے کیش سرٹیفکٹ جاری کئے جاتے ہیں۔

<u>پس اندازی کی عادت</u> ہندوستانیوں کے رقم کے پس انداز کرنے کے سلسلہ میں بڑی اختلافی بحث پیدا ہوگئی ہے ہندوستان قیمتی دھاتوں یعنی سونے اور چاندی کا ایک غیر محدود خزانہ خیال کیا جاتا ہے ہندوستان کے اندوختہ کا تخمینہ ایک ارب پونڈ تک کیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ صنعتی اور گھریلو اغراض کے لئے سونے کا استعمال صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ طریقہ یوروپین ممالک میں بھی رائج ہے اس کے علاوہ ہندوستان کی کثیر آبادی کے پیش نظر اندوختہ کی مجموعی مقدار کچھ زیادہ نہیں ہے ہندوستان سے سونے کی جو کثیر برآمد ہوئی اس سے ظاہر ہے کہ ضرورت کے وقت ہندوستانی اپنے اندوختہ سے استفادہ کرتے ہیں۔ دفینہ کی شکل میں اس کو محفوظ رکھکر ضائع نہیں کیا جاتا۔ اندوختہ عموماً کم مقدار میں

ہوا کرتا ہے گھریلو اور صنعتی اغراض میں سونے اور چاندی کا استعمال رسوم و رواج اور قدیم روایات کی بناء پر مروج ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان میں اندوختہ کرنے کی عادت موجود ہے تاہم اس میں بڑے مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اندوختہ کرنے کی عادت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ پہلے زمانہ میں جان مال کی حفاظت سے لوگ مطمئن نہیں تھے۔ ہندوستان متعدد بیرونی حملہ آوروں کا نشانہ رہا ہے اس زمانہ میں جو عادت پیدا ہوئی اس کا سلسلہ امن و امان کے زمانہ میں بھی جاری ہے۔ عام طور پر یہاں کے باشندوں کا غیر تعلیم یافتہ ہونا اور بنک کاری کی مناسب سہولتوں کا فقدان بھی اس عادت کا سبب ہے۔

لوگوں کے اندوختہ کو پیدا آور اغراض میں لگانے کی ترغیب دینے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ڈاک خانوں کے سیونگ بنک اور امداد باہمی کی انجمنوں کی تعداد میں اضافہ کے علاوہ طلائی سرٹیفکٹس کی اجرائی عمل میں لائی جائے۔ طلائی سرٹیفکٹس سے یہ مراد ہے کہ ان کی ادائی میں خود سونا دیا جائے۔ امداد باہمی اور دوسری نوعیت کے چکوں کے استعمال اور بنک کارانہ سہولتوں میں وسعت اور قومی کفایتی اداروں کا قیام بھی ضروری ہے جن کے ذریعہ لوگوں میں کفایت شعاری کی عادت پیدا کی جائے۔ اور چھوٹی چھوٹی رقمیں پس انداز کرنے والوں کو محفوظ اور مفید امانتی ذرائع سے روشناس کرایا جائے۔ ناخواندگی کے ازالہ، تعلیم کے ذریعہ معاشرتی اور مذہبی اصلاح اور عام روشن خیالی کی ترویج بھی اس مقصد کے حصول میں ممد و معاون ہو سکتی ہے۔

مزید بنکوں کی ضرورت | ہندوستان میں بنک کاری کی آسانیاں دوسرے ممالک کے مقابلہ میں بہت کم ہیں تمام ہندوستان میں ۳۱ ڈسمبر ۱۹۳۷ء تک صرف ۷۰۵ بنکوں کے صدر دفاتر اور ۲۰۰۹ شاخیں تھیں اس میں ایجنسیاں بھی شامل ہیں ۲۷۵۵ قصبات کے منجملہ صرف چار سو قصبات میں بنکوں کی شاخیں یا ایجنسیاں ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ مشترک سرمایہ دار اور امداد باہمی کے بنکوں کے قیام کی مہم آغاز ہو اور ان کی شاخیں ہندوستانی ریزرو بنک کی نگرانی اور رہبری میں قائم کی جائیں۔ نیز ملکی بنک کاروں کی خدمات سے بھی پوری طرح استفادہ کرنے کی غرض سے ان کو مشترک سرمایہ دار بنکوں کے ایجنٹ مقرر کیا جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ ان بنکوں کو کاروبار باقاعدگی کے ساتھ جدید اصول پر چلانے کی بھی ضرورت ہے۔

باب ۷ - مالیات

<u>تمہید</u> موجودہ زمانہ میں ہندوستانی مالیات میں بہت بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ گذشتہ جنگ عظیم سے قبل سارے ہندوستان کے لئے ایک ہی موازنہ ہوتا تھا اور صرف مرکزی حکومت محصول عائد کرنے کی مجاز تھی۔ جنگ کے بعد سے عملی طور پر صوبہ واری مالیات کو مرکزی مالیات سے بالکل علٰحدہ کر دیا گیا ہے۔ پچاس سال قبل آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ صرف مالگذاری تھا۔ اب آمدنی کے دوسرے ذرایع مثلاً کروڑگیری اور انکم ٹیکس بہت نمایاں حیثیت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور بعض ذرائع مثلاً افیون جنکو بڑی اہمیت حاصل تھی اب وہ کم ہوتی جا رہی ہے۔ متوازن مالیاتی زمانہ میں اب ریلوے سے بھی سرکاری مالیات میں اضافہ کی توقع کی جاتی ہے اب ریلیں بار نہیں رہی ہیں۔

<u>مرکزی موازنہ</u> حکومت ہند کا موازنہ بابتہ ۴۱-۱۹۴۰ء ذیل میں بطور تمہید درج کیا جاتا ہے تاکہ مرکزی حکومت کے اہم ترین ذرائع آمدنی اور ابواب خرچ کا علم ہو سکے۔

مرکزی موازنہ بابتہ ۴۱-۱۹۴۰ء

آمدنی	لاکھوں روپیوں میں	خرچ	لاکھوں روپیوں میں
اہم مدات آمدنی		آمدنی وصول کرنے کے اخراجات	۴۰۷
کروڑگیری	۴۷۸۶	اخراجات سرمایہ بہ کارہائے نمک اور دوسرے اخراجات	۱
مرکزی محاصل جنگی	۱۱۴۴	سرمایہ بہ ذمہ محاصل	
کارپوریشن ٹیکس	۵۴۰	ریلوے: سود اور متفرق مطالبات بموجب موازنہ ریلوے	۳۲۵۱
انکم ٹیکس بہ استثناء کارپوریشن ٹیکس	۱۴۲۰	آبپاشی	۱۱
		ٹیلیفون و تار	۶۹
نمک	۸۲۰	قرضوں کی ادائی	۱۲۱۱
افیون	۴۷	محکمہ جات سیول	۱۱۸۱

متفرق	۱۰۱	دارالضرب اور زر	۶۲
میزان اہم مدات آمدنی	۷۸۴۸	کارہائے تعمیرات اور متفرق ترقیات عامہ	۳۲۴
ریلوے: خالص آمدنی (مجموعہ موازنہ ریلوے)	۳۷۸۲	متفرق	۳۶۶
آب پاشی: خالص آمدنی	۱	مدافعت	۵۹۴۰
ٹپہ و تار: خالص آمدنی	۱۰۷	مرکزی و صوبہ داری حکومتوں کے متفرق حسابات	۳۰۵
قرضہ	۶۱	غیر معمولی مدات	۴۱
محکمہ جات سیول	۱۰۵	میزان اخراجات	۱۳۱۶۸
دارالضرب اور زر	۱۲۴	بچت	۵
کارہائے تعمیرات اور متفرق ترقیات عامہ	۳۳	صدر میزان	۱۳۱۷۳
متفرق	۱۲۰		
مدافعت	۵۸۹		
غیر معمولی مدات	۴۰۳		
میزان کل محاصل	۱۳۱۷۳		
خسارہ	....		
صدر میزان	۱۳۱۷۳		

جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے کہ ۱۹۲۵ء سے ریلوے کا موازنہ عام موا
علیحدہ کردیا گیا ہے۔ ریلوے سے سالانہ مقررہ آمدنی مرکزی حکومت کو ادا کردی جاتی ہے۔ گ
جنرل کی مجلس تنقیدی کا رکن صیغہ ریلوے، عام موازنہ سے ایک ہفتہ قبل ریلوے کا موازنہ مر
مقننہ میں پیش کرتا ہے اور عام موازنہ ماہ فروری کے آخری دن رکن صیغہ مالیات اس مقننہ میں پیش

اب مرکزی موازنہ کے خاص ابواب آمدنی پر بحث کی جائے گی۔

(۱) (الف) کروڑ گیری (درآمدی محاصل) حالیہ زمانہ تک ہندوستان کے محاصل آزا

اصول پر مبنی تھے۔ ۱۸۸۲ء سے ۱۸۹۴ء تک عملاً درآمد پر کوئی محصول عاید نہیں کیا جاتا تھا۔ ۱۸۹۴ء سے پانچ فی صدی کا ایک عام محصول بہ لحاظ قیمت تمام اشیاء درآمد پر عاید کیا گیا جس سے چند اشیاء مثلاً سوت اور پارچہ جات کو مستثنیٰ کیا گیا۔ اس محصول کا مقصد آمد حاصل کرنا تھا۔ ملکی صنعت کی حفاظت مقصود نہ تھی۔ ۱۸۹۴ء کے ختم پر سوت اور پارچہ جات پر بھی محصول عاید کر دیا گیا۔ ۱۸۹۶ء میں پارچہ جات کا محصول ۳½ فی صدی تک کم کر دیا گیا اور اسی قدر چنگی ہندوستانی کارخانوں کے ساختہ پارچہ جات پر بھی عاید کی گئی۔ ہندوستان میں چنگی کی بہت مخالفت ہوئی لیکن ۱۹۲۶ء تک یہ باقی رکھی گئی۔ جنگ ۱۹۱۴-۱۸ء کے بعد سے محاصل میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ مختلف اشیاء درآمد پر مختلف مقدار کے محاصل عائد کئے گئے۔ ابتداً محض حصول آمدنی کی غرض سے یہ محاصل عاید کئے گئے تاکہ نظم و نسق کے زائد مصارف کی پابجائی ہو سکے۔ ۱۹۲۴ء میں امتیازی محصول کی پالیسی اختیار کی گئی اور اس کے بموجب چند درآمدی محاصل (جنکی تعداد میں مسلسل اضافہ عمل میں آرہا ہے) بعض منتخب صنعتوں پر تامینی اغراض کے تحت عائد کئے گئے۔ اس کے بعد ہندستان کے نظام محاصل میں شاہی ترجیح کا خیال پیدا ہوا۔ ۲۰ راگسٹ ۱۹۳۲ء کو بمقام اٹاوا ہندوستان اور سلطنت متحدہ برطانیہ کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ ہوا اور اس کے بعد ۲۲ ستمبر ۱۹۳۲ء کو لوہے اور فولاد کے متعلق بطور ضمیمہ ایک عارضی راضی نامہ طے ہوا۔ ان معاہدوں کا واضح مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کی برآمدی تجارت کو خطرات سے محفوظ رکھا جائے اور کساد بازاری سے نجات حاصل ہو اور ممکنہ حد تک ترقی کی نئی راہیں کھول دی جائیں۔ ان مراعات کے معاوضہ میں جو سلطنت متحدہ برطانیہ میں بعض ہندوستانی اشیاء کو عطا کی گئی برطانوی اشیاء کو بھی ہندوستانی بازار میں مماثل مراعات منظور کی گئی ہیں۔ ہندوستانی تامینی محاصل جو اب تک ایک طرفہ تھے اب دو طرفہ ہو گئے ہیں۔ یعنی پہلے مختلف ملکوں کی درآمد میں چند صورتوں کو چھوڑ کر کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا تھا لیکن اب دو قسم کے درآمدی محصول وصول کئے جاتے ہیں۔ ایک تو اعلیٰ محصول ان اشیاء پر جو سلطنت متحدہ برطانیہ کے سوا دوسرے ملکوں سے درآمد ہوتے ہیں دوسرے ادنیٰ محصول جو برطانوی مصنوعات پر

عاید کیا جاتا ہے۔ درآمدی اشیاء پر جو اعلیٰ محصول عاید کیا جاتا ہے وہ بعض صورتوں میں بہ لحاظ قیمت ۵۰ فی صدی تک بھی پہونچ جاتا ہے ایسے اشیا کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اس سلسلہ میں حسب ذیل اشیاء قابل ذکر ہیں۔ پارچہ جات ریلوے کا ساز و سامان، شکر، دیا سلائی، موٹریں سینما فلمس، گھڑیالیں، ریشمی پارچہ، تمباکو، سگار، سگریٹ، کروسین پٹرولیم، چاندی، شراب اور اسپرٹ وغیرہ۔

(ب) کروڑگیری (برآمدی محاصل)۔ ۱۸۶۰ء تک عملاً تمام برآمدی اشیاء پر تین فی صد محصول عاید کیا جاتا تھا۔ لیکن ۱۸۶۰ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان اکثر اشیاء پر محصول منسوخ کردیا گیا۔ حالیہ زمانہ میں صرف جوٹ اور جوٹ کی مصنوعات اور چانول پر برآمدی محصول قایم ہے۔ جوٹ کی پیداوار کے صوبہ جات (بنگال، آسام اور بہار) کو جوٹ کے برآمدی محاصل سے امداد عطا کی جاتی ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد سے کروڑگیری کی آمدنی میں بہت ترقی ہورہی ہے۔ چنانچہ برما کی علیحدگی کی وجہ سے آمدنی میں خسارہ کے باوجود اس کی آمدنی ۱۹۱۱-۱۴ء کے مابین ۱۱ کروڑ ۱۳ لاکھ روپے سے ۱۹۳۸-۳۹ء میں ۴۳ کروڑ ۱۸ لاکھ روپے تک پہونچ گئی۔ آمدنی میں اضافہ کیلئے کروڑگیری کی آمدنی پر انحصار کا رجحان بڑھتا جارہا ہے[1]۔ ۱۹۴۱-۴۲ء کے مابین ۴۳ کروڑ ۵۷ لاکھ روپے کی آمدنی ہوئی۔ موجودہ جنگ کی وجہ سے کروڑگیری کی آمدنی متاثر ہوئی ہے کیونکہ محوری ممالک سے تجارت بند ہوچکی ہے۔ درآمد پر قیود عاید ہوچکے ہیں اور جہازرانی گھٹ گئی ہے۔

انکم ٹیکس ہندوستان میں مستقل طور پر انکم ٹیکس ۱۸۸۶ء سے جاری کیا گیا۔ گذشتہ جنگ سے قبل انکم ٹیکس کے ذریعہ سالانہ صرف تقریباً تین کروڑ روپے وصول ہوتے تھے۔ شرح میں مسلسل اضافہ کی وجہ سے اب تقریباً پندرہ کروڑ روپیہ سے زاید وصول ہوجاتے ہیں۔ ٹیکس کی ایک خفیف رقم

---

[1] محصول جنگی کو ابتداً محصول کروڑگیری کے تحت شامل کیا گیا تھا۔ اب اس کو علحدہ کردیا گیا ہے جسکی آمدنی کا اندازہ موازنہ بابتہ ۱۹۳۸-۳۹ء میں ۷ کروڑ ۷۶ لاکھ روپیہ کیا گیا ہے ۱۹۳۴ء میں شکر اور دیاسلائی پر عاید کیا گیا اور کروسین اور موٹر اسپرٹ پر جو ہندوستان میں تیار کیا جاتا ہے محصول نمک کو علحدہ دکھلایا گیا ہے۔

جو صوبہ جات کو ادا کی جاتی ہے وہ اس میں شامل نہیں ہے نیز برما کی علیحدگی کی وجہ سے بھی آمدنی کچھ متاثر ہوئی۔

۱۹۱۶ء سے آمدنی کے لحاظ سے ٹیکس کی شرح مختلف کر دی گئی ہے۔ بڑی آمدنیوں پر زیادہ اور کم آمدنیوں پر کم شرح سے ٹیکس عاید کیا جاتا ہے۔ معمولی انکم ٹیکس کے علاوہ سوپر ٹیکس ان لوگوں کو ادا کرنا پڑتا ہے جنکی آمدنی ۲۵ ہزار سالانہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ انکم ٹیکس کے ترمیمی قانون بابتہ ۱۹۳۹ء کی رو سے آمدنی کے ہر جزو پر تدریجی طریقہ سے شرح محصول میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ لیکن قدیم نظام کے تحت جملہ آمدنی پر ایک ہی شرح سے محصول لگایا جاتا تھا اور یہ شرح آمدنی کے ساتھ بڑھتی جاتی تھی۔ جدید قانون کے تحت سالانہ آمدنی کا پہلا جز بقدر ۱۵۰۰ روپے محصول سے مستثنیٰ ہے۔ ۱۵۰۰ کے بعد ۳۵۰۰ روپے آمدنی پر فی روپیہ نو پائی ادا کرنے پڑتے ہیں اس کے بعد مزید پانچ ہزار روپے آمدنی پر ایک آنہ تین پائی فی روپیہ ادا کرنے پڑتے ہیں اس کے بعد اگر مزید پانچ ہزار آمدنی ہو تو دو آنہ فی روپیہ ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ آمدنی پر دو آنہ چھ پائی فی روپیہ محصول مقرر ہے۔

موجودہ جنگ کی وجہ سے مارچ ۱۹۴۰ء سے محصول زاید منافع پچاس فی صد عاید کیا گیا ۴۲-۱۹۴۱ء میں محصول زائد منافع بجائے پچاس فی صد کے ⅔ ۶۶ فی صد کر دیا گیا۔ جملہ آمدنی سوپر ٹیکس میں ۲۵ فی صدی سے ۳۳ ⅓ فی صدی کا اضافہ کر دیا گیا۔ ۴۳-۱۹۴۲ء میں انکم ٹیکس و سوپر ٹیکس کی شرح بجائے سادہ رکھنے کے درجہ داری شرح مقرر کی گئی اور بڑی آمدنیوں پر زیادہ محصول لگایا گیا۔ ۴۴-۱۹۴۳ء میں انکم ٹیکس میں اضافہ کیا گیا۔ پانچ ہزار تا دس ہزار کے لئے دس پائی فی روپیہ۔ دس ہزار تا ۱۵ ہزار کے لئے ۱۶ پائی فی روپیہ ۱۵ ہزار سے زاید کے لئے ۲۰ پائی فی روپیہ مقرر کیا گیا۔ اسی سال سوپر ٹیکس میں بھی اضافہ کیا گیا ۲۵ ہزار اور ۳ لاکھ کی درمیانی آمدنی پر آدھ آنہ فی روپیہ مقرر کیا گیا۔

نمک۔ برطانوی حکومت کو نمک کی آمدنی اور دوسرے محاصل راہداری اپنی پیش رو حکومتوں سے ورثہ میں ملے ہیں۔ محاصل راہداری ۱۸۴۳ء میں موقوف کر دیئے گئے لیکن محصول نمک کو قایم رکھا گیا اور اسمیں اضافہ بھی ہوا۔ ابتدا میں اس کی شرح بہت زیادہ تھی۔ ۱۸۸۲ء میں دو روپے اور ۱۸۸۸ء میں دو روپے

آٹھ آنے فی من تھی۔ ۱۹۰۲ء سے یہ شرح بحیثیت مجموعی گھٹ رہی ہے۔ اب ایک روپیہ چار آنے فی من ہے یا اگر ۱۹۳۱ء کے زاید ٹیکس کو بھی شامل کرلیا جائے تو ایک روپیہ نو آنے۔ برآمدی نمک پر ایک زاید حفاظتی محصول لگایا جاتا ہے۔

محصول نمک چونکہ ضروریات زندگی پر ٹیکس ہے اس لئے غیر مقبول ہے۔ رائے عامہ اس ٹیکس کو سرے سے موقوف کردینے کی حامی ہے۔ محصول نمک کو فوراً موقوف کردینا ممکن نہیں ہے کیونکہ اس سے ہر سال آٹھ کروڑ روپے کی آمدنی کم ہوجائے گی۔

افیون ا افیون کے مد سے کسی زمانہ میں سالانہ تقریباً آٹھ کروڑ روپے کی قابل لحاظ آمدنی ہوتی تھی۔ لیکن ملک چین میں اس کے استعمال کو دور کرنے میں مدد دینے کی غرض سے حکومت ہند نے ۱۹۰۷ء میں چین سے ایک معاہدہ کیا اور پھر ۱۹۱۱ء میں یہ معاہدہ کیا گیا کہ ہندوستان سے چین کو افیون کی برآمد میں تدریجاً کمی کی جائیگی۔ ۱۹۱۶ء میں ایک اعلان ہوا کہ سوائے طبی اغراض کے افیون کی برآمد بند کردی جائیگی چنانچہ اس پر عمل کیا جارہا ہے۔ ملک میں اس کے بطور ادویہ استعمال کرنے میں بھی باضابطہ نگرانی کی جاتی ہے۔ افیون کی آمدنی ایک کروڑ روپے سے زاید گھٹ گئی ہے۔

صوبہ داری آمدنی اب تک مرکزی حکومت کے مدات آمدنی پر بحث کی گئی۔ اب صوبہ داری ابواب آمدنی پر غور کیا جائے گا۔

صفحات (۲۴۹ تا ۲۵۰) کے تختہ جات سے اصلی آمدنی اور اخراجات کے خاص ابواب پر ایک عام اندازہ اور مختلف صوبہ جات میں ان کی اضافی اہمیت واضح ہوسکتی ہے۔

(۱) مالگذاری۔ باب سوم میں مالگذاری پر بحث ہوچکی ہے۔ ۴۰-۱۹۳۹ء میں تمام برطانوی ہند سے اس مد میں ۲۷ کروڑ ۲۵ لاکھ روپے کی آمدنی ہوئی۔

(۲) آبکاری۔ برطانوی ہند میں آبکاری کی آمدنی ۴۰-۱۹۳۹ء میں ۱۲ کروڑ ۲۹ لاکھ روپے ہوئی جو نشہ آور مشروبات گانجہ، ادویہ، افیون وغیرہ کی فروخت اور صنعت سے حاصل ہوئی۔ اس کی صنعت پر محصول اور فروخت پر لیسنس فیس لگائی جاتی ہے۔ آمدنی کا بڑا حصہ سیندھی اور تاڑی وغیرہ

حاصل ہوتا ہے۔ کسی ضلع میں تھوک فروشی کا حق ٹھیکہ کے ذریعہ اور چلر فروشی کا حق ہراج کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔

آبکاری کی پالیسی کا اصلی مقصد شراب نوشی کی برائیوں کا انسداد ہونا چاہئے۔ اس خصوص میں حکومت نے مشروبات پر قیمت بڑھانے پر اکتفا کی ہے مگر پیداوار کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لائسنگ دوکانوں کی تعداد اور مسکرات کی مقدار میں تخفیف اور فروخت کے اوقات میں کمی ترک مسکرات کے دوسرے طریقے ہو سکتے ہیں۔

غیر سرکاری رائے کا رجحان یہ ہے کہ مسکرات کی مقدار اور دوکانات کی تعداد پر پابندیاں عاید کرنے کے لئے قوانین نافذ کئے جائیں اور عام طور پر سخت نگرانی رکھی جائے نیز صوبہ واری کانگریسی وزارتوں کے طریقہ کار کی اتباع میں کامل ترک مسکرات کی پالیسی اختیار کی جائے۔ ایسے سخت طریقہ ہائے کار سے بہرحال اصلی مقصد کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ ممکن ہے کہ اشیاء کی غیر آئینی درآمد خفیہ کشید یا افیم کی دوسری مضر عادتیں اختیار کر لی جائیں۔ تمام خطرات اور مشکلات ایک عملی مدبر کے پیش نظر ہونا چاہیئے اور ان کو حل کرنے میں جرأت اور احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ اس کو چاہیئے کہ آبکاری کی پالیسی کے اخلاقی پہلو پر زیادہ زور دے۔ اس سلسلہ میں اہم اور عملی اصلاحات کو محض اس لئے نظرانداز کر دیئے کہ اس سے حکومت کو مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

۱۹۳۸ء میں حکومت مدراس کی جانب سے سلیم میں اور حکومت بمبئی کی جانب سے احمدآباد میں ترک مسکرات کی تحریک کا نفاذ عمل میں آیا۔ حکومت بمبئی نے ترک مسکرات کی اسکیم جزیرہ بمبئی اور ریاست میں اگسٹ ۱۹۳۹ء سے جاری کی تھی۔

(۳) آمدنی کے دوسرے مدات ۴۰-۱۹۳۹ء میں حسب ذیل تھے۔

عدالتی وتجارتی اسٹامپ (۱۰ کروڑ ۴۴ لاکھ روپے) فیس برائے رجسٹری دستاویزات (ایک کروڑ ۸۱ لاکھ روپے) جنگلات (۳ کروڑ ۱ لاکھ روپے) جو چوبینہ کی فروخت، چراگاہوں کی فیس وغیرہ سے حاصل ہوئی۔ بعض خاص محاصل (۴۵ لاکھ روپے) جیسے تفریحی ٹیکس، فروخت پر ٹیکس

پیشہ ورانہ ٹیکس اور جائداد غیر منقولہ پر ٹیکس وغیرہ جو اصلاحات بابتہ ۱۹۱۹ء کے تحت صوبہ جاتی حکومتوں نے اپنے صوابدید سے عاید کئے ہیں۔

مملکت آصفیہ اور مالیات | ۱۸۵۳ء سے قبل مملکت آصفیہ کی مالیاتی حالت ابتر تھی نہ تو کسی خزانہ کا وجود تھا اور نہ کوئی باضابطہ حساب رکھا جاتا تھا۔ مملکت کی آمدنی قلیل تھی اور خرچ زیادہ تھا۔ سرکاری ساکھ بہت کم تھی اس لئے قرضہ صرف معقول ضمانت اور بھاری شرح سود پر مل سکتا تھا۔

اس زمانہ میں بھی آمدنی کا بڑا ذریعہ مالگذاری اراضی تھا جس سے تقریباً ایک کروڑ روپے وصول ہوتے تھے۔ آبکاری کی آمدنی ایک لاکھ روپے سے کم تھی۔ محصول نقل وحمل جو وقتاً فوقتاً لگایا جاتا تھا اس سے تجارت میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی تھی۔ کسی قسم کے ٹیکس کے مشخص اور وصول کرنے کا کوئی باضابطہ باقاعدہ مقرر نہ تھا اور یہی حالت مالگذاری اراضی کی تشخیص اور وصول کی تھی۔ چونکہ مملکت کی ساکھ باقی نہ تھی اس لئے قرضہ کی ضمانت میں اضلاع کی آمدنی مکفول کی جاتی تھی اور بعض اوقات اضلاع ہی کو ساہوکاروں کے انتظام میں دیدیا جاتا تھا۔

اخراجات میں سب سے زیادہ فوجی مصارف تھے جس میں مالگذاری اراضی کی تقریباً جملہ آمدنی اس میں خرچ ہو جاتی تھی۔ قلیل رقم مفاد عامہ کے سررشتوں پر صرف کی جاتی تھی۔ تعلیمات پر سالانہ صرف چند سو روپیہ صرف کئے جاتے تھے اور اسی کے مساوی رقم حفظان صحت اور دواخانوں پر خرچ کی جاتی تھی۔ انتظام ٹپہ پر رقم چند ہزار سے بڑھنے نہیں پاتی تھی۔ تعمیرات کے ہر قسم کے کاموں کے لئے سالانہ بیس ہزار کی رقم علیحدہ رکھی جاتی تھی۔ پایۂ تخت کے علاوہ کسی اور مقام پر باضابطہ پولیس کا انتظام نہ تھا۔ انتظام عدالت پر پچاس ہزار روپے صرف کئے جاتے تھے۔

۱۸۵۴ء میں جب سالار جنگ اوّل مدار المہام مقرر ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے آمد و خرچ کا توازن قایم کرنے کی کوشش کی جس سے مملکت کی ساکھ بڑھ گئی۔ اس کے بعد جدید قرضے واجبی شرح سود پر لینے کا انتظام کیا گیا اور بھاری شرح سود پر جو قرضے پہلے سے چلے آرہے تھے ان کی ادائی اس رقم سے کی گئی۔ عام نظم ونسق اور انتظام فینانس کی اصلاحات کے ساتھ ساتھ حسابات کے

ترتیب دینے اور اس کی جانچ کئے جانے کے طریقہ میں بھی رفتہ رفتہ اصلاح عمل میں آئی۔ موازنہ کا طریقہ ابواب اور ذیلی مدات کی پوری ترتیب کے ساتھ اختیار کیا گیا اور اس سے گویا مملکت کے انتظام فینانس کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔

سر سالار جنگ کے دور وزارت میں مملکت کی مالی حالت جس حد تک ترقی پذیر ہوئی اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک مثال پیش کرنی کافی ہوگی کہ ۱۸۶۲ء کی شش ماہی اول میں صرف آٹھ لاکھ کی رقم حیدرآباد کے خزانۂ عامرہ میں وصول ہوئی تھی جو مملکت میں اس وقت ایک ہی خزانہ تھا اس مدت کے اختتام پر صرف ۱۳ ہزار کی سلک باقی رہی تھی۔ ۱۸۹۱ء جو سر سالار جنگ کی دور وزارت کا آخری سال تھا خزانہ عامرہ اور اس کی دوسری شاخوں میں مجموعی وصولات کی مقدار ۳ کروڑ ۱۱ لاکھ تھی اور رقم سلک کی مقدار ۸۱ لاکھ تھی۔

مملکت کی مالی حالت <u>۱۳۰۹ف</u> کے قحط عظیم تک قابل اطمینان رہی جبکہ ۷۹،۴۴۱ لاکھ کی کمی آکر پڑی اور اخراجات قحط کے لئے حکومت ہند سے ۴۰،۳۴ لاکھ روپے کلدار کا قرض لینا پڑا۔

۱۳۱۲-۲۱ف کے دہ سالہ زمانہ میں آمدنی اور خرچ کا اوسط علی الترتیب ۴ کروڑ ۴۹ لاکھ روپے اور ۳ کروڑ ۷۶ لاکھ روپے رہا۔ دہ سالہ آئندہ یعنی ۱۳۲۲-۳۱ف میں آمدنی کا اوسط ۵ کروڑ ۹۴ لاکھ اور خرچ کا اوسط ۵ کروڑ ۵۴ لاکھ روپے رہا اس زمانہ میں اخراجات کے اضافہ کے بڑے اسباب حسب ذیل ہیں۔

(۱) مختلف سررشتہ جات کی تنظیم جدید اور تنخواہوں کی بڑھی ہوئی شرح کی منظوری

(۲) ضروریات زندگی کی گرانی کے باعث جنگ عظیم کے زمانہ میں الونس کی اجرائی۔

(۳) جدید سررشتہ جات مثلاً آثار قدیمہ، انجمن ہائے امداد باہمی، زراعت صحت عامہ و حفظان صحت، صنعت و حرفت، اعداد و شمار، سکۂ قرطاس، آرائش بلدہ اور ترقیات عامہ۔

(۴) جنگ عظیم کی امداد اور جنگ کے دوسرے اخراجات

(۵) قیام جامعہ عثمانیہ و توسیع تعلیم و قیام مدارس ابتدائی۔

<u>سررشتہ داری سیل بندی</u> | مملکت حیدرآباد کے مالیات کی ایک نمایاں خصوصیت جس کی وجہ سے حیدرآبادی

مالیہ کو ایک امتیازی شان حاصل ہوئی وہ اسکیم ہے جو سہ سالہ تعہدات پر مبنی تھی اس اسکیم کو سررشتہ واری سیل بندی سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس طریقۂ مالیہ کا مفہوم یہ ہے کہ تین سالی کے اعداد آمدنی وخرچ کا اغلب اندازہ حتی الامکان احتیاط اور صحت کے ساتھ قایم کیا جاتا ہے۔ یہ دوران تعہد جو سالانہ گنجائشیں سررشتہ جات کے لئے مہیا کی جاتی ہیں وہ سال کے اختتام پر سوخت نہیں ہوتی جو رقم غیر متصرفہ باقی رہ جاتی ہے وہ بھی سررشتہ جات جمع کردی جاتی ہے اور بوقت ضرورت استفادہ کے لئے موجود رہتی ہے۔ البتہ جو گنجائشیں جو تعہد سہ سالہ کے آخری دن تک غیر متصرفہ رہی ہوں ان کی تنصیف عمل میں آتی ہے اور نصف حصہ بطور حق سررشتہ جات متعلقہ جمع کردیا جاتا ہے اور باقی نصف محاصل میں بازگشت ہوجاتا ہے۔

سررشتہ واری سیل بندی کی ابتدا ۱۹۲۲ء میں ہوئی جبکہ سر اکبر حیدر نواز جنگ نے بہ حیثیت صدر المہام فینانس پہلا موازنہ پیش کیا اس طریقہ مالیہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کفایت شعاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے منظم طور پر اخراجات کئے جاسکتے ہیں محکموں کو اس بات کی ترغیب نہیں رہی کہ گنجائش سوخت ہوجانے کے خوف سے ختم سال سے قبل ہی خواہ مخواہ اخراجات کریں۔ سہ سالہ بجٹ کو یکمشت کسی ضروری اور اہم مد پر خرچ کرنا بدرجہا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ عجلت میں رقمیں غیر ضروری مدات پر لٹادی جائیں۔ اس تنظیم مالیہ کے تحت ہر محکمہ کو اپنی کارگذاری دکھانے کا موقع ملتا ہے۔

سررشتہ واری سیل بندی اسکیم کے تحت اگرچہ کہ محکمۂ فینانس نے اپنے لئے یہ حق محفوظ کر رکھا تھا کہ مالیہ کی سقیم حالت کی صورت میں تعہد کے دوران میں بھی محکمہ فینانس مختلف سررشتہ جات کی گنجائشوں کو گھٹا سکتا ہے مگر گذشتہ اکیس[۲۱] سال میں اس کی نوبت کبھی نہیں آئی بلکہ برعکس اس کے متعدد سررشتہ جات کو ان کی منظورہ گنجائش سے زیادہ رقمی منظوریوں سے مستفید ہونے کا موقع ملا حیدرآبادی مالیات پر اور بھی خوشگوار حیرت ہوتی ہے جبکہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ بغیر نئے ٹیکس عاید کئے یا تنخواہوں میں تخفیف کئے ہوا کساد بازاری کے زمانہ میں یہاں کے موازنہ سال بہ سال متوازن رہے باوجود اس کے کہ قحط سالی میں قابل لحاظ معافیاں کی گئیں اور کردگیری میں بھی بعض مواقع پر تخفیف

کی گئی۔ حکومت نے اپنے خزانے سے جملہ رقم ادا کر کے کمپنی سے ½ ۱۷ کروڑ روپے میں ریلوے خرید لی اس کے علاوہ حکومت ہند کے ½ کروڑ کلدار کے سرکاری تمسکات بھی خرید لئے گئے۔ نصف کروڑ سے زیادہ روپیہ کاروباری کمپنیوں میں لگایا گیا۔ ریلوے بسیں خرید کی گئیں۔

جدید اصول ترتیب موازنہ و قواعد منتقلی گنجایش

حکومت سرکار عالی کی مالیاتی پالیسی کی بنیاد ۲۱ سال سے طریقہ سبیل بندی پر مشتمل تھی۔ اب ان اصولوں کو جدید ترین مالیاتی اصولوں اور تجربات کی روشنی میں جانچ کر ایک ایسا طریقہ وضع کیا گیا ہے جس میں سبیل بندی سررشتہ واری کی تمام خوبیاں تو موجود ہیں مگر ایسے نقائص جو گذشتہ اکیس سال کے تجربہ سے ظاہر ہوئے ان کا ازالہ ہو سکے۔

طریقہ سبیل بندی کے تحت جو جزوی آزادی سررشتہ جات کو میسر آئی تو اس نے ان میں یہ عجیب و غریب ذہنیت پیدا کر دی کہ موازنہ میں ایک مرتبہ جو رقم کسی سررشتہ کے لئے رکھ دی گئی وہ بالکلیہ ان کی ملک ہے وہ جس طرح چاہیں اسے صرف کریں۔ سررشتہ جات کو بچتوں سے استفادہ کا موقع دینے کا مقصد تو یہ تھا کہ حوصلہ مندانہ اور سود مند اسکیمیں تیار کی جائیں تو فراہمی رقم میں دشواری نہ ہو مگر بجائے اسکیموں کے یہ بچتیں شخصی مفاد اور غیر ضروری مصارف کی محرک ثابت ہوئی۔ بچتوں کی موجودگی اور متوقعہ بچت سے منظوریات کے سلسلہ نے جس کی نظیر ایک مرتبہ قایم ہو جانے کے بعد روک تھام مشکل ہو گئی تھی مالیاتی نگرانی اور ذمہ واری کی اساس کو مشکل کر دیا۔ طریقہ سبیل بندی میں عملی دشواریوں کے علاوہ بعض اندرونی نقائص بھی تھیں جو موجودہ اور آیندہ ہونے والے دستوری تغیرات کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔ مثلاً آئینی مشاورتی کمیٹی مالیہ کو موازنہ کے بعض امور کے بارے میں بھی مشورہ دینے کا حق دیا گیا ہے اب اگر حکومت موازنہ کی گنجایشوں کا تعین تین تین سال کے لئے کر دیا کرے تو مشاورتی کمیٹی کے لئے کسی مد میں کمی یا زیادتی کا مشورہ دینے کا سال بہ سال کوئی موقع ہی باقی نہ رہے گا اور اس کی افادیت متاثر ہوگی۔

۴۳-۱۹۴۲ء سے موازنہ سالواری بنیادوں پر قایم کیا گیا ہے۔ چونکہ قومی تعمیر کے سررشتہ جات کو ملک کی ترقی میں خاص اہمیت ہوتی ہے اور ان سررشتہ جات کی اسکیمیں بالعموم طویل المدت مسلک پر

منحصر ہوتی ہیں اس لئے اس قسم کے ابواب خرچ کے لئے ایک سے زاید سال کے لئے مقررہ گنجایش فراہم کی جائینگی جن کو غیر سوخت شدنی گنجایش کہا جاتا ہے۔ آیندہ سے سررشتہ واری محفوظات نہ رکھے جائیں گے البتہ جملہ سررشتہ جات کی زیر غور اور غیر متوقعہ ضروریات کے لئے ایک عام محفوظ رکھا جائے گا اور تمام سررشتہ جات اس سے سررشتہ فینانس کی منظوری سے استفادہ کرسکیں گے۔

محصول زاید منافع | گذشتہ سال تک ہمارے کارخانہ داروں اور کاروباری اشخاص کو ایک بڑی سہولت یہ حاصل تھی کہ انہیں برطانوی ہند کے کارخانہ داروں کی طرح متعدد محاصل خصوصاً انکم ٹیکس اور موجودہ حالات میں زاید منافع کا محصول، جنگی محاصل دینے نہیں پڑتے تھے اس طرح موجودہ جنگ کے ابتدائی سالوں میں یہاں کے کارخانہ داروں نے ان موافق حالات میں کافی منافع حاصل کیا لیکن حکومت حیدرآباد نے یہ محسوس کیا کہ جو کارخانہ دار اور تاجر جنگ کے پیدا کردہ حالات سے فائدہ اٹھا کر کثیر منافع حاصل کررہے ہیں اور اس طرح عوام کو نقصان پہنچا کر دولت مند بن رہے ہیں انہیں یقیناً ان اخراجات کا کچھ حصہ ادا کرنا چاہیئے جو حکومت غریب تر طبقوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے برداشت کررہی ہے اس اصول کے مدنظر حکومت سرکار عالی نے محصول زائد منافع عائد کیا ہے۔ یہ اسکیم صرف تجارت اور کاروبار سے متعلق ہے اور ان میں بھی ایسے منافع جو ۲۴ ہزار سے کم ہو قابل ٹیکس نہیں ہے زائد نفع میں سے چالیس فی صد کا مطالبہ ٹیکس کی بابتہ اور بیس فی صدی امانت کے بابت ہوگا۔ رقم امانت کسی وقت بھی موجودہ جنگ کے ختم ہونے کے تین سال بعد بشرح ۲½ فی صد قابل واپسی ہوگی۔ یہ امانتی اسکیم اس قانون کی ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ ایسی لازمی بچت زمانہ مابعد جنگ میں صنعتوں اور کاروبار کی ترقی کیلئے حاصل رہیگی۔

محصول زاید منافع حیدرآباد کے خاص حالات ضروریات اور موزونیت کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ جہاں برطانوی ہند کی طرح انکم ٹیکس کا نفاذ نہیں ہے یہاں کی شرح محاصل برطانوی ہند کے مقابلہ میں بہتر ہے اور اس طرح حیدرآباد میں قایم شدہ صنعتوں کے جائز مفاد کا تحفظ ہوسکے گا۔ یہ وصول شدہ ٹیکس زیادہ تر ملک کے غریب تر طبقے اور کم مواجبی ملازمین سرکار کی حالت بہتر بنانے اور اشیاء خوردنی اور دیگر ضروریات زندگی کی مناسب قیمت پر فراہمی میں صرف کیا جائے گا۔

مملکت آصفیہ کا موازنہ | مملکت آصفیہ کا موازنہ بابتہ ۱۳۵۱ ف مطابق ۴۲-۱۹۴۱ء ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس سے مملکت آصفیہ کے حقیقی ذرائع آمدنی اور حقیقی ابواب خرج کا علم ہو سکے گا۔

صدر مدات جمع		صدر مدات خرچ	
مالگذاری	۲ کروڑ ۷۴ لاکھ ۸۹ ہزار روپے	مالگذاری	۶۵ لاکھ ۷۶ ہزار روپے
چوبینہ التصوابی مال	ایک لاکھ ۱۶ ہزار روپے	مالگذاری آبپاشی	۸ لاکھ ۶۹ ″ ″
چوبینہ	۱۹ لاکھ ۷۷ ہزار روپے	چوبینہ	۱۰ لاکھ ۹۵ ″ ″
کروڑگیری	ایک کروڑ ۱۰ لاکھ ۶۲ ہزار روپے	کروڑگیری	۲۳ لاکھ ۵ ″ ″
آبکاری	ایک کروڑ ۹۵ لاکھ ۲۷ ″ ″	آبکاری	۳۴ لاکھ ۱۶ ″ ″
افیون وگانجہ	۱۴ لاکھ ۸۱ ″ ″	افیون وگانجہ	۷۷ ″ ″
کاغذ مختوم	۱۷ لاکھ ۷۵ ″ ″	کاغذ مختوم	۶۶ ″ ″
رجسٹریشن	۳ لاکھ ۱۷ ″ ″	رجسٹریشن	ایک لاکھ ۷۲ ″ ″
معدنیات	۶ لاکھ ۵۰ ″ ″	معدنیات	ایک لاکھ ۳۶ ″ ″
محصول پٹرول	۳ لاکھ ۹۰ ″ ″	محصول پٹرول	۳ لاکھ ۹۰ ″ ″
ٹیکس سواری (موٹر)	۳ لاکھ ۷۶ ″ ″	ٹیکس سواری (موٹر)	۳ لاکھ ۷۶ ″ ″
محصول دیاسلائی	۱۵ لاکھ ۱۷ ″ ″		
محصول تمباکو و پیداوار نباتیات	۱ لاکھ ۴۰ ″ ″	میزان	۱ کروڑ ۵۴ لاکھ ۸۳ ہزار روپے
میزان	۶ کروڑ ۴۱ لاکھ ۶۳ ہزار روپے	سود	۷۴ لاکھ ۳۴ ہزار روپے
		سنکنگ فنڈ ادائی قرضہ	۲۲ لاکھ ۲۴ ″ ″
پیۂ برار	۲۹ لاکھ ۱۶ ہزار روپے	دارالضرب	۳ لاکھ ۱۳ ″ ″
سود	۲۸ لاکھ ۸۰ ″ ″	سکہ قرطاس	۱ لاکھ روپے
میزان	۵۷ لاکھ ۹۶ ہزار روپے	ہنڈاون بٹاون	۸۴ ہزار روپے

دارالضرب	۲ لاکھ ۷ ہزار روپے
سکہ قرطاس	۳۰ لاکھ ۶۴ ہزار روپے
ہنڈاون بٹاون	۶۳ " "
میزان	۳۳ لاکھ ۳۶ ہزار روپے
ٹپہ	۳ لاکھ ۱۳ ہزار روپے
آبپاشی	۴۳ " "
ریلوے	ایک کروڑ ۸۵ لاکھ ۸۳ " "
برقی	۳ لاکھ ۹۰ " "
ٹیلیفون	۴۵ " "
متفرقات	۲ لاکھ ۸۰ " "
صدر میزان	۹ کروڑ ۵۳ لاکھ ۷۸ ہزار روپے

ٹپہ خانہ	۱۴ لاکھ ۶۵ ہزار روپے
امداد برائے ہوائی ڈاک	۸ " "
داخل حضور پرنور بندگانعالی	۵۰ لاکھ روپے
اخراجات شہزادگان بلند اقبال	۱۵ لاکھ ۵۳ ہزار "
انتظام مملکت	۵۲ لاکھ ۱۵ ہزار "
اخراجات سیاسی	۱۱ لاکھ ۸۳ " "
ایجنٹ برار	۱ لاکھ ۲۸ " "
منصب	۱۷ لاکھ ۷۲ " "
فوج	۷۳ لاکھ ۶۳ " "
عدالت	۲۴ لاکھ ۶۴ " "
مجالس	۴ لاکھ ۷۶ " "
کوتوالی	۱۷ لاکھ ۱۳ " "
تعلیمات	اکروڑ ۱۰ لاکھ ۷۶ " "
طبابت	۳۹ لاکھ ۳۵ " "
مذہبی	۱۱ لاکھ ۲۵ " "
زراعت	۹ لاکھ ۵۵ " "
علاج حیوانات	۵ لاکھ ۹۱ " "
انجمن ہائے امداد باہمی	۴ لاکھ ۲۴ " "
دفاتر خورد	۹ لاکھ ۵۱ " "
صفائی و آرائش عامہ	۲۳ لاکھ ۴۵ " "
عمارات و شوارع	۶۷ لاکھ ۷۲ " "

میزان ۵ کروڑ ۳۸ لاکھ ۹۸ ہزار روپے

آبپاشی	۱۶ لاکھ ۱۶ ہزار روپے
ریلوے	۱ لاکھ ۹۸ " "
برقی	۴ " "
طباعت	۱۷ " "
صنعت وحرفت	۳ لاکھ ۶۰ " "

میزان ۲۲ لاکھ ۵۲ ہزار روپے

رقم منتقل شدہ بہ محفوظہ قحط	۵ لاکھ روپے
متفرقات	۵۴ ہزار روپے
اخراجات جنگ	۱ کروڑ ۲۳ لاکھ ۲۰ " "
تمدنی تعاون	۳ لاکھ ۹۳ " "
اسٹیٹ بنک	۸۰ " "
محفوظہ صنعتی	۱ لاکھ ۶۸ " "
محفوظہ قحط	۲۳ لاکھ ۷ " "
روڈ فنڈ	۲ لاکھ ۹۱ " "
ناگہانی ضروریات جنگ	۲۵ لاکھ ۱۲ " "

صدر میزان ۱۰ کروڑ ۲۵ لاکھ ۴۲ ہزار روپے

اب اخراجات سے بحث کی جائے گی اور مرکزی و صوبہ واری اخراجات کے مدات پر غور کیا جائے گا۔

عام مرکزی اخراجات | موجودہ صدی کے آغاز سے اور بالخصوص گذشتہ پچیس سال سے ہندوستان کے عام اخراجات میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ مثال کے طور پر مرکزی اور صوبہ واری مجموعی اخراجات کی مقدار ۱۹۱۳-۱۴ء میں ۱۲۴ کروڑ روپے تھی۔ ۱۹۴۰-۴۱ء میں ۲۲۲ کروڑ روپے ہوگئی۔ دور جدید میں ہر جگہ حکومت کے فرائض میں بہت وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ عام اخراجات میں زبردست اضافہ دوران جنگ اور زمانۂ مابعد جنگ میں ہوا۔ فوجی اخراجات جو ۱۹۱۳-۱۴ء ہی میں ۲۹ کروڑ ۴۰ لاکھ روپے تک بڑھ گئے تھے ۱۹۲۰-۲۱ء میں ۶۷ کروڑ ۲۰ لاکھ روپے تک پہونچ گئے۔ اس کے بعد سے مسلسل تخفیف کی وجہ سے ۱۹۳۸-۳۹ء میں فوجی اخراجات تقریباً ۴۵ کروڑ روپے تک گھٹ گئے۔ اب بھی عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مناسب کفایت کے لئے مزید امکانات موجود ہیں لیکن قومی تحفظ فی الحقیقت بہت ہی اہم مسئلہ ہے اور اس کے سلسلہ میں ہر قسم کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہونا چاہیئے لیکن اس کے ساتھ اس امر کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ہندوستان ایک غریب ملک ہے اسلئے اخراجات میں کفایت اور احتیاط ہر طرح عمل میں لانا چاہیئے غیر پیدا آور مصارف سے بھی جو بالکل غیر ضروری ہوں حتی المکان احتیاط لازمی ہے۔ ۱۹۳۸ء میں برطانوی حکومت نے ۸۰ لاکھ روپے برطانوی افواج کے اخراجات کے لئے منظور کئے گئے جو ہندوستان میں مقیم ہوں۔ اس کے علاوہ برطانوی حکومت نے سالانہ ایک لاکھ پونڈ اس شرط سے منظور کئے کہ اس سے ہندوستان کی مدافعت کے لئے ایک شاہی بحری بیڑا مہیا کیا جائے۔ ۱۹۳۹ء میں موجودہ جنگ کے آغاز کی وجہ سے ملک کے مدافعت کے اخراجات میں بے حد اضافہ ہوگیا ہے۔ ۱۹۳۹-۴۰ء میں فوجی اخراجات ۴۹ کروڑ ۲۹ لاکھ روپے کے ہوئے تھے تو ۱۹۴۱-۴۲ء میں ۸۰ کروڑ ۱۳ لاکھ روپے کے ہوگئے ہیں۔ جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی ہندوستانی فوج کو عصری بنانے کی سفارشات جو چیٹ فیلڈ کمیٹی نے کی تھیں منظور کر لی گئیں ہیں۔

دیوانی نظم و نسق کے مصارف میں غیر معمولی اضافہ حکومت کے خلاف ایک دوسری شکایت ہے۔ ہندوستانی نظم و نسق پر دنیا میں سب سے زیادہ مصارف عاید ہوتے رہیں۔ دستوری اصلاحات سے بھی نظم و نسق کے مصارف میں کثیر اضافہ ہوتا رہا ہے فوجی اور دیوانی دونوں شعبہ ہائے نظم و نسق میں عملہ کی تخفیف اور تدریجی طور سے ہندوستانی افراد کو اس میں شامل کرکے مناسب کفایت پیدا کیجا سکتی ہے اسی کے ساتھ قومی تعمیری سررشتوں مثلاً تعلیم زراعت، صنعت و حرفت اور آبپاشی وغیرہ پر بھی پوری فیاضی کے ساتھ رقم صرف کرنی چاہئیے تاکہ لوگوں کی معاشی ترقی ہوسکے۔ موجودہ زمانہ میں ان سررشتوں پر بہت ہی قلیل رقم صرف کی جاتی ہے جیسا کہ تختہ نمبر ۲ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

محاصل کا بار ٹیکس کے لحاظ سے ہندوستان میں حکومت کی آمدنی کا تناسب بعض دوسرے ممالک مثلاً سلطنت متحدہ برطانیہ کے مقابلہ میں کم ہے(۱) یہ تناسب سلطنت متحدہ برطانیہ میں ۲۲ فیصدی سے زیادہ ہے اور ہندوستان میں چھ فی صدی لیکن لوگوں کی غربت کا لحاظ کیا جائے تو ٹیکس کے بار کو ہلکا نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر مصارف حقیقت میں قوم کے لئے سودمند ہیں تو ٹیکس کو حق بجانب تصور کیا جاسکتا ہے لیکن اس خصوص میں حالات اطمینان بخش نہیں ہیں۔

گذشتہ جنگ عظیم سے قبل مختلف جماعتوں کے مابین ٹیکس کی تقسیم غیر مساوی تھی۔ غریب طبقہ مالگذاری، محصول نمک، چنگی، کا غذ مہر وغیرہ کے سلسلہ میں ٹیکس کا بار بہت زیادہ برداشت کرتا تھا۔ زمانۂ جنگ عظیم اور اس کے بعد محاصل میں تبدیلیوں کی وجہ سے اس نظام میں تھوڑی بہت مساوات قایم ہوگئی ہے کیونکہ انکم ٹیکس اور سوپر ٹیکس کے علاوہ تعیشاتی اشیاء پر بھی خاص محصول

۱۔ ۳۸-۱۹۳۷ء میں برطانوی ہند میں ٹیکس کا بار (مرکزی اور صوبہ جاتی بشمول مالگذاری) فی شخص چار روپے بارہ آنہ گیارہ پائی تھا۔ سر پرشوتم داس ٹھاکر داس کی رائے میں ٹیکس کا بار فی شخص ۱۸۷۱ء میں ایک روپیہ ۳ آنے ۹ پائی ۱۹۰۱ء میں دو روپے ۶ آنے ۶ پائی ۱۹۱۳ء میں ۲ روپے ۱۴ آنے ۵ پائی اور ۱۹۲۲ء میں چھ روپے ایک آنہ آٹھ پائی تھا۔

ور آمد لگایا جاتا ہے۔ جس کا بار مالدار طبقہ پر پڑتا ہے لیکن اب بھی بڑی حد تک عدم مساوات باقی ہے۔ غریب طبقہ پر جو غیر متناسب ٹیکس کا بار ہے اس میں تخفیف اور مالدار طبقہ پر زاید ٹیکس عائد کرنے کی ضرورت ہے۔

<u>جدید ہندوستانی مالیات</u> | جیسا کہ توقع تھی گزشتہ جنگ عظیم نے تجارت اور صنعت و حرفت کے علاوہ مالی نظام کو بھی بدل دیا۔ جنگ سے قبل موازنہ میں بچت ہوا کرتی تھی جنگ کے بعد مرکزی اور صوبہ واری موازنوں میں خسارہ آنے لگا۔ تخفیف مصارف کی کمیٹی بابتہ ۲۳-۱۹۲۲ء کی سفارشات کے بموجب کفایت کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر ۲۴-۱۹۲۳ء سے کچھ عرصہ تک موازنوں میں پھر بچت ہونے لگی۔ لیکن ۳۰-۱۹۲۷ء کے بعد موازنہ کا توازن درہم برہم ہو گیا۔ دنیا کی معاشی کساد بازاری کی وجہ سے بہت سے مدات آمدنی مثلاً کروڑ گیری اور انکم ٹیکس بری طرح متاثر ہو گئے۔ تجارتی سررشتوں جیسے ریلوے ٹپہ اور تار کی آمدنی بھی بہت گھٹ گئی۔ موازنہ میں خسارہ کی تلافی زاید کثیر محاصل سے کرنی پڑی جس کا تخمینہ تین سال ۳۲-۱۹۳۰ء میں ۴۵ کروڑ روپے ہوا۔ بہرحال اس تدبیر کی بدولت مرکزی موازنہ میں کسی قدر بچت ہونے لگی ۳۶-۱۹۳۴ء کے درمیان موازنوں کی بچت میں قابل لحاظ اضافہ عمل میں آیا۔ جسکی وجہ سے محاصل یعنی انکم ٹیکس میں تھوڑی سی تخفیف ممکن ہو سکی۔ کروڑ گیری اور انکم ٹیکس جیسے محاصل میں انحطاط کے باعث ۳۷-۱۹۳۶ء میں ایک کروڑ ۷۹ لاکھ روپے کا خسارہ رونما ہوا یہی وجہ ہے کہ شکر کی چونگی میں اضافہ کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ اس اضافہ کے بعد موازنہ کی حالت میں اصلاح ہوئی۔ لیکن موجودہ جنگ کے آغاز کی وجہ سے موازنہ کی حالت میں بڑی تبدیلی رونما ہو گئی ہے۔ حکومت کو غیر معمولی اخراجات برداشت کرنے پڑ رہے ہیں۔ ۴۱-۱۹۴۰ء میں پہلا جنگی موازنہ مرتب کیا گیا ہے۔ ریلوں کی آمدنی میں اضافہ ہوا مگر دفاع کے اخراجات میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ جسکی وجہ سے موازنہ میں خسارہ رونما ہو رہا ہے۔ اس لئے نئے محاصل لگا کر یا محاصل میں اضافہ کر کے اخراجات کی پابجائی کی جارہی ہے۔ انکم ٹیکس، سوپر ٹیکس اور محصول

زاید منافع میں اضافہ کیا گیا ہے جس کی تفصیل اس سے قبل بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر ذرایع کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ شکر کا محصول بجائے دو روپے کے تین روپے فی ہنڈر ویٹ کر دیا گیا ہے۔ موٹر اسپرٹ کا محصول بجائے دس آنے کے ۱۲ آنے فی گیلن ہو گیا ہے۔ سامان کے حمل و نقل ذریعہ ریلوے کی شرح میں ½۱۲ فی صد کا اضافہ کیا گیا ہے مسافروں کے شرح ٹکٹ میں فی روپیہ ایک آنہ اضافہ ہوا ہے۔ دیا سلائی پر صد فی صد محصول عاید کیا گیا ہے مصنوعی ریشم و ریشمی دھاگے پر محصول بجائے تین آنے فی پونڈ کے پانچ آنے فی پونڈ کیا گیا ہے۔ ٹائیر و ٹیوب پر محصول جنگی دو ۲ فی صدی عائد ہوا ہے۔ تمباکو پر محصول لگایا گیا ہے جس سے تقریباً دس کروڑ روپے کی آمدنی ہوگی۔ ڈاک، ٹیلیفون اور تار کے شرح میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

تختہ نمبر ۱

مختلف صوبہ واری حکومتوں کی آمدنی بابتہ سال ختم ۳۱ مارچ ۱۹۴۰ء لاکھوں روپیوں میں

ابواب آمدنی	مدراس	بمبئی	بنگال	صوبہ متحدہ	پنجاب	کورگ	بہار	صوبہ متوسط و برار	صوبہ شمال مغربی سرحد	آسام	اڑیسہ	سندھ	میزان صوبہ واری حکومتیں
خاص ابواب آمدنی ترو دگیری	-	-	۲۲۱،۹۷	-	-	-	۱۹،۳۴	-	-	۱۳،۳۹	،۹۲	-	۲۵۵،۶۲
حصول آمدنی	۴۱،۸۵	۵۲،۰۰	۵۵،۰۰	۴۱،۸۵	۲۲،۳۲	-	۳۳،۷۰	۱۳،۹۵	۲،۷۹	۶،۴۱	۵،۵۸	۵،۵۸	۲۰۵،۹۳
مالگزاری	۵۱۶،۸۷	۳۴۳،۲۰	۳۰۶،۱۰	۵۸۷،۹۶	۲۳۴،۲۰	۴،۰۴	۱۳۱،۲۸	۲۶۳،۰۴	۱۸،۵۹	۱۳۶،۹۰	۴۷،۹۲	۳۶۰،۸۵	۲۷۰۷،۶۵
آبکاری	۲۳۶،۰۲	۲۰۱،۱۴	۱۶۵،۲۸	۱۱۵،۷۲	۱۰۴،۹۰	۲،۰۶	۱۱۰،۸۹	۵۷،۳۶	۸،۸۷	۳۳،۹۶	۲۹،۸۱	۳۶،۳۳	۱۲۰۳،۴۴
اسٹامپ	۱۷۴،۲۶	۱۳۸،۹۳	۲۵۱،۴۴	۱۳۰،۱۰	۷۴،۵۵	،۴۸	۱۰۵،۰۴	۳۷،۸۰	۷،۰۵	۱۷،۶۳	۱۹،۱۲	۱۷،۱۶	۹۷۸،۵۶
جنگلات	۴۴،۸۳	۳۰،۶۰	۲۳،۹۸	۵۲،۶۶	۲۵،۴۰	۳،۲۷	۸،۳۶	۵۰،۴۴	۵،۲۲	۱۷،۴۶	۶،۵۳	۷،۷۶	۲۸۴،۵۱
رجسٹریشن	۳۲،۹۶	۱۳،۷۶	۲۷،۳۲	۸،۹۱	۸،۵۰	،۰۶	۱۳،۲۸	۵،۲۵	،۶۹	۲،۱۰	۲،۳۸	۲،۰۷	۱۱۷،۱۹
آمدنی تحت قانون سواری ہائے موٹر	۸،۵۱	۸،۷۴	۲۱،۳۱	۱۲،۱۶	۱۳،۴۹	،۹۳	،۳۱	۴،۵۶	۲،۳۸	۴،۰۹	۱،۰۷	۲،۶۸	۱۸۵،۲۷
متفرق ٹیکس	۷۹،۲۸	۱۹۴،۰۳	۴۶،۶۱	۵۰،۹۱	۱۱،۴۳	.	۲،۱۱	۸،۵۷	۱،۱۴	۲،۳۸	-	۶،۶۶	۴۰۳،۱۲
میزان	۱۳۶۴،۵۰	۱۰۲۸،۳۴	۱۲۰۴،۸۱	۱۰۰۰،۴۷	۴۹۴،۸۷	۱۰،۸۴	۴۲۴،۳۱	۴۴۱،۹۸	۴۹،۷۳	۲۳۴،۲۲	۱۱۰،۰۳	۱۱۵،۹۹	۴۴۱۷،۹۰
ریلوے	-	-	،۱۴	-	-	-	-	-	-	-	-	-	،۱۴

آب پاشی	١٤٨٫٨٠	٣٢٫١٣	—	١٩٥٫٧٥	٥٠٠٫٧٠	٫٠٣	١٨٫٩٢	٧٫٣٥	١٣٫٨١	—	٢٫٣٧	٨٨٫٦٢	١٠٣٦٫٧٠
قرضہ جات	٢٢٫٣٥	٧١٫٠٣	٢٩٫٦٢	١٣٫١٤	٢٫٦٧	٫١٣	١٦٫٣٦	٢٫٦٠	٫٦٣	٫٢٦	١٢٫٧٥	٧٫٢١	١٨٢٫٨٧
تنظیمی محکمہ جات	٩٫٦٤	١١٠٫٣٢	٩٣٫٦٨	٨٠٫٩١	٩٠٫٣٢	٫٥٧	٦١٫٨٢	٢٩٫٥٩	٨٫٠٧	١٣٫٣٧	٦٫٣٢	١٧٫٦٧	٥١٩٫٣٧
تعمیرات	٣٠٫٩٦	٤٨٫٩٢	٣٥٫٥٠	١٧٫٩٦	٢٨٫٧٨	٫١٤	١٠٫٩٠	١٢٫٤١	٨٫٢٣	١٠٫٩١	٧٫٧٢	٩٫٩٦	٢٢٢٫٣٩
متفرق	٢١٫٣٢	٢٠٫٢٠	٢٥٫٧٧	١٨٫٨٢	٢٨٫٣١	٫٠٤	٣٫٦٨	١٢٫٣٥	٣٫٢٣	٤٫٥٣	٢٫٦٧	١٠٥٫١٢	١٥٢٫٨٤
برقی اسکیم	١٢٫٤٩	—	—	—	١٠٫٨٧	—	٫٠٣	—	١٫٩٠	—	—	—	٢٥٫٧٤
پیشکش	٫٢٦	٫٢٥	٫٣٠	٢٥٫٢١	٢٫٨٥	١٫١٦	٫١٦	٫١٢	١٠٠٫٠١	٣٠٫٠٤	٤٣٫٠٣	١٠٥٫١٢	٣٠٩٫٥٠
غیر معمولی مدات	—	٣٫١٤	٤١٫٨٥	—	٤١٫٦٣	—	٫٤٥	—	—	—	—	٨٥٫١١	١٧٣٫١٨
جملہ آمدنی	١٦٦٥٫٩٠	١٣١٣٫٢٣	١٤٣١٫٦٧	١٣٥٢١٫٩	١٢١١٫٠٩	١٢٫٩١	٥٤٧٫٦٠	٥٠٨٫٥٠	١٨٢٫٦١	٢٩٢٫٢٣	١٨٧٫٨٨	٤٢٨٫٨٧	٩١٣٨٫٦٨

تختہ نمبر (٣)

مختلف صوبہ واری حکومتوں کے اخراجات بابتہ سال ختم ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء لاکھوں روپیوں میں

مدات اخراجات	مدراس	بمبئی	بنگال	صوبہ متحدہ	پنجاب	کورگ	بہار	صوبہ متوسط و برار	صوبہ سرحد شمالی مغربی	آسام	اڑیسہ	سندھ	میزان جملہ صوبہ واری حکومتیں
راست مالگزاری و محاصل کے اخراجات	٢١٠٫١٧	١٦٧٫٠١	١٠٣٫٦٥	١٣٨٫٥١	٨٥٫٠٦	٢٫٧١	٣٨٫٢٧	٦٤٫٥٢	١٥٫٨	٥٠٫٨٣	١٨٫٢٠	٢٨٫٢٦	٧٣٥٫٠٥
آبپاشی (کھاتہ آمدنی)	١٢٦٫٩٦	٥٣٫٣٩	٣٨٫٩٧	١١٥٫٠٩	١٢٦٫٨٥	٫٠٦	٦٫٠٢	٦١٫٠٣	٣٫٥٨	٫٦٠	١٣٫٧٥	١٧٠٫٩٧	٧٠٢٫٣٠
خاص اخراجات آمدنی کے اخراجات	١٫٣٠	—	—	٫١٦	—	—	—	—	—	—	—	—	١٫٣٠

قرضے جات	۳۸٫۶۶	۱۲۵٫۳۰	۱۷٫۱۵	۶۶٫۷۰	۱۷٫۴۶	۱٫۰۷	۶٫۲۱	۲۵٫۰۰	٫۱۶	۴٫۱۲	۱٫۲۶	۵٫۱۷	۱۹۷٫۱۶
تنظیمی محکمے:- عام انتظام	۲۷۵٫۲۶	۷۸٫۷۸	۱۰۰٫۱۳	۱۴۲٫۸۷	۱۱۶٫۹۴	۱٫۵۰	۸۱٫۷۵	۹۶٫۹۵	۱۹٫۸۴	۳۳٫۸۹	۲۰٫۵۳	۲۳٫۸۵	۱۰۴۴٫۵۲
عدالت	۸۸٫۴۴	۶۶٫۴۳	۹۶٫۸۶	۷۰٫۵۰	۵۴٫۵۶	٫۳۵	۳۶٫۴۶	۲۵٫۳۸	۲۳٫۰۷	۱۰٫۵۹	۹٫۴۰	۱۲٫۸۶	۴۷۶٫۸۴
پولیس	۱۴۲٫۲۶	۱۵۰٫۴۱	۲۰۸٫۲۸	۱۷۵٫۴۹	۱۲۷٫۴۶	٫۷۰	۸۱٫۵۵	۵۹٫۲۷	۷٫۹۵	۲۲٫۰۴	۲۲٫۲۶	۴۱٫۷۰	۱۱۲۰٫۵۶
تعلیمات	۲۹۲٫۵۷	۲۰۰٫۱۷	۱۹۲٫۶۰	۳۱۲٫۴۲	۱۹۳٫۵۱	۱٫۱۴	۷۵٫۹۲	۵۴٫۵۹	۲۷٫۴۲	۳۸٫۶۷	۲۲٫۹۸	۳۱٫۳۱	۱۲۵۲٫۲۲
طبابت	۹۷٫۵۳	۴۶٫۳۶	۵۶٫۳۲	۳۷٫۲۳	۳۰٫۶۰	٫۹۹	۲۴٫۳۳	۸۱۶٫۰۱	۲۳٫۴۳	۱۳٫۴۰	۹٫۳۷	۱٫۵۴	۳۴۵٫۴۹
حفظان صحت	۲۷٫۳۰	۲۸٫۱۰	۳۹٫۳۹	۲۳٫۶۵	۱۸٫۰۱	٫۲۱	۱۲٫۲۹	۵٫۰۸	۷٫۷۴	۸٫۲۱	۲٫۷۴	۲٫۶۲	۱۶۹٫۰۹
زراعت	۱۹٫۸۱	۱۱٫۹۹	۲۱٫۶۴	۶۷٫۵۶	۳۶٫۶۲	٫۱۲	۱۰٫۷۳	۱۰٫۱۹	۱٫۵۹	۶٫۳۰	۲٫۴۱	۹٫۹۷	۱۹۹٫۰۱
صنعت و حرفت	۲۶٫۰	۷٫۶۵	۲۰٫۲۲	۲۲٫۱۹	۱۸٫۸۰	—	۱۰٫۵۱	۳۰٫۰۶	۲٫۴۱	۲٫۷۸	۲٫۶۶	٫۸۱	۱۱۵٫۰۳
دوسرے محکمے	۱۰۳٫۰۷	۴۹٫۹۱	۱۶۴٫۱۵	۴۸٫۴۲	۸۸٫۱۳	٫۵۲	۳۳٫۲۰	۱۶٫۶۴	٫۲۵	۸٫۲۰	۵٫۹۳	۹٫۳۱	۶۱۰٫۱۳
میزان	۱۰۳۰٫۰۲	۹۳۹٫۷۳	۸۵۹٫۳۹	۸۰۰٫۷۸	۶۵۴٫۰۶	۵٫۸۳	۳۴۶٫۸۴	۲۵۸٫۰۷	۱۱۶٫۴۱	۱۵۵٫۹۷	۱۰۶٫۹۳	۱۴۰٫۸۵	۵۱۴۰٫۴۴
تنظیمی محکمے کی خالص آمدنی	۳۰٫۲		۳۵۰٫۸۸	—	—	۳٫۴۹	—	۲۵۸٫۰۷	—	—	—	—	۱٫۵۰
متفرق	۸۹۰٫۳۴	۲۹۷٫۰۴	۱۴۷۱٫۲۴	۲۰۳٫۷۳	۲۱۵٫۱۳	۳٫۱۲	۱۰۸٫۴۵	۱۲۱٫۵۸	۱٫۵۰	۸۳٫۰۶	۴۳٫۹۱	۲۰۵٫۰۸	۱۹۴۳٫۴۷
جملہ اخراجات	۱۴۲۲٫۳۹	۱۲۸۳٫۲۷	۱۳۷۵٫۲۳	۱۲۲۴٫۵۲	۱۱۹۵٫۶۰	—	۵۳۵٫۷۹	۴۷۵٫۶	۵۴۳٫۱۳	۲۹۲٫۳۳	۱۰۴۳٫۰۵	—	۸۹۲۴٫۰۱
جملہ آمدنی	۱۲٫۹۱	۱۳۱۴٫۲۳	۱۴۳۱٫۶۷	۱۳۵۲٫۰۹	۱۲۱۱٫۰۹	۱۲٫۹۱	۵۴۷٫۶	۵۰۸٫۵	۱۸۷٫۱۱	۲۹۳٫۳۳	۱۰۸۷٫۸۸	۴۲۸٫۸۸	۹۱۳۸٫۶۸
ہر حکومت کی بچت (+) خسارہ (-)	+۲۸٫۵۱	+۳۰٫۹۶	+۶۰٫۴۴	+۷٫۵۷	+۱۵٫۴۹	+٫۷۹	+۱۱٫۸۰	+۳۲٫۹۰	−۴٫۵۰	+۱٫۰	+۳۸٫۳	+۲۳٫۷۹	+۲۲۳٫۵۸

کارپوریشن ٹیکس میں ایک آنے کی بجائے ڈیڑھ آنہ فی روپیہ اضافہ ہوا ہے۔

زائد محاصل کا بار تمام طبقوں پر پڑا۔ ریلوے ٹکٹ میں اضافہ، محصول ڈاک میں اضافہ، محاصل درآمد و برآمد میں اضافہ، نئے محاصل اور جنگی کی وجہ سے غریبوں پر بار پڑا۔ امیر طبقہ بھی متاثر ہوا ہے کیونکہ انکم ٹیکس کی شرح میں ۶۶ فی صدی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح نئے محاصل کے ذریعہ حکومت نے آغاز جنگ سے ۱۹۴۳ء تک جملہ ۲۱۴ کروڑ ۳۳ لاکھ روپے وصول کیا ہے۔

ہندوستان میں قرضہ عامہ | ہندوستانی قرضۂ عامہ کی ابتدا ایسٹ انڈیا کمپنی کی لڑائیوں کے باعث ہوتی ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکومت ہند پر منتقل شدہ قرضہ غیر پیدا آور تھا۔ ۱۸۶۷ء کے بعد ریلوے اور کارہائے آبپاشی وغیرہ کی تعمیر کے لئے جو پیدا آور قرضے حاصل کیا جانا شروع ہوا اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم سے قبل ہندوستان کے قرضہ عامہ کا ایک بڑا حصہ انگلستان سے حاصل کیا گیا تھا۔ دوران جنگ میں حصول قرضہ میں غیر متوقعہ طور پر حکومت کی سعی جو مشکور ہوئی اس سے ہندوستان کے بازار زر کی قوت کا اندازہ ہوا چنانچہ عام قرضے اب زیادہ تر ہندوستان ہی میں حاصل کئے جاتے ہیں۔ ہمارے قرضہ کا بڑا حصہ اس لحاظ سے خارجی ہے کہ وہ غیر ہندوستانیوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ بہرحال یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ اب قرضہ عامہ کی بڑی مقدار پیدا آور ہے جو زیادہ تر ریلوے اور کارہائے آبپاشی کی تعمیر کے لئے حاصل کئے گئے ہیں۔ ۳۱ مارچ ۱۹۴۱ء تک حکومت ہند کا مجموعی قرضہ عامہ ۱۱۹۷ کروڑ ۹۰ لاکھ روپیہ تھا جس میں ۴۵۵ کروڑ ۹۸ لاکھ اسٹرلنگ کا قرضہ انگلستان میں اور ۷۴۱ کروڑ ۹۲ لاکھ روپئے کا قرضہ ہندوستان میں حاصل کیا گیا تھا۔ ۱۹۴۳ء کے ختم پر انگلستان کا اسٹرلنگ قرضہ ادا کر دیا گیا ہے۔ اخراجات جنگ کی پابجائی کے لئے ہندوستان میں دفاعی قرضے لئے گئے ہیں۔

مرکزی اور صوبہ واری حکومتوں کے مابین مالیاتی تعلقات | ۱۸۳۳ء سے ۱۸۷۱ء تک تمام مالیاتی اقتدار حکومت ہند کے ہاتھ میں تھا جو صوبوں کے معمولی اخراجات کی بھی نگرانی کرتی تھی۔ لارڈ میو نے نافذ الوقت مالیاتی نظام میں تھوڑی سی لامرکزیت پیدا کرنے کی ضرورت

محسوس کی تا کہ آمدنی میں اضافہ کرنے اور اخراجات میں ممکنہ کفایت برتنے کے خیال سے صوبہ جاتی حکومتوں کی توجہ حاصل ہونے کے علاوہ باہمی اشتراک عمل بھی پیدا کیا جائے چنانچہ لارڈ میونے ۱۸۷۱ء میں صوبہ واری انتظام کا طریقہ جاری کیا جس کے تحت بعض مصارف کے مدات جنکی نوعیت مقامی تھی صوبہ جات کے تفویض کر دئے گئے ان امور کے انتظام کے لئے صوبہ جات کو سررشتہ واری آمدنی کے علاوہ سالانہ یکمشت رقمی امداد بھی دی جاتی تھی۔ صوبہ واری حکومتوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ اپنے اپنے صوبوں کی کمی دور کرنے کے لئے مقامی محاصل عاید کریں۔

لامرکزیت کے اس طریقہ میں مسلسل اصلاح ہوتی گئی چنانچہ ۱۹۱۹ء سے قبل اس نظام کی حالت حسب ذیل تھی۔

آمدنی کے سلسلہ میں مرکزی حکومت نے تمام آمدنیوں کو جو کسی ایک صوبہ پر تقسیم نہیں ہوسکتی تھیں اپنے لئے محفوظ کر لئے تھے۔ ان کو شاہی مدات آمدنی کہا جاتا تھا مثلاً افیون، ریلوے، کروڑگیری، نمک، ٹپہ اور تار کی آمدنی بعض مدات آمدنی بالکل صوبہ واری تھے جیسے جنگلات، آبکاری (بمبئی اور بنگال میں) رجسٹریشن۔ بعض سررشتوں کی آمدنی مثلاً تعلیمات، عدالت اور پولیس۔ بعض مدات آمدنی میں مرکزی اور صوبہ واری دونوں حکومتوں کا حصہ ہوتا تھا جیسے مالگذاری، محصول آمدنی، آبکاری، آبپاشی اور کاغذ مہر۔

جہاں تک اخراجات کا تعلق ہے اسی قسم کا ہی ایک نظام مروج تھا البتہ قحط کے اخراجات کے لئے بالکل جداگانہ انتظام تھا۔ جس میں مرکزی حکومت ملکی حصہ لیا کرتی تھی۔

۱۹۱۹ء کے اصلاحات کے بعد سے جنکی اہم خصوصیت مالی خود اختیاری تھی منقسمہ مدات خارج کر دیئے گئے تھے اور آمد و خرچ کی نئی تقسیم حسب طریقۂ ذیل کی گئی تھی۔

(۱) شاہی مدات آمدنی۔ افیون، نمک، کروڑگیری، محصول آمدنی، ریلوے، ٹپہ، تار اور فوج۔

(۲) صوبہ واری مدات آمدنی۔ مالگذاری (بشمول آبپاشی) اسٹامپ (عدالتی اور تجارتی)

رجسٹریشن، آبکاری اور جنگلات۔

صوبہ واری عطیے منقسمہ ابواب آمدنی کے نکل جانے اور بعض ذرائع آمدنی مثلاً مالگذاری اور کاغذ مہور صوبہ جات کے تفویض کرنے کی وجہ سے مرکزی موازنہ پر بہت بڑا نقصان عاید ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں مسٹن کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس نے عاید شدہ خسارہ کی تلافی کے لئے مرکزی حکومت کے لئے صوبوں سے مالی اعانت کی ایک اسکیم مرتب کی۔ اس اسکیم کے مطابق صوبوں کے ابتدائی اقساط اس اصول کے تحت مقرر کئے گئے کہ وہ خسارہ اٹھائے بغیر یا جدید محاصل عاید کئے بغیر ادا کر سکتے تھے۔ یہ قرار دیا گیا کہ یہ ابتدائی اقساط ہر صوبہ کی حیثیت کے مطابق مستقل طور سے معیاری قرار دئیے جائینگے۔ مگر مسٹن کمیٹی کے اس فیصلہ پر کسی نے رضامندی کا اظہار نہیں کیا اور اس کی مسدودی کا مسلسل مطالبہ ہونے لگا۔ مرکزی حکومت کی مالی حالت رفتہ رفتہ بہتر ہونے کے بعد ۲۶-۱۹۲۵ء اور بعد کے سالوں میں مرکزی حکومت اقساط کی ادائی میں معافی عطا کرنے کے قابل ہوئی۔ ۲۹-۱۹۲۸ء سے صوبہ واری پیش کش کا طریقہ بالکل ترک کر دیا گیا۔ اس کے باوجود صنعتی صوبہ جات خاص کر بمبئی اور بنگال کے اصلی شکایات باقی رہے یعنی مستقل ضرورتوں کے لئے مرکزی حکومت کے ذرائع آمدنی مثلاً انکم ٹیکس اور کروڑگیری میں کافی لچک ہے اس کے برخلاف صوبہ واری حکومتوں کو جن کی ضرورت تیزی کے ساتھ وسیع ہو رہی ہیں جو ذرایع آمدنی مثلاً مالگذاری اور آبکاری حاصل ہیں ان سے ضروریات کے مطابق آمدنی کا حصول بہت مشکل ہے۔ ان حالات کے تحت صوبہ جات نے محصول آمدنی سے ایک خاص حصہ حاصل کرنے کے لئے سخت جدوجہد کی بنگال اور بمبئی جیسے صنعتی صوبوں نے اس کا بطور خاص مطالبہ کیا تھا چنانچہ محصول آمدنی سے تھوڑا سا حصہ صوبہ جات کو عطا کرنا منظور کر لیا گیا۔

ہندوستان میں وفاقی مالیات کا مسئلہ مرکزی حکومت اور صوبہ جات یعنی قایم ہونے والے وفاق کی وحدتوں کے مابین آمدنی کی تقسیم کے اہم مسئلہ پر مختلف کمیٹیوں اور کمیشنوں نے غور کیا ہے مثلاً

سائمن کمیشن کی لٹن رپورٹ گول میز کانفرنس کی وفاقی مالیات کی ذیلی کمیٹی اور پرسی کمیٹی۔

حکومت ہند کے قانون ہند بابتہ ۱۹۳۵ء میں جو جدید وفاقی دستور کا مبدا ہے حسب ذیل امور مقرر کئے گئے ہیں جو کل جماعتوں کے متفقہ فیصلوں پر مبنی ہیں۔

حسب ذیل محاصل وفاقی حکومت کی جانب سے عائد اور وصول کئے جائینگے۔

(۱) زرعی زمین کے سوا وراثتاً جائداد حاصل کرنے پر محاصل۔

(۲) محاصل اسٹامپ، ہنڈی، چک، پرامیسری نوٹ، حوالے نامے، اعتباری کاغذات بیمہ کی پالیسیاں، عیوضی نامے اور قبض الوصول کے بارے میں۔

(۳) منتہائی محصولات، اشیا، یا مسافروں کا ریل یا ہوائی جہاز کے ذریعہ پہونچنا۔

(۴) ریلوے کے کرایہ اور سامان کے نقل وحمل پر ٹیکس۔

مندرجہ بالا محاصل کی خالص آمدنی اور ٹیکس وفاقی حکومت کی آمدنی کا جزو نہیں ہے بلکہ بعض اصول کے تحت یہ آمدنی صوبہ جات اور وفاقی ریاستوں میں منقسم ہوگی کہ جہاں مذکورہ بالا محاصل اور ٹیکس وصول کئے جائینگے لیکن وفاقی مقننہ کو اجازت حاصل ہے کہ وفاقی مقاصد کی خاطر ان محاصل پر مزید آمدنی وصول کرے۔

آمدنی پر ٹیکس (بہ استثنارے کارپوریشن ٹیکس[۱]) وفاقی حکومت زرعی آمدنی کو مستثنی کر کے آمدنی پر محاصل عاید کرنے کے علاوہ وصول بھی کریگی۔ اس آمدنی کا ایک خاص فی صد جو بہ حکم کونسل [illegible] کیا جائے [illegible] صوبہ جات اور وفاقی ریاستوں کو [illegible] دیا جائیگا کہ جہاں [illegible] قسم کا ٹیکس [illegible] مقرر [illegible] دوران میں کونسل کے مجوزہ [illegible] مطابق وصول کیا جائیگا۔

وفاقی مقننہ کسی وقت بھی اس قسم کے ٹیکس میں وفاقی مقاصد کی غرض سے مزید اضافہ کرسکتی ہے۔ نمک اور برآمدی محاصل، نمک پر محصول، چنگی، وفاقی اور برآمدی محاصل وفاقی

---

[۱] کارپوریشن ٹیکس سے مراد کمپنیوں کے منافع پر ٹیکس ہے۔

حکومت کی جانب سے عائد اور وصول کئے جائینگے لیکن وفاقی مقننہ قانون منظور کر سکتی ہے کہ اس قسم کے وفاقی محاصل کی خالص آمدنی میں سے کچھ حصہ یا تمام رقم صوبہ جات کو دی جائے

جوٹ یا جوٹ کی پیداوار کی برآمدی محصول کی صورت میں کم از کم خالص آمدنی کا نصف حصہ ان صوبہ جات کو دیا جائے گا جہاں جوٹ کی کاشت ہوتی ہے یہ تقسیم جوٹ کی پیدائش کے تناسب کے لحاظ سے عمل میں آئے گی۔

وفاقی مقننہ میں کوئی مسودہ قانون یا اس میں کوئی ترمیم گورنر جنرل کی قبل از قبل منظوری کے بغیر پیش نہ ہوسکیگی جو

(۱) کسی صوبہ کی مفوضہ کل خالص آمدنی یا اس کے جزو پر کوئی محصول یا چنگی عاید کرے یا

(۲) زرعی آمدنی کے مفہوم کو جسکی توضیح قانونی اغراض کے لئے ہندوستانی انکم ٹیکس کے بارہ میں کی گئی ہو تبدیل کرے یا

(۳) ان اصولوں کو متاثر کرے جن کے تحت رقوم صوبہ جات یا ریاستوں میں تقسیم شدنی ہوں یا

(۴) حسب صراحت بالا کوئی وفاقی زاید محصول لگاتا ہو۔

فیصلہ نیمیر | وزیر ہند نے برطانیہ کے ایک قابل مالیاتی عہدہ دار سر او ٹو نیمیر کو مقرر کیا تھا تا کہ حکومت ہند کے قانون بابتہ ۱۹۳۵ء کے مجوزہ مالیاتی موقف کی تحقیقات کرے۔ اس کی مرتبہ رپورٹ جس میں مرکزی اور صوبہ واری حکومتوں کے درمیان مالیاتی امور کی قرارداد کی گئی ہے منظور کر لی گئی۔ اس رپورٹ میں انکم ٹیکس کی تقسیم کا اصول بہ طور خاص معین کیا گیا ہے۔

نیمیر رپورٹ میں تین طریقوں سے صوبہ جات کی مالی اعانت کی سفارش کی گئی ہے۔

(۱) نقد امداد (۲) یکم اپریل ۱۹۳۶ء کے قبل کے قرضے معاف کر دئیے جائیں

(۳) ساڑھے بارہ فی صدی۔

جوٹ کا محصول جوٹ پیدا کرنے والے صوبہ جات (بنگال آسام اور بہار) پر تقسیم کیا جائے۔ سالانہ نقد امداد کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

صوبہ متحدہ ۲۵ لاکھ روپے (صرف پانچ سال کے لئے) آسام ۳۰ لاکھ روپے اڑیسہ ۴۰ لاکھ روپے شمال مغربی سرحدی صوبہ ۱۰۰ لاکھ روپے (اس امداد پر پانچ سال کے بعد پھر غور کیا جائے) سندھ ۱۰۵ لاکھ روپے (دس سال کے بعد تدریجی تخفیف کی جائے)

دوسری سالانہ امداد حسب ذیل ہے۔

بنگال ۷۵ لاکھ روپے بہار ۲۵ لاکھ روپے صوبہ متوسط ۱۵ لاکھ روپے آسام ۴۵ لاکھ روپے شمال مغربی سرحدی صوبہ ۱۱۰ لاکھ روپے اڑیسہ ۵۰ لاکھ روپے سندھ ۱۰۵ لاکھ روپے صوبہ متحدہ ۲۵ لاکھ روپے۔ اڑیسہ کو مزید غیر متوالی ۱۹ لاکھ روپے امداد دی جائے گی۔ سندھ کو پانچ لاکھ روپے چھ مساوی اقساط میں جسکی ابتدا صوبہ واری خود اختیاری کے آغاز کے چھٹے سال سے بعض شرائط کے تحت عمل میں آئے گی۔

صوبہ جات کو انکم ٹیکس کی حوالگی :- یہ مسئلہ نیمیر تحقیقات کے اہم مسائل میں سے تھا رپورٹ میں محصول آمدنی کا اندازہ برما کی علحدگی کے بعد ۱۲ کروڑ روپے سالانہ کیا گیا ہے۔ جس کا نصف (چھ کروڑ) صوبہ جات کے حوالے کیا جائے گا لیکن سر آٹو نیمیر کی سفارش کے مطابق ابتدائی پانچ سالوں تک یہ آمدنی مرکزی حکومت کے حق میں محفوظ رہے گی تاکہ وہ اپنی مالی حالت مستحکم کرسکے۔ بعد کے پانچ سالوں کے دوران میں انکم ٹیکس کی آمدنی تدریجاً صوبہ جات کے لئے قابل حصول ہوگی۔ اس طرح دس سال کے بعد صوبہ جات انکم ٹیکس میں اپنا پورا حصہ حاصل کرسکینگے۔ سر رشتۂ ریلوے کے عطیات کو شامل کرکے اگر تقسیم شدنی رقم کا کوئی حصہ مرکزی حکومت کے پاس ۱۳ کروڑ روپے سے کم رہے تو انکم ٹیکس کی آمدنی صوبہ جات میں تقسیم نہیں کی جائے گی۔ مشترکہ انکم ٹیکس کا فی صد جو صوبہ جات میں تقسیم شدنی رہے درج ذیل ہے۔

مدراس ۱۵ فی صدی بمبئی ۲۰ فی صدی بنگال ۲۰ فی صدی صوبہ متحدہ ۱۵ فی صدی پنجاب ۸ فی صدی بہار ۱۰ فی صدی صوبہ متوسط ۵ فی صدی آسام ۲ فی صدی اڑیسہ ۲ فی صدی سندھ ۲ فی صدی شمال مغربی سرحدی صوبہ ایک فی صدی۔ ابتداً یہ اندیشہ تھا کہ محصول آمدنی سے

صوبہ جات کو جزوی منافعہ حاصل ہونے تک کافی وقفہ گذر جائے گا اور اپنے کامل حصے کو حاصل کرنے کے لئے اس سے بھی زیادہ مدت درکار ہوگی۔ لیکن خوش قسمتی سے مرکز کی آمدنی میں اضافہ اور ریلوے بجٹ کی وجہ ۳۸-۱۹۳۷ء کے مالیاتی سالوں کے درمیان مرکزی حکومت کے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ نیمیر سفارشات کی موجب انکم ٹیکس میں سے ایک حصہ صوبہ جات کے حق میں منتقل کرے۔ اس طرح منتقل شدہ جملہ رقم کا اندازہ ایک کروڑ ۶۳ لاکھ روپے کیا گیا۔ لیکن چونکہ ریلوے مالیات اور عام معاشی حالات اطمینان بخش نہیں ہیں اس لئے مستقبل غیر یقینی ہے۔

سر او ٹو نیمیر کی سفارشات بہت سے متضاد نظریوں میں توازن پیدا کرتی ہے اس امر کا اعتراف ضروری ہے کہ وہ وفاقی مالیات کے کسی نظریہ کے بجائے عملیت اور حقیقت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ نیمیر رپورٹ پر تقریباً عام طور سے بے اطمینانی کا اظہار کیا گیا۔ تاہم اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ کوئی معقول اسکیم نہیں ہے کسی صوبہ کے حق میں اس کے اندر ایسی تبدیلی ناممکن ہے جو دوسرے صوبہ کو قابل اعتراض نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ صوبہ جات کے لئے آمدنی کے وسیع ذرائع مہیا کرنے چاہئیں تاکہ وہ قومی تعمیر کی ناطر نئی اسکیم جاری کر سکیں۔ صوبہ جات کو انکم ٹیکس کی کامل حصہ کی ادائی کا جہاں تک تعلق ہے سر او ٹو نی اسکیم کی کامیابی کا انحصار بڑی حد تک ریلوے کے اطمینان بخش کام پر ہے اور صوبہ واری حکومتوں کا مفاد اسی میں ہے کہ ریلوے کی نفع بخش آمدنی کے حصول کی خاطر حکومت ہند سے اشتراک عمل کریں تاکہ ریلوے کی جانب سے مرکزی آمدنی میں ٹھوس اعانت حاصل ہو سکے اس مقصد کے لئے صوبوں کی سڑکوں کی پالیسی میں باقاعدگی بھی ضروری ہے تاکہ سڑکیں ریلوں سے مسابقت کرنے کی بجائے ممد و معاون ثابت ہو سکیں۔ اس کی بھی ضرورت ہے کہ مرکزی حکومت کی جانب سے ریلوے کے اخراجات کا جائزہ لیا جائے اور مختلف ذرائع حمل و نقل میں باہمی رابطۂ اتحاد پیدا کیا جائے۔

۱۹۴۰ء میں نیمیر اسکیم میں چند ترمیمات جنگ کی وجہ سے عمل میں آئے ہیں۔ صوبہ واری حکومت خود اختیاری کے قیام کے بعد سے صوبہ جات کی آمدنی اور اخراجات میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ صوبہ جات کو محصول آمدنی میں سے عطیہ مل رہا ہے۔ جوٹ کا محصول جوٹ پیدا کرنے والے صوبہ جات پر تقسیم ہو رہا ہے۔ بعض متفرق محصولات مثلاً محصول فروخت اشیاء، پیشہ ورانہ ٹیکس، شہری جائداد غیر منقولہ کا ٹیکس بھی صوبہ جات کو مل رہا ہے تاکہ یہ رقم تعلیم اور قومی مفاد کے سررشتہ جات پر صرف کی جائے۔

اشتہارات

مجلہ طیلسانین کے مقاصد اور قواعد

۱ - مجلہ طیلسانین انجمن طیلسانین عثمانیہ حیدرآباد دکن کا ترجمان ہے۔

۲ - اغراض انجمن کے لحاظ سے مجلہ میں:-

الف - جامعہ عثمانیہ کے منظورہ مابعد طیلسان مقالے شایع کیے جائیں گے۔

ب - اردو مطبوعات پر تنقید و تبصرہ کیا جائیگا۔

ج - انجمن طیلسانین عثمانیہ اور اس کے ملحقہ اداروں کی سرگرمیوں اور کاروبار کی تفصیلات شایع کی جائیں گی۔

د - علمی اور ہر جہتی ترقی کی معلومات و اطلاعات شایع کی جائیں گی۔

ھ - سیاسیات حاضرہ اور اختلافی مذہبی امور کے متعلق مضامین وغیرہ کسی صورت میں شایع نہ کیے جائیں گے۔

۳ - حسب ضرورت مجلہ کے مختلف حصے خاص خاص علم وفن سے مختص ہوں گے۔ فی الوقت مجلہ کے دو حصے ہوں گے۔ حصۂ عام اور حصۂ معاشیات۔

۴ - مجلہ بہمن - اردی بہشت - امرداد اور آبان مطابق جنوری - اپریل - جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوگا۔

۵ - مجلہ کے ہر حصہ کی ضخامت کم از کم ۱۰۰ صفحے ہوگی۔

۶ - مابعد طیلسان مقالے اس صورت میں شایع کیے جائیں گے جب کہ ان کا حق اشاعت و طباعت مجلہ کو دے دیا جائے۔ البتہ مولف کو دس نسخے ہدیۃً دیے جائیں گے اگر اس سے زاید نسخے درکار ہوں تو کاغذ کی قیمت قبل از قبل ادا کرنے پر انتظام کیا جائیگا۔

۷ - اگر مضمون یا مقالہ نگار پہلے سے مجلہ کے خریدار نہ ہوں تو مجلہ کا وہ شمارہ جس میں ان کا مضمون شایع ہو بلاقیمت ارسال کیا جائیگا۔

۸ - سال بھر میں کسی صاحب کے دو مضمون یا مقالے شایع ہونے کی صورت میں سال مابعد کے لیے اگر قواعد انجمن طیلسانین عثمانیہ مانع نہ ہوں تو مجلہ بلاقیمت جاری کیا جائیگا۔

۹ - اگر کسی مضمون یا مقالہ کے لیے مجلہ اپنے خرچ سے تصاویر کے بلاکس تیار کرے تو ان کو مناسب قیمت پر جس کا تصفیہ مہتمم مجلہ کریگا فروخت کیا جا سکے گا۔

۱۰ - اگر مجلہ کا کوئی شمارہ اشاعت کے مقررہ مہینے میں وصول نہ ہو تو اس کی اطلاع دوسرے مہینہ میں کر دینی چاہیئے۔

مجلہ طیلسانین کا چندہ

۱۔ مجلہ چندہ دہندہ ارکان انجمن طیلسانین عثمانیہ کو مقررہ قواعد کے بموجب بلاقیمت ارسال کیا جائیگا۔

۲۔ مجلہ کا حصۂ معاشیات معاشی کمیٹی انجمن طیلسانین کے ارکان کو اپنے چندہ رکنیت کے علاوہ سالانہ (عہ/) ایک روپیہ ادا کرنے پر ارسال کیا جائیگا۔ اگر ان کو مجلہ کے دونوں حصے مطلوب ہوں تو ان کو سالانہ دو روپیہ اپنے چندۂ رکنیت کے علاوہ ادا کرنا ہوگا۔

۳۔ مجلہ کے دونوں حصوں کی قیمت علاوہ محصول ڈاک خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ پانچ روپیہ سکہ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے پانچ روپیہ سکہ حکومت ہند ہوگی۔

۴۔ مجلہ کے عام حصہ کی قیمت محصول ڈاک کے علاوہ خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ تین روپیے سکہ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے تین روپیہ سکہ حکومت ہند ہوگی۔

۵۔ مجلہ کے حصۂ معاشیات کی قیمت علاوہ محصول ڈاک خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ تین روپیہ سکہ عثمانیہ ہوگی۔ اور بیرون مملکت آصفیہ سے تین روپیہ سکہ حکومت ہند۔

۶۔ مجلہ کے ہر حصہ کی قیمت فی نسخہ ایک روپیہ اور دونوں حصوں کی ایک روپیہ آٹھ آنے ہوگی۔

۷۔ تبادلے کے طور پر اشتہارات کی اشاعت مطلوب ہو تو مراسلت کے ذریعہ تصفیہ ہوسکیگا۔

۸۔ مجلہ کے سلسلہ میں ہر قسم کی مراسلت مہتمم مجلۂ طیلسانین دفتر مجلس نمائش بلدہ عام حیدرآباد دکن کے توسط سے کی جانی چاہئیے۔

۹۔ خریداران مجلہ اپنے پتہ کی تبدیلی سے مہتمم مجلہ کو بروقت مطلع فرمائیں۔

اشتہارات کا نرخ

صفحہ	چار بار کے لیے	ایک بار کے لیے
پورا صفحہ پہلا ورق	۳۰ روپیہ سالانہ	۱۲ روپیہ
آدھا صفحہ " "	۲۰ " "	۸ " "
پاؤ صفحہ " "	۱۵ " "	۱۰ " "

صفحہ	چار بار کے لیے	ایک بار کے لیے
پورا صفحہ اندرونی	۲۰ روپیہ سالانہ	۶ روپیہ
آدھا صفحہ "	۱۵ "	۵
پاؤ صفحہ "	[illegible] "	۳ "

سلسلۂ مطبوعات انجمن طیلسانیین عثمانیہ

نام کتاب	مصنف	قیمت
۱- عہد ابراہیم قطب شاہ ثانی کے متولیان ریاست	سید علی محسن ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۲- سلطان احمد شاہ بہمنی	ظہیر الدین ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۳- امام غزالی کے کلامی خصوصیات	محمد غوث (محبوب نگری) ام اے (عثمانیہ)	ایک روپیہ آٹھ آنے
۴- ونشی دویلی کی معاشی تحقیق	محمد ناصر علی ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۵- دربار اودھ کا اثر لکھنؤ کی شاعری پر	محمد اعظم ام اے (عثمانیہ)	ایک روپیہ
۶- معاشیات کی لغت	محمد ناصر علی ام اے (عثمانیہ)	آٹھ آنے
۷- عہد معاونت اور حیدرآباد	میر مخدوم علی خاں ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۸- بلدہ سے قصبہ تک	محمد فاروق بی اے (عثمانیہ) ایچ سی ایس	۴/
۹- یادر المحل	نظیر حسین افندی ام ایس سی (عثمانیہ)	۴/
۱۰- مقامی محاصل ان کے اقسام اور نوعیت	محمد فاروق بی اے (عثمانیہ) ایچ سی ایس	۴/
۱۱- اسلام کے معاشی نظریے	محمد یوسف الدین ام اے (عثمانیہ)	ایک روپیہ آٹھ آنے
۱۲- بزم چیدہ اور ان کی افسانہ نگاری	محمد اکبر الدین صدیقی ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۱۳- ہندوستانی لسانیات کے مبادی	شرف الدین بی اے (عثمانیہ)	دو روپے
۱۴- ڈیموکریٹک [illegible]	سید محمد تقی ہاشمی ام اے (عثمانیہ)	۸/

۱- رہبر نمائش	خواجہ حمید احمد بی اے	۱۲؍
۲- تحریک ترقی ملک [illegible]	"	ــ
۳- دنیا کے نمائش	مرتبہ مجلس نمائش معاشی کمیٹی	۸/
۴- تحفہ نمائش	"	۸/

پڑھنے کے قابل کتابیں

۱ - عہد سلف -

بیداری کے لیے ملک کو جس چیز کی ضرورت ہے - وہ اس کی تاریخ ہے - یہ کام تمام زندہ قوموں میں قومی زندگی کا سب سے اصلی اور مقدم منصب ہے - اس کی بدولت سلطنت کی عظمت اور خاندان شاہی کے ساتھ ارادت و عقیدت کا خیال مستحکم ہوتا جاتا ہے - اہل نظر کے پاس مسلم ہے کہ تاریخ سلطنت آصفیہ کو صحیح طریقہ سے لکھنے کی کوشش بہت کم ہوئی ہے -

اس نقص کے دور کرنے کے لیے جناب مولوی محمد مرتضیٰ مرحوم نے قلم اٹھایا تھا - چنانچہ اس سلسلہ میں ان کی تالیف کا پہلا حصہ "عہد سلف" ہے - یہ حضرت آصف جاہ کی سوانح عمری کا مقدمہ ہے - مسلسل بیان قائم کرنے اور صحیح نتائج حاصل کرنے کے لیے مآثر سلطنت اسلامی کے نشو و نما بعہد ہندوستان و دکن میں اسلامی سلطنت کے قیام پر ایک تبصرہ لکھنے کی ضرورت داعی ہوئی - چنانچہ "عہد سلف" میں مرحوم نے ۱۴ سو سال کی تاریخ سلطنت اسلامی پر نہایت دقت نظر سے ایک دلچسپ اسلوب بیان میں تبصرہ کیا ہے - تاریخ اسلام و ہند کے شائقین کو اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے - قیمت ایک روپیہ -

۲ - فوائد بدریہ -

یہ کتاب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک میں نہایت مستند کتاب ہے - سیرت مبارک کی امہات معتبر عربی کتابوں کا یہ ایک بہترین اردو خلاصہ ہے - علاوہ بریں آپ تقریباً (۸۰) سال پہلے کی زبان اور انشا کا بہترین نمونہ ہے - رائل سائز عمدہ ڈبل کاغذ ۴۰۰ صفحات لکھائی چھپائی نہایت نفیس - قیمت تین روپیہ - مجلد چار روپے -

۳ - تفسیر فیض الکریم -

تالیف قاضی بدرالدولہ و مفتی محمد سعید خاں بزبان اردو جس میں تفسیر و شان نزول اور احکام وغیرہ نہایت مستند احادیث و تفاسیر و فقہ سے لکھے گئے ہیں - ۸ جز طبع ہوئے - قیمت چار روپیہ

۴ - ریاض النسواں

قاضی بدرالدولہ کی تالیف فقہ شافعی کی مستند کتاب جس میں نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل صراحت سے لکھے گئے ہیں - ہر شافعی کو اس کی ضرورت ناگزیر ہے - کاغذ چکنا رائل سائز ضخامت ۱۷۰ صفحات قیمت ایک روپیہ تین آنے

۵ - تحفۃ الخلان

تالیف مولوی خلیل اللہ مرحوم فقہ شافعی جس میں بیع وغیرہ معاملات اور فرائض وغیرہ کے مسائل معتبر کتب سے منتخب کر کے لکھے گئے ہیں - کاغذ چکنا رائل سائز ضخامت ۱۷۶ صفحات قیمت ایک روپیہ تین آنے -

۶ - طب قدیم کی تاریخ -

تالیف حکیم محمد اسمٰعیل صاحب - اس تالیف میں طب قدیم کے اسلامی زمانہ کی تاریخ مرتب کی گئی ہے - اور طب جدید کی ابتدائی اساس کو واضح کیا گیا ہے - اس تالیف پر مولف کو انجمن اطبائے دکن سے انعام ملا تھا - قیمت بارہ آنے

۷ - خواتین عہد عثمانی -

تالیف مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی - اس تالیف میں حیدرآباد کے حالیہ دور میں خواتین نے جو ترقی کی ہے - اس کو دلچسپ پیرایہ میں قلم بند کیا گیا ہے - قیمت ایک روپیہ چار آنے

۸ - قرآنی دعائیں -

تالیف مولوی محمد فاروق صاحب بی - اے (عثمانیہ) ایچ - سی - ایس قلب اور روح کی تسکین کا سامان - ہدیہ آٹھ آنے -

۹ - نور علی نور -

تالیف مولوی محمد فاروق صاحب بی - اے (عثمانیہ) ایچ - سی - ایس - قرآن شریف کی ان آیتوں کا انتخاب جو بڑی تاثیر و حلاوت رکھتی ہیں - ہدیہ آٹھ آنے -

ملنے کا پتہ :- دفتر "مجلہ تیلسانین"
احاطہ نمائش گاہ - باغ عام - حیدرآباد دکن

مطبوعات ادارۂ معاشیات

(۱) ہندوستان کے معاشی مسائل از محمد ناصر علی ام۔ اے عثمانیہ لکچرار معاشیات جامعۂ عثمانیہ
رائل سائز۔ ضخامت ۳۰۰ صفحے۔ قیمت چار روپیہ۔

(۲) ہندوستان کی آبادی از ڈاکٹر انور اقبال قریشی پروفیسر معاشیات و معاشی مشیر حکومت
حیدرآباد کراؤن سائز۔ مجلد مع رنگین گرد پوش۔ ضخامت ۳۰۰ صفحے قیمت تین روپے۔

(۳) اسلام اور سود۔ از ڈاکٹر انور اقبال قریشی پروفیسر معاشیات و معاشی مشیر حکومت حیدرآباد
مجلد مع رنگین گرد پوش۔ ضخامت (۲۴۰) صفحے قیمت تین روپے۔

(۴) ہندوستان کی معیشت اور جنگ۔ از محمد احمد خاں بی۔ اے، ال ال بی۔ مجلد مع
رنگین گرد پوش ضخامت ۳۰۰ صفحے قیمت تین روپے۔

(۵) ہندوستان کا نظام زر۔ از ڈاکٹر انور اقبال قریشی پروفیسر معاشیات و معاشی مشیر
حکومت حیدرآباد۔ مجلد مع رنگین گرد پوش ضخامت ۳۰۰ صفحے۔ قیمت تین روپے۔

(۶) ہندوستان کی معاشی ترقی کے لیے ایک لائحہ عمل حصہ دوم۔ مترجمہ سعید احمد مینائی بی۔ اے
ضخامت ۶۰ صفحے۔ قیمت ۱۲ر

(۷) نظری اور عملی معاشیات۔ از محمد ناصر علی ام۔ اے عثمانیہ لکچرار معاشیات
جامعۂ عثمانیہ۔ ضخامت ۸۲ صفحے قیمت ایک روپیہ۔

ملنے کا پتہ

ادارۂ معاشیات۔ فاطمہ منزل۔ حمایت نگر

حیدرآباد۔ دکن

معلوماتِ حیدرآباد

محکمہ اطلاعات سرکارِ عالی کی جانب سے ہر ماہ رسالہ

"معلوماتِ حیدرآباد"

پانچ زبانوں (انگریزی، اُردو، تلنگی، مرہٹی اور کنڑی) میں شائع ہوتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مستند مواد کی فراہمی کے روزافزوں مطالبے کی تکمیل کے مدنظر باشندگانِ ممالکِ محروسہ سرکارِ عالی کی سماجی معاشی اور تعلیمی حالت نیز زندگی کے دوسرے شعبوں کو ترقی دینے کے لیے حکومت کی سرگرمیوں کو عام فہم طرز میں پیش کیا جائے۔

موجودہ جرائد میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو کلیۃً ان امور کے لیے وقف ہو۔ ان میں سے کچھ تو ادب کی خدمت کے لیے۔ چند کا موضوع سیاسیات ہے اور چند کا معاشیات اور روزانہ، سہ روزہ اور ہفتہ وار اخبارات کم و بیش پورے طور پر خبروں اور حالاتِ حاضرہ سے جو صرف حیدرآباد تک محدود نہیں ہیں تعلق رکھتے ہیں۔

"معلوماتِ حیدرآباد" کے پیشِ نظر ایک ایسا خصوصی مقصد ہے جس کی تکمیل سے کسی موجودہ اخبار یا رسالے کے ساتھ خواہ وہ ممالکِ محروسہ میں شائع ہوتا ہو یا اس کے باہر کسی قسم کی رقابت کا امکان پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے برعکس اس رسالے کے مضامین آزادی کے ساتھ اس رسالے کے حوالے سے یا بغیر حوالے کے کل یا جزوی طور پر دوبارہ شائع کیے جا سکتے ہیں۔

یہ رسالہ نہ صرف پبلک کی دلچسپی کے امور فراہم کر کے روزافزوں مطالبے کی تکمیل کرتا ہے بلکہ وہ صحافتی تعاون کا بھی ایک وسیلہ ہے۔

ہر زبان کے رسالے کا سالانہ چندہ تین روپے ہے۔ اس رسالے میں اشتہارات بھی دیے جاتے ہیں۔ نرخ نامہ اشتہارات محکمہ اطلاعات سرکارِ عالی حیدرآباد سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

تحفۂ نمائش

نمائش مصنوعات مملکت آصفیہ کے موقع پر حضرت جلالت مآب مدظلہم العالی خلد اللہ ملکہ کی رونق افروزی اراکین مجلس کی سرفرازی کی موجب رہی۔ عام رعایائے آصفی کیلئے بھی یہ رونق افروزی احسان عظیم کی مترادف ہے۔ مجلس نمائش نے ہر سال ورودِ شاہانہ سے متعلق فوٹو تیار کرائے ہیں۔ اور ہر سال کے وقائع تشریفات شاہانہ کو بڑی تفصیل سے قلمبند کیا ہے چنانچہ اس سال ایک مصور تحفۂ نمائش کی طباعت و اشاعت نمائش مصنوعات مملکتِ آصفیہ کے افتتاح کے موقع پر عمل میں آئی ہے۔

قیمت .... آٹھ آنے

ملنے کا پتہ، دفتر مجلس نمائش باغ عام حیدرآباد دکن

اِلتماس

تبدیلی پتہ | معزز خریدار اصحاب پتہ کی تبدیلی سے براہِ کرم دفترِ مجلہ کو بروقت مطلع فرمائیں

کتب برائے تبصرہ | تنقید و تبصرہ کے لیے کتابیں جو بھیجی جاتی ہیں اس کے دو دو نسخے روانہ فرمائے جائیں۔

اشتہارات | یہ رسالہ ہندوستان کے مشہور اردو معیاری رسالوں میں شمار کیا جاتا ہے اور دور و نزدیک جاتا ہے اس رسالہ کے ذریعہ اشتہارات دینا کاروبار کی ترقی میں ممد و معاون ہوگا۔

مقالہ جات جامعہ عثمانیہ | اِدارہ نے اس کا بیڑا اٹھایا ہے کہ علمی ادبی اعلیٰ سے اعلیٰ مقالوں کے ذریعہ اُردو زبان کی بطورِ خاص خدمت انجام دی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ کے مابعد طیلسان مقالہ جات اس وقت تک (11) شائع ہو چکے ہیں۔ جو اصحاب اپنے مقالوں کی طباعت کے خواہش مند ہوں وہ براہِ کرم مدیر مجلہ سے مراسلت فرمائیں۔

انجمن طیلسانیین عثمانیہ کا سہ ماہی علمی رسالہ

مجلۂ طیلسانیین

(حصۂ عام)

(مدیر)

محمد غوث ام۔ اے۔ ال ال۔ بی (عثمانیہ)

(نائب مدیر)

محمد اکبر الدین صدیقی ام۔ اے

(مہتمم)

محمد نور اللہ بی۔ ایس۔ سی

سالانہ چندہ پانچ روپے علاوہ محصول ڈاک۔ قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

دفتر مجلۂ طیلسانیین۔ نمائش گاہ۔ باغ عام۔ حیدرآباد دکن

ٹیلیفون نمبر ۲۵۵۳

مطبوعۂ انتظامی پریس، حیدرآباد دکن

مجلۂ طیلسانین

(حصۂ عام)

جلد ۹
شمارہ ۴

آبان سنہ ۱۳۵۴ ف
اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء

فہرست مضامین

اداریہ

مجلۂ طیلسانیین کے پیشِ نظر جو کام ہے اُس کے سلسلہ میں بعض اُمور کی توضیح مناسب ہوگی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تا حال مملکت آصفیہ اور عام طور سے دکن کی سیاسی، مذہبی، علمی، ثقافتی، اور معاشی تاریخ، نیز جغرافیہ پر بہت کم کام ہوا ہے، اور بلند پایہ تصانیف موجود نہیں ہیں یا بہت کم موجود ہیں۔ علوم و فنون کی ترقی میں دکن نے جو حصّہ لیا اُس کا کوئی مستند رکارڈ شائع نہیں ہوا ہے۔

دکن کے مختلف تمدنوں، اور باشندوں کے معاشری، مذہبی اور سیاسی اعتقادات افکار اور نظریوں پر کام کرنے کی بہت ضرورت ہے۔

فنونِ لطیفہ، آثاریات، سکوکیات، کتبات وغیرہ، سب تلاش و تحقیق کے وسیع میدانوں کے حامل ہیں۔

اسی طرح مختلف نظام ہائے قانون و معاشرت اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ سے ثقافتی یکجہتی میں ترقی ہو سکے گی۔

یہ بات ظاہر ہے کہ بروقت واحد ان سب موضوعات پر بلند پایہ ادب مہیا نہیں ہو سکتا۔ بڑی بڑی تصنیفوں سے قبل مضمونوں اور مقالوں سے ہی ابتدا ہو سکتی ہے۔

مجلۂ طیلسانیین کے پیش نظر یہ امر ہے کہ وہ اس نوعیت کے مضمونوں اور مقالوں کا مخزن قرار پائے، اور معقول معاوضہ دے کر مضامین و مقالات لکھوائے۔

اسی طرح مجلہ کی یہ کوشش ہے کہ وہ ایسی خصوصیتیں پیدا کرے جو اُعلیٰ رسائل

ومجلات میں کم نظر آتی ہیں۔ حیدرآباد میں اسلامک کلچر نے انگریزی میں مضامین اور مطبوعات وغیرہ کی جو روایات قائم کی ہیں، اُن کا حامل حیدرآباد کے کسی نہ کسی اُردو مجلّہ کو بھی ہونا چاہیئے۔ کیا عجب ہے کہ یہ توقع مجلۂ طیلسانیین سے پوری ہو۔

اب بھی مجلّہ جن خصوصیتوں کا حامل رہا ہے، اُن کا تذکرہ نامناسب نہیں:-

(۱) مجلہ میں جامعۂ عثمانیہ کے مابعد طیلسان امتحانات کے لئے لکھے ہوئے مقالات کی طباعت عمل میں آتی ہے۔ توقع ہے کہ اس طرح اُردو زبان کی معیاری تالیفات کے ذخیرہ میں روز افزوں اضافہ ہوگا۔ نئے مقالے جو لکھے جاتے رہیں گے اُن کا کوئی شمار نہیں۔

(۲) ان مقالوں کے علاوہ مجلّہ نے یہ کوشش کی ہے کہ خاص خاص علوم و فنون اور ضروری موضوعات پر اہل علم سے معیاری مقالے لکھوائے۔ چنانچہ متقابلہ علم اصول قانون پر جناب مولوی فاضل ڈاکٹر میر سیادت علی خاں صاحب کے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا تھا، اور یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں کہ اس موضوع پر مجلّہ میں ہی پہلی مرتبہ اُردو میں قلم اُٹھایا گیا۔

(۳) حیدرآباد میں قلمی کتابوں کے جو عظیم الشان ذخائر محفوظ ہیں، وہ بیرونِ مملکتِ آصفیہ کم روشناس ہیں۔ حالانکہ ان کی اہمیت بے اندازہ ہے۔ ان بیش قیمت ذخائر کی ایسی تفصیلی فہرستیں جو طالبانِ علم کی رہبری کر سکیں، اور جو عصری نقطۂ ہائے نظر اور موجودہ ضروریات کے تحت لکھی گئی ہوں۔ گویا ناپید ہیں۔ ایک آدھ فہرست جو مرتب اور شائع ہوئی ہے، وہ آٹے میں نمک کے مصداق ہے۔ ملک کے ان نایاب ذخائر سے طالبانِ علم کو واقف کرانے کے لئے مجلہ میں خاص مضامین کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

(۴) قلمی کتابوں کی طرح مملکت آصفیہ میں تاریخی اہمیت کے بے شمار کاغذات مہیا ہیں۔ ان سے اب تک کما حقہٗ استفادہ نہیں کیا گیا۔ بیرونِ ملک سے قطع نظر خود اندرونِ ملک

لوگ اپنے ملک کے قومی ذخائر کاغذات سے محض ناآشنا ہیں، مجلّہ کی یہ کوشش ہے کہ اس کے صفحات پر اصلی کاغذات تصاویر کے ساتھ بکثرت شائع ہو کر ملک کی تاریخ کو روشنی میں لائیں۔

(۵) معاشیات کے موضوع کے لئے مجلّہ کا ایک پورا حصّہ مختص ہے۔ اردو رسائل و مجلّات کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ معاشیات جیسے اہم اور ضروری موضوع کے لئے گویا ایک خاص مجلّہ مختص ہوا۔

اس طرح توقع ہے کہ مجلہ کے صفحات پر چاہے وہ عام حصہ میں ہوں یا حصۂ معاشیات میں، ایسے مقالے اور مضامین شائع ہوں گے جو مملکت آصفیہ کے صحیح اور حقیقی حالات کے آئینہ دار ہوں گے، جن سے حیدرآباد کے متعلق بیرونِ مملکت صحیح رائے قائم ہو سکے گی نیز قلمی کتابوں اور کاغذات تاریخی سے بھی بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی اہل علم آگاہ ہو کر استفادہ کے مواقع تلاش کریں گے۔ ان حالات میں مجلّہ اہل ملک کی ہمت افزائی کا بدرجۂ اتم مستحق ہے۔

یہاں یہ توضیح بے محل نہ ہوگی کہ اخبارات کے مقابلہ میں علمی مجلّات کے لئے سرکار عالی کی جانب سے کوئی اعانت نہیں ہوتی ہے، مثلاً :-

۱۔ اخبارات کو کاغذ بازار کی مقررہ قیمت سے بہت کم قیمت میں دلایا جاتا ہے۔

۲۔ اخبارات کو خبر رساں اداروں سے بلامعاوضہ روزانہ خبریں فراہم کی جاتی ہیں اور اس کے معاوضہ میں سرکار عالی کئی ہزار روپیہ خبر رساں اداروں کو خود ادا فرماتی ہے۔

۳۔ اخبارات کو نقد امداد بھی مرحمت ہوتی ہے۔

۴۔ اخبارات کو اشتہارات بھی فراہم کئے جاتے ہیں۔

ان حالات میں اگر دفاتر سرکاری کو اخبارات کی خریدی سے سرکار نے منع کر دیا ہے تو اس سے اخبارات کو کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ اس کے برخلاف علمی مجلّات کو جو کسی

رعایت سے متمتع نہیں ہیں، سخت مشکل کا سامنا ہے۔

سررشتۂ تعلیمات سے بھی علمی رسائل کو کوئی ایسی امداد نہیں ہو رہی ہے جس سے کام چل سکے

کاغذ کی گرانی بلکہ نایابی کے اس عالم فشار میں مجلہ کو اپنے مستقبل کے متعلق ہر وقت تشویش رہتی ہے۔ سرکار عالی نے اخبارات کی امداد وتائید کے لئے جس فیاضی سے انتظام فرمایا ہے اُس کی کوئی مثال مملکت آصفیہ سے باہر نہیں مل سکتی۔ اس کے برخلاف علمی مجلات سرکار عالی کی کسی اعانت وتائید سے متمتع نہیں ہیں۔ سررشتۂ تعلیمات نے علمی مجلّات اور رسائل کی تائید کا وہ سامان مہیا نہیں کیا جو سررشتہ اطلاعات عامّہ نے اخبارات کی تائید واعانت کے لئے فراہم کیا ہے۔

جامعۂ عثمانیہ کے استحکام کے لئے خود حیدرآباد سے اچھے معیار کے پابندِ وقت اُردو رسائل ومجلات کی اشاعت بھی نہایت ہی ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی صاحب علم کے ابتدائی نتائج تحقیقات علمیہ کی اشاعت رسائل ومجلات کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ اسی ذریعہ سے دنیا کے ارباب علم میں باہمی ربط قائم رہتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت بہت دل شکن ہے کہ اُردو زبان کے اکثر رسائل ومجلات زیادہ تر ادبیات اور معمولی موضوعات کے گرداب میں سرگرداں ہیں ان رسائل ومجلات سے یہ اُمید رکھنا کہ وہ کسی جامعہ کے استحکام اور تقویت کا باعث ہونگے فضول ہے۔

جب ہو. وستان کے اُردو رسائل ومجلات کی یہ حالت ہے تو حیدرآباد کے رسائل ومجلّات ا. ستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔

غرض حیدرآباد میں علمی رسائل ومجلات کے معیار کو بلند کرنا عامۃ النّاس اور زیادہ تر طیلسانی برادرون کی ہمت اور توجہ پر موقوف ہے۔ مجلّہ طیلسانیین اہل ملک اور طیلسانی برادرون کی روز افزوں توجہ کے لئے مخلصانہ طور پر ملتمس ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منشور اقوامِ متحدہ

مرتبہ سان فرانسسکو کانفرنس

از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذِ قانون جامعۂ عثمانیہ

نظامِ عالم کی سابقہ کوششیں حریص و خودغرض انسان ڈر اور طمع کے دوگونہ عامل کے تحت اپنے ہم جنسوں سے تعاون پر آمادہ ہوتا اور اپنی آزادیٔ عمل میں ایثار گوارا کرتا ہے۔ تعاون نہ کرنے پر پیدا ہونے والے خطرے، اور تعاون کرنے پر حاصل ہونے والے مفاد جب زیادہ اہمیت رکھتے نظر نہیں آتے ہیں، تو من مانے کام کرنا اور اپنے ہم جنس غیروں کی ذات و جائداد کو اپنی خدمت کے لئے جبراً مسخّر کرلینا اس کی عادت رہی ہے۔

اولاً خاندان کی جگہ قبیلہ وار نظام میں شرکت اور اسی کی بستی میں سکونت۔ پھر قبائل کا شہری مملکت میں شرکت، پھر شہروں کا مملکتوں میں انضمام، پھر شہنشاہتوں اور دولت ہائے عامہ کے تحت رہنے پر بخوشی آمادگی، اسی ڈر اور طمع کے تحت تھا۔

ایک طرف یہ تو دوسری طرف ہابیل و قین (یعنی قابیل) کا سگے بھائی ہونے کے باوجود لڑ پڑنا ایک ایسا واقعہ ہے جو دوسرے پہلو کی نمایندگی کرتا ہے، اور محورئین اور متحدین کی دوسری عالمگیر جنگ اسی برادر کُشی کا بڑے پیمانہ پر اعادہ تھا اور کچھ نہیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جنگ اور باہمی کشمکش ہی تاریخ انسانی میں تمدنی ترقی کا سبب

بڑا باعث رہا ہے، صنعتی اور مادّی ترقیاں ہی نہیں، ذہنی تصورات اور نظریات کی "ایجاد" بھی اکثر جنگ کی "بدی" کا "نیک" نتیجہ رہے ہیں۔ علمی دنیا سے قطع نظر مذہبی شعبۂ حیات میں اگر پورا مواد حاصل ہو اور گہری تحلیل کی جائے تو خود پیغمبروں اور روحانی مصلحوں کی آمد و تبلیغ بھی ان کی قوموں کی خانہ جنگیوں اور بے لگام و مضر آزادیوں (بلکہ اباحیتوں) کا نتیجہ ثابت ہوگی۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ ہوں کہ گوتم بدھ و کنفوشس، حضرت پیغمبر اسلام ہوں کہ کوئی اور، سب کے دور تبلیغ و اصلاح کا پس منظر ان کے ملک کی طوائف الملوکی، اور اخلاقی بے راہ روی ہی نظر آئے گی۔

جب انتقام اور جوابی انتقام کے طویل اور از دیاد رفتہ سلسلے نے یہ ناممکن بنا دیا ہو کہ کسی ایک فریق کو مکمل ظالم یا مکمل مظلوم قرار دیا جا سکے تو بھول جاؤ اور بھلا دو کی تعلیم دے کر ایک ہمہ گیر اور وسیع تر نظام معاشرت کی تحریک شروع ہوتی ہے۔ یا جب کوئی فاتح جیت جانے کے باوجود انتقام سے بے خوف نہ رہ سکے، اور اپنی فتح کو مستحکم بنانے کا خواہشمند ہو تو حلیفوں و ہمنواؤں کے حصول کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ انسانی فطرت کی بعض کمزوریوں کے باعث دونوں ہی کوششیں زیادہ دن کامیاب نہیں رہتی رہی ہیں، پھر بھی اول الذکر کی اخلاقی اساس ہم سے خراج احترام وصول کرنے کی مستحق ہوتی ہے۔ تو آخر الذکر اپنی خود غرضی کے باعث اس سے بھی عاری ہوتی ہے۔

عالمگیر وحدانی حکومت اور عالمگیر وفاق

نظام عالم کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ تمام دنیا میں ایک ہی سلطنت قائم ہو جائے۔ اس کا خواب نمرودوں سے لے کر زمانۂ حال کے مردودوں تک سب ہی پکاتے رہے ہیں، مگر وہ آج تک پوری طرح شرمندۂ تعبیر کبھی نہیں ہو سکا کوئی قیصر دنیا کو "رومی کرہ" کہتا تھا تو کوئی مغل جہاندار کا لقب اختیار کرتا تھا، مگر سوائے اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی لفاظی کے اس کے معنے کچھ اور نہ تھے۔ اسی لئے نظام عالم کی ان "کوششوں" کا یہاں ذکر غیر ضروری ہے۔

دوسری صورت آقائی و ماتحتی کی جگہ مساوات و اشتراک کے ذریعے سے نظامِ عالم کا قائم کرنا ہے جو ایک طرح سے مملکت ہائے عالم کا وفاق کہا جا سکتا ہے۔

مذہبی کوششیں | حضرت موسیٰ کی جو تعلیم موجودہ توریت میں ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ فلسطینی عمالقہ کی سات عرب قوموں کو زن و فرزند ہی نہیں مال و منال کے ساتھ دنیا سے نیست و نابود کر دیا جائے البتہ مابقی دنیا کو خراج گذار اور اطاعت شعار بننے پر زندہ رہنے اور ماتحتانہ گزر بسر کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ (توریت، کتاب تثنیہ ۲۰/۱۰تا۱۴) بظاہر یہ یک قومی فتح عالم کی تجویز ہے، اور یہودیوں میں نسلی مذہب ہے، تبلیغ نہیں، اسی لئے ہم اسے نظر انداز کر دیتے۔ لیکن قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کی جو تعلیم ملتی ہے وہ فرعون اور مصریوں میں خدا پرستی کی تبلیغ ہی سے آغازِ کار کرتی معلوم ہوتی ہے، اور مذہب کو نسلی کی جگہ عالمگیر بنانا ایک قابلِ ذکر اقدام کہا جا سکتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کے متعلق متی کی اس روایت کی تاویل کر لیں جس میں انھوں نے ایک غیر یہودی عورت کو تبلیغ سے انکار کیا تھا، اور اس روایت کو صحیح باور کر لیں جس کے مطابق انھوں نے دنیا کے ہر حصہ میں تبلیغ مسیحیت کے لئے بارہ حواری روانہ کئے تھے، تو بھی مسیحیت اور سیاسی نظام میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ ایک تو حضرت مسیحؑ کی محبت و ایثار کی عظمی تعلیم (انجیل متی ۲۹) اور دوسرے یہ تصریح کہ مسیحیت کا تعلق اس دنیا کی بادشاہت سے نہیں ہے۔ (انجیل یوحنا ۱۸/۳۶) یا سیاسی چیزیں بادشاہ پر اور مذہبی چیزیں کلیسا پر چھوڑ دو (انجیل متی ۲۲/۲۱) اسی بنا پر ہم مجبوراً اسے اپنی بحث سے خارج کر دیتے ہیں۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد نے مساواتِ انسانی و فضیلت پرہیزگاراں کا اعلان فرمایا (قرآن مجید ۴۹/۱۳) اور اپنی دعوت کو عالمگیر رکھنے (قرآن ۲۱/۱۰۷، ۷/۱۵۸، ۳۴/۲۸، ۲۱/۱۰۷) کے علاوہ چند بنیادی عقائد کی اساس پر مذاہبِ عالم کے وفاق کا اصول مقرر فرما دیا:-

"بے شک جو لوگ (تجھ پر، اے محمد) ایمان لائیں اور جو لوگ یہودی ہیں اور صابی اور نصرانی، جو بھی خدا اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو ان کو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ملے گا اور نہ ان کے لئے کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" (قرآن ۲/۶۲، ۵/۶۹)

آنحضرت نے دنیا میں مسلمانوں کی نہیں بلکہ "خدا کی حکومت" (قرآن ۵/۴۹ وغیرہ) قائم کرنے اور خدائی قوانین نافذ کرنے کی مشن اختیار فرمائی اور اپنے متبعین کو سونپی۔ اور عہدِ نبوی کے نظامِ حکومت میں خدائی راج

ا؎ قرآن مجید (۳/۶۴) میں بھی اہل کتاب کو کلمۂ سواء یعنی مساوات کی اساس پر وفاق کی دعوت ہے۔

(یعنی ترکی دماسکو) پندرہ مساوی الحجم و مستوی المذاہب ریاستوں میں بانٹ دیا جائے۔ (ظاہر ہے کہ جس کو اپنے علاقے کے کچھ حصے سے دست بردار ہونا پڑتا اُس سے منوانا ٹیڑھی کھیر تھی) اور تین مذہب مسلمہ قرار دیے گئے: کیتھولک، پراٹسٹنٹ اور رفرمسٹ۔ اسی طرح دستور میں شاہی، امرائی، عمومی یا مخلوط کی اجازت دی گئی تھی۔ ایک مشترکہ تحکیم اور مرکزیہ کی بھی تجویز تھی، پھر مرکزیہ کی جگہ تین سال بعد یہ ترمیم کی گئی کہ سات منطقہ وار مجالس یورپ کے سات اہم حصوں میں ہوں۔ پوپ سے بھی وابستگی پیدا کی جائے اور یہ وفاقِ یورپ ناقابل فسخ ہو۔

سولھویں صدی کی ہولناک اور لرزا دینے والی مذہبی جنگیں ختم ہوئیں تو امن نوازی کے لئے یہ خاکہ تیار کیا گیا اور اس پر شاہ فرانس بزور عمل کرانے کے لئے آمادہ بھی ہو گیا تھا کہ قدرت کو انسانوں پہ رحم آگیا اور بادشاہ کو داعیِ اجل کے سامنے لبیک کہنی پڑی۔

اسپین کی جنگ جانشینی کے بعد پادری سین پیئیر (فوت ۱۷۴۳ء) نے دو جلدوں میں "یورپ میں دوامی امن کی ایک تجویز" مرتب کی جس کا اہم امر یہ تھا کہ ایک طرح کا قانون بین الممالک بنا کر سب اس پر عمل کریں اور نزاعات کی اس سے یکسوئی ہو۔

امریکا کی جنگِ آزادی ختم ہوئی تو انگلستان کے ایک مشہور عالم بنتھام نے جس کی وفات ۱۸۳۲ء میں ہوئی ۱۷۸۹ء میں ایک کتاب لکھی جو اس کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ مستقل و عالمگیر امن کے لئے اس کی رائے میں یہ ضروری تھا کہ انگلستان اور فرانس اپنی نوآبادیوں سے دست بردار ہو جائیں، اور اپنے بحریے میں بڑی تخفیف کر دیں، نیز ممالکِ یورپ کے اسلحہ کی تخفیف و تعیین ہو۔ وزارت خارجہ کا ہر کام علانیہ ہو اور کوئی بات راز میں نہ رکھی جائے۔ ایک مجلسِ تحکیم یورپ بنے، مگر فیصلے کو نہ ماننے والے فریق کے خلاف اس نے بجز طرد اور جات باہر قرار دینے کے کوئی اور تہدید یا تدارک مہیا نہیں کیا۔ اس پر عمل تو کون کرتا لیکن نوآبادیوں کی آزادی واقعی اب زیادہ سنجیدہ غور کی مستحق ہو گئی ہے۔

انقلاب فرانس کے زمانے میں جرمن فلسفی کانت نے بھی ۱۷۹۵ء میں دوامی امن کی ایک تجویز پیش کی کہ یورپ میں صرف جمہوریتیں رہیں، اور ایک وفاق جماہیر یورپ قائم کیا جائے۔ یورپی سلطنتیں

اپنی افواج قائمہ برخاست کردیں۔ بیرونی قرضے مسدود کردیں، بیرونی ممالک کے معاملات میں دخل دہی بند کردیں، اور سرحدوں کی حد تک حالتِ موجودہ برقرار رکھی جائے۔ — مگر ایسی باتیں کہاں سُنی جاتی ہیں۔

سنہ ۱۸۱۵ء میں برطانیا، پروشیا، روس اور آسٹریا نے چار بڑوں کی نظارتِ یورپ قائم کی تاکہ ناپولیون سے بنٹھا جائے اور یہ لوگ جو طے کریں وہ تمام یورپ کی طرف سے نافذ سمجھا جائے۔ یہ متعدد ممالک کی مساوات پر ایک ضرب تھی۔ اور بڑوں اور چھوٹوں میں تقسیم ظاہر ہے کہ چھوٹے ممالک کو پسند نہ تھی۔ اس لئے فوری ضرورتوں کے ختم ہونے پر یہ زیادہ دن چل بھی نہ سکی۔

ابھی چند سال قبل فرانس کے وزیر خارجہ بریاں نے مجلس اقوام کے اندر ایک اتحادِ یورپ کے قیام کی تجویز اُٹھائی تھی، مگر اہل یورپ میں اتنی سمجھ ابھی کہاں تھی کہ آپس کی خونریزیوں کی جگہ امن اور ملاپ کے لئے اتحاد کرسکیں۔

۳ - اتحادِ عالم

دانتے کی تجویز کو (جسے ہم نے قسم اول میں رکھا ہے) بعض پُرجوش مؤلف اس جگہ بھی بیان کرتے ہیں لیکن وہ اتحادِ عالم نہیں، بلکہ دنیا کو یورپ یا عیسائیت کے ماتحت بنانے کی تجویز تھی۔ اس لئے اس سے ہم یہاں بحث نہیں کرسکتے۔

بلا لحاظ مذہب و ملک اتحادِ عالم کی واقعی تجویز سنہ ۱۶۲۳ء میں ایک فرانسیسی مؤلف امے رک کروسے نے "نئے زمانے کا سینیا" نامی کتاب میں پیش کی تھی۔ پُرانا سینیا ایک وزیر تھا جس نے یونان کی ایک ریاست کے فرماں روا پیروس کو مشورہ دیا تھا کہ صقلیہ، روما اور قرطاجنہ فتح کرلینے کے بعد آرام لے کہ باقی دنیا اس قابل نہیں ہے کہ اس کی فتح کی زحمت گوارا کی جائے۔ نیا سینیا بھی بادشاہوں کو اپنے موجودہ مقبوضات پر قناعت کا مشورہ دیتا ہے۔ اس کے مطابق ایک مجلس رؤسا و وزراء عالم شہر وینیس میں قائم ہو تاکہ بین الممالک نزاعات میں تحکیم کرے۔ یورپ کی مشہور تیس سالہ جنگ کے دوران میں ایک [illegible] ... [illegible] تھی جو اپنے [illegible] اور جدت پسندی کے باعث

حیرت انگیز کہی جا سکتی ہے۔ اور اس تجویز کے بہت سے خط و خال بعد میں زیر عمل بھی آ گئے۔

انقلاب فرانس کے بعد زار الگزانڈر نے اپنے وزیر آدم تسارتو روسکی کے ذریعے سے یہ کوشش کی کہ برطانیا و روس میں خارجہ سیاست کے متعلق اتحاد ہو جائے۔ امن عالم کے لئے اقوام کی جائز خواہشوں کی تکمیل کی جائے۔ (چنانچہ بعض یورپی اقوام کو دیگر یورپی اقوام کے تسلط سے نجات دلائی جائے۔) بیرونی امن محتاط تبادلۂ آبادی کے ذریعے سے حاصل کیا جائے۔ قانون بین الممالک کی تدوین ہو اور اس کی تعمیل کے لئے ایک مجلس اقوام قائم کی جائے جس میں برطانیا و روس دو بڑے سرگروہ ہوں۔ نزاعات میں لازمی ثالثی ہو اور ثالثی کے بغیر جنگ نہ شروع کی جائے۔ رعایا کی رضا داخلی و خارجی دونوں قسم کے امن کے لئے ضروری ہے۔ اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مزید استحکام امن کے لئے سرحدوں کا تعین فطری ضروریات کے مطابق کیا جائے۔ انگلستان کے عملیت پسند وزراء کی سرد مہری سے یہ تجویز داخل دفتر ہو گئی۔

اس کے تقریباً سو سال بعد ۱۹۱۹ء میں مجلس اقوام قائم ہوئی، اور چونکہ اس کا اہتمام اہل یورپ کے ہاتھ میں رہا اس لئے ان کی خود غرضیوں نے نااہلیوں سے بڑھکر اس اچھے ادارے کو بیس سال کی عمر میں جوانا مرگ کر دیا۔

اب ۱۹۴۵ء میں "اقوامِ متحدہ" کے نام سے ایک نیا ادارہ مجلس اقوام ہی کے اصول پر قائم کرنا طے ہوا ہے، لیکن اب ان خدائی فوجداروں کے ہاتھ میں کھلونے کی جگہ ہتیار بھی دینے کی تجویز ہے، امریکا، روس اور برطانیا کی ناخدائی میں اس ناؤ کا کیا حشر ہوگا۔ اور فرانس کے قوت پکڑنے پر کیا مزید اثرات کام کریں گے، اس کے متعلق ابھی کچھ کہنا مناسب نہیں۔ البتہ مجوزہ "منشور" کی دفعہ ۱۰۷ میں یہ صراحت بدفالی پیدا کر رہی ہے کہ فاتحین اپنے مفتوحوں کے ساتھ جو بھی کریں وہ جائز اور منصفانہ سمجھا جائیگا۔ اس سے اب نہیں تو آئندہ انتقام کی تیاری شروع ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

سچ تو یہ ہے کہ جبتک کوئی غیر ارضی دشمن (مثلاً مریخ کے باشندے) زمین پر حملہ آور ہو کر جملہ اہل زمین کیلئے مشترکہ دشمن نہ بن جائیں، بنی نوع انسان کا اتحاد جو قابیل (قین) کی بری نظیر کے باعث ممکن ہی نہیں معلوم ہوتا

اقوامِ متحدہ کے منشور کا ترجمہ

ہم، اقوامِ متحدہ کے لوگ، یہ عزم کر چکے ہیں کہ آئندہ نسلوں کو جنگ کی مصیبت سے، جو ہمارے زمانۂ زندگی میں دو مرتبہ بنی نوع انسان کے لئے ان گنت تکلیفیں لا چکی ہے محفوظ رکھیں، اور بنیادی انسانی حقوق، انسانی شخصیت کی عزت اور قدر و قیمت میں، عورتوں اور مردوں کے نیز قوموں کے (چاہے بڑی ہوں یا چھوٹی) مساوی حقوق رکھنے میں اپنے ایقان کی مکرر تصدیق کریں، اور ایسے حالات قائم کریں جن کے تحت انصاف اور معاہدات نیز دیگر ماخذ ہائے قانونِ بین الممالک سے پیدا ہونے والے واجبات کا احترام برقرار رکھا جا سکے، اور

سماجی پیش روی اور بہتر میار ہائے زندگی کو وسیع تر آزادی کے ساتھ ترقی دیں۔

اور ان غایات کے لئے

رواداری پر عمل کریں، اور ایک دوسرے کے ساتھ باہم پُر امن طور پر اچھے ہمسایوں کی طرح رہیں، اور

بین الممالک امن اور تحفظ کو برقرار رکھنے کیلئے اپنی قوت کو متحد کریں، اور

اُصولوں کو قبول کر کے اور طریقوں کو مقرر کر کے اس کا اطمینان حاصل کریں کہ مسلح طاقت کا استعمال نہیں کیا جائے گا، بجز مشترکہ مفاد کے، اور

جملہ لوگوں (قوموں) کی معاشی اور سماجی پیش روی کی ترقی کے لیے بین الممالک نظم کار قائم کر کے یہ قرار دے چکے ہیں کہ ہمارے مساعی کو ان اغراض کے حصول کے لئے یکجہت کریں۔

اسی لئے ہماری متعلقہ حکومتوں نے اپنے نمائندے کے ذریعے سے (جو شہر فرانسسکو میں جمع ہوئے تھے، اور جنھوں نے اپنے مکمل اختیارات رکھنے کی دستاویزیں بتائیں جو ٹھیک اور باقاعدہ

پائی گئیں) اقوام متحدہ کے منشورِ ہذا سے رضامندی ظاہر کی ہے، اور دو مذیلۂ ہذا ایک بین الممالک تنظیم قائم کرتی ہیں جس کا نام "اقوام متحدہ" ہوگا۔

پہلا باب

مقاصد اور اُصول

دفعہ (۱)

مقاصد | اقوام متحدہ کے مقاصد یہ ہیں:۔

۱ـ بین الممالک امن وتحفظ کو برقرار رکھنے اور اس غرض کے پیشِ نظر، امن کو دھمکانے والی چیزوں کا سدِ باب اور ازالہ کرنے اور اقدامی کارروائیوں یا دیگر امن شکنیوں کو دبا دینے کے لئے مؤثر اجتماعی تدبیریں اختیار کرنا، اور مسالمانہ ذرائع سے اور انصاف وقانونِ بین الممالک کے اُصول کے مطابق ان بین الممالک جھگڑوں یا صورت ہائے حال کی یکسوئی یا تسویہ کرنا جو امن شکنی کی طرف لے جاسکتی ہوں۔

۲ـ قوموں کے مابین ایسے دوستانہ تعلقات کو ترقی دینا جو مساوی حقوق اور اقوام کی خود تعینی کے اصول کے احترام پر مبنی ہوں، اور ایسی دیگر موزوں تدبیریں اختیار کرنا جن سے عالمگیر امن کو تقویت حاصل ہو۔

۳ـ کسی معاشی، سماجی، ثقافتی، یا رفاہی نوعیت کی بین الممالک گتھیوں کے سلجھانے میں نیز حقوقِ انسانی اور بلا امتیازِ نسل یا جنس یا زبان یا مذہب سبھی کی بنیادی آزادی اور انسانی حقوق کے احترام کو ترقی دینے اور حوصلہ افزائی کرنے میں بین الممالک تعاون حاصل کرنا؛ اور

۴ـ ان مشترکہ غایات تک پہونچنے کے لئے اقوام کی کارروائیوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا مرکز رہنا۔

دفعہ (۲)

یہ تنظیم اور اس کے ارکان، دفعہ (۱) میں بیان شدہ مقاصد کی پیروی میں مندرجۂ ذیل اصولوں کے

مطابق کارروائی کریں گے :-

۱۔ یہ تنظیم اس اُصول پر مبنی ہے کہ اس کے جملہ ارکان متعدد مساوات رکھتے ہیں۔

۲۔ جملہ ارکان، اس غرض کے لئے کہ رکنیت سے جو حقوق و فوائد حاصل ہوتے ہیں اُن کا سب کے لئے یقین حاصل ہو، نیک نیتی کے ساتھ ان واجبات کو پُورا کریں گے جو منشور ہذا کے مطابق اُنھوں نے اختیار کئے ہیں۔

۳۔ جملہ ارکان اپنے بین الممالک جھگڑوں کا مسالمانہ وسائل سے اس طور پر تسویہ کریں گے کہ بین الممالک امن و تحفظ اور انصاف کو خطرہ نہ لاحق ہو۔

۴۔ جملہ ارکان اپنے بین الممالک تعلقات میں اس امر سے باز رہیں گے کہ کسی مملکت کی ارضی کاملیت یا سیاسی خود مختاری کے خلاف دھمکی یا جبر کو کام میں لائیں یا کوئی بھی ایسا طریقہ (اختیار کریں) جو اقوام متحدہ کے مقاصد کے مغائر ہو۔

۵۔ جملہ ارکان "اقوام متحدہ" کو ہر اس کارروائی میں جو وہ دستور ہذا کے مطابق کرے ہر طرح کی مدد دیں گے، اور اس بات سے باز رہیں گے کہ کسی ایسی مملکت کو مدد دیں جس کے خلاف اقوام متحدہ انسدادی یا اجباری کارروائی اختیار کر رہی ہو۔

۶۔ یہ تنظیم اس بات کا یقین حاصل کرے گی کہ جو مملکتیں اقوام متحدہ کی رکن نہیں ہیں وہ انھیں اصولوں کے مطابق کارروائی کر رہی ہیں جہاں تک کہ بین الممالک امن و تحفظ کے برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو۔

۷۔ منشور ہذا میں درج کی ہوئی کوئی چیز بھی اقوام متحدہ کو اس کا مجاز نہیں کرتی کہ ایسے معاملات میں دخل دہی کرے جو اساساً کسی مملکت کے گھریلو اختیار سماعت میں ہوں۔ یا ارکان سے مطالبہ کرے کہ منشور ہذا کے تحت تسویے کے لئے وہ ایسے معاملات کو پیش کریں، لیکن یہ اُصول ساتویں باب میں بیان شدہ اجباری تدبیروں کے اطلاق کو متاثر نہیں کرتا۔

دوسرا باب

رکنیت

دفعہ (۳)

اقوام متحدہ کی ابتدائی رکن وہ مملکتیں ہوں گی جنھوں نے سان فرانسسکو میں بین الممالک تنظیم کے متعلق منعقد شدہ کانفرنس اقوام متحدہ میں حصہ لیا ہو، یا سابق ہی میں اقوام متحدہ کی طرف سے ۱۲ جنوری ۱۹۴۲ء کو کئے ہوئے اعلان پر دستخط کر دیے ہوں، اور منشور ہذا پر دستخط کر کے دفعہ (۱۱۰) کے مطابق اس کی توثیق کریں۔

دفعہ (۴)

۱۔ اقوام متحدہ کی رکنیت دیگر اُن تمام امن پسند مملکتوں کے لئے کھلی ہوئی ہے جو منشور ہذا میں درج شدہ واجبات کو قبول کریں، اور تنظیم کی رائے میں وہ ان واجبات کی تکمیل کے قابل اور اس پر آمادہ ہیں۔

۲۔ کسی مملکت کا اقوام متحدہ میں داخلہ مجلس عام کے فیصلے سے مجلس تحفظ کے مشورے سے ہوگا۔

دفعہ (۵)

جس رکن اقوام متحدہ کے خلاف مجلس تحفظ نے انسدادی یا اجباری کارروائی کی ہو، اسے مجلس تحفظ کی سفارش پر مجلس عام رکنیت کے حقوق و امتیازات کے استعمال سے معطل کر سکے گی۔ ان حقوق و امتیازات کو مجلس تحفظ بحال بھی کر سکے گی۔

دفعہ (۶)

جس رکن اقوام متحدہ نے منشور ہذا میں درج شدہ اُصولوں کی مستقل طور پر خلاف ورزی کی ہو، اُسے مجلس تحفظ کی سفارش پر مجلس عام تنظیم سے خارج کر سکتی ہے۔

تیسرا باب

آلہ ہائے کار

دفعہ (۷)

(۱) اقوام متحدہ نے اصل آلہ ہائے کار کے طور پر حسب ذیل انتظامات قائم کئے جاتے ہیں :- ایک مجلس عام، ایک مجلس تحفظ، ایک معاشی وسماجی مجلس، ایک مجلس امینی، ایک بین الممالک عدالت انصاف، اور ایک معتمدی۔

(۲) ایسے ذیلی آلہ ہائے کار جن کی ضرورت محسوس ہو، منشور ہذا کے مطابق قائم کئے جا سکیں گے۔

دفعہ (۸)

اقوام متحدہ اپنے اصلی و ذیلی آلہ ہائے کار میں کسی حیثیت سے حصہ لینے اور مساوات کی حالت میں ہونے کے متعلق مردوں اور عورتوں کی اہلیت پر کوئی پابندیاں نہیں عائد کرتی۔

چوتھا باب

مجلس عام

تشکیل

دفعہ (۹)

(۱) مجلس عام، اقوام متحدہ کے جملہ ارکان پر مشتمل ہوگی

(۲) کسی رکن کے مجلس عام میں پانچ سے زیادہ نمائندے نہیں ہونگے۔

وظائف واختیارات

دفعہ (۱۰)

مجلسِ عام کسی بھی مسئلے یا معاملے پر بحث کرسکے گی جو منشورِ ہذا کے دائرے کے اندر یا منشورِ ہذا میں مقرر کئے ہوئے آلہ ہائے کار کے وظائف و اختیارات سے متعلق ہو؛ اور بجز اس کے جس کا ذکر دفعہ (۱۲) میں ہے؛ ارکانِ اقوامِ متحدہ یا مجلسِ تحفظ یا دونوں کے پاس ایسے مسائل یا معاملات پر سفارشیں کرسکتی ہے۔

دفعہ (۱۱)

(۱) مجلسِ عام بین الممالک امن وتحفظ کو برقرار رکھنے میں تعاون کے عام اصولوں پر بشمول اُن اُصولوں کے جو بے اسلحگی اور اسلحہ میں باقاعدگی پیدا کرنے پر مؤثر ہوں، غور کرسکتی ہے۔ اور ایسے اُصولوں کے متعلق ارکان یا مجلس تحفظ یا دونوں کے پاس سفارشیں کرسکتی ہے۔

(۲) مجلس عام ایسے کسی مسائل پر بحث کرسکتی ہے جو بین الممالک امن وتحفظ کی برقراری سے متعلق ہوں اور اس کے سامنے اقوامِ متحدہ کا کوئی رکن یا مجلس تحفظ یا کوئی ایسی مملکت جو اقوامِ متحدہ کی رکن نہیں ہے، حسب دفعہ (۳۵) ضمن (۲) پیش کرے، اور بجز اس کے جس کا ذکر دفعہ (۱۲) میں ہے؛ ایسے مسائل کے متعلق، متعلقہ مملکت یا ممالک یا مجلس تحفظ یا دونوں کے پاس سفارشیں کرسکتی ہے۔ ایسا کوئی مسئلہ جس میں کارروائی کی ضرورت ہو مجلس عام بحث کے پہلے یا بعد مجلس تحفظ کے پاس روانہ کردے گی۔

(۳) مجلس تحفظ کی توجہ مجلس عام ایسی صورت ہائے حال پر منعطف کراسکے گی جن کا بین الممالک امن وتحفظ کو خطرے میں ڈالنا قرینِ قیاس ہو۔

(۴) مجلس عام کے جو اختیارات دفعۂ ہذا میں مقرر کئے گئے ہیں، اُن سے دفعہ (۱۰) کی عام وسعت محدود نہیں ہوگی

دفعہ (۱۲)

(۱) جس وقت مجلس تحفظ ان وظائف کو انجام دے رہی ہو جو کسی جھگڑے یا صورتِ حال کے متعلق منشور ہذا کے تحت اس کے سپرد کئے گئے ہیں تو مجلس عام کوئی سفارش اس جھگڑے یا صورتِ حال کے متعلق نہیں کرے گی، بجز اس کے کہ مجلس تحفظ ہی ایسی خواہش کرے۔

(۲) مجلس تحفظ کی اجازت سے معتمد عمومی مجلس عام کو ہر اجلاس کے وقت ایسے معاملات کی اطلاع دیگا

جو بین الممالک امن و تحفظ کی برقراری سے تعلق رکھتے تھے جن پر مجلس تحفظ توجہ کر رہی ہو، اور وہ اسی طرح مجلس عام کو (اور اگر مجلس عام کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو ارکان اقوام متحدہ کو) اطلاع دے گا جوں ہی کہ مجلس تحفظ نے ایسے معاملات پر توجہ بند کر دی ہو۔

دفعہ (۱۳)

۱- مجلس عام امور ذیل کے متعلق مطالعہ آغاز کرا سکتی اور سفارشیں کر سکتی ہے :-

(الف) سیاسی میدان میں بین الممالک تعاون کو ترقی دینا اور قانون بین الممالک کی ترقی پذیر نشوونما اور تدوین کی حوصلہ افزائی کرنا؛

(ب) معاشی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی اور صحتی میدانوں میں بین الممالک تعاون کو ترقی دینا، اور بلا امتیاز نسل وجنس، و زبان و مذہب، سب کے لئے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے واقعی حاصل ہونے میں مدد دینا۔

۲- مجلس عام کی دیگر ذمہ داریاں، وظائف اور اختیارات جو ضمن (ب) بالا کے متعلق ہیں، ان کی تفصیل نویں اور دسویں باب میں دی گئی ہے۔

دفعہ ۱۴

دفعہ (۱۲) کا لحاظ رکھتے ہوئے، مجلس عام کسی صورتِ حال کی (بلا لحاظ اس کے کہ اس کا آغاز کیا ہے) یکسوئی کے لئے تدبیروں کی سفارش کر سکتی ہے، جب کہ اس کی رائے میں اس (صورتِ حال) سے قوموں کی عام بہبودی یا دوستانہ تعلقات میں خلل پیدا ہونا قرین قیاس ہو۔ بشمول ان صورت ہائے حال کے جو منشور ہٰذا کے ان احکام کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہوں جن میں اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کی تفصیل دی گئی ہو۔

دفعہ (۱۵)

۱- مجلس تحفظ کی سالانہ اور خصوصی رپورٹیں مجلس عام وصول اور ان پر غور کرے گی؛ ان رپورٹوں میں ان تدابیر کا بھی ایک تذکرہ شامل ہوگا جو مجلس تحفظ نے بین الممالک امن و تحفظ کی برقراری کے لئے طے یا اختیار کی ہوں۔

(۲) اقوام متحدہ کے دیگر آلہ ہائے کار کی رپورٹیں مجلس عام وصول اور اُن پر غور کرے گی۔

دفعہ (۱۶)

مجلس عام، بین الممالک نظام امینی کے متعلق ان وظائف کو انجام دے گی جو بارھویں اور تیرھویں باب میں اس کے سپرد کئے گئے ہیں؛ ان میں ان رقبوں کے متعلق جن کو حربیاتی اہمیت والا نہیں قرار دیا گیا ہو امینی کے راعی ناموں کو منظور کرنا بھی شامل ہے۔

دفعہ (۱۷)

(۱) مجلس عام تنظیم کے موازنے پر غور اور اُسے منظور کرے گی۔

(۲) تنظیم کے مصارف ارکان اسی حساب سے برداشت کریں گے جو مجلس عام مقرر کرے۔

(۳) مجلس عام، اختصاصی کارندگیوں کے ساتھ جن کا ذکر دفعہ (۵۷) میں ہے، ہر مالی اور موازنہ جاتی انتظامات پر غور اور ان کو منظور کرے گی اور ایسی خصوصی کارندگیوں کے انتظامی موازنوں کی اس غرض سے جانچ کرے گی کہ متعلقہ کارندگیوں کو سفارشیں کرے

رائے دہی

دفعہ (۱۸)

(۱) مجلس عام کا ہر رکن ایک رائے کا حق رکھے گا۔

(۲) مجلس عام کے فیصلے اہم معاملات میں حاضر اور رائے دینے والے ارکان کی دو تہائی اکثریت سے ہوا کریں گے۔ ایسے مسائل میں امورِ ذیل شامل ہیں:- بین الممالک امن و تحفظ کی برقراری کے متعلق سفارشیں، مجلس تحفظ کے غیر دوامی ارکان کا انتخاب، معاشی و سماجی مجلس کے ارکان کا انتخاب، دفعہ (۸۶) ضمن (۱) ج کے مطابق ارکانِ مجلس امینی کا انتخاب، اقوام متحدہ میں نئے ارکان کا داخلہ، رکنیت کے حقوق و امتیازات کو معطل کرنا، ارکان کا اخراج، نظامِ امینی کی کارکردگی سے تعلق رکھنے والے مسائل، اور موازنے کے مسائل۔

(۳) دیگر مسائل کے فیصلے بشمول اس کے کہ دو تہائی اکثریت سے فیصلہ کرنے کے لئے مزید اقسام کا تعین، حاضر اور رائے دہندہ ارکان کی اکثریت سے ہوگا۔

دفعہ (۱۹)

جو رکن اقوام متحدہ تنظیم کے متعلق اپنے مالی چندوں کی ادائی میں بقایا دار ہو مجلس عام میں ائے نہ دے سکے گا بشرطیکہ اسکے بقایا کی مقدار اس رقم کے برابر یا زائد ہو جو سابقہ دو پورے سالوں کے متعلق اس سے بطور چندہ وصول طلب ہوتی ہو۔ پھر بھی مجلس عام ایسے رکن کو رائے دینے کی اجازت دے سکتی ہے اگر وہ اطمینان دلائے کہ ادائی میں قصور ایسے حالات کے باعث ہو جو اس رکن کے قابو سے باہر تھے۔

دفعہ (۲۰)

مجلس عام کے سالانہ مقررہ اجلاس اور جب ضرورت داعی ہو، خصوصی اجلاس ہوا کریں گے۔ معتمد عمومی خصوصی اجلاس مجلس تحفظ یا اقوام متحدہ کے ارکان کی اکثریت کی خواہش پر طلب کرے گا۔

دفعہ (۲۱)

مجلس عام اپنی کارروائیوں کا ضابطہ خود بنائیگی۔ وہ ہر اجلاس کے لئے ایک صدر کا انتخاب کیا کرے گی۔

دفعہ (۲۲)

مجلس عام اپنے وظائف کی انجام دہی کے لئے ایسے ذیلی آلہ ہائے کار قائم کر سکتی ہے جو اس کی رائے میں ضروری ہوں۔

پانچواں باب

مجلسِ تحفّظ

تشکیل

دفعہ (۲۳)

۱۔ مجلس تحفظ، اقوام متحدہ کے گیارہ ارکان پر مشتمل ہوگی۔ جمہوریۂ چین، فرانس، اتحاد جماہیر شورائیہ (روس)، سلطنت متحدہ برطانیہ و شمالی آئرستان، اور ممالک متحدہ امریکا، مجلس تحفظ کے دوامی رکن ہونگے

مجلس عام اقوام متحدہ کے چھے اور ارکان کا انتخاب مجلس تحفظ کے غیر دوامی ارکان کے طور پر کرے گی اور مناسب لحاظ خاص طور پر اوّلاً اس کا ہوگا کہ اقوام متحدہ کے ارکان نے بین الممالک امن و تحفظ کی برقراری اور تنظیم کے دیگر مقاصد میں کیا حصہ لیا ہے۔ نیز منصفانہ جغرافی تقسیم کا بھی۔

۲۔ مجلس تحفظ کے غیر دوامی ارکان کا تقرر دو سال کی میقات کے لئے ہوگا۔ البتہ غیر دوامی ارکان کے پہلے انتخاب میں تین ارکان صرف ایک سال کی میقات کے لئے چنے جائیں گے۔ الگ ہونے والا رکن فوراً دوبارہ منتخب ہونے کا اہل نہ ہوگا۔

۳۔ مجلس تحفظ کے ہر رکن کا ایک ہی نمایندہ ہوا کرے گا۔

وظائف اور اختیارات

دفعہ (۲۴)

۱۔ اقوام متحدہ کی طرف سے بر وقت اور مؤثر کارروائی کا اطمینان حاصل کرنے کے لئے، اس کے ارکان بین الممالک امن و تحفظ کی برقراری کی ابتدائی ذمہ داری مجلس تحفظ کو عطا کرتے ہیں، اور رضامندی ظاہر کرتے ہیں کہ اس ذمہ داری کے تحت اپنے فرائض کی انجام دہی میں وہ جو بھی کام کرے وہ ان (سب) کی طرف سے سمجھا جائے۔

۲۔ ان فرائض کی تکمیل میں مجلس تحفظ، اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے مطابق کارروائی کرے گی۔ ان فرائض کی تکمیل کے لئے مجلس تحفظ کو جو معین اختیارات دیئے گئے ہیں وہ باب ۶، ۷، ۸ اور ۱۲ میں بیان کئے گئے ہیں۔

۳۔ مجلس تحفظ سالانہ، اور ضرورت ہو تو خصوصی رپورٹیں مجلس عام کے غور کے لئے پیش کرے گی۔

دفعہ (۲۵)

اقوام متحدہ کے ارکان اس امر پر رضامند ہیں کہ وہ مجلس تحفظ کے ان فیصلوں کو قبول اور نافذ کرتے ہیں جو منشور ہذا کے مطابق ہوں۔

دفعہ (۲۶)

بین الممالک امن وتحفظ کے قیام وبقا کو ترقی دینے میں دنیا کے انسانی اور معاشی ذرائع کے سلحہ کو کم ترین حد تک استعمال کرنے کی غرض سے مجلسِ تحفظ اس بات کی ذمہ دار ہو گی کہ دفعہ (۴۷) میں بیان شدہ فوجی اشاف کیٹی کی مدد سے منصوبے تیار کرکے اقوام متحدہ کے سامنے پیش کرے تاکہ اسلحہ میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے ایک نظام قائم ہو۔

رائے دہی

دفعہ (۲۷)

۱. مجلس تحفظ کے ہر رکن کو ایک رائے حاصل ہو گی۔

۲. مجلس تحفظ کے فیصلے امور ضابطہ کے متعلق سات ارکان کی مثبت رایوں سے ہوا کریں گے

۳. دیگر تمام معاملات میں مجلس تحفظ کے فیصلے سات ارکان کی مثبت رایوں سے، جن میں دائمی ارکان کی ہم آہنگ آراء داخل ہونگی، ہوا کریں گے؛ البتہ باب ۶ اور دفعہ (۵۲) کی ضمن ۳ کے تحت فیصلوں کے وقت فریق مقدمہ رائے دہی سے باز رہیگا۔

ضابطہ

دفعہ (۲۸)

۱. مجلس تحفظ کی تشکیل اس طور پر ہوگی کہ وہ مسلسل غیر منقطع طور پر اپنے وظائف انجام دینے کے قابل ہو۔ اس مقصد کے لئے مجلس تحفظ کے ہر رکن کا نمایندہ تنظیم کے مستقر پر ہر وقت وجود رہا کرے گا۔

۲. مجلس تحفظ کے جلسے میعاقی طور پر ہوا کریں گے جن میں اس کے ہر رکن کی نمایندگی، اس کی خواہش ہو تو، اس کی حکومت کا کوئی رکن یا کوئی خاص طور پر مامور شدہ نمایندہ کرے گا۔

۳. مجلس تحفظ کے اجلاس مستقر تنظیم کے علاوہ ایسے دوسرے مقاموں پر بھی ہو سکیں گے، جو اس کی رائے میں اس کے کام میں بہترین سہولت پیدا کریں۔

دفعہ (۲۹)

مجلسِ تحفظ اگر ضروری خیال کرے تو اپنے وظائف کی انجام دہی کے لئے ذیلی آلۂ کار قائم کر سکیگی

دفعہ (۳۰)

مجلس تحفظ اپنے ضابطے کے قواعد، جن میں اپنے صدر کے انتخاب کا طریقہ بھی شامل ہوگا، خود معین کرے گی۔

دفعہ (۳۱)

اقوام متحدہ کا کوئی بھی رکن کسی ایسے مسئلے کی بحث میں جو مجلس تحفظ کے سامنے لایا گیا ہو، حق رائے کے بغیر حصہ لے سکے گا جب کہ مجلس تحفظ کی رائے میں اس رکن کے مفادات خاص طور پر متاثر ہو رہے ہوں۔

دفعہ (۳۲)

اقوام متحدہ کا کوئی ایسا رکن جو مجلس تحفظ کا رکن نہ ہو، یا کوئی ایسی مملکت جو اقوام متحدہ کی رکن نہ ہو، اگر کسی ایسے جھگڑے کی فریق ہو جو مجلس تحفظ کے زیر غور ہو تو اس کو اس جھگڑے سے متعلق مباحث میں حق رائے کے بغیر حصہ لینے کی دعوت دی جائے گی۔

کسی ایسی مملکت کے جو اقوام متحدہ کی رکن نہ ہو، حصہ لینے کے متعلق مجلس تحفظ ایسی شرطیں مقرر کرے گی جو وہ منصفانہ خیال کرے۔

چھٹا باب

جھگڑے کا مسالمانہ تسویہ

دفعہ (۳۳)

۱۔ کسی جھگڑے کے جس کے جاری رہنے سے بین الممالک امن و تحفظ کو خطرہ لاحق ہونا اغلب ہو فریقین سب سے پہلے گفت و شنید، دریافت، وساطت، صلح و صفائی، تحکیم، عدالتی تسویے، منطقہ وار کارندگیوں یا انتظاموں سے رجوع کرنے، یا اپنی پسند کے دیگر مسالمانہ وسائل سے کوئی حل تلاش کریں گے۔

۱۔ مجلس تحفظ جب ضرورت خیال کرے، فریقین سے مطالبہ کرے گی کہ وہ اپنے جھگڑوں کا ایسے وسائل سے تسویہ کریں۔

دفعہ (۳۴)

مجلس تحفظ کسی ایسے جھگڑے یا صورت حال کی جو بین الممالک چپقلش کی طرف لے جا سکتی ہو یا کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو سکتا ہو، تحقیقات کر سکے گی۔ تاکہ اس بات کا تعین کرے کہ آیا اس کے جاری رہنے سے بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کو خطرہ لاحق ہونا تو اغلب نہیں ہو جاتا۔

دفعہ (۳۵)

۱۔ اقوام متحدہ کا کوئی بھی رکن اس نوعیت کے جھگڑے یا صورت حال کو، جس کا ذکر دفعہ (۳۴) میں ہوا ہے، مجلس تحفظ یا مجلس عام کی توجہ میں لا سکتا ہے۔

۲۔ جو مملکت اقوام متحدہ کی رکن نہیں ہے، وہ مجلس تحفظ یا مجلس عام کی توجہ میں ایسے جھگڑے کو لا سکتی ہے جس کی وہ ایک فریق ہو، بشرطیکہ وہ پیشگی ہی اس جھگڑے کے اغراض کی حد تک مصالحانہ تسویے کے ان واجبات کو قبول کرتی ہو جن کا منشور ہذا میں ذکر ہے۔

۳۔ ان معاملات کے متعلق جو دفعۂ ہذا کے تحت مجلس عام کی توجہ میں لائے گئے ہوں، کارروائی دفعہ (۱۱) و (۱۲) کے احکام کے تابع ہو گی۔

دفعہ (۳۶)

۱۔ مجلس تحفظ اس نوعیت کے جھگڑے کی جس کا ذکر دفعہ (۳۳) میں ہوا ہے، یا مماثل نوعیت کی صورت حال کی کسی بھی نوبت پر یکسوئی کے موزوں ضابطوں یا طریقوں کی سفارش کر سکے گی۔

۲۔ مجلس تحفظ جھگڑے کی یکسوئی کے ان ضابطوں کا لحاظ رکھے جو فریقین پہلے ہی اختیار کر چکے ہوں

۳۔ دفعۂ ہذا کے تحت سفارشیں کرتے وقت مجلس تحفظ اس کا بھی لحاظ رکھے کہ قانونی جھگڑوں کو فریقین بطور ایک عام قاعدے کے بین الممالک عدالت انصاف کے پاس، دستور عدالت کے احکام کے

مطابق رجوع کریں۔

دفعہ (۳۷)

(۱) اس نوعیت کے جھگڑے کے جس کا ذکر دفعہ (۳۳) میں ہوا ہے، فریقین اگر اس بات میں ناکام رہیں کہ دفعۂ مذکور میں بیان کردہ وسائل سے تصفیہ کرلیں تو وہ اسے مجلس تحفظ کے پاس رجوع کرینگے۔

(۲) اگر مجلس تحفظ یہ رائے رکھتی ہو کہ جھگڑے کے جاری رہنے سے فی الواقع بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کو خطرہ لاحق ہونا اغلب ہے تو وہ فیصلہ کرے گی کہ آیا دفعہ (۳۶) کے تحت کارروائی کرے یا تصفیے کے لئے ایسی شرطوں کی سفارش کرے جو وہ موزوں خیال کرتی ہو۔

دفعہ (۳۸)

دفعات (۳۳ تا ۳۷) کے احکام کو متاثر کئے بغیر مجلس تحفظ کو اختیار ہوگا کہ جھگڑے کی مسالمانہ یکسوئی کی غرض سے فریقین سے سفارشیں کرے اگر کسی جھگڑے کے جملہ فریق ایسی خواہش کریں۔

ساتواں باب

امن کو دھمکی

امن شکنی اور جارحانہ اقدامات کے متعلق کارروائی

دفعہ (۳۹)

مجلس تحفظ اس بات کا تعین کرے گی کہ آیا امن کے لئے کسی دھمکی یا امن شکنی یا جارحانہ اقدام کا وجود پایا جاتا ہے اور اس بات کے متعلق سفارشیں یا فیصلے کریگی کہ دفعہ (۴۱) اور (۴۲) کے مطابق بین الممالک امن و تحفظ کی بقا یا بحالی کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی جائیں۔

دفعہ (۴۰)

صورت حال میں ابتری پیدا ہونے کو روکنے کی غرض سے مجلس تحفظ دفعہ (۳۹) میں بیان کردہ تدبیرا

کی سفارش یا فیصلہ کرنے سے قبل متعلقہ فریقوں کو مدعو کر سکے گی کہ ایسی عارضی تدبیروں پر آمادہ ہو جائیں جو مجلس کی رائے میں ضروری یا مناسب ہوں۔ ایسی عارضی تدبیریں متعلقہ فریقوں کے حقوق و دعوی یا حیثیت کے خلاف کوئی اثر نہیں ڈالیں گی۔ مجلس تحفظ اس کو مناسب طور پر نوٹ کرے گی کہ ایسی عارضی تدبیروں پر آمادگی ظاہر کرنے سے کون قاصر رہا ہے۔

دفعہ (۴۱)

مجلس تحفظ اس کا فیصلہ کر سکے گی کہ وہ کونسی تدبیریں اختیار کی جا سکتی ہیں جن میں مسلح قوت کا استعمال نہ کرنا پڑے تاکہ مجلس کے فیصلوں کو جامۂ عمل پہنایا جا سکے۔ اور وہ اقوام متحدہ کے ارکان سے مطالبہ کر سکے گی کہ ایسی تدبیروں کا اطلاق کیا جائے۔ ان تدبیروں میں مکمل یا جزئی طور پر معاشی تعلقات اور ریل کے سمندری ہوائی، ڈاک کے تار کے، لاسلکی کے اور دیگر وسائل مواصلات کو منقطع کرنا اور سفارتی تعلقات کا توڑ لیا جانا ہو سکے گا۔

دفعہ (۴۲)

اگر مجلس تحفظ یہ خیال کرے کہ دفعہ (۴۱) میں مقرر کردہ تدبیریں ناکافی ہونگی یا یہ ثابت ہو چکا ہو کہ وہ ناکافی ہیں تو وہ ہوائی، بحری، یا بری فوجوں کی ایسی کارروائی اختیار کر سکے گی جو بین الممالک امن و تحفظ کے بقا یا بحالی کے لئے ضروری ہو۔ اس طرح کی کارروائیوں میں مظاہرات، ناکہ بندی اور اقوام متحدہ کے ارکان کی ہوائی بحری یا بری فوجوں کی دیگر عملیتیں داخل ہو سکیں گی۔

دفعہ (۴۳)

۱۔ اقوام متحدہ کے جملہ ارکان بین الممالک امن و تحفظ کی بقا میں حصہ لینے کی غرض سے اس کا اقرار کرتے ہیں کہ مجلس تحفظ کے مطالبہ پر اور خصوصی راضی نامے یا راضی ناموں کے مطابق مسلح فوجیں، مدد اور سہولتیں (جن میں ایسا حق گذر داخل ہوگا) جو بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کی غرض سے ضروری ہو، مہیا کریں۔

۲۔ ایسے راضی نامے یا راضی ناموں سے فوجوں کی تعداد اور اقسام، ان کی تیاری کے درجے اور عمومی مقام نیز ان سہولتوں اور مدد کی نوعیت کا تعین ہوگا جن کا مہیا کیا جانا ضروری ہے۔

خصوصی راضی نامے یا راضی ناموں کے لئے جتنا جلد ممکن ہو مجلس تحفظ کی طرف سے گفت وشنید کا آغاز کیا جائے گا۔ یہ مجلسِ تحفظ اور ارکان یا مجلسِ تحفظ اور گروہِ ارکان کے مابین طے ہونگے اور وہ اس بات کے تابع ہونگے کہ دستخط کنندہ مملکتیں اپنے دستوری ضوابط کے مطابق اُن کی توثیق کریں۔

دفعہ (۴۴)

جب مجلس تحفظ نے یہ فیصلہ کر دیا ہو کہ قوت کا استعمال کیا جائے تو اس رکن سے جس کا کوئی نمایندہ مجلس تحفظ میں نہ ہو دفعہ (۴۳) کے تحت قبول کردہ واجبات کی تکمیل میں مسلح فوجیں مہیا کرنے کا مطالبہ کرنے سے پہلے اُس رکن کو دعوت دیگی، (اگر رکن ایسی خواہش کرے) کہ اُس رکن کی مسلح فوجوں کے اجزاء کے استعمال کے متعلق مجلس تحفظ کے فیصلوں میں حصّہ لے

دفعہ (۴۵)

اقوام متحدہ کو اس بات کے قابل بنانے کے لئے کہ فوری جنگی تدبیریں اختیار کی جاسکیں ارکان اپنی قومی ہوائی فوج کے حصۂ معینہ کو مشترکہ بین الممالک اجباری کارروائی کے لئے فوری طور پر تیار رکھا کریں۔ ایسی فوجوں کی قوت اور تیاری کے درجے اور اُن کی مشترکہ کارروائی کے منصوبوں کا تعین مجلس تحفظ فوجی اسٹاف کمیٹی کی مدد سے اُن حدود کے اندر رہکر کرے گی جو خصوصی راضی نامے یا راضی ناموں میں جن کا ذکر دفعہ (۴۳) میں ہے مقرر کئے گئے ہوں۔

دفعہ (۴۶)

مسلح فوجوں کے استعمال کے منصوبے فوجی اسٹاف کی مدد سے مجلسِ تحفظ تیار کرے گی۔

دفعہ (۴۷)

(۱) ایک فوجی اسٹاف کمیٹی قائم کی جائے گی تاکہ مجلس تحفظ کو ان تمام معاملات میں مشورہ اور مدد دے جو مجلس تحفظ کے لئے بین الممالک امن و تحفظ کی بقا اور مجلس کے تفویض کی ہوئی فوجوں کے استعمال اور کمان اور اسلحہ میں باقاعدگی پیدا کرنے اور امکانی بے اسلحگی کے متعلق ضروری ہوں۔

(۲) فوجی اسٹاف کمیٹی مجلس تحفظ کے دائمی ارکان کے چیف آف اسٹاف یا اُن کے نمایندوں

پر مشتمل ہوگی۔ اقوام متحدہ کا وہ رکن جو اس کمیٹی میں مستقل نمایندگی نہ رکھتا ہو اُسے کمیٹی اپنے ساتھ شرکت کے لئے مدعو کرے گی جب کمیٹی کی ذمہ داریوں کی عمدہ تکمیل کے لئے اُس رکن سے کمیٹی کے کام میں حصہ لینے کی ضرورت پائی جائے۔

(۳) فوجی اسٹاف کمیٹی مجلس تحفظ کے تحت مجلس تحفظ کے تفویض شدہ مسلح فوجوں کی حربیاتی رہنمائی کی ذمہ دار ہوگی۔ ایسی فوجوں کی کمان سے متعلق مسائل آئندہ طے کئے جائیں گے۔

(۴) فوجی اسٹاف کمیٹی مجلس تحفظ کی اجازت اور متعلقہ منطقہ وار کارندگیوں سے مشورہ کے بعد منطقہ وار ذیلی کمیٹیاں قائم کر سکے گی۔

دفعہ (۴۸)

(۱) بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کے متعلق مجلس تحفظ کے فیصلوں کو عمل میں لانے کے لئے جس کارروائی کی ضرورت ہوگی وہ مجلس تحفظ کے تعین سے اقوام متحدہ کے جملہ یا بعض ارکان اختیار کریں گے۔

(۲) اس قسم کے فیصلوں پر اقوام متحدہ کے ارکان عمل راست طور پر اور متعلقہ بین الممالک کارندگیوں میں جن کے وہ رکن ہوں اپنی کارروائی کے ذریعے سے کریں گے۔

دفعہ (۴۹)

اقوام متحدہ کے ارکان مجلس تحفظ کی طے کردہ تدبیروں پر عمل کرتے ہیں، باہم امداد کرنے میں شامل رہیں گے۔

دفعہ (۵۰)

اگر مجلس تحفظ کسی مملکت کے خلاف انسدادی یا اجباری تدبیریں اختیار کرے تو کوئی اور مملکت چاہے وہ اقوام متحدہ کی رکن ہو یا نہ ہو اگر ان تدبیروں پر عمل کرنے کے باعث اپنے آپ کو خصوصی معاشی مشکلات سے دوچار ہوتی محسوس کرے تو اُسے حق ہوگا کہ اُن مشکلات کے حل کے متعلق مجلس تحفظ سے مشورہ کرے۔

دفعہ (۵۱)

منشور ہذا کی کوئی چیز انفرادی یا اجتماعی حق مدافعت ذاتی کو متاثر نہیں کرتی، اگر اقوام متحدہ کے کسی رکن کے خلاف مسلح حملہ وقوع میں آئے، تاآنکہ مجلس تحفظ بین الممالک امن وتحفظ کی بقا کے لئے ضروری تدبیریں اختیار کرے۔ اس حق مدافعت ذاتی کے استعمال میں ارکان جو تدبیریں اختیار کریں، اُن کی اطلاع فوراً مجلس تحفظ کو دی جائے گی۔ اور اُن سے مجلس تحفظ کے اُس اختیار یا ذمہ داری پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، جو منشور ہذا کے تحت کسی وقت کسی ایسی کارروائی کے اختیار کرنے کے متعلق ہے، جو وہ بین الممالک امن وتحفظ کی بقا یا بحالی کے لئے ضروری خیال کرے۔

آٹھواں باب

منطقہ وار انتظامات

دفعہ (۵۲)

(۱) منشور ہذا کی کوئی چیز منطقہ وار انتظامات یا کارندگیوں کے وجود کو منع نہیں کرتی جو ایسے معاملات سے بحث کریں جو بین الممالک امن وتحفظ کی بقا سے متعلق ہوں۔ اور منطقہ وار کارروائی کے لئے موزوں ہوں۔ بشرطیکہ ایسے انتظامات یا کارروائیاں اور اُن کی کارکردگیاں اقوام متحدہ کے مقاصد اور اُصولوں کے موافق ہوں۔

(۲) اقوام متحدہ کے وہ ارکان جو اس قسم کے انتظامات میں یا ایسی کارندگیوں کی تشکیل میں شریک ہوں وہ اس بات کی ہر ایک کوشش عمل میں لائیں گے کہ مقامی جھگڑوں کا مسالمانہ تسویہ ایسے منطقہ وار انتظامات یا ایسی منطقہ وار کارندگیوں کے ذریعہ سے ہی عمل میں آجائے، قبل اس کے کہ اُن کو مجلس تحفظ میں رجوع کیا جائے۔

(۳) مجلس تحفظ اس بات کی حوصلہ افزائی کرے گی کہ مقامی جھگڑوں کا مسالمانہ تسویہ ترقی پذیر شدہ

ایسے منطقہ وار انتظامات یا ایسی منطقہ وار کارندگیوں ہی کے ذریعے سے عمل میں آئے چاہے متعلقہ مملکتوں ہی نے ایسا کیا ہو یا مجلس تحفظ نے اُن انتظامات یا کارندگیوں سے رجوع کیا ہو۔

۵۲ یہ دفعہ کسی طرح بھی دفعات (۳۴) و (۳۵) کے اطلاق کو متاثر نہیں کرتی۔

دفعہ (۵۳)

۱۔ جہاں کہیں موزوں ہو مجلس تحفظ ایسے منطقہ وار انتظامات یا کارندگیوں سے اپنے اختیار کی اجباری کارروائی میں مدد لے گی لیکن منطقہ وار انتظامات کے تحت یا منطقہ وار کارندگیوں کی طرف سے کوئی اجباری کارروائی مجلس تحفظ کی اجازت کے بغیر نہیں کی جائے گی، بجز اُن تدبیروں کے جو کسی دشمن مملکت کے خلاف اختیار کی جائیں جس کا تعین دفعۂ ہذا کی ضمن (۲) میں کیا گیا ہے، جو دفعہ (۱۰۷) کی پیش روی میں ہوں، یا منطقہ وار انتظامات میں مقرر کی گئی ہوں، اور ایسی کسی مملکت کی اقدامی سیاست کی تجدید کے خلاف ہوں۔ یہ اس وقت تک کے لئے ہوگا کہ حکومت ہائے متعلقہ کی خواہش پر ایسی کسی مملکت کے مزید اقدام کو روکنے کی ذمہ داری کا حامل خود "تنظیم" کو کر دیا جائے

۲۔ "دشمن مملکت" کی اصطلاح کا جو دفعہ ہذا کی ضمن (۱) میں استعمال کی گئی ہے اطلاق ہر ایسی مملکت پر ہوگا جو دوسری عالمگیر جنگ میں منشور ہذا کے دستخط کنندوں میں سے کسی کی دشمن رہی ہو۔

دفعہ (۵۴)

مجلس تحفظ کو ہر وقت اُن کارروائیوں سے پوری طرح باخبر رکھا جائے گا جو بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کے لئے منطقہ وار انتظامات کے تحت یا منطقہ وار کارندگیوں کی طرف سے اختیار کی جائیں۔

نواں باب

بین الممالک معاشی و سماجی تعاون

دفعہ (۵۵)

استحکام اور بہبودی کے حالات، جو قوموں میں ہر قوم کے لئے مساوی حقوق اور خود تعیینی کے احترام پر مبنی

آپس کے مسالمانہ اور دوستانہ تعلقات کے لئے ضروری ہیں، پیدا کرنے کے لئے اقوام متحدہ حسب ذیل اُمور کو ترقی دے گی۔

(الف) بلند تر معیار زندگی، روزگار کا مکمل حصول، اور معاشی و سماجی ترقی و پیش روی؛

(ب) بین الممالک معاشی، سماجی، صحتی اور متعلقہ گتھیوں کا حل؛ اور بین الممالک ثقافتی اور تعلیمی تعاون؛ اور

(ج) بلا امتیاز نسل، زبان یا مذہب، سب کے لئے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا احترام ہونا اور ملحوظ رکھا جانا۔

دفعہ (۵۶)

جملہ ارکان اس کی ضمانت دیتے ہیں کہ دفعہ (۵۵) میں بیان کردہ مقاصد کے حصول کے لئے تنظیم کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اجتماعی اور علیٰحدہ علیٰحدہ کارروائی اختیار کریں گے۔

دفعہ (۵۷)

۱۔ وہ مختلف اختصاصی کارندگیاں جو بین الحکومات راضی نامے کے ذریعے سے قائم کی گئی ہیں اور اپنی اساسی دستاویزوں میں مقرر کئے ہوئے اُصول کے مطابق معاشی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی، صحتی اور متعلقہ میدان ہائے عمل میں، وسیع بین الممالک ذمہ داریاں رکھتی ہیں، اُن کو دفعہ (۶۳) کے احکام کے مطابق اقوام متحدہ سے متعلق کرایا جائے گا۔

۲۔ ایسی کارندگیوں کو جو اقوام متحدہ سے اس طور پر متعلق کیا جائے گا آئندہ "اختصاصی کارندگیوں" سے یاد کیا جائے گا۔

دفعہ (۵۸)

اختصاصی کارندگیوں کی پالیسیوں اور کارکردگیوں میں ہم آہنگی کے لئے تنظیم سفارشیں کرے گی۔

دفعہ (۵۹)

جہاں کہیں مناسب ہو "تنظیم" متعلقہ مملکتوں میں گفت و شنید آغاز کرواے گی کہ دفعہ (۵۵) میں بیان کردہ مقاصد کے حصول کے لئے درکار کسی نئی اختصاصی کارندگیوں کی تخلیق کی جائے۔

دفعہ (۶۰)

اس باب میں تنظیم کے جو وظائف بیان کئے گئے ہیں ان کی انجام دہی کی ذمہ داری مجلس عام کے سر ہوگی اور مجلس عام کے تحت اقتدار، معاشی و سماجی مجلس کو حاصل ہوگی، اور وہ اس مقصد کے لئے ان اختیارات کی حامل ہوگی جو باب ۱۰ میں بیان کئے گئے ہیں۔

دسواں باب

معاشی و سماجی مجلس

تشکیل

دفعہ (۶۱)

(۱) معاشی و سماجی مجلس اقوام متحدہ کے (۱۸) ارکان پر جن کا انتخاب مجلس عام کرے گی مشتمل ہوگی۔

(۲) ضمن (۳) (تحت) کے تابع معاشی و سماجی مجلس کے چھے ارکان کا انتخاب ہر سال سہ سالہ میعاد کے لئے ہوا کرے گا۔ علحدہ ہونے والا رکن فوراً مکرر انتخاب کا اہل ہوگا۔

(۳) پہلے انتخاب میں معاشی و سماجی مجلس کے (۱۸) رکن چنے جائیں گے، اور اس طرح چنے ہوئے ارکان میں سے (۶) کی مدت مجلس عام کے مقرر کردہ انتظامات کے مطابق ایک سال کے پورے ہونے پر ختم ہو جائے گی، اور مزید چھے ارکان کی مدت دو سال کے پورے ہونے پر ختم ہو جائے گی۔

(۴) معاشی و سماجی مجلس کے ہر رکن کا ایک نمایندہ ہوا کرے گا۔

وظائف و اختیارات

دفعہ (۶۲)

(۱) معاشی و سماجی مجلس بین الممالک، معاشی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی، صحتی اور متعلقہ معاملات کے متعلق مطالعہ شروع کرا اور رپورٹیں تیار کرا سکتی ہے، اور اس طرح کے معاملات کے متعلق مجلس عام، ارکان

اقوام متحدہ اور متعلقہ اختصاصی کارندگیوں کے پاس سفارشیں پیش کرسکتی ہے۔

ملا وہ انسانی حقوق اور سب کے لئے بنیادی آزادیوں کا احترام ہونے اور محفوظ رکھے جانے کو ترقی دینے کی غرض سے سفارشیں کرسکتی ہے۔

ملا وہ اپنے دائرۂ عمل میں آنے والے معاملات کے متعلق مجلس عام کے سامنے پیش کرنے کے لئے مسودۂ معاہدات تیار کرا سکتی ہے۔

ملا وہ اقوام متحدہ کی طرف سے مقرر کردہ قواعد کے مطابق اپنے دائرۂ عمل میں آنے والے مسائل کے متعلق بین الممالک کانفرنسیں طلب کرسکتی ہے۔

دفعہ (۶۳)

ملا معاشی و سماجی مجلس دفعہ (۵۷) میں بیان کردہ کارندگیوں میں سے کسی کے ساتھ راضی نامے طے کرکے وہ شرائط معین کرسکتی ہے جن کے مطابق متعلقہ کارندگی کو اقوام متحدہ سے متعلق کیا جائے۔ ایسے راضی نامے مجلس عام کی منظوری کے تابع ہونگے۔

ملا وہ اختصاصی کارندگیوں میں مشورہ کرکے، اور اُن کے پاس سفارشیں کرکے نیز مجلس عام اور ارکان اقوام متحدہ کے پاس سفارشیں پیش کرکے اختصاصی کارندگیوں کی سرگرمیوں میں ہم آہنگی پیدا کرسکے گی۔

دفعہ (۶۴)

ملا معاشی و سماجی مجلس موزوں قدم اُٹھا سکے گی تاکہ اختصاصی کارندگیوں سے باقاعدہ رپورٹیں حاصل کیا کرے۔ وہ ارکان اقوام متحدہ اور اختصاصی کارندگیوں سے اس بات کے متعلق رپورٹیں حاصل کرنے کا انتظام کرسکے گی کہ اس کی سفارشوں کے متعلق نیز اس کے دائرۂ عمل میں آنے والے معاملات کے سلسلے میں مجلس عام کی کی ہوئی سفارشوں کو جامۂ عمل پہنانے کے لئے اُنھوں نے کیا قدم اُٹھائے ہیں

ملا وہ اس طرح کی رپورٹوں کے متعلق مجلس عام کو اپنے ملاحظات روانہ کرسکے گی۔

دفعہ (۶۵)

معاشی و سماجی مجلس، مجلسِ تحفظ کو معلومات مہیا کرسکے گی اور مجلسِ تحفظ کی خواہش پر اس کی اعانت کریگی

دفعہ (۶۶)

(۱) مجلس عام کی کی ہوئی سفارشوں کو جامۂ عمل پہنانے کے متعلق معاشی و سماجی مجلس ایسے وظائف انجام دے گی جو اس کے دائرۂ عمل میں آتے ہوں۔

(۲) وہ مجلس عام کی منظوری سے اقوام متحدہ کے ارکان کی خواہش اور اختصاصی کارندگیوں کی خواہش پر خدمات انجام دے سکے گی۔

(۳) وہ ان دیگر وظائف کو بھی انجام دے گی جو اس منشور میں کسی اور جگہ مقرر کئے گئے ہوں یا مجلس عام اس کے تفویض کرے۔

رائے دہی

دفعہ (۶۷)

(۱) معاشی و سماجی مجلس کے ہر رکن کو ایک رائے کا حق حاصل ہوگا۔

(۲) معاشی و سماجی مجلس کے فیصلے حاضر و رائے دہندہ ارکان کی کثرت رائے سے عمل میں آیا کریں گے۔

ضابطہ

دفعہ (۶۸)

معاشی و سماجی مجلس معاشی و سماجی میدان ہائے عمل اور حقوق انسانی کو ترقی دینے کے متعلق کمیشن مقرر کرے گی، نیز ایسے کمیشن بھی جو اس کے وظائف کی انجام دہی کے لئے درکار ہوں۔

دفعہ (۶۹)

معاشی و سماجی مجلس، اقوام متحدہ کے کسی رکن کو ایسے معاملے پر جو اس رکن سے خاص طور پر متعلق ہو، بحث و مباحثے میں، بغیر حق رائے کے، حصہ لینے کے لئے مدعو کرے گی۔

دفعہ (۷۰)

معاشی و سماجی مجلس، اختصاصی کارندگیوں کے نمایندوں کے لئے اس کا انتظام کرسکے گی کہ وہ اپنے نیز اپنے قائم کردہ کمیشنوں کے بحث مباحثے میں بغیر حق رائے کے حصہ لیں، نیز اپنے نمایندوں کے

لئے اختصاصی کارندگیوں کے بحث ومباحثے میں (حصّہ لینے کا انتظام کرسکے گی)

دفعہ (۷۱)

معاشی وسماجی مجلس اس کے مناسب انتظامات کرسکتی ہے کہ ان غیر حکومتی تنظیموں سے مشاورت کرے جو اس (مجلس) کے دائرۂ عمل میں آنے والے معاملات سے تعلق رکھتی ہوں۔

ایسے انتظامات بین الممالک تنظیمات سے بھی کئے جاسکتے ہیں اور جہاں موزوں ہو متعلقہ ارکانِ اقوامِ متحدہ سے مشاورت کے بعد قومی تنظیمات سے بھی

دفعہ (۷۲)

۱۔ معاشی وسماجی مجلس اپنے قواعدِ ضابطہ خود مقرر کرے گی جن میں اپنے صدر کے انتخاب کا طریقہ بھی شامل ہوگا۔

۲۔ معاشی وسماجی مجلس اپنے قواعد کے اقتضا کے مطابق منعقد ہوا کرے گی، اور ان قواعد میں یہ حکم بھی داخل ہوگا کہ اس کے ارکان کی اکثریت کی خواہش پر اس کے اجلاس طلب ہوں۔

گیارھواں باب

غیر خود اختیاری علاقوں کے متعلق اعلان

دفعہ (۷۳)

وہ ارکان اقوامِ متحدہ جو ایسے علاقوں کے نظم ونسق کے ذمہ دار ہیں یا بنیں جہاں کے لوگوں نے ابھی تک حکومت خود اختیاری کی مکمل مقدار حاصل نہ کی ہو، اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان علاقوں کے باشندوں کے مفادات کو برتری حاصل ہے، اور ایک مقدس امانت کے طور پر اس وجوب کو قبول کرتے ہیں کہ منشور ہٰذا کے تحت قائم کئے ہوئے بین الممالک نظامِ امن وتحفظ کے اندر انتہائی حد تک ان علاقوں کے باشندوں کی بہبودی کو ترقی دیں، اور اس غرض وغایت کے لئے:۔

(ا) متعلقہ لوگوں کی ثقافت کا پورا احترام کرتے ہوئے، اُن کی سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی پیش روی، اُن کے ساتھ منصفانہ برتاؤ اور بے راہ رویوں سے ان کی حفاظت کا یقین حاصل کریں۔

(ب) حکومت خود اختیاری کو ترقی دیں۔ ان لوگوں کی سیاسی تمناؤں کا پورا لحاظ کریں، اور ہر علاقے اور وہاں کے لوگوں کے خصوصی حالات اور ان کی ترقی یافتگی کے مختلف مدارج کے مطابق ان کے آزاد سیاسی اداروں کی ترقی پذیر پیش روی میں اعانت کریں۔

(ج) بین الممالک امن و تحفظ کو آگے بڑھائیں۔

(د) پیش روی کی تعمیری تدبیروں کو ترقی دیں، اور باہم ایک دوسرے سے تعاون کریں، اور جب اور جہاں موزوں ہو، اختصاصی بین الممالک اجساد سے تعاون کریں تاکہ دفعۂ ہذا میں بیان کردہ سماجی معاشی اور حکیماتی مقاصد کا عملی حصول ہوسکے؛ اور

(ھ) ایسی پابندیوں تابع تحت جو تحفظ اور دستوری ملحوظات کے تحت ضروری ہوں، باقاعدگی کے ساتھ معتمد عمومی کو اطلاع کے اغراض کے لئے ان علاقوں کے متعلق جن کے لئے وہ علی الخصوص ذمہ دار ہوں (بجز ان علاقوں کے جن پر باب ۱۲ و ۱۳ کا اطلاق ہوتا ہے)، معاشی، سماجی اور تعلیمی حالات کے متعلق اعداد و شمار اور دیگر فنی نوعیت کے معلومات روانہ کریں۔

دفعہ (۷۴)

ارکان اقوام متحدہ اس پر بھی رضامند ہیں کہ ان علاقوں کے متعلق جن پر باب ہذا کا اطلاق ہوتا ہے ان کی پالیسی حسن ہمسائگی کے عام اصول پر ان کے صدر مقام کے رقبہ جات کے مقابلے میں کسی طرح کم مبنی نہیں ہونی چاہیئے، اور باقی دنیا کے سماجی، معاشی اور تجارتی معاملات میں مفادات اور بہبودی کا پورا لحاظ رکھا جانا چاہیئے۔

بارھواں باب

بین الممالک نظام امینی

دفعہ (۷۵)

اقوام متحدہ اپنے اقتدار کے تحت ایسے علاقوں کے جو آئندہ انفرادی راضی ناموں کے ذریعے سے

اس کے ماتحت بنا دیئے جائیں، نظم ونسق اور نگرانی کے لئے ایک بین الممالک نظام امینی قائم کرے گی۔ ایسے علاقوں کو آئندہ امانتی علاقوں سے موسوم کیا گیا ہے۔

دفعہ (۷۶)

نظام امینی کے بنیادی اغراض، اقوام متحدہ کے مقاصد مندرجہ منشور ہذا دفعہ (۱) کے مطابق حسب ذیل ہوں گے:-

(ا) بین الممالک امن وتحفظ کو آگے بڑھانا۔

(ب) امانتی علاقوں کے باشندوں کی سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی پیش روی اور حکومت خود اختیاری یا آزادی میں سے جو بھی ہر علاقے اور وہاں کے لوگوں کے خصوصی حالات کے لحاظ سے موزوں ہو، اور متعلقہ لوگوں کی آزادانہ ظاہر کردہ خواہشوں کے مطابق ہو۔ اور ان شرائط کے مطابق جو ہر راضی نامہ امانتی میں مقرر کئے جائیں، ان کی طرف ترقی پذیر پیش قدمی کو نشو ونما دے۔

(ج) انسانی حقوق اور ہر کسی کے لئے بلا امتیاز نسل وجنس، زبان یا مذہب بنیادی آزادیوں کے احترام کی حوصلہ افزائی کرنا۔ اور دنیا کے لوگوں کے باہمی احتیاج کو تسلیم کرنے کی حوصلہ افزائی کرنا؛ اور

(د) اقوام متحدہ کے جملہ ارکان اور ان کے ہم قوموں (رعایا) کے لئے سماجی، معاشی اور تجارتی معاملات میں مساوات کے برتاؤ کا تیقن حاصل کرنا، اور آخر الذکر کے لئے عدل گستری میں مساوات کے برتاؤ کا تیقن حاصل کرنا بغیر اس کے کہ مذکورۂ بالا اغراض کا حصول متاثر ہو لیکن یہ دفعہ (۸۰) کے احکام کے اتباع میں ہوگی۔

دفعہ (۷۷)

۱۔ نظام امینی کا اطلاق مندرجہ ذیل اقسام کے ایسے علاقوں پر ہوگا جو امانتی راضی ناموں کے ذریعے سے اس (نظام) کے تحت کر دیئے جائیں:-

(ا) وہ علاقے جو اب انتداب کے تحت ہیں۔

(ب) وہ علاقے جو دوسری عالمگیر جنگ کے نتیجے کے طور پر دشمن ملکوں سے الگ کئے جائیں؛ ا

(ج) وہ علاقے جو رضاکارانہ طور پر ان مملکتوں کی طرف سے جو ان کے نظم و نسق کی ذمہ دار ہیں اس نظام کے تحت کر دیے جائیں۔

۲ـ یہ امر متعاقب راضی نامے سے متعلق رہیگا کہ مذکورۂ بالا اقسام میں سے کن علاقوں کو نظام امینی کے تحت لایا جائے اور کن شرائط کے تحت۔

دفعہ (۷۸)

نظام امینی کا اطلاق ان علاقوں پر نہیں ہوگا جو اقوام متحدہ کی رکن ہو چکی ہوں۔ ان کے آپس کے تعلقات مقتدر مساوات کے اصول کے احترام پر مبنی ہونگے۔

دفعہ (۷۹)

ہر علاقے کے جو نظام امانتی کے تحت کیا جائے شرائط امانتی کے متعلق، بشمول ہر تبدیل و ترمیم کے ان مملکتوں سے راضی نامہ ہوگا جو راست متعلق ہوں، بشمول انتدابی سلطنت کے جبکہ اقوام متحدہ کے کسی رکن کے تحت علاقے زیر انتداب ہوں، اور (ان شرائط کو) دفعات ۸۳ و ۸۵ کے احکام کے مطابق منظور کیا جائے گا۔

دفعہ (۸۰)

۱ـ باستثنا ان امور کے جن کے لئے رضامندی دفعات ۷۷، ۷۹ و ۸۱ کے تحت ہر علاقے کو نظام امینی کے تحت کرنے کے لئے کئے ہوئے انفرادی راضی نامہ ہائے امانتی میں طے ہو گئی ہو، اور اس وقت تک جب تک کہ ایسے راضی نامے طے نہ ہو جائیں، اس باب کے کسی امر کے، یا خود بخود بھی یہ معنے نہیں لئے جائیں گے کہ کسی مملکتوں یا لوگوں کے کسی بھی حقوق کی یا ایسی موجود الوقت بین الممالک دستاویزوں کے (جن کے ارکان علی الخصوص فریق ہوں) شرائط کی کسی طور پر بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔

۲ـ دفعۂ ہذا کے ضمن ۱ کی تعبیر یہ نہیں کی جائے گی کہ انتدابی اور دیگر علاقوں کو دفعہ (۷۷) میں بیان کردہ طور پر نظام امینی میں دینے کے لئے گفت و شنید اور راضی ناموں کی تکمیل کے لئے تعویق

یا التوا کی بنیاد پیدا ہوتی ہو

دفعہ (۸۱)

امانتی راضی نامے میں ہر صورت میں وہ شرائط داخل ہونگے جن کے تحت امانتی علاقے کا نظم ونسق ہوگا - اور اس اقتدار (سلطنت) کا تعین کیا جائیگا جو امانتی علاقے کا نظم ونسق انجام دے۔ ایسی سلطنت، جسے آئندہ ناظم سلطنت کہا گیا ہے، ایک یا زیادہ مملکتیں بھی ہوسکتی ہیں، اور خود تنظیم ہذا بھی ہوسکتی ہے۔

دفعہ (۸۲)

کسی راضی نامۂ امانتی میں ایسے حربیاتی رقبے یا رقبوں کا تعین ہوسکتا ہے جو راضی نامے کا اطلاق پانے والے امانتی علاقے کے جزء یا کل پر مشتمل ہوں، بغیر اس کے کہ دفعہ (۴۳) کے تحت کئے جانے والے مخصوصی راضی نامے یا راضی ناموں پر اثر پڑے۔

دفعہ (۸۳)

۱۔ حربیاتی رقبوں کے متعلق اقوام متحدہ کے جملہ وظائف کو، بشمول راضی نامہ ہائے امانتی کے شرائط کی قبولی اور ان کی تبدیلی یا ترمیم کے، مجلس تحفظ انجام دے گی۔

۲۔ دفعہ (۷۶) میں جو بنیادی اغراض بیان ہوئے ہیں اُن کا اطلاق ہر حربیاتی رقبے کے لوگوں پر ہوگا۔

۳۔ راضی نامہ ہائے امانتی کے احکام کے تابع اور تحفظی ملحوظات کو متاثر کئے بغیر، مجلس تحفظ، مجلہ امینی کی اعانت سے استفادہ کرکے، نظام امینی کے تحت حربیاتی رقبوں کے سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی معاملات سے متعلق اقوام متحدہ کے وظائف کو انجام دے گی۔

دفعہ (۸۴)

اس بات کا تیقن حاصل کرنا ناظم سلطنت کا فریضہ ہوگا کہ امانتی علاقہ بین الممالک امن و تحفظ کی بقا میں اپنا حصہ ادا کرے۔ اس غرض و غایت کے لئے ناظم سلطنت امانتی علاقے کی رضاکار فوجوں، سہولتوں

...اعانت سے استفادہ کرسکے گی تاکہ ان واجبات کو پورا کرے جو ناظم سلطنت نے اس بارے میں
...بس تحفظ کے بالمقابل اپنے سر لئے ہوں، نیز امانتی علاقے میں مقامی مدافعت اور آئین ونظم کا
...تحفظ ہو سکے۔

دفعہ (۸۵)

(۱) ان تمام علاقوں کے جن کو حربیاتی قرار دیا گیا ہو، راضی نامہ ہائے امانتی کے متعلق اقوام متحدہ
...کے فرائض کو جن میں راضی نامہ ہائے امانتی کے شرائط کی منظوری اور ان کی تبدیل و ترمیم بھی داخل ہو گی
...مجلس عام انجام دے گی۔

(۲) مجلس عام کے تحت اقتدار کام کرتے ہوئے مجلس امینی، مجلس عام کی ان وظائف کی انجام دہی
...میں اعانت کرے گی

تیرھواں باب

مجلس امینی

تشکیل

دفعہ (۸۶)

(۱) مجلس امینی، اقوام متحدہ کے حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہو گی:-

(ا) وہ ارکان جو امانتی علاقوں کے ناظم ہوں۔

(ب) ان ارکان میں سے جن کا نام دفعہ (۲۳) میں لیا گیا ہے، ایسے ارکان جو امانتی علاقوں کے
...ناظم نہ ہوں؛ اور

(ج) تین سالہ میعاد کے لئے مجلس عام کی طرف سے اتنے دیگر ارکان کا انتخاب جو اس غرض کے لئے
...ضروری ہوں کہ مجلس امینی کے ارکان، امانتی علاقوں کا نظم ونسق انجام دینے اور انجام نہ دینے والے

ارکان اقوام متحدہ میں بتعداد مساوی منقسم ہوں۔

(۲) مجلس امینی کا ہر رکن ایسے ایک شخص کو اپنی نمائندگی کے لئے معین کریگا جو خصوصی طور پر اس کی قابلیت رکھتا ہو۔

وظائف اور اختیارات

دفعہ (۸۷)

(۱) مجلس عام اور اس کے تحت اقتدار مجلس امینی، اپنے وظائف کی انجام دہی کے لئے:-

(ا) ناظم سلطنت کی جانب سے پیش شدہ رپورٹوں پر غور کرسکتی ہیں؛

(ب) درخواستیں قبول اور ناظم سلطنت کے ساتھ مشاورت کرتے ہوئے اُن کی جانچ کرسکتی ہیں؛

(ج) ناظم سلطنت کے ساتھ طے کردہ اوقات پر متعلقہ امانتی علاقوں کے میقاتی معائنوں کا اہتمام کرسکتی ہیں؛ اور

(د) یہ اور دیگر کارروائیاں راضی نامہ ہائے امانتی کے شرائط کے موافق اختیار کرسکتی ہیں۔

دفعہ (۸۸)

(۱) ہر امانتی علاقے کے باشندوں کی سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی پیش روی کے متعلق مجلس امینی ایک سوال بند مرتب کرے گی، اور مجلس عام کے دائرۂ اقتدار میں آنے والے ہر امانتی علاقے کی ناظم سلطنت اس طرح کے سوال بند کی اساس پر مجلس عام کے پاس ایک سالانہ رپورٹ پیش کیا کریگی

(۲) مجلس عام ان وظائف اور اختیارات کو خود بھی انجام دے سکے گی جب وہ اسے ضروری معلوم ہوں۔

رائے دہی

دفعہ (۸۹)

(۱) مجلس امینی کے ہر رکن کو ایک رائے کا حق ہوگا۔

(۲) مجلس امینی کے فیصلے حاضر اور رائے دہندہ ارکان کی کثرت رائے سے عمل میں آیا کرینگے۔

ضابطہ

دفعہ (۹۰)

۱ مجلس امینی اپنے قواعدِ ضابطہ خود مقرر کرے گی، جن میں اس کے صدر کے انتخاب کا طریقہ بھی شامل ہوگا۔

۲ مجلس امینی کا انعقاد اپنے قواعد کے اقتضا کے مطابق ہوا کرے گا، اور ان قواعد میں یہ حکم بھی داخل ہوگا کہ اس کے ارکان کی اکثریت کی خواہش پر اس کے اجلاس طلب ہوں۔

دفعہ (۹۱)

مجلس امینی، جب موزوں معلوم ہو، اختصاصی کارندگیوں کی معاشی و سماجی مجلس کی اعانت سے ان معاملات کے متعلق جو علی الخصوص ان سے متعلق ہوں، استفادہ کرے گی۔

چودھواں باب

بین الممالک عدالت انصاف

دفعہ (۹۲)

اقوامِ متحدہ کا اصل عدالتی آلۂ کار بین الممالک عدالت انصاف ہوگی۔ وہ اس منسلکہ دستور کے مطابق، جو مستقل عدالت انصاف بین الممالک کے دستور پر مبنی ہے اور منشور ہذا کا ایک جزوِ لاینفک ہے، وظائف انجام دے گی۔

دفعہ (۹۳)

۱ اقوامِ متحدہ کے جملہ ارکان خود بخود بین الممالک عدالت انصاف کے دستور کے فریق ہیں۔

۲ جو مملکت اقوام متحدہ کی رکن نہیں ہے، وہ بین الممالک عدالت انصاف کے دستور کی ان شرائط پر فریق بن سکتی ہے جو مجلسِ تحفظ کی سفارش پر ہر صورت کے متعلق مجلس عام معین کرے،

دفعہ (۹۴)

۱۔ اقوامِ متحدہ کا ہر رکن یہ اقرار کرتا ہے کہ کسی ایسے معاملے میں جس کا وہ فریق ہو، بین الممالک عدالت انصاف کے فیصلوں کی تعمیل کرے گا۔

۲۔ اگر کوئی فریق کسی مقدمے میں ان واجبات کو پورا کرنے سے قاصر رہے جو عدالت کے صادر کردہ فیصلے کے تحت اس پر عائد ہوتے ہوں تو فریق ثانی مجلس تحفظ سے رجوع کر سکے گا۔ جو اگر ضروری سمجھے تو سفارشیں کر سکے گی، یا ان تدبیروں کو طے کرے گی جو اس فیصلے کے نفاذ کے لئے اختیار کیجائیں۔

دفعہ (۹۵)

منشور ہذا کی کوئی چیز ارکان اقوام متحدہ کو اس سے نہیں روکے گی کہ اپنے اختلاف کو موجودہ اور یا آئندہ طے کئے جانے والے راضی ناموں کے لحاظ سے، حل کے لئے دیگر عدالتوں کے حوالے کریں۔

دفعہ (۹۶)

۱۔ مجلس عام یا مجلس تحفظ بین الممالک عدالت انصاف سے کسی قانونی مسئلے پر مشورتی رائے دینے کی خواہش کر سکے گی۔

۲۔ اقوام متحدہ کے دیگر آلہ ہائے کار اور اختصاصی کارندگیاں بھی، جن کو مجلس عام کسی وقت مجاز کرے، اپنی کارکردگیوں کے حدود کے اندر پیدا ہونے والے قانونی مسائل میں اس عدالت کی مشورتی رائے مانگ سکیں گی۔

پندرھواں باب

معتمدی

دفعہ (۹۷)

معتمدی میں ایک معتمد عمومی اور اتنا عملہ شامل ہونگے، جو تنظیم ہذا کی رائے میں درکار ہو۔ معتمد عمومی کا تقرر مجلس تحفظ کی سفارش پر مجلس عام کرے گی۔ وہ اس تنظیم کا صدر افسر نظم ونسق ہوگا۔

دفعہ (۹۸)

معتمد عمومی اسی حیثیت میں مجلس عام، مجلس تحفظ، معاشی وسماجی مجلس اور مجلس تحفظ کے جملہ اجلاسوں میں کارروائی انجام دے گا، اور ایسے دیگر وظائف انجام دے گا جو یہ آلہ ہائے کار اس کے حوالے کریں۔ معتمد عمومی، تنظیم (ہذا) کے کام کی سالانہ رپورٹ مجلس عام کے پاس پیش کیا کرے گا۔

دفعہ (۹۹)

معتمد عمومی، مجلس تحفظ کی توجہ میں کوئی ایسا امر لاسکے گا جو اس کی رائے میں بین الممالک امن وتحفظ کی بقا کو دھمکی دے سکتا ہو۔

دفعہ (۱۰۰)

۱۔ اپنے فرائض کی انجام دہی میں معتمد عمومی اور عملہ کسی حکومت یا تنظیم کے باہر کے کسی اقتدار سے کوئی ہدایتیں طلب یا حاصل نہیں کریں گے۔ وہ ہر ایسی کارروائی سے باز رہیں گے جو ان کی پس حیثیت پر دھبہ لگاسکے کہ وہ بین الممالک افسر ہیں اور صرف تنظیم ہذا کے پاس جوابدہ ہیں

۲۔ اقوام متحدہ کا ہر ایک رکن اقرار کرتا ہے کہ معتمد عمومی اور عملے کی ذمہ داریوں کی کلیۃً بین الممالک نوعیت کا احترام کرے گا اور انھیں ان کی ذمہ داریوں کی ادائی میں متاثر کرنے کی کوشش نہیں کریگا۔

دفعہ (۱۰۱)

۱۔ عملے کا تقرر معتمد عمومی ان قواعد کے تحت کرے گا جو مجلس عام مقرر کرے۔

۲۔ معاشی وسماجی مجلس، مجلس امینی اور حسب ضرورت اقوام متحدہ کے دیگر آلہ ہائے کار کو موزوں عملہ مستقل طور سے سپرد کیا جائیگا۔ یہ عملے معتمدی کا ایک جزو ہونگے۔

۳۔ عملے کے مامور کرنے اور ان کے شرائط ملازمت کا تعین کرنے میں برترین لحاظ اس امر کا ہوگا کہ بہترین معیار کارکردگی، قابلیت اور دیانت کے حصول کی ضرورت ہے، اس بات کی اہمیت کا پورا لحاظ کیا جائے گا کہ عملے کی بھرتی جتنی وسیع جغرافی اساس پر ممکن ہو کی جائے۔

سولھواں باب

متفرق احکام

دفعہ (۱۰۲)

(۱) ہر معاہدہ اور ہر بین الممالک راضی نامہ جو اقوام متحدہ کا کوئی رکن منشور ہذا کے نفاذ کے بعد طے کرے اُن کو جتنا جلد ممکن ہو معتمدی میں رجسٹر کرایا اور اس (معتمدی) کی طرف سے شائع کیا جائیگا۔

(۲) جو معاہدہ یا بین الممالک راضی نامہ دفعہ ہذا کی ضمن (۱) کے احکام کے مطابق رجسٹر نہ کرایا گیا ہو اس کا کوئی فریق اقوام متحدہ کے کسی آلۂ کار کے پاس اس معاہدے یا راضی نامے کو استدلال میں پیش نہیں کر سکے گا۔

دفعہ (۱۰۳)

اقوام متحدہ کے ارکان کے ان واجبات میں جو منشور ہذا کے تحت ہیں، اور ان دیگر بین الممالک واجبات میں جن کے وہ تابع ہیں تصادم ہونے کی صورت میں ان کے ان واجبات کو ترجیح ہوگی جو منشور ہذا کے تحت ہوں۔

دفعہ (۱۰۴)

تنظیم ہذا کو اپنے ارکان میں سے ہر ایک کے علاقے میں وہ قانونی حیثیت حاصل ہوگی جو اُسے اپنے وظائف کے انجام دینے اور اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہو۔

دفعہ (۱۰۵)

(۱) تنظیم ہذا کو اپنے ارکان میں سے ہر ایک کے علاقے میں ایسے امتیازات اور حفاظتیں حاصل رہیں گی جو اس کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہوں۔

(۲) اقوام متحدہ کے ارکان کے نمائندوں اور تنظیم کے عہدہ داروں کو وہ امتیازات اور حفاظتیں حاصل رہیں گی جو تنظیم سے متعلق اپنے وظائف کی آزادانہ انجام دہی کے لئے ضروری ہوں۔

(۳) مجلس عام اس غرض کے لئے سفارشیں کر سکیگی کہ دفعۂ ہذا کی ضمن (۱) و (۲) کے اطلاق کی تفصیلیں معین کی جائیں۔ یا اس مقصد کے لئے اقوام متحدہ کے ارکان کے پاس معاہدوں کی تجویز پیش کر سکے گی۔

سترھواں باب

تحفظ کے عبوری انتظامات

دفعہ (۱۰۶)

دفعہ ۴۳ میں ذکر شدہ ان خصوصی راضی ناموں کے نفاذ تک جو مجلس تحفظ کی رائے میں اسے اس بات کے قابل کرتے ہوں کہ وہ دفعہ (۴۲) کے تحت اپنی ذمہ داریوں کا استعمال شروع کر سکے، چو قومی اعلان کے جس پر ماسکو میں ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو دستخط ہوئے، فریق اور فرانس، اعلان مذکور کی ضمن ۵ کے احکام کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے، اور جب موقع پیش آئے تو اقوام متحدہ کے دیگر ارکان سے مشاورت کریں گے تاکہ بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کے لئے تنظیم کی جانب سے ایسی مشترکہ کارروائی اختیار کی جائے جو ضروری معلوم ہو۔

دفعہ (۱۰۷)

منشور ہذا کی کوئی چیز اس کارروائی کو ناجائز یا ممنوع نہیں قرار دیتی جو کسی ایسی مملکت کے خلاف ہو جو دوسری عالمگیر جنگ میں منشور ہذا کے کسی دستخط کنندہ کی دشمن رہی ہو، مذکورہ جنگ کے نتیجے کے طور پر اس حکومت کی طرف سے جو ایسی کارروائی کی ذمہ دار ہو، عمل میں لائی جائے یا اجازت دی جائے۔

اٹھارواں باب

ترمیمیں

دفعہ (۱۰۸)

منشور ہذا کی ترمیمیں اقوام متحدہ کے جملہ ارکان کے لئے اس وقت نافذ ہوں گی جبکہ انھیں مجلس عام کے ارکان کی دو تہائی اکثریت سے منظور کیا گیا ہو، اور مجلس تحفظ کے دائمی ارکان کو شامل کرتے

ہوئے اقوام متحدہ کے ارکان کی دو تہائی اکثریت نے اپنے اپنے دستوری ضوابط کے مطابق ان کی توثیق کی ہو۔

دفعہ (۱۰۹)

(۱) اقوام متحدہ کے ارکان کی ایک عام کانفرنس موجودہ منشور کی نظرثانی کی غرض سے اس تاریخ اور مقام پر منعقد ہوگی جو مجلس عام کے ارکان کے دو تہائی آرار اور مجلس تحفظ کے کوئی سات ارکان کی رائے سے مقرر ہوں۔ ہر رکن کو کانفرنس میں ایک رائے کا حق ہوگا۔

(۲) منشور ہذا کی کوئی تبدیلی جس کی سفارش کانفرنس مذکور کے دو تہائی آرا سے ہوئی ہو، اس وقت نافذ ہوگی جب اس کی توثیق جملہ مدامی ارکان مجلس تحفظ کو شامل کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے دو تہائی ارکان کی جانب سے ان کے ہاں کے اپنے دستوری ضوابط کے مطابق عمل میں آئے۔

(۳) اگر ایسی کوئی کانفرنس منشور ہذا کے نفاذ کے بعد کے دسویں سالانہ اجلاس مجلس عام سے قبل منعقد نہ ہوئی ہو تو ایسی کانفرنس طلب کرنے کی تجویز مجلس عام کے اس اجلاس کے پیش نامے میں داخل کر دی جائے گی، اور کانفرنس منعقد ہوگی، اگر مجلس عام کے ارکان کی کثرت رائے اور مجلس تحفظ کے کوئی سات ارکان کی رائے سے ایسا فیصلہ ہو۔

انیسواں باب

توثیق اور دستخط

دفعہ (۱۱۰)

(۱) منشور ہذا کی دستخط کنندہ مملکتیں اپنے اپنے دستوری ضوابط کے مطابق توثیق کریں گی۔

(۲) توثیق نامے ممالک متحدہ امریکا کی حکومت کے پاس داخل کئے جائیں گے اور وہ جملہ دستخط کنندہ ممالک کو، نیز تنظیم کے معتمد عمومی کو جبکہ اس کا تقرر ہو جائے، ہر توثیق نامے کے داخلے کی اطلاع دیا کرے گی۔

(۳) منشور ہذا اس وقت نافذ ہوگا جب جمہوریۂ چین، فرانس، اتحاد جماہیر شورائیہ اشتراکی (روس)

سلطنت متحدہ برطانیہ و شمالی آئرستان اور ممالک متحدہ امریکہ کے اور دستخط کنندہ ممالک کی اکثریت کے توثیق نامے داخل ہو جائیں۔ پھر ممالک متحدۂ امریکا کی حکومت داخل شدہ توثیق ناموں کا ایک رسمی بیان نامہ مرتب کرے گی جس کی نقلیں جملہ دستخط کنندہ مملکتوں کے پاس روانہ کی جائیں گی۔

۴۔ منشور ہذا کی وہ دستخط کنندہ مملکتیں جو اس کے نافذ ہو جانے کے بعد اس کی توثیق کریں اپنے توثیق ناموں کے داخلے کی تاریخ سے اقوام متحدہ کی ابتدائی رکن بن جائیں گی۔

دفعہ (۱۱۱)

منشور ہذا جس کے چینی، انگریزی، فرانسیسی، روسی اور اسپینی متن یکساں وقعت رکھتے ہیں، ممالک متحدہ امریکا کی حکومت کے محافظ خانے میں رہے گا۔ اس کی باضابطہ مصدقہ نقلیں اس حکومت کی طرف سے دیگر دستخط کنندہ حکومتوں کو ارسال کی جائیں گی۔

اس کے اقرار کے ساتھ اقوام متحدہ کے نمائندوں نے منشور ہذا پر دستخط کئے ہیں۔

شہر سان فرانسسکو میں چھبیس جولائی سنہ ایک ہزار نو سو پینتالیس کو عمل میں آیا۔

بین الممالک عدالت انصاف کا دستور العمل

ف ۱ | بین الممالک عدالت انصاف، جس کا قیام "اقوامِ متحدہ" کے منشور کے ذریعے سے، اقوامِ متحدہ کے اصل عدالتی آلۂ کار کے طور پر عمل میں آیا ہے، دستور العمل ہٰذا کے احکام کے مطابق تشکیل پائے گی اور کام انجام دے گی۔

پہلا باب

تنظیم عدالت

ف ۲ | یہ عدالت خود مختار حکام عدالت کی ایک جماعت پر مشتمل ہوگی جن کا انتخاب، ان کی قومیت کا لحاظ کئے بغیر، بلند اخلاقی کردار والے اشخاص میں سے عمل میں آئیگا۔ اور یہ ان شرائط کے حامل ہوں گے جو ان کے ملکوں میں اعلیٰ ترین عدالتی خدمات پر ماموری کے لئے درکار ہوں۔ یا وہ قانون بین الممالک کے متعلق مسلّمہ مہارت رکھنے والے مُفتی ہوں۔

ف ۳ | (۱) یہ عدالت (۱۵) پندرہ ارکان پر مشتمل ہوگی جن میں سے کوئی دو بھی ایک ہی مملکت کی رعایا نہ ہونگے

(۲) وہ شخص جس کے متعلق اس عدالت کی رکنیت کے اغراض کے لئے یہ خیال کیا جا سکے کہ وہ ایک سے زیادہ مملکتوں کی رعایا ہے تو اسے اس مملکت کی رعایا خیال کیا جائے گا جہاں وہ عام طور پر اپنے کشوری اور سیاسی حقوق استعمال کرتا ہو۔

ف ۴ | (۱) ارکان عدالت کا انتخاب مجلس عام اور مجلس تحفظ (دونوں علاحدہ علاحدہ) احکام ذیل کے مطابق اس فہرست اشخاص میں سے کرینگے جن کو مستقل عدالتِ تحکیم کے قومی گروہ نامزد کریں۔

(۲) ایسی صورت میں جبکہ ارکان اقوام متحدہ کی نمایندگی مستقل عدالت تحکیم میں عمل میں نہ آئی ہو

تو امیدواروں کی نامزدگی ان قومی گروہوں کی جانب سے ہوگی جو خاص اس غرض کے لئے ان کی حکومتیں انہیں شرائط کے تحت مقرر کریں جو بین الممالک جھگڑوں کی مصالحانہ یکسوئی کے معاہدۂ ہیگ بابت سنہ ۱۹۰۷ء کی دفعہ ۴۴ میں[1] مستقل عدالتِ تحکیم کے ارکان کے لئے مقرر ہیں۔

۳۔ جو مملکت دستور العمل ہذا کی تو فریق ہو لیکن اقوام متحدہ کی رکن نہ ہو تو جن شرائط کے تحت وہ ارکان عدالت کے انتخاب میں حصہ لے سکے گی، ان کا تعین، کسی خصوصی راضی نامے کی غیر موجودگی میں، مجلس تحفظ کی سفارش پر مجلس عام کرے گی۔

دفعہ ۵ ۱۔ انتخاب سے کم از کم تین ماہ قبل اقوام متحدہ کا معتمد عمومی مستقل عدالتِ تحکیم کے ان ارکان سے جو دستور العمل ہذا کی فریق مملکتوں سے تعلق رکھتے ہوں، نیز ان قومی گروہوں کے ارکان سے جو دفعہ ۴ ضمن ۲ کے تحت مقرر ہوں، تحریری درخواست کریگا کہ ایک مقررہ وقت کے اندر ایسے اشخاص کی نامزدگی قومی گروہوں کے ذریعے سے عمل میں لانے کا انتظام کریں، جو اس عدالت کی رکنیت کے فرائض قبول کرنے کے موقف میں ہوں۔

۲۔ کوئی گروہ چار سے زیادہ اشخاص کو نامزد نہ کر سکے گا، ان میں سے دو سے زیادہ ان کی اپنی قومیت کے نہ ہونگے۔ جو امیدوار کسی گروہ کی طرف سے نامزد کئے جائیں وہ کسی صورت میں

---

[1] وہ دفعہ یہ ہے: "ہر معاہدہ کنندہ سلطنت زیادہ سے زیادہ ایسے چار اشخاص کو چنے گی جو قانون بین الممالک کے مسائل میں مہارت رکھنے میں معروف ہوں، اعلیٰ ترین اخلاقی شہرت رکھتے ہوں، اور حکم بننے کے فرائض کو قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔
"اس طرح سے چنے ہوئے اشخاص کو بطور ارکان عدالت ایک فہرست میں درج کر لیا جائے گا اور دفتر کی جانب سے جملہ معاہدہ کنندہ سلطنتوں کو اس کی اطلاع دی جائے گی۔
"حکموں کی فہرست کی ہر تبدیلی کو دفتر جملہ معاہدہ کنندہ سلطنتوں کے علم میں لائیگا۔
"دو یا زیادہ سلطنتیں اس پر رضامند ہو سکتی ہیں کہ ایک یا زیادہ ارکان کو مشترکہ طور سے چنیں۔
"ایک ہی شخص کو مختلف سلطنتیں چن سکتی ہیں۔
"ارکان عدالت کا تقرر چھے سال کی مدت کے لئے ہوگا۔ ان تقررات کی تجدید بھی ہو سکے گی۔
"عدالت کا کوئی رکن فوت ہو جائے یا استعفا دیدے تو خالی جگہ کو پر کرنے کیلئے وہی ضابطہ اختیار کیا جائیگا جو اسکے تقرر میں ملحوظ رہا تھا۔ ایسی صورت میں تقرر چھے سال کی تازہ مدت کے لئے ہوگا۔
منقول از شہادت سن برگ انٹرنیشنل حصہ ۱، صفحہ ۵۲۶۔ مترجم

تقرر طلب نشستوں کی تعداد سے دگنے سے زیادہ نہ ہونگے۔

ف ۶ ہر قومی گروہ سے سفارش کی جاتی ہے کہ وہ ایسی نامزدگیاں عمل میں لانے سے قبل اپنی اعلیٰ ترین عدالت انصاف، اپنے شعبہ ہائے قانون (مدارسِ قانون) اور اپنی قومی اکاڈیمیوں یا بین الملک اکاڈیمیوں کی قومی شاخوں سے جو مطالعۂ قانون سے مختص ہوں، مشورہ کرے۔

ف ۷ (۱) معتمد عمومی حروف تہجی پر ان تمام لوگوں کی فہرست تیار کرے گا جن کی اس طرح نامزدگی عمل میں آئی ہو بجز ان لوگوں کے جن کا ذکر دفعہ (۱۲) ضمن (۲) میں ہوا ہے۔ یہی قابل انتخاب اشخاص ہونگے۔

(۲) معتمد عمومی یہ فہرست مجلس عام اور مجلس تحفظ کے پاس پیش کریگا

ف ۸ مجلس عام اور مجلس تحفظ ایک دوسرے سے الگ ارکان عدالت کے انتخاب کی کارروائی کرینگی۔

ف ۹ ہر انتخاب کے وقت، انتخاب کنندہ یہ امر ذہن میں ملحوظ رکھیں گے کہ جن اشخاص کا انتخاب کرنا ہو وہ نہ صرف انفرادی طور پر مطلوبہ صفات کے حامل ہیں بلکہ اس جماعت میں بہ حیثیت مجموعی دنیا کے بڑے تمدنی اشکال اور اہم نظامہائے قانون کی نمایندگی کی ضمانت بھی حاصل ہو۔

ف ۱۰ (۱) جن ارکان کو مجلس عام اور مجلس تحفظ میں اکثریت مطلقہ حاصل ہو انھیں کو منتخب تصور کیا جائیگا۔

(۲) مجلس تحفظ کی رائے دہی، چاہے حکام عدالت کے انتخاب کے لئے ہو یا اس کانفرنس کے ارکان کے تقرر کے لئے ہو جس کا ذکر دفعہ (۱۲) میں ہے، مجلس تحفظ کے مستقل و غیر مستقل ارکان کے امتیاز کے بغیر عمل میں آئے گی۔

(۳) اگر ایک ہی سلطنت کی رعایا میں سے ایک سے زیادہ افراد کو مجلس عام اور مجلس تحفظ ہر دو میں اکثریت مطلقہ حاصل ہو تو ان میں سے معمر ترکو منتخب تصور کیا جائیگا۔

ف ۱۱ انتخاب کی غرض سے جو پہلا اجلاس ہو، اگر اس کے بعد بھی ایک یا زیادہ نشستیں پر کرنے کے لئے باقی رہ جائیں تو ایک دوسرا، اور اگر ضرورت ہو تو ایک تیسرا اجلاس بھی منعقد ہوگا۔

ف ۱۲ (۱) اگر تیسرے اجلاس کے بعد بھی ایک یا زیادہ نشستیں پر ہونے کے لئے باقی رہ جائیں تو ایک مشترکہ کانفرنس جو چھے ارکان پر مشتمل ہوگی جن میں سے تین کا تقرر مجلس عام کرے گی اور تین کا مجلس تحفظ،

کسی وقت بھی مجلس عام یا مجلس تحفظ کسی کی بھی خواہش پر تشکیل دی جا سکتی ہے۔ تا کہ اکثریت مطلقہ کی رائے کے ذریعے سے ہر خالی جگہ کے لئے ایک نام پسند کر کے مجلس عام اور مجلس تحفظ کے پاس ان میں سے ہر ایک کی قبولیت کے لئے پیش کرے۔

۲۔ اگر یہ مشترکہ کانفرنس کسی ایسے شخص کے متعلق متفقہ طور پر راضی ہو جائے جو مطلوبہ شرائط کو پورا کرتا ہو تو اس کو فہرست میں داخل کر دیا جائیگا، اگرچہ ان نامزدگیوں میں داخل نہ رہا ہو جن کا ذکر دفعہ (۷) میں ہے۔

۳۔ اگر مشترکہ کانفرنس کو اطمینان ہو جائے کہ وہ انتخاب عمل میں لانے میں کامیاب نہ رہیگی تو عدالت کے وہ ارکان جو پہلے ہی منتخب ہو چکے ہوں اس مدت کے اندر جو مجلس تحفظ نے مقرر کی ہو خالی نشستوں کو ان امیدواروں سے پُر کرنے کے لئے جنھوں نے مجلس عام یا مجلس تحفظ میں رائیں حاصل کی ہوں، چناؤ کی کارروائی کریں گے۔

۴۔ اگر حکام عدالت کی رائیں برابر ہوں تو سب سے معمر حاکم عدالت کو ایک فیصلہ کن رائے حاصل ہوگی

ف ۱۳ ۱۔ ارکان عدالت کا انتخاب نو سال کے لئے ہوگا اور مکرر انتخاب بھی ہو سکے گا۔ البتہ شرط یہ ہے کہ پہلے انتخاب کے وقت جو حکام عدالت منتخب ہوئے ہوں، ان میں سے پانچ کی مدت تین سال کے اختتام پر ختم ہو جائیگی اور مزید پانچ حکام عدالت کی مدت چھٹے سال کے اختتام پر ختم ہو جائے گی۔

۲۔ جن حکام عدالت کی مدتیں مذکورۂ بالا تین اور چھٹے سال کی ابتدائی میعادوں کے اختتام پر ختم ہو جاتی ہیں ان کا تعین قرعہ ڈال کر کیا جائیگا جو پہلے انتخاب کے مکمل ہونے کے فوراً ہی بعد معتمد عمومی کی

۳۔ ارکان عدالت اپنے فرائض کی انجام دہی اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک کہ ان کی جگہیں پُر نہ کر دی جائیں۔ ان کے جانشین کے تقرر کے باوجود وہ کسی ایسے مقدمے کو ختم کریں گے جسے انھوں نے شروع کیا ہو۔

۴۔ کسی رکن عدالت کے استعفیٰ کی صورت میں استعفا میر مجلس عدالت کے نام بھیجا جائیگا تا کہ معتمد عمومی کے پاس روانہ کر دیا جائے۔ اس آخری اطلاع کے ساتھ جگہ خالی ہو جائیگی۔

ف ۱۴ خالی جگہوں کو بھی اسی طریقے سے پُر کیا جائے گا جو ابتدائی انتخاب کے لئے مقرر ہے لیکن شرط یہ ہوگی کہ معتمد عمومی، جگہ کے خالی ہونے کے ایک ماہ کے اندر ان دعوت ناموں کی ابتدائی کی کارروائی کرے گا جن کا دفعہ (۵) میں ذکر ہے اور انتخاب کی تاریخ مجلس تحفظ معین کرے گی۔

ف ۱۵ جس رکن عدالت کا انتخاب اس رکن کی جگہ ہوا ہو جس کی مدتِ عہدہ ختم نہ ہوئی ہو تو وہ اپنے پیشرو کی مابقی مدت تک برسرعہدہ رہے گا۔

ف ۱۶ ۱؎ کوئی رکن عدالت نہ تو کوئی سیاسی یا نظم ونسقی فرائض انجام دے گا اور نہ کسی ایسے دھندے میں مشغول ہوگا جو پیشہ ورانہ نوعیت کا ہو۔

۲؎ اس نکتے کے متعلق کسی شبہے کا تسویہ عدالت کے فیصلے سے ہوگا۔

ف ۱۷ ۱؎ عدالت کا کوئی رکن کسی مقدمے میں کارندے، مشیر قانون یا وکیل کی حیثیت سے کام نہیں کر سکے گا۔

۲؎ کوئی رکن کسی ایسے مقدمے کے فیصلے میں حصہ نہ لے سکے گا جس میں اس نے سابق میں فریقین میں سے کسی ایک کی طرف سے کارندے، مشیر قانونی یا وکیل کی حیثیت سے یا کسی قومی یا بین الاقوامی عدالت کے یا کسی کمیشن تحقیقات کے رکن کی حیثیت سے یا کسی اور حیثیت سے حصہ لیا ہو

۳؎ اس نکتے کے متعلق کسی شبہے کا تسویہ عدالت کے فیصلے سے ہوگا۔

ف ۱۸ ۱؎ کسی رکن عدالت کو برطرف نہیں کیا جا سکتا، بجز اس کے کہ باقی ارکان کی متفقہ رائے میں وہ اب مطلوبہ صفات کی تکمیل نہ کرنے لگا ہو۔

۲؎ اس کی باضابطہ اطلاع معتمد عمومی کو رجسٹرار دے گا۔

۳؎ اس اطلاع کے ساتھ جگہ خالی ہو جائے گی۔

ف ۱۹ ارکانِ عدالت جب عدالتی کام میں مشغول ہوں تو انھیں سفارتی امتیازات اور تامینات حاصل ہوں گے۔

ف ۲۰ ہر رکن عدالت اپنے فرائض منصبی شروع کرنے سے پہلے کھلی عدالت میں اس کا اقرار صالح کرے گا

(۵) اپنے اختیارات کا غیرجانبدارانہ اور دیانت دارانہ استعمال کرے گا۔

ف ۲۱ (۱) عدالت اپنے صدر اور نائب صدر کا انتخاب تین سال کے لئے خود کرے گی۔ ان کا دوبارہ بھی انتخاب ہو سکے گا۔

(۲) عدالت اپنا رجسٹرار خود مقرر کرے گی اور ایسے دیگر عہدہ داروں کے تقرر کا انتظام کرے گی جو ضروری ہوں۔

ف ۲۲ (۱) عدالت کی نشست شہر ہیگ میں قائم کی جائے گی، لیکن اس سے عدالت کے لئے یہ ممنوع نہ ہوگا کہ کسی اور جگہ نشست کر کے اپنے وظائف انجام دے، جب کبھی عدالت کی رائے میں یہ مناسب ہو۔

(۲) میر مجلس اور رجسٹرار مستقر عدالت میں سکونت رکھیں گے۔

ف ۲۳ (۱) عدالت ہمیشہ برسر کار رہے گی بجز عدالتی تعطیلوں کے جن کی تاریخوں اور مدت کا تعین خود عدالت کرے گی۔

(۲) ارکان عدالت کو میقاتی رخصت کا حق ہوگا جس کی تاریخوں اور مدت کا تعین عدالت کرے گی۔ اور شہر ہیگ اور ہر حاکم عدالت کے گھر کا فاصلہ ملحوظ رکھے گی۔

(۳) بجز اس کے کہ ارکانِ عدالت رخصت پر ہوں یا علالت کے باعث حاضر نہیں ہو سکتے یا کوئی دیگر اہم وجوہ ہوں جن کی باقاعدہ میر مجلس پر وضاحت کی گئی ہو، ان کے لئے پابندی ہوگی کہ ہر وقت عدالت کے کام کے لئے اپنے کو تیار رکھیں گے۔

ف ۲۴ (۱) اگر کسی خاص وجہ سے کوئی رکن عدالت یہ خیال کرتا ہو کہ اسے کسی معین مقدمے کے فیصلے میں حصہ نہیں لینا چاہیئے تو وہ میر مجلس کو ایسی اطلاع دیدے گا۔

(۲) اگر میر مجلس خیال کرتا ہو کہ کسی خاص وجہ سے عدالت کا کوئی خاص رکن کسی معین مقدمے کی سماعت کے لئے نشست نہ کرے تو وہ اسے حسب اطلاع دے گا۔

(۳) اگر ایسے کسی مسئلے میں رکن عدالت اور میر مجلس میں اختلاف رائے ہو تو اس معاملے کا تصفیہ

عدالت کے فیصلے کے ذریعے سے عمل میں آئے گا۔

ف ۲۵ (۱) بجز اس کے کہ دستور العمل ہذا میں اس کے خلاف حکم ہو، عدالت کا اجلاس کامل ہوا کرے گا۔

(۲) اس شرط کے تابع کہ عدالت کی تشکیل کے لئے جو حکام عدالت مل سکتے ہوں ان کی تعداد گیارہ سے کم نہ ہو جائے، احکام عدالت کے تحت حکم دیا جا سکتا ہے کہ ایک یا زیادہ حکام عدالت کو حالات کے لحاظ سے اور باری باری سے نشست کرنے سے چھٹی دیدی جا سکتی ہے۔

(۳) تشکیل عدالت کے لئے نو حکام عدالت کا نصاب کافی ہوگا۔

ف ۲۶ (۱) عدالت وقتاً فوقتاً ایک یا زیادہ اجلاس (چیمبر) مقرر کر سکے گی جو عدالت کی صوابدید پر تین یا زیادہ حکام عدالت پر مشتمل ہوا کرے گا، تا کہ معین قسم کے مقدمات سے نبٹا جائے۔ مثلاً مقدمات محنت و مزدوری، مقدمات متعلقہ عبور و مرور و مواصلات۔

(۲) عدالت کسی وقت بھی ایک اجلاس (چیمبر) مقرر کر سکتی ہے تا کہ کسی خاص مقدمے سے نبٹا جائے۔ ان حکام عدالت کی تعداد جن پر ایسا اجلاس مشتمل ہو، فریقین کی رضامندی سے عدالت معین کرے گی۔

(۳) مقدمات کی سماعت اور فیصلہ دفعۂ ہذا میں بیان کردہ اجلاسوں کے ذریعے سے عمل میں آئیں گے، اگر فریقین ایسی خواہش کریں۔

ف ۲۷ جو فیصلہ کسی ایسے اجلاس سے صادر ہو جس کا ذکر ف ۲۶ اور ف ۲۹ میں ہے تو وہ عدالت کا صادر کردہ تصور کیا جائے گا۔

ف ۲۸ وہ اجلاس جن کا ذکر ف ۲۶ اور ف ۲۹ میں ہے، فریقین کی رضامندی سے شہر ہیگ کے بجائے کسی اور جگہ بھی نشست کر سکتے اور کام انجام دے سکتے ہیں۔

ف ۲۹ کارروائی کو جلد طے کرانے کی غرض سے عدالت ہر سال ایک اجلاس (چیمبر) مقرر کرے گی جو پانچ حکام عدالت پر مشتمل ہوگا، اور وہ فریقین کی خواہش پر مقدمات کی سماعت اور فیصلہ بصیغۂ سرسری عمل میں لائیگا۔ دو مزید حکام عدالت اس غرض کے لئے چنے جائیں گے کہ جو حکام عدالت نشست کرنا (اپنے لئے) ناممکن پائیں

تو یہ ان کی جگہ لے سکیں۔

ف ۳۰ (۱) عدالت اپنے کام کی انجام دہی کے لئے قواعد وضع کرے گی اور خاصکر وہ قواعد ضابطہ مقرر کرے گی

(۲) قواعد عدالت کے تحت اس کا حکم دیا جا سکتا ہے کہ عدالت یا اس کے اجلاسوں میں سے کسی کے ساتھ جلیس (اسیسر) بھی کسی حق رائے دہی کے بغیر نشست کریں۔

ف ۳۱ (۱) فریقین میں سے ہر ایک کی قومیت والے حکام عدالت کا یہ حق برقرار رہیگا کہ وہ عدالت میں پیش شدہ مقدمے میں نشست کر سکیں۔

(۲) اگر حکام عدالت کے زمرے میں فریقین میں سے ایک کی قومیت والا حاکم عدالت شامل ہو تو فریق دیگر کسی ایسے شخص کا انتخاب کر سکے گا جو بطور حاکم عدالت نشست کرے۔ ایسے شخص کا انتخاب مرجح طور پر ان لوگوں میں سے ہو گا جن کی ف ۴ و ف ۵ کے مطابق امیدوار کے طور پر نامزدگی عمل میں آئی ہو

(۳) اگر حکام عدالت میں فریقین کی قومیت کا کوئی شامل نہ ہو تو فریقین میں سے ہر ایک دفعۂ ہذا کی ضمن (۲) کے احکام کے مطابق ایک ایک حاکم عدالت کا انتخاب عمل میں لا سکتا ہے۔

(۴) دفعۂ ہذا کے احکام کا اطلاق ف ۲۶ و ف ۲۹ کے مقدمے پر بھی ہو گا۔ ایسی صورتوں میں میر مجلس فریقین متعلقہ کی قومیت والے ایک، یا اگر ضرورت ہو تو دو حکام عدالت سے، اور اگر وہ موجود نہ ہوں یا اگر وہ حاضر نہ رہ سکتے ہوں تو ان حکام عدالت سے خواہش کرے گا جنھیں فریقین خاص طور پر منتخب کرتے۔

(۵) اگر ایک ہی مفاد کے کئی فریق ہوں تو وہ احکام بالا کے اغراض کے لئے ایک ہی فریق شمار کئے جائیں گے، اس نکتے کے متعلق کسی شبہے کا تصفیہ عدالت کے فیصلے سے ہو گا۔

(۶) دفعۂ ہذا کی ضمن (۲)، (۳)، اور (۴) کے مطابق جن حکام عدالت کا انتخاب ہو وہ دستور العمل ہذا کی ف ۲، ف ۱۷ (ضمن ۲)، ف ۲۰ اور ف ۲۴ کی مطلوبہ شرائط کی تکمیل کریں گے۔ وہ فیصلہ کرنے میں اپنے رفقا کے ساتھ مکمل مساوات کی اساس پر حصہ لیں گے۔

ف ۳۲ (۱) ہر رکن عدالت کو سالانہ ایک تنخواہ ملا کرے گی۔

مد ۲ میر مجلس کو سالانہ ایک خصوصی علاوہ (الاونس) [بھی] ملا کرے گا۔

مد ۳ نائب میر مجلس کو ہر اس دن کی بابت خصوصی علاوہ ملا کرے گا جب اس نے میر مجلس کے نگران کار کی حیثیت سے کام کیا ہو۔

مد ۴ حکام عدالت کے سوا جن حکام کا ف ۱۳ کے تحت انتخاب ہوا ہو اُنھیں ہر اُس دن کی بابت معاوضہ ملے گا، جب اُنھوں نے اپنے کام انجام دیے ہوں

مد ۵ یہ تنخواہیں، علاوے اور معاوضہ مجلس عام مقرر کرے گی۔ میقاتِ عہدہ میں ان کی تخفیف نہیں ہو سکے گی۔

مد ۶ معتمد (رجسٹرار) عدالت کی تنخواہ عدالت کی تجویز پر مجلس عام مقرر کرے گی۔

مد ۷ مجلس عام کے مقرر کردہ قواعد ان شرائط کا تعین کرینگے جن کے تحت ارکانِ عدالت اور معتمدِ عدالت کو وظیفۂ علاحدگی دیا جائے گا۔ اور ان شرائط کا جن کے تحت ارکان عدالت اور معتمد عدالت کو مصارفِ سفر واپس دلائے جائیں گے۔

مد ۸ مذکورہ تنخواہیں، علاوے اور معاوضہ ہر قسم کے ٹیکس سے بری ہونگے۔

ف ۳۳ | مصارفِ عدالت کو اقوام متحدہ اس طور پر برداشت کریگی جس کا فیصلہ مجلس عام کریگی۔

دوسرا باب

عدالت کا اختیار

ف ۳۴ | مد ۱ عدالت کے سامنے مقدمات کی فریق صرف مملکتیں ہو سکتی ہیں

مد ۲ عدالت اپنے قواعد کے تابع اور اُن کے مطابق عمومی (پبلک) بین الممالک تنظیموں سے ان مقدمات کے سلسلے میں جو اس کے سامنے ہوں متعلقہ معلومات کی خواہش کر سکے گی اور ایسے معلومات قبول کریگی جو اس طرح کی تنظیمیں خود ہو کر پیش کریں۔

(۳) جب کبھی عدالت کے سامنے کسی مقدمے میں کسی عمومی بین الممالک ادارے کے دستور کی یا اس کے تحت طے شدہ کسی بین الممالک معاہدے کی تعبیر زیر بحث ہو تو معتمد (رجسٹرار) متعلقہ عمومی بین الممالک تنظیم کو اس کی اطلاع دیگا اور جملہ تحریری روئدادوں کی نقلیں روانہ کرے گا۔

دفعہ ۳۵ (۱) عدالت ان مملکتوں کے لئے کھلی رہیگی جو موجودہ دستور العمل کی فریق ہوں

(۲) جن شرائط کے تحت عدالت دیگر مملکتوں کے لئے بھی کھلی رہیگی وہ نافذہ معاہدات کے خصوصی احکام کے تابع، مجلس تحفظ مقرر کرے گی لیکن کسی صورت میں بھی ایسی شرطیں فریقین کو عدالت کے سامنے عدم مساوات کی حالت میں نہیں ڈالیں گی۔

(۳) جب کوئی ایسی مملکت جو اقوام متحدہ کی رکن نہ ہو، کسی مقدمے کی فریق ہو تو عدالت اس رقم کا تعین کرے گی جو اس کو عدالت کے مصارف کی بابت ادا کرنی ہوگی۔ اس حکم کا اطلاق اس وقت نہ ہوگا جب ایسی مملکت عدالت کے مصارف کا کوئی حصہ برداشت کر رہی ہو۔

دفعہ ۳۶ (۱) عدالت کا اختیار سماعت ان تمام مقدمات پر حاوی ہے جو فریقین اس کے پاس رجوع کریں اور ان تمام معاملات پر جن کا اقوام متحدہ کے منشور میں یا نافذہ معاہدوں اور اقراروں میں خصوصی حکم ہے۔

(۲) جو مملکتیں موجودہ دستور العمل کی فریق ہیں وہ کسی وقت بھی اعلان کر سکتی ہیں کہ مسائل ذیل سے متعلق تمام قانونی جھگڑوں میں عدالت کے اختیار سماعت کو کسی اور ایسی مملکت کے متعلق خود بخود تسلیم کرتی ہیں جو خود بھی ایسے وجوب کو قبول کرتی ہو:-

ا۔ کسی معاہدے کی تعبیر؛

ب۔ قانون بین الممالک کا کوئی مسئلہ؛

ج۔ کسی ایسے واقعے کا وجود جس کے ثابت ہونے پر کسی بین الممالک وجوب کی خلاف ورزی عمل میں آتی ہو۔

د۔ اس تلافی کی نوعیت اور مقدار جو کسی بین الممالک وجوب کی خلاف ورزی پر کی جاتی ہو۔

(۳) مذکورۂ بالا اعلانات غیر مشروط طور پر بھی کئے جا سکتے ہیں، یا اس شرط پر کہ مختلف یا معین

مملکتیں بھی ایسا ہی کریں۔ یا کسی معینہ مدت کے لئے بھی۔

۴ ایسے اعلانات اقوام متحدہ کے معتمد عمومی کے پاس رکھوائے جائیں گے اور وہ دستور العمل کے فریقوں اور معتمد عدالت کے پاس ان کی نقلیں روانہ کرے گا

۵ جو اعلانات بین الممالک انصاف کی مستقل عدالت کے دستور العمل کی دفعہ ۳۶[1] کے تحت کئے گئے ہوں اور فی الوقت بھی نافذ ہوں ان کے متعلق تصور کر لیا جائے گا کہ وہ موجودہ دستور العمل کے فریقوں کے مابین بین الممالک عدالت انصاف کے لازمی اختیار سماعت کو اس مدت کے لئے قبول کرنا ہے جو ان (اعلانات) کے شرائط کے مطابق ابھی باقی ہو۔

۶ اگر اس امر میں جھگڑا ہو کہ آیا عدالت کو اختیار سماعت ہے، تو ایسی صورت میں معاملے کا تصفیہ فیصلۂ عدالت کے ذریعے سے عمل میں آئیگا۔

۳۷ جب کبھی کسی نافذ الوقت معاہدے یا اقرار میں یہ حکم ہو کہ کوئی معاملہ مجلس اقوام کی قائم کردہ عدالت یا بین الممالک انصاف کی مستقل عدالت میں رجوع کیا جائے تو دستور العمل ہذا کے فریقوں کی حد تک

---

[1] جو یہ ہے:- عدالت کا اختیار سماعت اُن تمام مقدمات پر حاوی ہے، جو فریقین اس کے پاس رجوع کریں نیز ان تمام معاملات پر جن کے لئے معاہدوں اور اقرارناموں میں خاص طور پر حکم دیا گیا ہو۔

ارکان مجلس اقوام اور وہ مملکتیں جن کا ذکر ضمیمۂ میثاق میں کیا گیا ہے یا تو اس قول و قرار پر جو دستور العمل ہذا کے ساتھ منسلک ہے دستخط کرتے وقت یا اس کی توثیق کرتے وقت، یا کسی آئندہ تاریخ پر اعلان کر سکتی ہیں کہ وہ عدالت کے اختیار سماعت کو مندرجۂ ذیل امور سے متعلق جملہ یا کسی بھی قسم کے قانونی نزاعات میں ہر اس دیگر رکن یا مملکت کے متعلق خود بخود اور بغیر کسی خصوصی راضی نامے کے لازمی تسلیم کرتی ہیں، جو خود بھی اس وجوب کو تسلیم کرے:-

ا۔ کسی معاہدے کی تعبیر

ب۔ قانون بین الممالک کا کوئی مسئلہ

ج۔ کسی ایسے واقعے کا وجود جس کے ثابت ہونے پر کسی بین الاقوامی وجوب کی خلاف ورزی عمل میں آتی ہو۔

د۔ اس تلافی کی نوعیت اور مقدار جو کسی بین الممالک وجوب کی خلاف ورزی پر کی جاتی ہو۔

مذکورۂ بالا اعلان بلا شرط بھی کیا جا سکتا ہے یا اس شرط پر بھی کہ مختلف یا معین ارکان یا مملکتیں بھی ایسا ہی کریں یا کسی معین وقت کے لئے بھی۔

اگر اس امر میں نزاع ہو کہ عدالت کو اختیار سماعت حاصل ہے یا نہیں تو معاملے کا تصفیہ فیصلۂ عدالت کے ذریعے سے عمل میں آئیگا۔
(مترجم)

وہ معاملہ بین الممالک عدالت انصاف میں رجوع کیا جائے گا۔

ف ۳۸ | ۱ عدالت جس کا کام یہ ہے کہ اس کے سامنے پیش کئے جانے والے جھگڑوں میں قانون بین الممالک کے مطابق فیصلے کرے، حسب ذیل اطلاق کرے گی :۔

ا۔ بین الممالک اقرارات، خواہ عمومی ہوں یا خصوصی، جو ایسے قواعد مقرر کرتے ہوں جن کو متخاصم مملکتوں نے صراحت کے ساتھ تسلیم کر لیا ہو۔

ب۔ بین الممالک رواج، اس بات کی شہادت کے طور پر کہ ایک عام عملدرآمد کی بنا پر اسے بطور قانون تسلیم کر لیا گیا ہے۔

ج۔ قانون کے عام اصول جن کو متمدن قوموں نے تسلیم کر لیا ہو۔

د۔ ف ۵۹ کے احکام کے تابع، عدالتی فیصلے اور مختلف قوموں کے نہایت اعلیٰ قابلیتوں کے مؤلفوں کی تعلیمات، قانون کے قواعد کے تعین کے ذیلی ذرائع کے طور پر۔

۲ اس حکم سے عدالت کے اس اقتدار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کہ کسی مقدمے کا فیصلہ "عدل و احسان" کے مطابق کرے، اگر فریقین اس پر رضامند ہوں۔

تیسرا باب

ضابطہ

ف ۳۹ | ۱ عدالت کی سرکاری زبانیں فرانسیسی اور انگریزی ہوں گی۔ اگر فریقین رضامند ہوں کہ مقدمہ فرانسیسی میں چلایا جائے تو فیصلہ فرانسیسی میں صادر کیا جائے گا، اگر فریقین رضامند ہوں کہ مقدمہ انگریزی میں چلایا جائے تو فیصلہ انگریزی میں صادر کیا جائے گا

۲ کسی ایسی رضامندی کی غیر موجودگی میں کہ کونسی زبان استعمال کی جائے، ہر فریق بحث (پلیڈنگ) میں وہ زبان استعمال کر سکے گا جو وہ پسند کرے؛ عدالت کا فیصلہ فرانسیسی اور انگریزی میں صادر ہوگا۔ ایسی صورت میں عدالت ساتھ ہی یہ بھی طے کرے گی کہ دونوں متنوں میں سے کس کو مستند تصور کیا جائے

(۳) عدالت کسی فریق کی خواہش پر یہ اجازت دے گی کہ وہ فریق فرانسیسی یا انگریزی کے سوا کوئی اور زبان استعمال کرے۔

ف ۴۰ (۱) جیسی کہ صورت ہو، مقدمات عدالت کے سامنے یا تو معین راضی نامے کی اطلاع کے ذریعے سے لائے جائیں گے یا تحریری درخواست کے ذریعے سے معتمد عدالت کو مخاطب کرکے، ہر ایک صورت میں نزاعی امر اور فریقین کی تفصیل دی جائے گی۔

(۲) معتمد عدالت درخواست کی اطلاع فوراً جملہ متعلقہ فریقوں کو روانہ کرے گا

(۳) وہ اقوام متحدہ کے ارکان کو بھی معتمد عمومی کے ذریعے سے اطلاع دے گا نیز کسی اور ایسی مملکت کو بھی جسے عدالت کے سامنے حاضر ہونے کا حق ہو

ف ۴۱ (۱) عدالت کو اگر وہ خیال کرے کہ حالات اس کے متقاضی ہیں تو یہ اقتدار ہو گا کہ ایسے عارضی تدابیر بتائے جن کا اختیار کیا جانا فریقین میں سے ہر ایک کے متعلقہ حقوق کے تحفظ کے لئے اختیار کئے جانے چاہئیں۔

(۲) آخری فیصلہ ہونے تک مجوزہ تدبیروں کی اطلاع فوراً فریقین اور مجلس تحفظ کو دی جائے گی۔

ف ۴۲ (۱) فریقین کی نمائندگی کارندوں کے ذریعے سے عمل میں آئے گی۔

(۲) وہ عدالت کے سامنے مشیر قانونی یا وکیلوں سے مدد لے سکیں گے۔

(۳) عدالت کے سامنے آنے والے فریقوں کے کارندوں، مشیر قانونی اور وکیلوں کو وہ امتیازات اور تامینات حاصل رہیں گے جو اپنے فرائض کی آزادانہ انجام دہی کے لئے ضروری ہوں۔

ف ۴۳ (۱) روئداد دو حصوں پر مشتمل ہوگی: تحریری اور زبانی۔

(۲) تحریری روئداد عدالت اور فریقین کو بھیجی جانے والی یادداشتوں، جوابی یادداشتوں اور ضرورت ہو تو جوابوں پر مشتمل ہوگی؛ نیز تمام تائیدی کاغذوں اور دستاویزوں پر۔

(۳) یہ ارسالات معتمد عدالت کے توسط سے اس ترتیب اور اس وقت کے اندر ہونگے جو مقرر کرے۔

(۳) ہر دستاویز کی جو ایک فریق پیش کرے، مصدقہ نقل دوسرے فریق کو بھی جائے گی۔

(۴) زبانی روداد گواہوں، ماہروں، کارندوں، مشیر قانونی اور وکیلوں کی سماعتِ عدالت پر مشتمل ہوگی

ف ۴۴ (۱) کارندوں، مشیر قانونی اور وکیلوں کو اطلاع دہی کے لئے عدالت راست اس حکومت سے درخواست کرے گی جس کی سرزمین پر اطلاع دہی عمل میں آنی ہو۔

(۲) یہی حکم اس وقت بھی اطلاق پائے گا جب اس غرض کے لئے قدم اٹھائے جانے ہوں کہ شہادت برموقع لی جائے۔

ف ۴۵ سماعت میر مجلس کی نگرانی میں ہوگی، یا اگر وہ صدارت کے ناقابل ہو تو نائب میر مجلس کی؛ اگر دونوں میں سے کوئی بھی صدارت کے قابل نہ ہو تو سینیئر حاضر الوقت حاکم عدالت صدارت کرے گا۔

ف ۴۶ عدالتی سماعت کھلی ہوگی، بجز اس کے کہ عدالت کوئی اور فیصلہ کرے، یا بجز اس کے کہ فریقین مطالبہ کریں کہ عوام کو داخلے کی اجازت نہ دی جائے۔

ف ۴۷ (۱) ہر سماعت کی روئداد قلمبند کی جائیگی اور اس پر معتمدِ عدالت اور میر مجلس کے دستخط ہونگے۔

(۲) ایسی روئداد ہی مستند ہوگی۔

ف ۴۸ عدالت حکم دیگی کہ مقدمہ کس طور سے چلے، اور اس طریقے اور وقت کا فیصلہ کریگی جس میں ہر فریق کو اپنا استدلال ختم کرنا ہوگا۔ اور شہادت لینے سے متعلق تمام انتظامات کرے گی۔

ف ۴۹ سماعت شروع ہونے سے پہلے بھی عدالت کارندوں سے مطالبہ کرسکے گی کہ کوئی دستاویز پیش کریں یا کوئی وضاحتیں مہیا کریں۔ اگر کوئی انکار کیا جائے تو اس کی باضابطہ یادداشت لی جائیگی۔

ف ۵۰ عدالت کسی وقت بھی کسی فرد، جماعت، دفتر، کمیشن، یا کوئی اور تنظیم کے، جسے وہ منتخب کرے، سپرد کسی تحقیقات کے عمل میں لانے یا کسی ماہرانہ رائے کے دینے کا کام کرسکتی ہے۔

ف ۵۱ دورانِ سماعت میں سوالات متعلقہ گواہوں اور ماہروں سے ان شرائط کے تحت ہونگے جو ... میں بیان شدہ قواعدِ ضابطہ کے سلسلے میں عدالت مقرر کرے۔

دفعہ ۵۲ اگر مقررکردہ وقت کے اندر عدالت کو ثبوت اور شہادت حاصل ہو جائیں تو وہ کسی مزید زبانی یا تحریری شہادت کو، جو کوئی فریق پیش کرنا چاہے، قبول کرنے سے انکار کرسکتی ہے بجز اس کے کہ طرف ثانی راضی ہو۔

دفعہ ۵۳ (۱) جب کبھی فریقین میں سے ایک عدالت کے سامنے حاضر نہ ہو یا اپنے مقدمے کی جوابدہی سے قاصر رہے تو دوسرا فریق عدالت سے مطالبہ کرسکے گا کہ وہ اس کے حق میں دعوے کا فیصلہ کرے۔

(۲) عدالت کو ایسا کرنے سے پہلے نہ صرف یہ اطمینان کرلینا چاہیئے کہ اسے ف ۳۶ و ف ۳۷ کے مطابق اختیار سماعت حاصل ہے بلکہ یہ بھی کہ دعویٰ واقعیت اور قانون پر اچھی طرح مبنی ہے۔

دفعہ ۵۴ (۱) عدالت کی نگرانی کے تابع، جب کارندے، مشیر قانونی، اور وکیل مقدمے کے متعلق اپنی جوابدہی اور بحث مکمل کرچکیں تو میر مجلس اعلان کرے گا کہ سماعت ختم ہوچکی۔

(۲) عدالت فیصلے پر غور کرنے کے لئے برخاست کرے گی۔

(۳) عدالت کے مباحث تخلیے میں عمل میں آئیں گے اور راز رہیں گے۔

دفعہ ۵۵ (۱) جملہ مسائل کا فیصلہ حاضرالوقت حکام عدالت کی اکثریت سے ہوگا۔

(۲) آرار کے برابر ہونے کی صورت میں، میر مجلس یا اس کا نگران کار حاکم عدالت ایک فیصلہ کن (زائد) رائے دیگا۔

دفعہ ۵۶ (۱) فیصلے میں ان وجوہ کا ذکر ہوگا جن پر وہ مبنی ہو۔

(۲) اس میں ان حکام عدالت کے نام ہونگے جنھوں نے فیصلے میں حصہ لیا ہو۔

دفعہ ۵۷ اگر فیصلہ کلاً یا جزءً حکام عدالت کی متفقہ رائے کی نمایندگی نہ کرتا ہو تو ہر حاکم عدالت کو حق ہوگا کہ اپنی علاحدہ رائے صادر کرے۔

دفعہ ۵۸ فیصلے پر میر مجلس اور معتمد عدالت کے دستخط ہونگے۔ وہ کھلی عدالت میں پڑھا جائے گا جس کے لئے کارندوں کو مناسب اطلاع دی جائے گی

دفعہ ۵۹ عدالت کا فیصلہ کسی کے لئے قابل پابندی نہ ہوگا بجز فریقین کے اور وہ بھی اس خاص مقدمے کی حد تک۔

ف ۶۰ | فیصلہ مختتمہ اور ناقابلِ مرافعہ ہوگا، اگر کسی وقت فیصلہ کے معنے یا وسعت کے متعلق اختلاف پیدا ہو تو عدالت کسی فریق کی خواہش پر اس کی تعبیر کرے گی۔

ف ۶۱ | ۱۔ کسی فیصلے کی نظرِ ثانی کی درخواست صرف اسی وقت پیش ہو سکے گی جب وہ کسی ایسی نوعیت کے واقعے کی دریافت پر مبنی ہو جو فیصلہ کن عامل ہو اور وہ واقعہ فیصلہ صادر ہوتے وقت عدالت کو معلوم نہ ہو اور اس فریق کو بھی جو نظرِ ثانی کا مطالبہ کر رہا ہے، اور بہر حال یہ شرط ہوگی کہ ایسی لاعلمی غفلت کی بنا پر نہ ہو۔

۲۔ نظرِ ثانی کی کارروائی کا آغاز عدالت کے ایک فیصلے سے ہوگا جس میں صراحت سے اس کا ذکر کیا جائے گا کہ نیا واقعہ موجود ہے اور یہ تسلیم کیا جائیگا کہ وہ اس نوعیت کا ہے کہ مقدمے کی نظرِ ثانی کا متقاضی ہے اور یہ اعلان کیا جائے گا کہ اس بنا پر درخواست قابلِ ادخال ہے۔

۳۔ عدالت یہ مطالبہ کر سکے گی کہ فیصلے کے احکام کی اولاً تعمیل کی جائے قبل اس کے کہ وہ نظرِ ثانی کی کارروائی کی اجازت دے۔

۴۔ نظرِ ثانی کی درخواست نئے واقعے کی دریافت کے کم از کم چھے ماہ کے اندر کی جانی چاہیئے۔

۵۔ نظرِ ثانی کی کوئی درخواست تاریخ فیصلہ سے دس سال گزر چکنے کے بعد نہیں کی جا سکے گی۔

ف ۶۲ | ۱۔ اگر کوئی مملکت یہ خیال کرے کہ اس کا قانونی نوعیت کا کوئی مفاد ایسا ہے جو مقدمے کے فیصلے سے متاثر ہو سکتا ہے تو وہ عدالت کو ایک درخواست دے سکے گی کہ اُسے دخل دینے کی اجازت دی جائے۔

۲۔ یہ عدالت کا کام ہوگا کہ اس درخواست کا فیصلہ کرے۔

ف ۶۳ | ۱۔ جب کبھی کسی ایسے اقرار نامے کی تعبیر زیرِ بحث ہو جس میں فریقین مقدمہ کے سوا دوسری مملکتیں (بھی) فریق ہوں تو مہتمم عدالت ایسی مملکتوں کو فوراً اطلاع دیگا۔

۲۔ ہر مملکت کو جسے اس طرح اطلاع دی جائے یہ حق ہوگا کہ کارروائی میں دخل دے۔ لیکن اگر وہ اس حق کو کام میں لاتی ہے تو فیصلۂ عدالت سے جو تعبیر عمل میں آئے وہ اس کیلئے بھی مساوی طور پر قابلِ پابندی ہوگی۔

ف ۶۴ بجز اس کے کہ عدالت کوئی اور فیصلہ کرے ہر فریق اپنے مصارف خود برداشت کرے گا۔

چوتھا باب

مشاورتی رائیں

ف ۶۵ (۱) عدالت کسی قانونی مسئلے پر مشاورتی رائے کسی ایسی مجلس کی خواہش پر دے سکیگی جسے منشور اقوام متحدہ کے ذریعے سے یا اس کے مطابق ایسی خواہش کرنے کا حق ہو۔

(۲) جن مسائل پر عدالت کی مشاورتی رائے طلب کی جائے وہ عدالت کے سامنے ایک تحریری خواہش کے ذریعے سے پیش کئے جائیں گے اور اس مسئلے کی مکمل وضاحت ہوگی جس پر رائے کی ضرورت ہو اور وہ تمام دستاویزیں منسلک کی جائیں گی جن سے اس مسئلے پر روشنی پڑنی ممکن ہو۔

ف ۶۶ (۱) معتمد عدالت مشاورتی رائے کی خواہش کی اطلاع فوراً ان تمام مملکتوں کو دیگا جنھیں عدالت کے سامنے حاضری کا حق ہو۔

(۲) معتمد عدالت ایک خصوصی اور راست مراسلت کے ذریعے سے کسی ایسی مملکت کو جسے عدالت کے سامنے حاضری کا حق ہو یا ایسی بین الممالک تنظیم کو جس کے متعلق عدالت (اور اس کو تعطیل ہونے کی صورت میں میر مجلس) یہ خیال کرے کہ اغلب ہے کہ وہ اس قابل ہو کہ اس مسئلے میں معلومات مہیا کر سکے، یہ اطلاع دے گا کہ عدالت اس کے لئے تیار رہیگی کہ میر مجلس کی مقرر کردہ مدت کے اندر تحریری بیانات قبول کرے یا کھلی نشست میں، جو خاص اس غرض کے لئے منعقد ہوگی، زبانی بیانات کی جو مسئلے سے متعلق ہوں سماعت کرے۔

(۳) ایسی کوئی مملکت جسے عدالت کے سامنے حاضری کا حق ہو، دفعۂ ہذا کی ضمن (۲) میں بیان شدہ خصوصی مراسلت کے وصول کرنے سے قاصر رہے تو ایسی مملکت یہ خواہش ظاہر کر سکتی ہے کہ ایک تحریری بیان پیش کرے یا اس کی سماعت کی جائے؛ اور عدالت فیصلہ کرے گی۔

(۴) جو مملکتیں اور تنظیمیں تحریری یا زبانی یا دونوں قسم کے بیانات پیش کریں، ان کو اجازت دیجائیگی کہ

دوسری مملکتوں یا تنظیموں کے بیانات پر اس طور پر، اس حد تک اور اس مدت کے اندر جو عدالت (یا اس کی تعطیل کے زمانے میں بیرجلس) ہر مقدمے کے متعلق فیصلہ کرے، تنقید کریں۔ بنابرآں معتمد عدالت مناسب وقت میں اس طرح کے تحریری بیانات ان مملکتوں اور تنظیموں کو روانہ کرے گا جنھوں نے اسی طرح کے بیانات پیش کئے ہوں۔

ف ۶۷ عدالت معتمد عمومی، اقوام متحدہ کے ارکان کے اور ان کے دیگر مملکتوں اور بین الممالک تنظیموں کے جو راست تعلق رکھتے ہوں، نمایندوں کو اطلاع دیکر اپنی مشاورتی رائے کھلی عدالت میں صادر کرے گی۔

ف ۶۸ عدالت اپنے مشاورتی وظائف کے استعمال میں مزید برآں دستور العمل ہذا کے ان احکام سے بھی رہنمائی حاصل کرے گی جن کا نزاعی مقدمات میں اس حد تک اطلاق ہوتا ہو جس حد تک وہ اس کے نزدیک قابل اطلاق ہیں۔

پانچواں باب

ترمیمیں

ف ۶۹ دستور العمل ہذا میں ترمیمیں اسی ضابطے سے عمل میں آئیں گی جو منشور اقوام متحدہ میں منشور کی ترمیم کرنے کے لئے مقرر ہے۔ البتہ یہ ان احکام کے تابع ہوگا جو مجلس تحفظ کی سفارش پر مجلس عام ان مملکتوں کے حصہ لینے کے متعلق مقرر کرے جو دستور العمل ہذا کی تو فریق ہیں لیکن اقوام متحدہ کی رکن نہیں ہیں۔

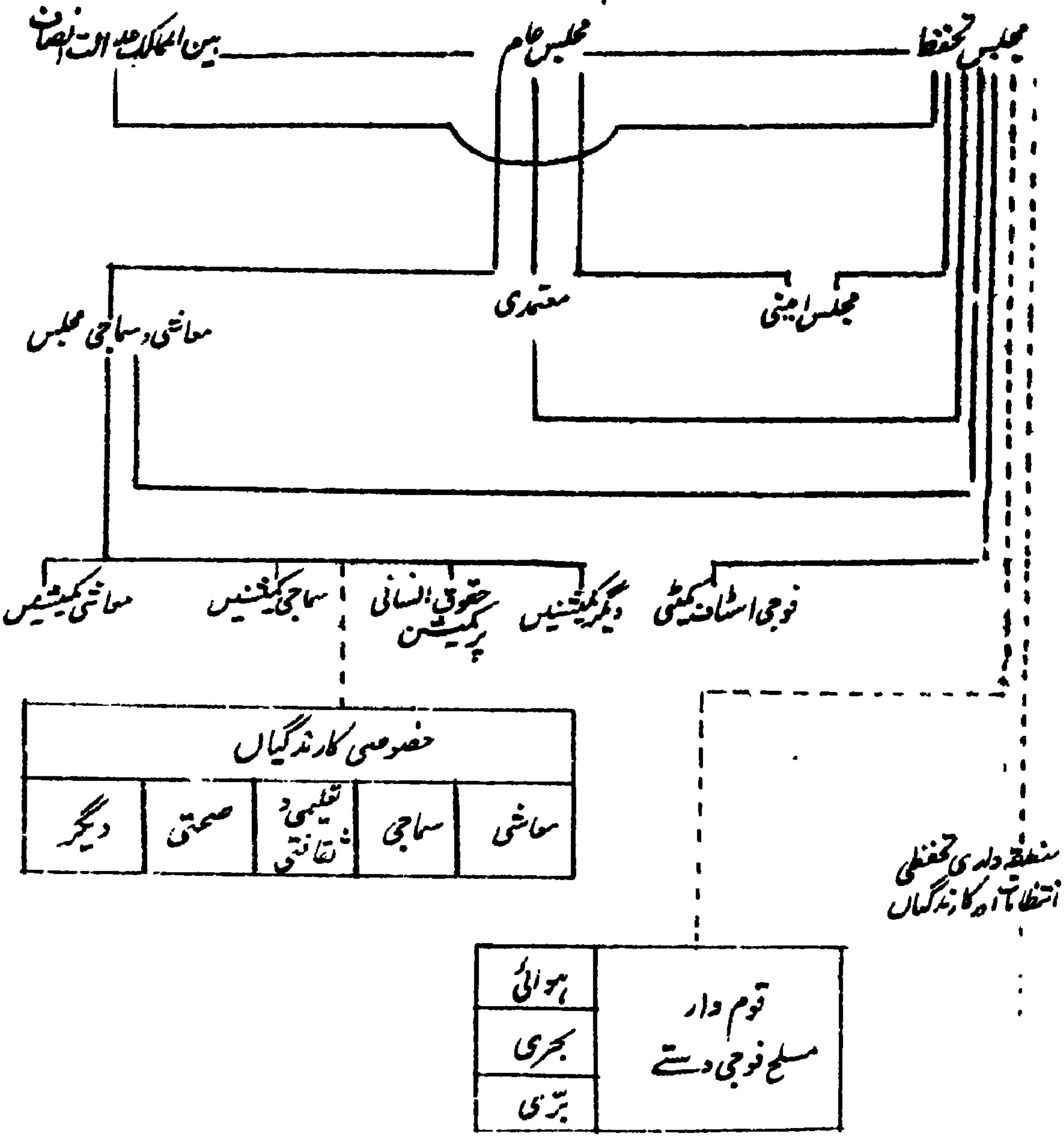
ف ۷۰ عدالت کو اختیار ہوگا کہ معتمد عمومی کے نام تحریری مراسلت کے ذریعے سے دستور العمل ہذا میں ایسی ترمیموں کی تجویز کرے جو اس کے خیال میں ضروری ہوں تاکہ ف ۶۹ کے احکام کے مطابق ان پر غور کیا جائے

دستخط کنندہ ممالک

۱۔ چین
۲۔ اتحاد شورائیہ جماہیر اشتراکیہ
۳۔ سلطنت متحدہ برطانیہ عظمیٰ و شمالی آئرلینڈ
۴۔ ممالک متحدہ امریکہ
۵۔ فرانس
۶۔ ارجنٹینا

۷- آسٹریلیا
۸- بادشاہت بلجیم
۹- بولیویا
۱۰- برازیل
۱۱- بیلوروسی (سفید روسی) جمہوریت شورائیہ اشتراکیہ
۱۲- کینیڈا
۱۳- چلی
۱۴- کولمبیا
۱۵- کوسٹاریکا
۱۶- کوبا
۱۷- چکوسلواکیا
۱۸- ڈنمارک
۱۹- ڈومینیکی جمہوریت
۲۰- ایکواڈور
۲۱- مصر
۲۲- ال سالواڈور
۲۳- حبش
۲۴- یونان
۲۵- گواٹی مالا
۲۶- ہائیٹی
۲۷- ہونڈوراس
۲۸- ہندستان
۲۹- ایران
۳۰- عراق
۳۱- لبنان
۳۲- لائبیریا
۳۳- لکزمبورگ کی گرینڈ ڈچی
۳۴- میکسیکو
۳۵- نیدرلینڈ کی بادشاہت
۳۶- نیوزیلینڈ
۳۷- نکاراگوا
۳۸- ناروے کی بادشاہت
۳۹- پاناما
۴۰- پاراگاے
۴۱- پیرو
۴۲- دولت عامۂ فلپائین
۴۳- پولینڈ (دستخط آئندہ ہوں گے)
۴۴- سعودی عرب
۴۵- شام
۴۶- ترکی
۴۷- یوکرینی جمہوریت شورائیہ اشتراکیہ
۴۸- اتحاد جنوبی افریقہ
۴۹- یوروگاے
۵۰- وِنزویلا
۵۱- یوگوسلاویا

تنظیم اقوام متحدہ



علامات:-
——— راست تعلق معین کردہ منشور
.... خصوصی راضی ناموں یا انتظامات کے ذریعے سے مقرر ہونے والا تعلق۔

موجودہ ہندوستانی تمدن میں بیرونی عناصر

از جناب سراج الدین احمد صاحب بی۔اے متعلم ال ال، بی

کسی قوم کے عادات واطوار، اخبار نویسی، ادب، تعلیم اور زندگی عامہ، مذہبی اور معاشرتی خیالات اور ان کا تغیر وتبدل، اقتصادیات، فنون لطیفہ اور تجارت وصنعت وحرفت، تمدن کی تشکیل میں حصہ لیتے ہیں۔ قوموں کے سیاسی عروج وزوال کو بھی اس سے تعلق ہے۔

عالمگیر کے بعد سے ہندوستانی قوم کو زوال ہونا شروع ہوا نہ صرف سیاسی بلکہ معاشی اعتبار سے بھی ملک کی حالت روبہ زوال تھی، بے روزگاری پھیل گئی، زراعت، تجارت، اور صنعت وحرفت مسلسل جنگوں سے منتشر اور تباہ وبرباد ہوگئی۔ ملک میں مرکزیت قائم نہ رہی اور اس سیاسی ومعاشی ہلچل سے فرنگی سوداگروں کی جماعتوں نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مختصر یہ کہ خاندان مغلیہ کا زوال اٹھارویں صدی میں سب سے بڑی آفت تھی، اور اس دور میں ہر ایک کو کسی نہ کسی طرح نقصان پہونچا۔

انگریزی سوداگروں کی کمپنی کی غرض وغایت یہ تھی کہ کمپنی کی حکومت ہندوستان میں قائم کی جائے کمپنی کے اکثر عہدہ دار اور ملازموں نے جب اپنے آپ کو سیاسی اقتدار وحکومت کے انتہائی درجہ پر پایا تو ان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ہندوستان کی دولت وثروت سے اپنے اور کمپنی کے خزانے پر کریں۔ اہل ہند کی صلاح وفلاح سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا۔ اس سیاسی انقلاب کا نتیجہ معاشی انقلاب اور عام تباہی کی صورت میں ہوا، یعنی ہندوستان سونے کی چڑیا سے مشت خاک میں تبدیل ہوگیا۔

فرانس کے ایک مشہور مفکر ٹارڈ کا نظریہ ہے کہ تقلید کا مادہ ہر انسان میں پایا جاتا ہے اور تقلید کی سماجی زندگی میں بہت بڑی اہمیت ہے۔ بچہ اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں میں قریب

قریب کل عادتیں دوسروں ہی سے سیکھتا ہے، اسی طرح غالب اور فاتح کی تقلید ہمیشہ مغلوب اور مفتوح کرتے ہیں، اور تھوڑے ہی دنوں میں فاتحوں کے رسوم و عادات کی تقلید مفتوحہ ممالک میں عام ہوجاتی ہے. غرض جب رفتہ رفتہ اپنے زور و طاقت سے انگریز سوداگروں نے اس ملک پر قبضہ جمالیا، اور جنگ پلاسی سے لیکر ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ تک ان کو ہر جگہ فوجی اور سیاسی فتح ہوتی رہی اور اس کا نتیجہ ہندستانی تمدن کے دیوالیہ کی صورت میں ظاہر ہوا تو اس زوال کے ساتھ ساتھ ماحول بھی بدلنے لگا، علم بھی قدامت کے طریقوں میں محدود ہوگیا، اور مغربی علوم و فنون کی رفتار کے ساتھ آگے نہ بڑھا. کمپنی نے اپنے دور حکومت کے اوائل میں مشرقی زبانوں کی درسگاہیں قائم کرنے کی کوشش کی. لیکن عیسائی مشنریوں اور ان کے دوستوں نے حکومت پر اعتراض کیا کہ حکومت کی طرف سے سنسکرت اور عربی زبان اور غیر عیسائی مذہبی تعلیم کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی نہ ہونی چاہیئے بعض انگریز اور ہندوستانیوں نے مل کر مشرقی اور مغربی تعلیم اور علمی مطالعہ کے مرکز قائم کئے جنھوں نے ہندستان کے تمدن پر گہرا اثر ڈالا. وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کو اعلیٰ مغربی تہذیب کے معیار تک پہنچائیں اور مغربی ادب کو ہندوستان کی تمام زبانوں میں سرایت کردیں، نیز ہندوستان کے مرکز سے اخلاقی، تمدنی اور حکیمانہ مغربی تحریکات اور علوم و فنون سے مشرق کو سیراب کریں. اس طرح مغربی تعلیم اکثر تمدنی تحریکات کا سرچشمہ بن گئی ہندوستانیوں کے قدیم مذہبی خیالات و احساسات میں خاص طور پر تغیر و تبدل ہونے لگا. اور بہت سی نئی تحریکات عالم وجود میں آئیں. جیسے جیسے کمپنی کی حکومت پھیلتی گئی، کمپنی کی ملازمت کے عملہ کے اعلیٰ درجوں میں انگریزی سے واقف ہونے کی بھی ضرورت لاحق ہوتی گئی، اس لیے انگریزی زبان کی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی، اور وہ دفتری زبان بن گئی. چونکہ انگریزی داں اشخاص ہی کے لئے ملازمت کا دروازہ کھلا ہوا تھا، اس لئے اس کی تحصیل کی خواہش میں اضافہ ہوا، اور حکومت چاہتی بھی یہی تھی کہ اہلکاروں کی جماعت تیار کرے کیونکہ ہندستانی انگریزوں کی نسبت کم یافت پر کام کرنے کے لئے تیار تھے. لارڈ ولیم بنٹنگ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ انگریزی تعلیم عام کردے، اور انگریزی تعلیم دینے والے مدرسوں کی سرپرستی اور امداد کرے

اس طرح ہندستانیوں پر یہ ظاہر ہوگیا کہ انگریزی سے واقف ہوئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے، ہندوستانیوں نے اپنی تہذیب کی شکست کو پورے طور پر مان لیا۔ راجہ رام موہن رائے اور سر سید احمد خاں چاہتے تھے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھیں اور ترقی کریں۔ان کے پیرووں نے انگریزی تہذیب کو قبول کرلیا اور ان کے نزدیک انگلستان ہی بہت اعلیٰ اور عمدہ ملک تھا۔یہ لوگ مغربی قومیت کے نظریوں، اصول، تنظیم، علوم و فنون جدیدہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے

غرض نئی تعلیم نے سیاسی حیثیت کا احساس پیدا کردیا، اور سیاسی بیداری کے باعث ہندوستان، معاشی، صنعتی، تعلیمی، معاشرتی، ادبی اور حکیماتی میدانوں میں قدم بڑھا رہا ہے۔اخبارات کی اشاعت اور قانون دانوں اور وکلاء کی موجودگی، بلدیاتی مجالس، اور قانون ساز جماعتوں کے قیام سے سیاسی تربیت اور بیداری شروع ہوئی ہے۔

حب الوطنی کے جذبات، انڈین نیشنل کانگریس اور دیگر قومی تحریکوں کی بنیاد، آزادی کے منصوبے، جمہوری طرز حکومت کی ضرورت کا احساس، یہ سب اسی تعلیم کے اثرات ہیں اگرچہ کہ ڈاکٹر ٹیگور اور علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کی تقلید اور نقل کے نقصانات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔اقبال کا کلام تو سراسر مغربی تمدن کی برائیوں کی ہی گویا تفسیر ہے۔چنانچہ اقبال نے کہا ہے کہ

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی — یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

بہرحال اس دور میں انگریزی ادب نے دیسی زبانوں خاصکر اردو ادب کو تبدیلی کی راہ دکھائی ہے۔اردو نظم و نثر انگریزی ادب کے ذریعہ فرانسیسی اور دیگر مغربی زبانوں کے اسالیب، خیالات اور جملہ وجودہ ادبی خصوصیات سے بہرہ ور ہوئی ہے۔۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد سے بین قومی سیاسی نظریوں کے گہرے اثرات سے اردو ادب میں تبدیلی کی روح تیزی کے ساتھ کارفرما ہوتی گئی، اور انگریزی فرانسیسی ادب کے ترجموں

سے قدیم ادب کی اہمیت گھٹنے لگی، سرمایہ اور افلاس کی جنگ نے نئی قدریں قائم کیں، حکمیاتی ترقی نے انسان کی آنکھیں کھول دیں۔ مغرب کی تہذیب نے مشرق کی تہذیب پر فتح حاصل کی تو ادب بھی نئے سانچے میں ڈھل گیا، اس وجہ سے کوئی لکھنے والا ایسا اسلوب اختیار کرنا پسند نہیں کرتا جو سننے اور پڑھنے والے کو بھلا نہ معلوم ہو اور سمجھ میں نہ آسکے۔ بات یہ ہے کہ ہر ملک کا ادب اپنے ماحول اور زمانہ کی پیداوار ہوتا اور موجودہ خیالات کی وجہ پروان چڑھتا ہے۔ موجودہ ادب میں ہم راجہ رانیوں اور شہزادہ شہزادیوں کے قصوں اور داستانوں کی جگہ کسانوں اور مزدوروں کی بپتاؤں، مفلسی اور غلامی کے ذکر اور جمہور کے احساسات کو پائیں گے، اس کی وجہ یہی ہے کہ مغربی تہذیب کے زیر اثر ملک کے ادیبوں اور شاعروں نے ادب برائے ادب کے نظریہ کو مہمل اور بے معنی قرار دے کر ادب برائے حیات کو جگہ دیدی ہے اور غور و فکر کے طریقوں اور نئے نئے خیالات، اسلوبوں اور مضامین کی شکل میں اپنے جذبات کو ظاہر کر رہے ہیں،

مغربی طرز زندگی کے اثرات بھی یہاں پڑے بغیر نہیں رہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں بے شمار اشیاء ایسی نظر آتی ہیں جن کا استعمال مغربی اثرات کی بناء پر ہوا ہے، مغربی لباس، آرائش و زیبائش کی اشیاء، فرنیچر، برقی قوت کا استعمال اور گھریلو استعمال کی اشیاء ہر مذہب و ملت کا شخص کر رہا ہے، موجودہ تمدن میں چند دلچسپیاں محض مغربی میکانیت اور ایجادات کا نتیجہ ہیں، ہماری وضع قطع بھی مغربی ہوتی جارہی ہے۔

عمارات اور مکانات اور اُن کی آرائش مغربی اُصولوں پر کی جاتی ہے، فنون لطیفہ اور مصوری وغیرہ میں بھی مغربی عناصر کا امتزاج ہو رہا ہے، موسیقی میں ایسے آلات استعمال ہو رہے ہیں جو مغربی ہیں،

حکومت اور سیاسیات نیز عام معاشری اور قومی ادارے سب مغربی نہج پر ترتیب دئیے گئے ہیں اور چونکہ برطانیہ سے ہمیں زیادہ واسطہ رہا ہے اس لئے ہم لوگ ارادی یا غیر ارادی طور پر انگلستان ہی کے سیاسی نظریوں اور دستوری نظام کی نقل اور تقلید کرتے ہیں۔

ملک کی صنعتی اور حرفتی ترقی بھی مغرب زدہ ہے، سائینس ہی کے کرشمے ہیں کہ اس سے ملک کی

صنعت وحرفت پر بہت اچھا اثر پڑا اور ملک میں ہزاروں کارخانے قائم ہو گئے۔ ملک کی تجارت نسبت پہلے کے بہت بڑھ گئی ہے۔ اندرونی تجارت کے علاوہ اہل ہند کروڑوں روپیہ کا لین دین دوسرے ملکوں سے کرتے ہیں۔ غرض اب ہندوستان، زمانۂ قدیم کا ہندوستان نہیں ہے کہ جس پر بیرونی دنیا کا کوئی اثر نہ پڑے بلکہ اب اس کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ آٹھ دس ہزار میل پر جو لڑائیاں ہوتی ہیں ان کا اثر اس پر پڑتا ہے۔

بنک کاری، نئی کمپنیوں کا قیام وغیرہ ملک اور قوم کی ترقیوں کا اہم ذریعہ بن گیا۔ ٹریڈ یونین، مزدوروں کے مسائل اور ان کی انجمنیں اور ان کے مسائل سب یہاں صرف مغرب سے ارتباط کی وجہ سے ہماری تہذیب وتمدن میں جگہ پا چکے ہیں۔ غرض ہمارے تمدن اور معاشرت کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہیں رہا ہے جو مغربی تمدن وتہذیب کے زیر اثر نہ آگیا ہو۔

یہ بحث کہ موجودہ تہذیب مضر ہے یا مفید علیحدہ عنوان کی طالب ہے۔

ہندوستان میں مقامی حکومت خود اختیاری کا آغاز

از جناب منیرالدین احمد صاحب فاروقی ایم اے (عثمانیہ) مدگار سٹی کالج حیدرآباد دکن

لارڈ رپن کا زمانہ | ہندوستان میں مقامی حکومت خود اختیاری کا مسئلہ نہ صرف انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے مرکز نظر بنا ہوا تھا بلکہ غدر کے بعد تاج کی حکومت کے لئے بھی یہ کچھ کم اہم نہیں تھا۔ مدراس کلکتہ اور بمبئی کے احاطے جب سے انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں آئے، اُس وقت سے لیکر اب تک حکومت ہند نے اپنی یہ کوشش جاری رکھی کہ جہاں تک ہوسکے ہندوستان میں اُس مقامی حکومت خود اختیاری کے طریقہ کو رائج کرے جو انگلستان میں کامیاب ہوا تھا، لیکن حکومت کی یہ کوشش کوئی زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ لارڈ رپن نے اپنے مراسلوں اور یادداشتوں میں بار بار اس پر زور دیا کہ وہ ہندوستان میں انگلستان کی سی حکومت خود اختیاری کو جگہ نہیں دیگا بلکہ اُنھیں طریقوں کو برقرار رکھے گا جو ہندوستان کی مقامی زندگی میں سینکڑوں سال سے چلے آرہے تھے۔ اس قسم کا خیال حکومت ہند کو بہت دیر بعد ہوا۔ کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا بمبئی، مدراس اور کلکتہ پر تسلّط قائم ہوئے سو سال سے زائد ہوچکے تھے اور اس عرصہ میں کمپنی نے حتی المقدور یہ کوشش کی کہ ہندوستان میں اسی قسم کی مقامی حکومت خود اختیاری کو رائج کرے جو انگلستان میں کامیاب طریقہ پر چل رہی تھی۔ لیکن کمپنی نے یہ خیال نہیں کیا کہ کسی ملک کے سیاسی ادارے اس ملک کے جغرافی ماحول اور تاریخی ارتقاء کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سولھویں صدی عیسوی میں ہوبین اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں خود برک نے انقلاب فرانس کے دستور کی اسی تخیل پر کہ کسی ملک کے سیاسی اداروں کا مستقل قیام اس ملک کے تاریخی سلسلہ اور جغرافی ماحول پر منحصر ہوتا ہے، بہت ہی خدمت کی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا یہ طرز عمل کہ مغربی اداروں کو ہندوستان میں جگہ دی جائے صرف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جہاں تک ہوسکے ہندوستان میں انگلستان کی ہر چیز کو عام کرنا چاہتی تھی۔ تاکہ انگریزی تہذیب

کو لوگ سمجھیں اور اس کی تعریف کریں. لیکن اس کا خیال غلط نکلا کیونکہ بجائے اس کے کہ انگلستان کے سے سیاسی اداروں کے ہندوستان میں قائم کرنے کی جو کوشش کی گئی، اس کو ہندوستانی خوش آمدید کہتے انھوں نے مخالفت کی، اور انھوں نے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجبوراً لارڈ رپن کو مقامی حکومت خود اختیاری کے متعلق اپنی حکمت عملی بدلنی پڑی اور وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ انگلستان کا طریقہ ہندوستان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ چاہا تھا کہ نہ صرف اضلاع بلکہ دیہاتوں میں بھی حکومت کا براہ راست اثر قائم ہو جس کے لئے اس نے یہ تحریک کی کہ دیہاتوں سے پنچائتی طریقہ کو ختم کر کے حکومت کے عہدہ داروں کو پنچایتی اختیارات دیدئے جائیں. علاوہ ازیں پٹیل جو بہ حیثیت ایک پولیس کے کارکن کے تھا اس کی جگہ حکومتی پولیس کی تنظیم کی جائے۔

اس تحریک کی مخالفت ہندوستانی ہی نہیں بلکہ خود انگریز گورنروں نے کی جن میں مدراس کے گورنر منرو اور بمبئی کے گورنر الفنسٹن بہت ہی اہمیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ مدراس کے گورنر منرو نے کہا "کوئی طریقہ اس وقت تک دیہاتوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ قدیم زمانہ سے نہ چلا آ رہا ہو" منرو نے یہ ۱۸۲۴ء میں دیہاتوں میں پولیس کی تنظیم کی مخالفت میں کہا تھا۔ الفنسٹن نے پنچایتی طریقہ کی تائید کرتے ہوئے ۱۸۲۱ء میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "ہمارا بنیادی آلۂ کار پنچایتی طریقہ کو جاری رکھنے کا ہونا چاہئے، اور وہ اس طرح جاری رکھا جائے کہ نئے طریقوں کو نکال دیا جائے اور ہم اپنی حد تک قواعد مرتب کر کے ان پر عائد نہ کریں۔ الغرض یہ کہ مقامی باشندوں کو سوائے اس کے کہ مالگزاری وصول کرنے کا اختیار دیا گیا، دیہات کے باقی تمام کاروبار براہ راست حکومت سے متعلق کر دیے گئے، اور اس طرح سے ایک قسم کی مرکزیت قائم کی گئی۔ دیہاتوں اور اضلاع کا (بجٹ) موازنہ پورا حکومت کے اختیار میں آگیا جو لوگ مقامی معاملات میں بڑی دلچسپی سے حصہ لیتے تھے وہ محروم کر دیے گئے۔ اس طرح سے انگریزی طرز کے اداروں کی داغ بیل ڈالی گئی۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے "غدر" کے بعد جب ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی کے آہنی پنجہ سے نکل کر تاج کے تحت آگیا تو پھر ہندوستان میں انگریزی حکومت کی وہ انتہائی مرکزیت اور دفتر شاہی باقی نہیں رہی جو غدر سے قبل تک تھی۔ علاوہ ازیں تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ احساس

با ہو چلا تھا کہ براہِ راست نہیں تو کم از کم بالواسطہ حکومتی معاملات میں حصہ لے۔ چنانچہ رپن نے صحیح وسیع مقامی حکومت خود اختیاری قائم کرنے پر زور دیا، اور اُس وقت کے ہندوستان کی سماجی، معاشی سیاسی حالت کو پیش کرتے ہوئے اس بات کی ضرورت بتلائی کہ ہندوستانیوں کو حکومتی معاملات حصہ لینے سے روکا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اُس نے ۱۸۸۲ء میں وزیر ہند کو جو یادداشت روانہ کی اُس تحریر کرتا ہے کہ :-

"خواہ کوئی شخص بھی ہو، اگر وہ عمیق نہیں تو کم از کم سرسری طور پر بھی اس ملک (ہندوستان) کے حالات کا مطالعہ کرلے تو معلوم ہو گا کہ ہم ایک نئے دور میں داخل ہو گئے ہیں، تعلیم کی توسیع، آزادیٔ مطابع، مدرسوں میں اضافہ، بہترین نظم و نسق، ریلوں اور ٹیلیگراف وغیرہ کی ترقی، یورپ تک آسان تر ذرائع نقل و حمل اور یورپی خیالات کا سیلاب، یہ سب نمایاں طور پر عوام پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ نئے خیالات، نئے جذبات، اور رائے عامہ کی قوت میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے اور ایک ایسی تحریک کی ابتدا ہوئی ہے جو قوت و تیزی کے ساتھ ہر سال ترقی پر ہے۔ ایسے حالات میں حکومت بالخصوص ایسی حکومت جو عملاً مطلق العنان ہے۔ اس کے لئے حالات سے نمٹنا ایک دشوار گذار مسئلہ ہے، کیونکہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھنا تو خطرناک ہے ہی، لیکن مسئلہ کو پس پُشت ڈالنا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ .... لہٰذا اب حکومت کے سامنے دو راستے ہیں جن میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کے خیالات پر عمل کرے جنھوں نے کہ مطابع کو آزادی دی، تعلیم کو عام کیا، اور ملک (ہندوستان) کے باشندوں کو کسی نہ کسی طرح عوام کی خدمت کرنے کا موقع دیا۔ دوسرے یہ ہو کہ حکومت اُن کا کہنا مانے جنھوں نے مطابع کی آزادی پر اظہارِ نفرت کیا، تعلیم کی ترقی میں روڑے اٹکائے اور ہندوستانیوں کو اپنے ہی معاملات کا انتظام کرنے میں حصہ لینے کو بہت ہی مشتبہ اور خطرہ کی نظروں سے دیکھا۔ یہی وہ دو طریقہ کار ہیں جن میں سے

کسی ایک پر عمل کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، ایک کا مطلب ترقی ہے، اور دوسرے کا مطلب اِن تحریکات کو دبانا ہے۔ لارڈ لٹن نے آخر الذکر کو اختیار کیا اور میں نے اول الذکر کو پسند کیا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ اس کے نتائج اُمید افزا ثابت ہونگے۔"

رپن چونکہ انگلستان کی آزاد خیال جماعت (Libral Party) کی جانب سے ہندوستان کا وائسرائے بنایا گیا تھا، اُس لئے اُس نے یہ جان توڑ کوشش کی کہ ہندوستان میں دور اصلاحات کی ابتدا کرے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ہندوستان کے حالات سے بخوبی واقف تھا، جیسا کہ تذکرۂ بالا یادداشت میں اُس نے اِن حالات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ہندوستان کی اُس سیاسی اصلاح کے علاوہ ورنا کلر پریس ایکٹ کی منسوخی، اور البرٹ بل کے جو اہم چیز ہے مقامی حکومت خود اختیاری کی بالکل جدید طریقہ پر ترویج ہے۔

پہلے پہلے رپن کا یہ خیال تھا کہ مرکزی اور صوبہ واری مقننہ میں انتخابی عنصر کو جگہ دے لیکن جب اُس نے "صوبہ واری معاہدات (Provincial Contracts) کی پنج سالہ رپورٹ کا بغائر مطالعہ کیا تو اُس کو یہ خیال ترک کر دینا پڑا اور مقامی حکومتِ خود اختیاری میں اس انتخابی طریقہ کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ علاوہ اس کے دوسرا سبب ہندوستانیوں کو مرکزی اور صوبہ واری مقننہ میں شریک کرنے کا یہ تھا کہ رپن کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابتدا ہی میں یہ تجربہ ناکام رہے اور اس کے نتائج خاطر خواہ نہ نکلیں تو پھر نہ صرف ہندوستان کی سیاسی ترقی پچاس سال کے لئے رُک جائیگی بلکہ انگلستان کا قدامت پسند اور اینگلو انڈین طبقہ جو پہلے ہی سے اس کے (رپن) خلاف ہے، بہت زیادہ شور مچائے گا۔ اور اس طبقہ کو آئندہ ہر قسم کی ترقی پسند اصلاحات کی مخالفت کرنے کا ایک بہانہ مل جائے گا۔ رپن نے خود بھی اس پر اس لئے زور نہیں دیا کہ مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں کے جو نظم و نسق کے شعبے تھے وہ نہایت درجہ پیچیدہ اور اہم معاملات سے تعلق رکھتے تھے، جن کا تجربہ ظاہر ہے ہندوستانی تعلیم یافتہ نمایندوں کو حاصل نہیں تھا۔ اور اگر ان کو یہ ذمہ داریاں سپرد کر دی جاتیں تو اندیشہ اس بات کا تھا کہ کہیں واقعی خرابی نہ پیدا ہو جائے۔ غرض رپن کے پیش نظر یہ دو اہم چیزیں تھیں۔ ایک تو انگلستان کے قدامت پسند

اور اینگلو انڈین طبقہ کا ردعمل اصلاحات کے خلاف، اور ہندوستانیوں کی ناکامی کا اندیشہ۔ جن کی بنا پر اس نے یہ مناسب خیال کیا کہ نیچے سے اصلاح کی جائے، اور مرکزی و صوبجاتی حکومتوں میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے۔ بہ الفاظ دیگر ہندوستانیوں کے سپرد ایسے شعبے کئے جائیں جن کا اثر شاہی اور صوبجاتی مقننہ کے ماتحت شعبوں پر نہ پڑے۔

اس طرف رپن کی یہ کوشش تھی کہ ہندوستان میں مقامی حکومت خود اختیاری بہتر طریقہ پر قائم کرے اور اُس طرف انگلستان میں گلیڈ اسٹن کی آزاد خیال جماعت مقامی حکومت خود اختیاری کی اصلاح میں بڑے زور شور سے حصہ لے رہی تھی نتیجہ یہ کہ ۱۸۸۲ء میں رپن کی کونسل میں قانون حکومت خود اختیاری "منظور بھی ہوا اور نافذ بھی ہو گیا۔

یہ ایک عام قسم کا قانون تھا جس کی رو سے صوبوں کو اس کا پورا اختیار دیدیا گیا تھا کہ اپنے مقامی حالات اور ضروریات کے لحاظ سے اس میں تغیر و تبدل کر سکیں۔ اس قانون کی رُو سے یہ قرار پایا کہ ہر ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ بورڈ قائم کیا جائیگا جس کے ارکان کی نصف تعداد منتخب شدہ ہوگی اور نصف کو ضلع کا ناظر (Collector) نامزد کرے گا، اور اس بورڈ کا ایک صدر بھی ہوگا۔ یہاں یہ چیز غور طلب ہے کہ رپن بورڈ کی صدارت انگریز کو نہیں بلکہ ہندوستانی کو دینا چاہتا تھا، چنانچہ وہ اپنے ایک مراسلہ میں کہتا ہے :۔

"If the Boards are to be of any use for the purpose of training the natives to manage there own affairs, they must not be oner shadowed by the constant prevence of the Burra Sahib (بڑا صاحب) which may be freely translated. "bigsmell" of the District; they must be left gradually more and more to run alone, though watched from without by the Executive Authorities and checked if they run out of the right Course.

(ترجمہ) اگر بورڈ کے قیام کا افادی مقصد یہ ہو کہ دیسی باشندے اپنے معاملات خود سلجھانے کی تربیت حاصل کریں تو پھر ان میں ضلع کے "بڑے صاحب" یا ضلع کے "اعلیٰ ٹھاٹھ کے آدمی کی مسلسل موجودگی ہرگز نہ رکھی جائے۔ بلکہ انھیں رفتہ رفتہ خود کام کرنے کی آزادی دی جائے۔ لیکن عاملانہ ارباب حل وعقد ان پر نگرانی رکھیں اور اگر یہ (بورڈ) غلط راستہ اختیار کررہے ہوں تو انھیں اس سے باز رکھیں۔"

بہرحال رپن کے اس خیال کو قانون میں ملحوظ رکھا گیا۔ اس قانون کی رو سے قرار دیا گیا کہ صوبہ کے بڑے شہروں اور تمام اضلاع کے صدر مقاموں میں بلدیات قائم کی جائیں گی جن میں اسی طرح نصف منتخب شدہ اور نصف نامزد شدہ اراکین ہونگے، صدر منتخب شدہ ہوا کرے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اضلاع کے صدر مقامات میں ہندوستانی تعلیم یافتہ زیادہ تھے۔ جس طرح ضلع کے بورڈ کو بعض مقامی محاصل مثلاً سڑکوں، دواخانوں، روشنی وغیرہ پر عائد کرنے کا اختیار تھا اسی طرح بلدیات کو بھی یہ اختیار دیا گیا۔ ڈسٹرکٹ بورڈس کے عام نظم ونسق کی ذمہ داری ناظم ضلع پر بھی رکھی گئی۔ طریقۂ انتخاب کے سلسلہ میں رپن کا یہ خیال تھا کہ بجائے اس کے کہ فرقہ وارانہ یا پیشہ کے اعتبار سے لوگ منتخب کئے جائیں مناسب یہ ہوگا کہ براہ راست انتخاب عمل میں آئے، اور ہر شخص کو ایک رائے دینے کا اختیار دیا جائے۔ لیکن اس طریقہ کار میں خرابی یہ پیدا ہوئی کہ فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھنا شروع ہوئی، جس کا الزام بعض لوگوں نے جن میں ہیرلڈ کاکس (Harold Cox) بھی شامل ہیں، رپن پر عائد کیا، اور یہ خیال کیا گیا کہ رپن کا صدر کے انتخاب کی بابت یہ طریقۂ انتخاب سراسر فرقہ واری کشیدگی کو بڑھاتا تھا۔ لیکن یہ الزام بے بنیاد ہے اس لئے کہ یہ رپن کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ صدر کے انتخاب کے سلسلہ میں فرقہ واریت کو تقویت ہوگی، بلکہ اس کا خیال (غالباً وہ انگلستان کے طریقۂ انتخاب کو اپنے پیش نظر رکھا تھا) یہ تھا کہ سب مل کر کسی کو منتخب کریں گے تو اس سے نہ صرف ایک ہر دلعزیز شخص بورڈ کا صدر بنے گا بلکہ یکسانیت اور قومیت کو ترقی ہوگی۔ لیکن مسلمانوں کے خیال کے مطابق اس خرابی کو ۱۹۰۹ء کے "منٹو مارلے اصلاحات" میں دور کیا گیا، اور جداگانہ انتخاب کو حکومت ہند

نے تسلیم کیا۔

الغرض یہ کہ بحیثیت مجموعی رپن کے اس قانون کے نتائج بہت ہی اُمید افزا نکلے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت یہ قانون زیر غور تھا، اس وقت اینگلو انڈینس نے اس کے خلاف بہت سے مضامین لکھنا شروع کر دیئے تھے، اور یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ انگریز جس خوش سلوبی سے وہی نظم و نسق کو ابتک کامیاب طریقے پر چلا لے اس طرح ہندوستانی نہیں چلا سکیں گے۔ لیکن اُن کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ کیونکہ ہندوستانیوں نے بہت بہتر طریقہ پر ذمہ داریوں کو پورا کر دکھایا، اور اپنے کو حکومت کا اہل ثابت کیا۔ جس کا ثبوت ہندوستان کی قومی کانگریس کی اس تحریک سے ملتا ہے کہ ہندوستانیوں کو مرکزی اور صوبجاتی نظم و نسق میں بھی حصہ لینے کا موقع دیا جائے۔ کیونکہ ہندوستانی تعلیم یافتہ طبقہ اس قابل ہو گیا ہے کہ وہ حکومتی معاملات میں حصہ لے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رپن نے مقامی حکومت خود اختیاری کی ابتدا کر کے ہندوستانی تعلیم یافتہ طبقہ پر ایک ایسا احسان کیا کہ بعد میں حکومت ہند اس بات پر مجبور ہو گئی کہ ہندوستانیوں کو کام کے اہل سمجھتے ہوئے مرکز اور صوبوں کے حکومتی اداروں میں جگہ دے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۹ء، ۱۹۱۹ء اور سنہ ۱۹۳۵ء کے قوانین حکومتِ ہند میں مقامی حکومت خود اختیاری "حکومت خود اختیاری" کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اور سنہ ۱۹۳۵ء کے قانون حکومت ہند کے تو دو حصے کر دیئے جاتے ہیں، ایک صوبجاتی حکومت خود اختیاری اور دوسرے وفاق۔

عادل شاہی عہد مناقب اور ملفوظات کی روشنی میں

از جناب نصیرالدین صاحب ہاشمی

گزشتہ مضمون میں شاہ عبدالقادر کی تصنیف "مناقب" سے عادل شاہی عہد کے حالات پیش کئے گئے ہیں، آج ہم شاہ عبدالفتاح کی کتاب موسومہ "راحت القلوب" سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ شاہ عبدالفتاح بھی شاہ حبیب اللہ بیجاپوری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اپنے مرشد کے ملفوظات اور کلمات کو اُنھوں نے نہ صرف "حضرت شاہ فرمودند" کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے بلکہ "مکاشفہ" کے عنوان سے بھی واقعات لکھے ہیں۔ مگر چونکہ ہمارے مضمون کو شاہ حبیب اللہ کے مکاشفات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے صرف عنوان صدر کے لحاظ سے جو واقعات ملتے ہیں اُن کی صراحت کی جاتی ہے۔

گزشتہ مضمون میں اس امر کا اظہار کر دیا گیا ہے کہ یہ کتاب قلمی ہے اور کتب خانۂ سعیدیہ ترپ بازار میں موجود ہے۔

(۱) شاہ عبدالفتاح بیان کرتے ہیں کہ شاہ حبیب اللہ نے فرمایا، جس وقت شاہ صبغۃ اللہ مدینہ منورہ سے سنہ ۱۰۰۰ھ میں بیجاپور تشریف لائے، ابراہیم عادل شاہ کی حکمرانی کا زمانہ تھا۔ سلطان کی خواہش تھی کہ آپ بیجاپور سے مدینہ منورہ تشریف نہ لے جائیں۔ اس لئے اُنھوں نے لوگوں سے کہہ دیا کہ حضرت واپس ہونا چاہیں تو آپ کو جانے نہ دیں۔ جب اس امر کی اطلاع آپ کو (شاہ صبغۃ اللہ) ہوئی تو آپ نے فرمایا مجھے کوئی روک نہیں سکتا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ص۴

(۲) آپ نے (شاہ حبیب اللہ) فرمایا" شاہ صبغۃ اللہ نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد تشریف لے گئے اور پہلی صف میں نماز ادا کی، مگر آپ نے دیکھا کہ شراب کی دوکان وہاں سے نظر آتی ہے، تو اس کے بعد نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد جانا موقوف کر دیا۔ ص۵

(۳) آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ شاہ صاحب (شاہ صبغۃ اللہ) نے مجھ سے فرمایا کہ لوگ تمہیں کیا سمجھتے ہیں، میں نے کہا "طالب علم"۔ آپ نے ہندی میں کہا "اور" یعنی اور کچھ، میں نے کہا "صالح" فرمایا "کچھ اور"۔ عرض کیا "متدین"۔ فرمایا "اور"۔ میں نے کہا "عاقل" فرمایا "اور"۔ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم اس پر آپ نے ہندی زبان میں فرمایا، کچھ نہیں سمجھے، کچھ نہیں سمجھے۔[لہ] یعنی، ہیچ نہ فہمید۔ صد ۱۹۰

(۴) آپ نے فرمایا، میں شہر استاد مولانا حبیب اللہ کے پاس شرح کافیہ پڑھ رہا تھا، ایک دن شہر استاد نے کہا میں آج تم کو بہت زیادہ سمجھدار اور عقلمند پا رہا ہوں، میں نے عرض کیا کہ گزشتہ بارہ تیرہ دن سے میں یہی محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے "مطول" کا درس شروع کر دیا، اور پھر تفسیر بیضاوی۔ صد ۳۴

(۵) آپ نے فرمایا، جب ابراہیم عادل شاہ نے احمد خاں خزانہ دار کے لئے ولایت منصور خاں (نام صوبہ) کا فرمان مرتب کیا تو شاہ صبغۃ اللہ نے فرمایا، میں نے یہ خدمت تم کو دی ہے، میں نے کہا کہ فرمان احمد خاں کے نام لکھا جا چکا ہے۔ آپ نے فرمایا فرمان لکھے جانے سے کیا ہوتا ہے۔ جب احمد خاں کو معلوم ہوا کہ حضرت نے اس طرح فرمایا ہے تو اُس نے اس خدمت سے انکار کر دیا۔ آخر کار، عادل شاہ نے کسی کو بھی یہ خدمت نہیں دی۔ صد ۵۴

(۶) آپ نے فرمایا جس وقت شاہ صبغۃ اللہ مدینہ منورہ روانہ ہوئے، تو اُس وقت احمد خاں کے پاس زر نقد نہیں تھا، اور وہ حضرت کی خدمت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اُس نے میرے توسط سے کچھ جواہرات حضرت کے پاس روانہ کئے۔ آپ نے اس کو قبول کر لیا اور مدینہ منورہ کے سفر میں اس کو خرچ کیا ابراہیم عادل شاہ نے تین ہزار ہُن حضرت کو روانہ کئے۔ آپ نے اس کو شاہ پور کے متصل ہی تمام فقراء کو تقسیم کر دیا، خود کچھ نہیں لئے۔ صد ۵۴

(۷) آپ نے فرمایا۔ عین الملک وزیر ایک بڑا لشکر اور ساٹھ مست ہاتھی رکھتا تھا، ابراہیم عادل شاہ سے باغی ہو گیا، اور ارادہ کیا کہ دوسرے شخص کو بادشاہ بنائے۔ عادل شاہ نے شاہ صبغۃ اللہ سے (جو

لہ یہ ہم کو معلوم ہے کہ بیجاپور میں اس وقت عام طور سے دکھنی (قدیم اردو) رائج تھی اور اسکو ہندی نام سے موسوم کرتے تھے۔ شاہ صبغۃ اللہ مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ بیجاپور کے چند روزہ قیام میں اردو سے بھی واقف ہو گئے تھے۔

اس زمانہ میں بیجاپور میں تھے) التماس کیا۔ آپ نے فرمایا عین الملک فلاں دن قتل ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ص۴۹

(۸) شاہ عبدالفتاح کہتے ہیں کہ شاہ حبیب اللہ مدینہ منورہ جانے کا قصد کر رہے تھے، کہ آصف خاں نے ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ ہندوستان سے آکر بیجاپور کا محاصرہ کر لیا۔ ہر شخص کو مغلوں کے حملہ سے فکر ہو گئی، اور ان کی تباہی اور ظلم سے پریشانی تھی۔ اس زمانہ میں آپ کو بخار آیا جو مرض الموت ثابت ہوا، ایک ماہ آپ علیل رہے۔ ایک دن آپ نے مجھے (شاہ عبدالفتاح) فرمایا۔ مغلوں سے کسی کو نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ اس بلا کو دفع کرنے کے لئے میں نے اپنی جان نذر کر دی ہے۔ اسی دن آخر شب ۱۰۔ شعبان ۱۰۴۱ھ کو آپ کا انتقال ہوا اور ۱۲۔ شعبان ۱۰۴۱ھ کو آصف خاں محاصرہ اٹھا کر واپس چلا گیا۔ اس وقت سے آج تک (۱۰۶۰ھ) مغلوں نے حملہ نہیں کیا ہے۔ ص۵۴

(۹) آپ نے فرمایا شاہ نورالدین صفوی ایک صاحب باطن بزرگ تھے، ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں ان سے زیادہ اونچی جگہ کوئی نہیں بیٹھا کرتا۔ جب شاہ صبغۃ اللہ تشریف لائے تو ان کو یہ ناگوار تھا کہ شاہ صبغۃ اللہ اونچی جگہ نشست کریں۔ مگر جب شاہ صاحب کی عظمت اور بزرگی سے واقف ہوگئے تو انھوں نے عرض کیا کہ انھیں بھی طالبان صادق میں شامل کر لیا جائے۔ آپ نے فرمایا تمہارے بزرگوں سے جو کچھ تم کو ملا ہے میں بھی اس کی اجازت دیتا ہوں۔ ص۶۲

(۱۰) آپ نے فرمایا جس وقت شاہ صبغۃ اللہ بیجاپور میں مقیم تھے، ایک مرتبہ مغلوں کے حملہ کا خوف ہوا۔ اہل شہر پریشان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں بھی اُن لوگوں میں شامل تھا شاہ صاحب نے مجھے دیکھکر فرمایا کیا تم بھی ان لوگوں میں شامل ہو، حالانکہ اہل ہندوستان تو تمہاری عزت اور توقیر کرتے ہیں، اور تمہارے مرتبہ کو سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد جب میں ابراہیم عادل شاہ کی جانب سے سفیر ہو کر ہندوستان گیا تو شاہ صاحب کے فرمان کے بموجب پایا۔ شہزادہ۔ خانخاناں۔ اور مان سنگھ نے میری بڑی عزت کی۔ اور ان میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ یہ صرف تمہاری ذات کے لئے ہے۔ (ص۶۲)

(۱۱) آپ نے فرمایا جس وقت ابراہیم عادل شاہ اور مغل، نظام شاہ سے برسرپیکار تھے تو ایک شخص نے مجھے خواب میں کہا، دونوں لشکروں کو خدا نے غرق کر دیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا دونوں لشکر کے غرق کرنے کی ظاہری صورت یہ تھی کہ ایک بڑا قحط پڑا اور ملک عنبر نظام شاہی امیر نے دونوں لشکروں کو پسپا کر دیا۔ ص ۶۴

(۱۲) آپ نے فرمایا، ایک مرتبہ ابراہیم عادل شاہ نے مجھے خلوت میں طلب کر کے اپنے ہاتھ سے پان دیکر کہا کہ میں نے اخلاص خاں وزیر کو حکم دیا ہے کہ وہ تم سے مشورہ کر کے حکومت کا انصرام کرے، مجھ سے (عادل شاہ) کچھ حکم لینے کی ضرورت نہیں، میں حرم سرا میں بے فکر آرام سے رہنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد جب میں مکان واپس آیا تو خدا نے میرے دل سے یہ بات محو کر دی، میں بیس دن تک شاہی دفتر کو گیا ہی نہیں۔ اس کے بعد مجھے یاد آیا کہ ابراہیم عادل شاہ نے یہ حکم دیا تھا۔ بہر حال بات رفت و گزشت ہوگئی اور میں خدا کا شکر بجا لایا کہ مجھے ایک آفت سے نجات ملی۔ ص ۶۴

(۱۳) آپ نے فرمایا جس وقت عادل شاہ نے مجھے شمالی ہندوستان روانہ کیا تو بہت ساری سیاسی باتیں ذہن نشین کرا دیں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ مجھے وہاں کچھ دروغ گوئی کی باتیں نہیں کرنی پڑیں۔ ص ۶۴

(۱۴) آپ نے فرمایا ایک مرتبہ ابراہیم عادل شاہ ایک امیر کی ضیافت میں شریک تھا، اور وہاں میں کچھ دیر سے پہونچا۔ میری یہ عادت نہیں تھی کہ دور سے شاہی تسلیمات بجا لاؤں اور تعظیم و تکریم کروں۔ جب قریب پہنچا تو حسب عادت تسلیم بجا لایا۔ عادل شاہ نے بھی حسب عادت میری تعظیم کی اسی وقت بادشاہ کا لڑکا سلطان محمد بھی موجود تھا۔ فضیلت خلفائے راشدین اور محبت اہل بیت کا سماں میری آنکھوں میں پھر گیا۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ بادشاہ کے چہرہ پر نفرت کے آثار نمایاں ہیں اور ناخوشی و بیزاری کے علامات پائے جاتے ہیں، مجھے اس پر تعجب ہوا، اور وجہ دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ دوسرے دن ایک مصاحب اور محرم راز بادشاہ نے مجھ سے کہا کہ بادشاہ نے آپ کی زیادہ تعظیم و تکریم اس لئے کی تھی کہ اس نے ایک خواب دیکھا تھا کہ کسی بزرگ نے اس کو تخت سے

اُتار دیا ہے" اور آپ نے دوبارہ اس کو تخت نشین کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا ابراہیم عادل شاہ کو حکومت سے علاحدہ کر دیا گیا ہے، چنانچہ چند روز کے بعد وہ بیمار ہو گیا اور ۱۱۔ محرم کو انتقال کیا۔ ص۶۴ و ۶۵

(۱۵) آپ نے فرمایا ایک مرتبہ لوگوں نے جلال الدین اکبر کی تکفیر کی اور اُس کو کافر کہنے لگے کیونکہ وہ آفتاب کی پرستش کرتا ہے۔ آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ وہ شیخ محمد غوث گوالیری جیسے بزرگ کا مرید ہے، وہ کبھی اس کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ (ص۶۷)

(۱۶) آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک راجپوت زادہ شاہ صبغۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اس کے باپ نے بادشاہ سے فریاد کی اور عرض کیا کہ ظلم و زیادتی سے اس کو مسلمان کیا گیا ہے بادشاہ نے اس کو طلب کر کے دریافت کیا اور منصب کا لالچ دیا مگر اس نے یہی کہا کہ میں راضی اور خوشی سے مسلمان ہوا ہوں۔ راجپوت امیر خجل ہو گیا اور اس کی دروغ گوئی آشکار ہو گئی۔ ص۷۰

(۱۷) آپ نے فرمایا کہ ابراہیم عادل شاہ کی طرف سے سفیر بن کر میں نظام شاہ کے پاس گیا، اس زمانہ میں ملک عنبر پیشوائی کی خدمت پر فائز تھا۔ دونوں (بادشاہ اور پیشوا) نے میرا اعزاز و اکرام کیا۔ خاص بادشاہ کی سواری کا گھوڑا مجھے دیا گیا۔ اس زمانہ میں ایک صاحب باطن درویش میرے ساتھ ملازم کی حیثیت سے رہا کرتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے ایک دن کہا کہ مجھے ۵ ہُن دیئے جائیں تو اس کے بدلہ میں پانچ سو ہُن ملیں گے۔ میں نے انھیں پانچ ہی دیئے، مگر اس کے بعد بطور آزمائش دو ہُن واپس لے لئے۔ اس پر انھوں نے کہا دو سو ہن کم ہو جائیں گے۔ نظام شاہ نے مجھے اولاً پانچ سو ہن مہمانی کے طور پر دینے کا حکم دیا، مگر اس کے بعد دو سو ہن کم کر کے صرف تین سو ہُن دیئے گئے۔ ص۸۰

(۱۹) آپ نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ملک عنبر کے پاس تھا، ایک عالم شیخ محمد نام ملک عنبر کے پاس رہا کرتے تھے، اور تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھ کر اس کو ساتھ رکھا کرتے، جو کوئی آتا اُس سے بحث مباحثہ کرتے اور اپنی فوقیت ظاہر کرتے۔ چند مرتبہ مجھ سے بھی مباحثہ کیا، میں نے فی البدیہہ اُن کے حواشی کو رد کر دیا۔ اور کہا کہ آپ اپنے کو ان حاشیوں پر ضائع نہ کریں۔ اُنھوں نے کہا جب دوسرے لوگ ان حاشیوں

کو دیکھا کرتے ہیں تو انھیں بحث کی طاقت نہیں ہوتی، اور نہ رد کر سکتے ہیں، صرف آپ ہی ہیں جو ان کا رد کیا ہے۔ ص ۸۱

(۲۰) آپ نے فرمایا، ابراہیم عادل شاہ کا چچا علی عادل شاہ ایک سنی مذہب اور عاشق صفت صاحب حال شخص تھا، خود کو صوفی اور قلندر کہا کرتا، بہت زیادہ سخی اور عادل تھا، میرے والد مرحوم سے محبت و اخلاص سے پیش آتا اور عزت و توقیر کرتا۔ میرے باپ اور چچا کو چھ ہزار ہُن تنخواہ دیا کرتا علی عادل شاہ کو روز فقیروں اور مستحقوں کی تلاش رہا کرتی۔ میرے باپ نے مجھے اس کام پر متعین کیا تھا کہ میں مستحقین کو تلاش کروں۔ والد کے انتقال کے بعد سلطان علی مجھے دیکھ کر کہا کرتا کہ ملا احمد کے فرزندوں میں ان کی طرح دوسرا کوئی اور نہیں ہے۔ ص ۸۲

(۲۱) آپ نے فرمایا علی عادل شاہ مظلوم قتل ہوا، وہ شہید ہے، اندھیری راتوں میں وہ شاہی لباس ترک کرکے تنہا شہر میں گشت کرتا تھا، اور لوگوں سے دریافت کرتا یہاں کا بادشاہ[1] کیسا شخص ہے۔ وہ فقیروں سے ملتا اور مخفی اُن کی امداد کرتا جس کی کسی کو خبر نہیں ہوتی تھی ص ۸۲

(۲۲) آپ نے فرمایا، میں اپنی ابتدائی جوانی کے زمانہ میں ہر رات ابراہیم عادل شاہ کی مجلس میں جایا کرتا اور مشاعرہ میں شریک ہوتا۔ اس زمانہ میں میرے پاس دو گھوڑے تھے جن میں ایک سرکش تھا، میں روز بدل بدل کر گھوڑے پر جایا کرتا۔ ایک دن میں نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ آج سرکش گھوڑا لایا جائے، مگر بجائے سرکش گھوڑے کے دوسرا گھوڑا آیا۔ میں نے خادم سے وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ مجھے کسی نے آکر کہا کہ آج سرکش گھوڑا نہ لایا جائے۔ بہر حال میں جارہا تھا کہ ایک شرابی نے مست ہو کر مجھ پر تلوار سے وار کر دیا۔ گھوڑے کی وجہ سے مجھ پر وار نہ ہوا خدا نے بچا لیا۔ ص ۸۲

(۲۳) آپ نے فرمایا، ابراہیم عادل شاہ اپنے جدید شہر "نورس پور" میں اکثر مست ہاتھی لڑایا کرتا۔ اتفاقاً میں ایک دن بادشاہ کے پاس جارہا تھا۔ دونوں ہاتھی میری پالکی کے قریب

---

[1] قاضی رضی الدین مرتضیٰ نام تھا۔

آ گئے، مگر کچھ حملہ وغیرہ نہیں کیا۔ بادشاہ اس کو دیکھکر حیران ہو گیا، اور حکم دیا کہ آئندہ ہاتھیوں کے جنگ کے دن میں دیوان خانہ نہ آؤں ص ۸۴

(۴۴) آپ نے فرمایا، میں شہر بیجاپور میں محمد عادل شاہ کے زمانہ میں اس کی تعلیم کے لئے روز جایا کرتا، ایک دن جب حصار کے اندر پہونچا اس وقت میرا لڑکا شاہ صاحب بھی ہمراہ تھا، ناگاہ ایک مست ہاتھی مجھ کو دیکھکر میرے قریب آگیا۔ یہ جگہ نہایت تنگ تھی۔ آنے جانے والوں کو راستہ نہیں ملتا تھا۔ مگر مجید اللہ ہاتھی قریب آ کر واپس ہو گیا، خدا نے مجھے اس کے حملہ سے محفوظ رکھا۔ ص ۸۶

اِس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مناقب وغیرہ کی کتابوں سے شایقین تاریخ کو معلومات بہدست ہو سکتے ہیں۔ اور ان کی صداقت بعض مرتبہ موجودہ تاریخی معلومات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ فقط

انجمن طیلسانیین عثمانیہ کا سہ ماہی علمی رسالہ

مجلۂ طیلسانیین

حصۂ

معاشیات

(مدیر)

محمد غوث ایم۔ اے۔ ال ال۔ بی (عثمانیہ)

(نائب مدیر)

محمد اکبر الدین صدیقی ایم۔ اے

(مہتمم)

محمد نور اللہ بی۔ یس سی

سالانہ چندہ پانچ روپے۔ علاوہ محصول ڈاک۔ قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

دفتر مجلۂ طیلسانیین۔ نمائش گاہ باغ عام۔ حیدرآباد دکن

ٹیلیفون نمبر ۲۵۵۳

مطبوعۂ انتظامی پریس حیدرآباد دکن

مجلۂ طیلسانین

(حصّۂ معاشیات)

جلد ۹
شمارہ ۴

فہرستِ مضامین

آبان ۱۳۵۴ف
اکتوبر ۱۹۴۵ء

حرفِ آغاز

پہلی جنگِ عظیم کے موقع پر ہی یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ دنیا کی معاشی بنیادیں کس قدر کھوکھلی تھیں۔ جنگ کے اصلی وجوہ اور اسباب معاشی رقابت کے پردہ میں مستور نکلے۔
ابھی ابھی دنیا نے جس ہیبت ناک مصیبت سے خلاصی پائی ہے، وہ بھی معاشی رقابت کا ہی ایک کرشمہ تھی۔

ان معاشی رقابتوں کو دور کرنے کے لئے دنیا کے ارباب بست و کشاد کیا تدابیر اختیار کریں گے، وہ اب بھی باہمی بحث و تکرار میں ہی دامن اُلجھائے ہوئے ہیں۔ اس سے قطع نظر دنیا کے ہر حصہ میں معاشی سود و بہبود کے لئے ایک بے نظیر ہل چل ہے، ہر جگہ خود اکتفائی اور عامۃ الناس کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لئے کوشش و سعی کا ہر مرحلہ جوش و انہماک کے ساتھ طے کیا جارہا ہے۔ ہندوستان میں بھی برطانوی ہند کے صوبوں اور دیسی ریاستوں میں پورے انہماک سے کام ہو رہا ہے۔ ہر جگہ مختلف تجاویز عام طور سے شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن ہماری عظیم الشان مملکت میں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا، اس کا ابھی تک عام علم نہیں ہوا ہے۔

بلاشبہ مملکت آصفیہ کے چند بڑے اداروں نے اپنے منظورہ و جاری شدہ سرمایہ کی مقدار دوچند اور سہ چند کر دی ہے، لیکن اس سے ملک کی حقیقی خوش حالی کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

گزشتہ چند ہفتوں میں ہندوستان میں سرمایہ مشترکہ کے جو نئے ادارے قائم ہوئے اُن میں سے چند کامیاں تذکرہ کیا جاتا ہے:۔

۱۔ دارجلنگ ٹرائی ٹی کارپوریشن۔ بنگال میں چائے کے کاروبار اور چائے کی کاشت کے لیے
۵ لاکھ روپیہ کا سرمایہ

۲۔ ہندوپور ویجیٹیبل اینڈ ریفائنرز۔ مدراس میں روغنیات اور صابون سازی کے لیے۔
۱۰ لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۳۔ بنگال ڈرگ ہاؤس۔ بنگال میں ادویہ اور کیمیائی اشیاء تیار کرنیوالے۔ ۲۵ لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۴۔ کسم پروڈکٹس۔ بنگال میں نباتاتی گھی اور صابون اور دوسری کیمیائی اشیاء کے لئے۔
۵۰ لاکھ روپے کے سرمایہ سے۔
۵۔ سنٹرل پروڈکشن آف انڈیا۔ بنگال میں معدنی کاروبار کیلئے۔ ۱۵ لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۶۔ پرابھا کر گلاس ورکس، مدراس میں شیشہ سازی کے اغراض کیلئے۔ دس لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۷۔ سری انا پورنا کاٹن ملز۔ بنگال میں کپاس سے پارچہ بافی کے لئے۔ پچاس لاکھ روپے کا سرمایہ۔
۸۔ مودی اسپننگ اینڈ ویونگ ملز میرٹھ صوبجات متحدہ میں۔ گھاس اور دوسرے ریشہ دار اشیاء سے پارچہ بافی کے لیے۔ ایک کروڑ روپے کے سرمایہ سے۔
۹۔ ہندوستان اولن ملز۔ بنگال میں اونی کپڑوں کی تیاری کے لئے۔ دو کروڑ روپے کے سرمایہ سے
۱۰۔ ساراساوتی مائننگ انڈسٹریز۔ بنگال میں معدنی کاروبار کیلئے۔ پانچ لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۱۱۔ کلیان اسپننگ اینڈ ویونگ ملز۔ بنگال میں پہلے خانگی ادارہ تھا اب عام کیا گیا ہے۔ بیس لاکھ روپے کا سرمایہ۔ کپاس سے پارچہ سازی کے لئے۔
۱۲۔ کوئمبتور آئل ملز۔ مدراس میں۔ نباتاتی روغن سازی کے لئے۔ دس لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۱۳۔ موہن جوئلری۔ مدراس میں سونے اور چاندی کے زیورات بنانے کیلئے۔ ۵ لاکھ روپیہ کا سرمایہ۔
۱۴۔ منیجی لمیٹڈ مبئی میں، عصری معیار اور ضروریات کے لحاظ سے مال کے لئے بازارات فراہم کرنے اور اسٹور قائم کرنے کیلئے ہندوستان میں بنی ہوئی اشیاء بھی خرید کر فروخت کی جائیں گی۔
دو کروڑ روپے کے سرمایہ سے
۱۵۔ ٹراولس لمیٹڈ، مدراس میں۔ سفر کیلئے سہولتیں بہم پہونچانے کی غرض سے۔ دس لاکھ روپے کے سرمایہ سے
اس کے مقابل مملکت آصفیہ میں کیا ہو رہا ہے۔ ساکت و جامد ہو کر ہم دوسروں کو ہم سے آگے نکلتے دیکھ رہے ہیں۔ خدا کرے کہ ہمارا ملک اپنی ضرب المثل لیسپ روی کو ایک ضرب المثل پیش روی میں بدل دے!

حیدرآباد کا نظامِ مالیات

از

سید احمد مینائی
ام-اے (عثمانیہ)

پہلا باب

تمہید

(۱) علم مالیات کا موضوع بحث اور اس کے مطالعہ کی غرض و غایت۔

(۲) علم مالیات کا تاریخی ارتقاء

(۳) علم مالیات کے لئے موزوں طریق تحقیق۔

(۴) علم مالیات کی اہمیت اور مالیات حیدرآباد کے مطالعے کی ضرورت

علم مالیات کا موضوع بحث اور اس کے مطالعہ کی غرض و غایت

ظاہر ہے کہ ہر حکومت کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اور اپنے فرائض کو کامیابی سے انجام دینے کی خاطر ذرائع درکار ہوتے ہیں۔ یہ ذرائع ایسے ناگزیر ہوتے ہیں جن کے بغیر مملکت کا کاروبار تشفی بخش طور پر نہیں چل سکتا۔ چنانچہ ان وسائل کو حکومت ان اغراض کی تکمیل پر صرف کرتی ہے جو اس کے نزدیک ناگزیر، معقول اور موزوں ہوتے ہیں۔ ہر ایسے معاشرے یا مملکت میں جو معاشی ترقی کے ابتدائی منازل طے کر چکی ہے لازمی طور پر مالیات کے مسائل درپیش ہوتے ہیں اور ہر ملک خواہ وہ معاشی اعتبار سے مفلوک الحال اور پسماندہ ہو خواہ خوشحال اور ترقی یافتہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے مالی ذرائع کی حاجت کو ضرور محسوس کرتا ہے۔

اس طرح علم مالیات بحث کرتا ہے ان اصولوں اور طریقوں سے جن سے کہ حکومت اپنے وسائل کو حاصل اور صرف کرتی ہے۔ اگر معاشیات کو ایسا علم[1] تصور کر لیا جائے جس کے ذریعے

[1] دیکھئے پروفیسر لائنل رابنس کی تصنیف

محدود ذرائع سے بیشتر احتیاجات کی تکمیل کی کوشش کیجاتی ہے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مالیات وہ علم ہے جو ایسی جد و جہد سے بحث کرتا ہے جو مملکت کے فرائض کی تکمیل کے لئے مادی وسائل و ذرائع کے حصول اور صرف سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا موضوع بحث حکومت کی آمدنی اور اخراجات اور ان کے درمیانی تعلق سے وابستہ ہے۔

فرانس کے مشہور ماہر مالیات کولبرٹ[1] نے علم المالیات[2] کے موضوع بحث کا اظہار نہایت دلچسپ پیرائے میں کیا تھا۔ اس کے خیال میں مالیات ایسا فن تھا جس کے ذریعہ بطخ کے پر اس طرح توڑے جائیں کہ زیادہ سے زیادہ پر مل جائیں اور بطخ کم سے کم چلّائے"۔ یہ تشریح معنی خیز ضرور ہے لیکن زمانہ کے ساتھ ساتھ علم مالیات کا موضوع بحث بے انتہا وسعت اختیار کر چکا ہے اور اب اس میں سارے ایسے اصول شامل ہیں جنھیں حصول آمدنی اور خرچ کے وقت حکومتوں کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔

جس طرح علم معاشیات میں صرف دولت اور پیدائش دولت یا طلب اور رسد کے پہلو ایک دوسرے سے نہایت قریبی تعلق رکھتے ہیں بعینہٖ اسی طرح علم مالیات میں حصول آمدنی اور اخراجات کے مسائل کو ایک دوسرے سے قطعی طور پر جدا کرنا مناسب نہیں علاوہ ازیں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علم مالیات کا دائرہ بحث محض آمدنی اور اخراجات کے علٰحدہ علیحدہ مطالعے پر ہی تمام نہیں ہو جاتا۔ اس میں شک نہیں کہ حصول آمدنی اور خرچ کے مسائل مالیات میں اساسی اہمیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آدم اسمتھ نے بھی جسے کم از کم انگلستان کی حد تک علم مالیات کا بانی تصور کرنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "دولت اقوام" میں دو جدا جدا باب " حکمران کے اخراجات" اور اس کے بعد " حکمران کی آمدنی " کے عنوان پر تحریر کئے تھے[3] لیکن وہ یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ

---

1. Colbert
2. مالیات عامہ مصنفہ فنڈسے شراس جلد اول ص (۵)
3. دولت اقوام کا باب -

یہ مباحث اس وقت تک پائے تکمیل کو نہیں پہنچ سکتے تاوقتیکہ ایک تیسرے علیحدہ باب کا اضافہ نہ کیا جائے جس میں آمدنی اور صرف کے درمیانی تعلق پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے۔ بہرکیف اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مالیات کے مطالعہ کے سلسلہ میں اخراجات اور آمدنی کے درمیانی تعلق کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مالیات میں ایک عرصے تک رجحان یہ رہا کہ آمدنی کے مسائل کے مقابلے میں اخراجات کے پہلو کو بہت کم اہمیت دی جاتی لیکن یہ خیال معقول نہ تھا اس لئے کہ مالیات میں خرچ کا سوال اسی قدر اہم ہے جتنا کہ معاشیات میں صرف دولت کا مسئلہ۔ جس طرح کہ ساری پیدائش دولت کا آخری مقصد احتیاجات انسانی کی تکمیل یا صرف دولت ہوتا ہے بالکل اسی طرح علم مالیات میں حصول آمدنی کی انتہائی غایت یہ ہوتی ہے کہ اسے موزوں اور معقول انداز میں صرف کیا جائے چنانچہ ماہرین مالیات نے جتنی شہرت حصول آمدنی کے نظام کی اصلاح کے ذریعے حاصل کی اس سے کسی طرح کم نام اخراجات کے طریقوں کو بہتر بنا کر نہیں پیدا کیا۔

علم مالیات میں اکثر مسائل کے سلسلہ میں عام معاشی اصولوں اور بالخصوص تقسیم دولت کے قوانین کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر سرکاری قرض کے اثرات کی مکمل تشریح اسی وقت ممکن ہے جب کہ اعتبار کے موضوع سے متعلق معاشی نظریوں کو پیش نظر رکھا جائے اسی طرح چونکہ علم مالیات مملکت کے کاروبار سے نہایت قریبی طور پر وابستہ ہے اس لئے اس کے انتظامی اور سیاسی مضمرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تقریباً ایسی ہی صورت تاریخ کی ہے۔ اس وجہ سے کہ کسی موجودہ نظام مالیات کو بخوبی سمجھنے کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ ہم اس کی تاریخی نشوونما سے بھی کافی واقفیت رکھتے ہوں۔ یہاں اس امر کا اعادہ بیجا نہ ہوگا کہ ہر ملک پر کسی دوسرے ملک کے مالی تجربات کا انطباق بے سوچے سمجھے کرنا مناسب نہیں ہے اس کا مفہوم یہ ہرگز نہیں کہ نظری مالیات کو مختلف ممالک پر منطبق کرنا لاحاصل ہے بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ زمانی تغیرات کے علاوہ مقامی خصوصیات اور کیفیات کو بھی لازمی طور پر پیش نظر رکھا جائے۔

عام طور پر مالیات کے مسائل کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس سے کہ انفرادی آمدنی اور خرچ کو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کامل یکسانیت کا مفروضہ صحیح نہیں اور بعض امور ایسے ہیں جن کے باعث دونوں کے مقاصد اور نوعیت کے درمیان حد فاصل قائم ہو گئی ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انفرادی خرچ آمدنی کے پیش نظر معین کیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے حکومتیں اکثر پہلے تقریباً اس کا فیصلہ کر لیتی ہیں کہ انہیں کس قدر صرف کرنا ہوگا اور اس اندازے کے بعد وہ حصول آمدنی کی جانب متوجہ ہوتی ہیں بالفاظ دیگر فرد اپنے خرچ کو اپنی آمدنی کے حدود کے اندر معین کرتا ہے برعکس اس کے حکومت اپنے ناگزیر اخراجات کو حرف آخر کی حیثیت دیتی ہے اور اپنی آمدنی اسی کے پیش نظر حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس کا مفہوم یہ ہرگز نہیں کہ ہر صورت میں اخراجات کو انکی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور آمدنی میں تغیر ہوتا رہتا ہے کیونکہ جب حکومت کی مجموعی آمدنی میں نمایاں تخفیف ہو جاتی ہے تو اسے بھی تخفیف اخراجات پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ مزید برآں اس سلسلہ میں ایک اور امر قابل غور ہے وہ یہ کہ ذاتی صرف کی صورت میں تقریباً ہمیشہ کوشش یہی ہوتی ہے کہ صرف کے مقابلہ میں آمدنی بڑھی رہے چنانچہ کسی کام کی ابتدا کرتے وقت یہی خیال ہر شخص کے پیش نظر ہوتا ہے لیکن حکومت کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نفع کی خواہشمند حکومت بھی ہوتی ہے۔ لیکن ضرورت کے پیش نظر وہ بعض خدمات اتنی کم قیمت کے عوض فراہم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے جس سے فائدہ تو درکنار مصارف پیدایش کی تکمیل بھی نہیں ہو سکتی۔

۲۔ **علم مالیات کا تاریخی ارتقا** قبل اس کے کہ ہم مالیات کی اہمیت اور اس کے مطالعے کی غرض و غایت کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ علم مالیات کے تاریخی ارتقا پر بھی نظر ڈالیں تاکہ ایک طرف ہمیں ان حالات کا علم ہو جائے جو اس علم کی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوئے تو دوسری جانب ہمیں اس کی اہمیت اور مقصود و منہاج کو ذہن نشین کرنے میں سہولت ہو۔

زمانہ ماضی میں گو کہ آمدنی کی ضرورت کا احساس شدید اور روز افزوں تھا نیز ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ قدیم سلطنتیں مالیاتی تنظیم کی اہمیت سے بے خبر نہ تھیں لیکن پھر بھی یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ اسی زمانے سے مالیات کو ایک مدون اور ضابطہ علم کی حیثیت حاصل ہوچکی تھی۔

"زینوفین[1] کی تصنیف " ایتھنز کی آمدنی[2] کا شمار جس میں شہری مملکت کی آمدنی اور دولت میں اضافے کے طریقوں پر بحث کی گئی ہے قدیم ترین مالیاتی تصانیف میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ قدیم ترین مالیاتی تحریریں جو ملتی ہیں انہیں ٹیسیٹس[3] اور پلینی[4] کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کوتلیا کی کتاب ارتھ شاستر کو جو تین سو برس قبل مسیح میں تصنیف کی گئی تھی مالیات کے موضوع پر قدیم ترین کتب میں شمار کرنا غلط نہ ہوگا۔ بقول کوتلیہ کے " جس طرح کہ کسی باغ میں جیسے جیسے پھل پکتے جاتے ہیں انہیں توڑ لیا جاتا ہے بعینہٖ اسی طرح آمدنی بھی حاصل کی جاتی ہے جوں جوں کہ وہ تیار ہوتی جاتی ہے[5]۔ گویا یہ پہلی کتابیں ہیں جن میں مالیات کے مسائل پر نامکمل مباحث ملتے ہیں۔

علم مالیات کی ابتداء دراصل اس وقت سے ہوئی جب کہ حکمران اور مملکت کی آمدنی کے درمیان حد فاصل قائم کی گئی اس کا تاریخی ثبوت یہ بھی ہے کہ کیمرلیسٹس[1] کی تحریروں میں اس علم کا جا بجا تذکرہ ملتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ قدما نے علم مالیات کی طرف سے ایسی بے توجہی کیوں برتی ان اسباب کو پیش کیا جاسکتا ہے جو زمانہ قدیم میں علم معاشیات کی خاطر خواہ ترقی کی راہ میں سنگ راہ ثابت ہوئے ان اسباب سے قطع نظر اس جمود کی وجہ یہ بھی تھی کہ یونان اور روما کا دستور دراصل جن بنیادوں پر

---

1. Xenophen
2. Athenian Revenues
3. Tacitus
4. pliny

۵ ارتھ شاستر ترجمہ راما شاستری

1 Camerialists

قائم کیا گیا تھا وہ ان اصولوں کے سراسر منافی تھے جو بالآخر علم معاشیات کی مقبولیت اور ترقی کا باعث بنے۔ ایسی حالت میں جب کہ مملکت کے مقابلہ میں فرد کی قطعاً کوئی اہمیت نہ تھی یہ تصور بھی نہ پیدا ہو سکتا تھا کہ اگر ایک شخص دس فیصد محصول ادا کر رہا تھا اور دوسرا صرف پانچ فیصد تو اس کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی یا ناانصافی ہو رہی تھی جب مملکت کی مکمل برتری کو سراسر تسلیم کر لیا گیا تو پھر بھلا محاصل کی معدلت اور بار کا کیا سوال اس طرح یونانیوں اور اہل روما فلورینس کے باشندوں اور وینس کے بسنے والوں نے عملی مالیات کو ترقی دینے کی کوشش تو ضرور کی لیکن نظری مالیات کی جانب برائے نام توجہ ہوئی۔ علاوہ ازیں ان قدیم مالیاتی تصورات میں مملکت کی برتری کی جھلک، بہت زیادہ نمایاں ہے۔

غرض قرون وسطیٰ کے خاتمے تک یورپ کی مملکتوں کا کاروبار ایسی غیر ترقی یافتہ حالت میں تھا کہ کسی باضابطہ نظام مالیات کی ضرورت ہی نہ محسوس ہوئی۔ حکمراں زیادہ تر اپنی ذاتی جاگیرات سے استفادہ کرتے اور محصول محض ایک زاید اور فاضل وسیلے کی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ ٹامس ایکویناس[1] نے اپنی تصنیف میں لکھا تھا کہ معمولی حالات میں بادشاہ کو اپنی ذاتی جاگیرات کی آمدنی پر قانع ہونا چاہیے البتہ فوری یا غیر معمولی صورتوں میں رعایا کو محصول کی ادائی پر رضامند ہونا چاہیے بشرطیکہ وہ معتدل اور منصفانہ ہوں۔ مختصر یہ کہ اس دور میں نظری مالیات کو کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی اور جہاں تک عملی مالیاتی تنظیم کا تعلق ہے سلطنت روما کے آخری ایام میں اس میں بجائے ترقی کے انحطاط ہوا۔

اس میں شک نہیں کہ بادشاہ کے آئے دن کے رقمی مطالبات نے جاگیری نظام کے اجزاء کو مالیاتی کاروبار کی طرف زیادہ متوجہ کر دیا لیکن اس کے باوجود جاگیری مملکت کا نظام مالیات خانگی آمدنی و خرچ کے نظام سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

گیارھویں اور بارھویں صدی میں یورپ میں بہت سی آزاد اور شہری مملکتیں قائم ہوئیں

[1] Thomas Aquinas

اور واقعہ یہ ہے کہ علم مالیات کے ابتدائی عناصر صحیح معنوں میں جرمنی اور اطالیہ کی ان ریاستوں ہی میں ملتے ہیں۔ نظری مالیات سے متعلق مباحث کے آغاز کا سہرا انہی ریاستوں کے سر ہے اس ضمن میں فلورینس کے مصنفین نے تدریجی محاصل کے بارے میں جو مباحث پیش کئے ہیں وہ بطور خاص قابل توجہ ہیں[۱]۔

علم مالیات کا حقیقی ارتقاء شروع ہوتا ہے اس وقت سے جب کہ قرون وسطی کی معیشت کا خاتمہ اور جدید معیشت کا آغاز ہوا۔

اس سے قبل کی مالیاتی تصانیف پر مذہب اور اخلاق کا رنگ بہت زیادہ غالب تھا۔ لیکن نظام جاگیری کے خاتمے۔ مطلق السنان حکومتوں کے قیام فرانس، اسپین اور انگلستان کے سیاسی و دستوری حالات، زر کے روز افزوں رواج اور معاشی تعلقات کی توسیع نے مالیات کے میدان میں ترقی کی ایک نئی شاہ راہ کھولدی۔

چنانچہ اس رجحان کی نمایاں ترین جھلک بودن[۲] کی تصنیف "جمہور[۳]" میں موجود ہے جس کے چھٹے جزو کے دوسرے باب میں مالیاتی مسائل پر بظاہر ایک نئے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان سارے امور کے باوجود سترھویں صدی میں علم مالیات کو سب سے زیادہ ترقی اس وقت ہوئی جب کہ معاشی اصولوں کو تجار نے سیاستدانوں کے لئے علمی اصولوں کی شکل دینی چاہی۔ اس وقت تک انگلستان میں مالیات کی جانب لوگوں نے خاطر خواہ توجہ نہ کی تھی اس میں شک نہیں کہ مختصر رسالوں کی شکل میں بعض مالیاتی مسائل پر اظہار خیال ہوا تھا لیکن سیاسی ریاضی کے رواج نے مالیات کے مسائل کی جانب لوگوں کو زیادہ متوجہ کر دیا اور خاص

۱۔ بیلگین کی تصنیف

"تدریجی محاصل علمی اور نظری طور پر جس سے فلورینس کے مصنفین بطور خاص (Palmieri) گوئیٹی (Guetti) گوئی سارڈنی (Guicciardini) کے خیالات واضح ہوتے ہیں۔

۲۔ Bodin

۳۔ Republic

طور سے سر ولیم پیٹی[1] نے محاصل کے بارے مسئلے میں بہت زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا ہے سر ولیم پیٹی کی کتاب جو انہوں نے محاصل کے عنوان پر لکھی غالباً پہلی ایسی تصنیف ہے جس میں کلیتہً مالیات کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

اس کے بعد موتیسکیو[2] نے اپنی تصنیف "روح قوانین[3]" کے تیرھویں باب میں محاصل اور سرکاری قرضوں کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ فطرائین جو اپنے آپ کو "معاشئین" کہنے پر فخر محسوس کرتے تھے علم مالیات کی جانب خاص طور سے متوجہ رہے چنانچہ ان کا اساسی عقیدہ بلحاظ نوعیت اصل میں مالیاتی ہی تھا۔ ہمارے جدید معاشئین کو فطرائین کے مالی تصورات سے کیسا ہی شدید اختلاف کیوں نہ ہو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فطرائین نے مالی مسائل کے انتخاب میں نہایت معقولیت اور قابلیت سے کام لیا تھا۔ ان کے معلومات اور مفروضات ناقص سہی لیکن یہ کیونکر فراموش کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے محصول کی معدلت محصول کے ظاہری وحقیقی بار نیز قومی دولت پر اس کے اثرات کے موضوع پر مفصل بحث کی اور ذرائع آمدنی کا مکمل تجزیہ کرتے ہوئے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ کس ذریعہ سے کس حد تک سرکاری اغراض کی تکمیل ممکن ہے۔ چنانچہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے دلائل غلط سہی لیکن ان کی بدولت مزید تحقیق کا دروازہ کھل گیا

اس مکتب خیال کے بانی کوئیسنے نے اپنی تصنیف "دوسرے معاشی مسئلے میں" محاصل پر بحث کی ہے۔ کوئیسنے نے اپنا معاشی جدول اس کے دس برس بعد ترتیب دیا جس میں اس نے پیدائش اور تقسیم دولت کے مخصوص نظریوں کے پیش نظر محاصل اندازی کا ایک جدید تصور پیش کیا اس کے نظریے کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اس نے اس امر پر زور دیا کہ صرف زمین کی پیداوار پر محصول عاید کیا جائے۔ اس کا قول تھا کہ "محصول صرف پیداوار خالص

۱۔ Sir William Petty
۲۔ Montesquieu
۳۔ Espirite de Lois

یعنی زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار پر عائد کرنا چاہئیے نہ کہ پیداوار خام یعنی اجرتوں پہ کیونکہ اس کے برخلاف صورت میں مصارف پیدائش میں اضافہ ہو جائیگا، تجارت میں رخنہ پڑے گا۔ نیز ہر سال قوم کی مجموعی پیداوار کا ایک حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس کا یہ تصور اس عقیدے پر مبنی تھا کہ حقیقی معنوں میں پیداوار صرف زراعت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اسی طرح اس کے شاگرد میرابو[1] نے محاصل اندازی پہ ایک تصنیف شائع کی۔ اس سارے دبستان نے بحیثیت مجموعی بلا واسطہ محصول کی حمایت کی جو زرعی پیداوار پر عاید کیا جائے۔ ترگو[2] نے اپنے متعدد مقالوں میں مالیات کے مسائل پہ بحث کی ہے فطرائین نے مالیات کے متعلق جو تصورات پیش کئے وہ اس اعتبار سے بالخصوص اہم ہیں کہ ان کے باعث دوسرے معاشیین اس طرف متوجہ ہو گئے[3]

آدم اسمتھ نے نہ صرف اپنے دور کے مالی تصورات اور آرا کو منظم کیا بلکہ اس علم کی اہمیت مطالعے کی ضرورت اور معاشیات کے ساتھ اس کے قریبی تعلق کی جانب بھی لوگوں کو توجہ دلائی اس کے علاوہ اسمتھ نے مالیات کی ایک نمایاں خدمت یہ بھی انجام دی کہ اس نے اس امر کو واضح کر دیا کہ مالیات کے مسائل کو تشفی بخش طور پر حل کرنے کے لئے عام معاشی اصولوں کا سہارا لینا لازمی ہے۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آدم اسمتھ نے محصول کے بارے میں چار اہم اصول پیش کئے ان کا تذکرہ کر دیا جائے اس لئے کہ باوجود کوہن[4] اور واکر[5] جیسے مصنفین کی سخت تنقیدوں کے آج تک کوئی دوسرا عالم معاشیات ان اصولوں میں کوئی بہت زیادہ نمایاں اضافہ نہ کر سکا ہے۔ آدم اسمتھ نے محصول کے متعلق سابقہ اصولوں میں ایسا بیش بہا اضافہ کیا کہ اس کے

---

1. Mirabeau
2. Turgot
3. فطرائین نے مالیات میں کیا اضافہ کیا ہے اس کے لئے ملاحظہ فرمائیے ہگس (Higgs H) کی کتاب
4. Cohen
5. Walker

متاخرین کی مسلسل کوششوں کے باوجود ان اصولوں کو آج بھی علم مالیات میں وہی قابل رشک مقام حاصل ہے جو کہ اسمتھ کی زندگی میں انہیں حاصل تھا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ان اصولوں میں سے موجودہ زمانے میں بعض زیادہ اہمیت اختیار کر گئے ہیں اور بعض نسبتاً کم اہم تصور کئے جاتے ہیں ذیل میں ہم اسمتھ کے اصولوں کو درج کرتے ہیں۔

(۱) اصول معدلت:۔ ہر مملکت کی رعایا کو چاہیئے کہ حتی الامکان اپنی اپنی قابلیت کے مطابق یعنی اس آمدنی کے تناسب سے جو انہیں مملکت کے زیر حفاظت اپنے اپنے طور پر حاصل ہوتی ہے۔ حکومت کے اخراجات میں شریک ہو۔ گویا اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ حکومت کو محصول عائد کرنے کا استحقاق حاصل ہے اور رعایا کا فریضہ ہے کہ وہ محصول ادا کرے اس طرح یہ اصول مالی بھی ہے اور اخلاقی بھی۔

(۲) اصول تیقن:۔ جس محصول کا ادا کرنا ہر فرد کے لئے لازمی ہے وہ من مانا نہیں بلکہ بالکل باقاعدہ اور یقینی ہونا چاہیئے۔ وقت ادائیگی طریقہ ادائیگی اور مقدار محصول نہ صرف ادا کرنے والے بلکہ تمام دوسرے اشخاص پر بھی روشن ہونے چاہئیں اس کی برعکس صورت میں محصول دہندہ محصول وصول کرنے والے کی مرضی کا پابند ہو جاتا ہے"[۱] آدم اسمتھ کے اس اصول کو امریکی معاشئین نے خاص طور پر اہمیت دی ہے یہاں تک کہ اس اصول کو محصول کا اہم ترین اصول تصور کیا جاتا ہے۔ یہ اصول اس لئے بھی بہت اہم ہے کہ تیقن کے بغیر معدلت اور مساوات کا وجود ہی ممکن نہیں یہ خیال کہ قدیم محصول محصول ہی نہیں ہوتا۔ آدم اسمتھ کے اسی اصول پر مبنی ہے کہ تیقن کی خصوصیت محصول کو نسبتاً بہت زیادہ سہل بنا دیتی ہے۔

(۳) اصول سہولت۔ محصول ایسے وقت پر اور اس طریقے سے عائد کیا جائے جو ادا کرنے والے کے حق میں زیادہ سے زیادہ سہولت کا باعث ہو"

(۴) اصول کفایت۔۔ محصول اس طور پر تجویز کیا جائے کہ اس کے باعث جس قدر

---

[۱] دولت اقوام۔ فصل پنجم جز دوم

رقم سرکاری خزانے میں داخل ہو اس کے علاوہ حتی الامکان کم سے کم رقم رعایا کی جیبوں سے نکلے آدم اسمتھ کے اس اصول کو موجودہ زمانے میں عام طور سے محصول کا اہم ترین اصول تصور کیا جاتا ہے۔ کفایت سے اسمتھ کا اشارہ محض وصولی کے انتظامات میں کفایت کی طرف نہیں بلکہ اس سے اس کی مراد یہ بھی ہے کہ محصول صنعتوں کی پیداآوری اور اجتماع دولت میں بھی مزاحم نہ ہو۔

رکارڈو نے اپنی تصنیف "اصول معاشیات" میں مالیات کے موضوع پر نہایت مبہم انداز میں اظہار خیال کیا جس سے مالیاتی علم میں ترقی تو درکنار رجحان یہ پیدا ہو گیا کہ نظری مباحث کے پردے میں مخصوص مسائل کی مدافعت یا مخالفت کیجائے اور ظاہر ہے کہ ان کتابچوں اور رسالوں کی قدر و منزلت محض عارضی اور وقتی ہوتی چنانچہ اس دور کی زیادہ مستند تصانیف مثلاً پارنیل[1] کی "مالی اصلاح[2]" اور سیر[3] کی "محصول آمدنی" بھی اس نقص سے پاک نہیں۔ اس سلسلہ میں میکلرکش کی کتاب "محصول اندازی اور نظام مالیہ[4]" کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد جان اسٹورٹ مل کی تصنیف "اصول معاشیات" منظر عام پر آئی۔

"تاریخی مکتب خیال نے بھی علم مالیات کے ارتقاء میں کافی حصہ لیا۔ چنانچہ اس دبستان کے اس تصور کی وجہ سے کہ موجودہ حالات کو ماضی کی روشنی میں دیکھنا چاہیے مالیاتی تاریخ کو بالخصوص ترقی ہوئی چنانچہ شافلے[5] اور شمولر[6] نے یہ نظریہ پیش کیا کہ "محصول کا بار فقط خالص آمدنی پر ڈالنا چاہیے"

موجودہ صدی میں علم مالیات میں مندرجہ ذیل رجحانات بہت زیادہ نمایاں ہو گئے ہیں۔

(۱) مالیات دراصل قومی مفاد سے قریبی طور پر وابستہ ہے۔ اسے افراد پر بار تصور کرنا

۱۔ Parnell
۲۔ Financial Reform
۳۔ Sayer
۴۔ Taxation and The Financial system
۵۔ Schaffle
۶۔ Schmoller

صحیح نہیں۔

(۲) نظام مالیات کا انحصار معاشی حقائق پر ہوتا ہے۔ ہر ملک کے لئے اس کی مخصوص خصوصیات کی بنا پر ایک جداگانہ نظام مالیات درکار ہوتا ہے۔

(۳) قدیم مالی نظاموں کا جائزہ لیتے وقت اس زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۴) مالیات اور بالخصوص محاصل کے سلسلے میں سماجی مقاصد کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

مالیات کے لئے موزوں طریق تحقیق

یہ مسئلہ بھی قابل توجہ ہے کہ مالیات کے بارے میں تحقیق کے لئے کونسا طریق تحقیق اختیار کیا جائے اس کا جواب یہ ہے یوں تو ہر طریقے کو استعمال کرنا چاہیے لیکن استقرائی طریقہ مالیاتی واقعات کی تحقیق کے لئے بالخصوص کارآمد ثابت ہوتا ہے البتہ اس کے ذریعے جو نتائج اخذ کئے جائیں ان پر استخراجی طریقے کا انطباق ممکن ہے۔ مالیات اور معاشیات میں جو ایسی مشابہت ہے کہ معاشی تحقیق کے سلسلے میں جو مباحث پیش ہوئے ہیں وہ مالی تحقیق کے دائرے پر بھی کم و بیش پورے اترتے ہیں لیکن پھر بھی ان مسائل کے اعتبار سے جو مالیات کے دائرہ بحث میں شامل ہیں یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس علم میں استخراجی طریق تحقیق کی گنجائش ذرا محدود اور استقرائی طریقے کے لئے میدان نسبتاً بہت وسیع ہے اسی طرح تاریخی اور تقابلی طرز تحقیق بھی نہایت سود مند اور موثر ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان سے ان حالات پر روشنی پڑتی ہے جن میں مختلف مالیاتی اجزا کی نشو و نما ہوئی ہے اس طرح استقرائی تاریخی اور تقابلی طریقوں سے جو نتائج حاصل ہوں انہیں بنا و تصور کر کے محاصل کے اثرات اس کے بار اور سرکاری قرض کے اثرات وغیرہ کے بارے میں مزید تحقیق کے لئے استخراجی طریقے کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ استخراجی طریقہ بطور خاص صرف اور محاصل کے بار کی تحقیق کے سلسلے میں سود مند ثابت ہوتا ہے بہرکیف ہمیں مالیات کے متعلق تحقیق اور نتائج کو اخذ کرنے میں حد درجہ احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ چنانچہ مارشل کے مندرجہ ذیل الفاظ جو اس نے عام معاشی تحقیق کی بابت کہے تھے مالیاتی تحقیق پر بالخصوص صادق آتے ہیں۔

اس نے کہا تھا

"اس کے لئے پیچیدہ تجزیاتی طریقوں سے زیادہ ذہانت،
عقل اور تجربہ درکار ہے"[1]

علم مالیات کی اہمیت اور مالیت حیدرآباد کے مطالعے کی ضرورت

علم مالیات کی روز افزوں اہمیت اور مالیت حیدرآباد کے مطالعے کی شدید ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ کسی ملک کی معاشی خوشحالی کا صحیح اندازہ اس کے نظام مالیات ہی سے ممکن ہے اس لئے کہ کسی ملک کی معاشی ترقی کا دار و مدار اس کی مالی حالت پر ہوتا ہے۔

حکومت کی کل میں مالیات کو وہی امتیازی مقام حاصل ہوتا ہے جو گھڑی میں بال کمانی کو۔ کیونکہ مالی ذرائع کی غیر موجودگی میں حکومت اپنے فرائض کو انجام نہیں دے سکتی۔ حکومت کی ساکھ اس کے نظام مالیات پر ہی بنی ہوتی ہے۔ بعض انتہا پسندوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مملکت کی آمدنی ہی خود مملکت ہے[2]۔

حکومت کے مقاصد اور ضروریات کے لئے رقوم کی فراہمی اور اس طرح جو وسائل حاصل ہوتے ہیں ان کا استعمال اس درجہ اہم اور سیاسی حیثیت کا ایسا لازمی جزو ہے کہ ہر شخص جو سیاسی معاشرتی اور معاشی معاملات سے ذرا بھی دلچسپی رکھتا ہے اسے ضرور اس کی جانب توجہ کرنی پڑتی ہے۔ ہم اگر چند لمحے بھی غور کریں تو ہمیں مالیات کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے مثال کے طور پر ہمارے خطوط کی ترسیل ایسے محکمے کے توسط سے عمل میں آتی ہے جسے اس کام کا مکمل اجارہ حاصل ہوتا ہے۔ روشنی کا انتظام سرکاری طور پر ہی ہوتا ہے مالیات کے مسائل یہیں نہیں ختم ہوجاتے بلکہ ان کا تعلق مقامی اداروں سے بھی ہوتا ہے مثلاً پانی کے ہم بلدیے کے محتاج ہوتے ہیں کسی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔ مالیات کے مسائل ہماری

۱۔ اصول معاشیات از آلفریڈ مارشل ضمیمہ (ج) ص (۷۰۰)
۲۔ مالیات عامہ از فنڈلے شراس صفحہ (۱)

زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں اس کا اندازہ روزمرہ کے واقعات سے بخوبی ہو سکتا ہے
واقعہ یہ ہے کہ کسی مضمون کی اہمیت از خود اس کے گہرے مطالعے کی متقاضی ہوتی ہے پھر مالیات کے سلسلے میں تو اور بہت سی دلیلیں پیش کیجا سکتی ہیں مثلاً مالیات میں مختلف مالی راستوں کے درمیان انتخاب کا مسئلہ نہایت پیچیدہ ہوتا ہے جن میں سے بعض دوسروں کی نسبت زیادہ معقول اور سودمند ہوتے ہیں۔ اس بارے میں کسی قطعی نتیجے پر پہنچنے کے لئے کہ مختلف مالیاتی مسلک جو حکومت اختیار کرسکتی ہے ان میں کون سا سب سے زیادہ مفید اور منفعت بخش ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ نہایت احتیاط کے ساتھ مالیات اور اس سے تعلق رکھنے والے امور کا مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے اس میں کامیابی محض اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ مطالعہ سائنٹفک ہوتا وقتیکہ ہماری نظر کے سامنے مالیات کا مفصل اور مکمل نقشہ پیش نہ ہو ہم ہرگز تیقن کے ساتھ اس کا فیصلہ نہیں کرسکتے کہ دراصل ہمارے لئے کونسا مالیاتی مسلک بیشترین افادیت رکھتا ہے اور کون سا مالیاتی مسلک ہمارے حالات کے لحاظ سے غیر موزوں اور نامناسب ہے۔

دور حاضر میں مالیات کی اہمیت اس واسطے بھی روزافزوں ہے کہ حکومت کے فرائض اور مقاصد کا دائرہ رفتار زمانہ کے دوش بدوش وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے ماضی میں جس وقت تک کہ مملکت کے فرائض معدودے چند اور سیدھے سادے تھے آمدنی اور خرچ دونوں کو محض چند مخصوص اور مقررہ اجزاء میں تقسیم کر لیا جاتا تھا۔ لیکن برخلاف اس کے موجودہ حکومتوں کو آمدنی و خرچ کے سلسلے میں ایسے ٹیڑھے اور وسیع طریقوں کو اختیار کرنا پڑتا ہے جو مقابلتہً بہت زیادہ دشوار گزار اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔

اس سے قطع نظر ایک اور امر بھی ہے جس نے مالیات کے مطالعہ کو غیر معمولی طور پر اہم اور ضروری بنا دیا ہے وہ یہ کہ مالیاتی تدابیر سے مختلف طبقات کا مفاد کچھ ایسے پیچیدہ انداز میں متاثر ہوتا ہے کہ جب تک نظام مالیات کا تفصیلی تجزیہ نہ کیا جائے کسی مالی تدبیر کے اثرات

واضح نہیں ہو سکتے ۔

کسی مالیاتی اقدام کی خوبیوں یا نقائص کے متعلق صرف اسی صورت میں فیصلہ ہو سکتا ہے جب کہ ہمارے سامنے اس کے سارے بلاراست اور بالواسطہ اثرات کی تصویر موجود ہو نیز موجودہ مالیاتی نظام کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لئے یہ امر بھی لازمی ہے کہ ہم اس کے تاریخی پس منظر سے بھی کم وبیش واقف ہوں ۔

مالیاتی مسائل روز بروز اہم سے اہم تر ہوتے جارہے ہیں اس کا حقیقی سبب یہ ہے کہ حکومت کے فرائض جو مالیات کی مدد سے انجام پاتے ہیں ۔ روز افزوں وسعت کی جانب مائل ہیں ۔ یہ وسعت محض بہ لحاظ تعداد نہیں بلکہ بہ اعتبار اہمیت بھی ہے ۔ ایک طرف حکومت اپنے آپ بعض کاروبار انجام دے رہی ہے مثلاً ریلیں اور ڈاک تو دوسری جانب خانگی کاروباروں میں اس کی مداخلت بڑھتی جارہی ہے ۔ عدم مداخلت کا مسلک ایک عرصہ ہوا متروک ہو چکا ہے اور جدید صنعتوں کو ترقی دینا بھی موجودہ زمانے میں حکومت کا اولین فریضہ تصور ہوتا ہے ان تمام امور نے علم مالیات کو بہت زیادہ وسیع وہمہ گیر اور اس کے مسائل کو نسبتاً بہت زیادہ پیچیدہ بنا دیا ہے نیز ان ہی وجوہ کے پیش نظر علم مالیات کے مطالعے کی اہمیت اور ضرورت بہت زیادہ نمایاں ہوگئی ہے ۔

بقول جیمز ولسن کے جو ہندوستان کے پہلے وزیر مالیات مقرر ہوئے تھے " مالیات صرف حساب نہیں بلکہ ایک عظیم الشان مسلک ہے بغیر عمدہ مالیات کے عمدہ حکومت کا وجود ہی ممکن نہیں ۔ بغیر ایک عمدہ مالیاتی نظام کے معاشی خوشحالی اور تجارتی وصنعتی ترقی کی منزل حاصل نہیں ہو سکتی "

مندرجہ بالا امور کے علاوہ جنہوں نے حیدرآباد کے نظام مالیات کے مطالعے کو اہم بنا دیا ہے ۔ ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے وہ یہ کہ ہمارا نظام مالیات درحقیقت ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے معاشی اور صنعتی ترقی دراصل ابھی ایک حد تک ابتدائی منازل میں ہی ہے جیسے

جیسے جیسے وقت گزرے گا اور جوں جوں ہم معاشی ترقی کے میدان میں قدم بڑھائیں گے ہمارے
مالی مسائل نہ صرف زیادہ اہم بلکہ زیادہ پیچیدہ بھی ہوتے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ مستقبل کے
متعلق کسی قسم کی قطعی پیشین گوئی تو ممکن نہیں لیکن یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ہمیں بہت سی
تبدیلیوں اور متعدد معاشی تغیرات سے گزرنا ہے۔ مالی وسائل اور ذرائع پر دسترس حاصل کرنے
اور اس کے بعد انہیں معقول طور پر استعمال کرنے کا جو طریقہ یا انداز ہوتا ہے اس میں لازمی طور
پر جیسے جیسے ملک معاشی ترقی کے مدارج طے کرتی جاتی ہے تغیر ہوتا جاتا ہے بہ الفاظ دیگر
جس نہج سے حکومت معاشی ترقی کی ایک منزل میں مالیاتی وسائل کو حاصل اور صرف کرتی ہے
وہ خاصی مختلف ہوتی ہے اس طریقے سے جو حکومت نے معاشی ترقی کی کسی سابقہ منزل میں
اس غرض کے لئے اختیار کیا تھا۔ غرض کہ معاشی ترقی کی نسبتاً ابتدائی منازل میں جو طریقہ اختیار کیا
جاتا ہے وہ مقابلتہً ایک حد تک سیدھا سادہ ہوتا ہے برخلاف اس کے جب کوئی ملک معاشی
اور صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ہو جاتا ہے تو اسی کے دوش بدوش مالیاتی مسائل بہت زیادہ
دشوار گزار اور پیچیدہ ہوتے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں جب کہ یہ تیقن سے کہا جا سکتا ہے
کہ حیدرآباد کو بہت سے معاشی تغیرات سے گزرنا ہے یہ امر ازحد ضروری ہے کہ ہم اپنے
نظام مالیات کا گہرا مطالعہ کریں تاکہ مستقبل میں درپیش ہونے والے کٹھن اور پیچیدہ مسائل کو
حل کیا جا سکے اس لئے کہ جس وقت تک ہم اپنے موجودہ نظام مالیات کی اساسی خصوصیات
اور اجزاء کو پیش نظر نہ رکھیں ہمارے لئے ممکن نہ ہوگا کہ ہم اس میں مناسب اصلاح کر سکیں
غرض معاشی اعتبار سے ترقی یافتہ اور خوشحال حیدرآباد کی تعمیر محض اسی وقت ممکن
جب کہ معاشی حالات اور حقائق کے پیش نظر ایک عمدہ نظام مالیات تشکیل دیا جا سکے اور ایسی
میں حیدرآباد کے نظام مالیات کے مطالعے کو جس قدر بھی اہمیت دی جائے کم ہے۔

دوسرا باب

مالیات حیدرآباد انیسویں صدی میں

اٹھارھویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کی ابتدا میں حکومت حیدرآباد کی مالی حالت

ابتدا میں مالیات حیدرآباد کے بارے میں جو معلومات ملتے ہیں وہ نہایت غیر مکمل اور ناکافی ہیں لیکن اس کے باوجود جو کچھ بھی ادھوری تحریریں موجود ہیں ان سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حیدرآباد کی مالی تاریخ کا ابتدائی دور نہایت تاریک اور سراسر ناکامیوں کی ایک طویل اور مسلسل داستان ہے چنانچہ اس زمانے کو حکومت کے مالی معاملات کے نقطہ نظر سے تاریک ترین دور تصور کرنا ہرگز غلط نہ ہوگا۔

راجہ چندو لال کے زمانہ وزارت سے قبل مالی نظم و نسق کا جو طریقہ رائج تھا اسے امانی تعلقداری کے لقب سے موسوم کیا جاتا۔ اس نظام کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ جو شخص سب سے زیادہ بولی بولتا سب سے زیادہ بیش بہا نذرانہ پیش کرتا اور بیشترین رقم بطور پیشگی ادا کرتا اسی کے حق میں مالگزاری کی وصولی کا اختیار کر دیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ یہ تعلقدار ابتدا میں جو رقم اپنے پاس سے صرف کرتا اس کی تلافی کی غرض سے زیادہ سے زیادہ مالگزاری وصول کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتا۔ مالگزاری نہایت سختی سے وصول کیجاتی اور غریب کاشتکاروں کو انکی مشقت کی کمائی کے آخری پیسے تک سے محروم کرنے کی کوشش کیجاتی ستم ظریفی یہ کہ اس طرح جو آمدنی حاصل ہوتی اس کا برائے نام حصہ سرکاری خزانے میں داخل کیاجاتا اور بقیہ حصے پر خود تعلقدار یا بعض

ہو جاتا۔

حکومت کے اخراجات تو روز افزوں تھے لیکن آمدنی کے ذرائع روبہ انحطاط اور محدود یعنی جیسے جیسے مجموعی آمدنی میں تخفیف ہوتی جاتی اسی کے پہلو بہ پہلو مصارف بڑھتے جاتے۔ اخراجات میں اضافے کا بڑا سبب فوج کے مصارف تھے جو حکومت حیدرآباد کو ادا کرنے ہوتے۔ منصب کی رقوم کا بار بھی بہت زیادہ تھا اور حکومت کی تقریباً ساری آمدنی ان ہی دو مدوں کی نذر ہو جاتی۔ اول تو باضابطہ حساب کتاب ہوتا ہی نہیں تھا اور اس لئے اس زمانے کی جو دستاویزات ملتی ہیں وہ مکمل اور پُر از معلومات نہیں ہیں۔ دوسرے بجائے اس کے کہ پہلے حکومت کی جملہ آمدنی اور اخراجات کا تخمینہ کر لیا جاتا اور پھر اس کے بعد مختلف مدات قائم کی جاتیں۔ اس زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ فقط اخراجات کا اندراج کر دیا جاتا اور آمدنی کا حساب کتاب نہ ہوتا۔

ظاہر ہے کہ جب اخراجات کا آمدنی سے بڑھ جاتا ایک معمولی سی بات ہو گئی تو آمدنی اور اخراجات میں توازن پیدا کرنے کے لئے اکثر اوقات ناجائز اور نامناسب طریقوں پر بھی عمل کرنا پڑتا۔ مثال کے طور پر نذرانوں اور پیشگیوں میں اضافے کی غرض سے یکے بعد دیگرے کئی افراد کے نام ایک ہی ضلع کیا جاتا۔ اور قبل اس کے کہ ایک شخص قابض ہو سکتا حکومت کی جانب سے دوسرا شخص پیشگی اور نذر کی وصولی کے بعد نامزد کر دیا جاتا۔ اس کے علاوہ ذاتی جائدادوں کی ضبطی، زمینداروں کے ذاتی حقوق سے انحراف، بیجا جرمانے اور عدل و انصاف کے بہانے بڑے بڑے نذرانوں کی وصولی ایسے طریقے تھے جن سے مزید آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی چنانچہ اس قسم کے ناجائز طریقوں سے جو آمدنی حاصل ہوتی اس کے لئے ایک بالکل علیحدہ مد موجود تھی جسے "فروعات" کے نام سے موسوم کیا جاتا۔ یہ رقم معمولی آمدنی سے قطعی علیحدہ طور پر دفترداروں کے پاس محفوظ رہتی۔

راجہ چندو لال کے زمانہ میں مالی نظم و نسق

حیدرآباد کا مالی نظم و نسق سنہ ۱۸۰۶ء میں راجہ چندو لال کے ہاتھ میں آیا جب کہ وہ پیشکار کے عہدہ پر مامور تھے اور میر عالم وزیر اعظم تھے۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں میر عالم کے انتقال کے بعد ہز ہائنس نے منیر الملک کو وزیر مقرر کر دیا لیکن

اس کے باوجود راجہ چندو لال کو غیر معمولی اقتدار حاصل رہا وجہ یہ تھی کہ انہیں برطانوی حکومت کا کامل اعتماد حاصل تھا۔ اور وہ وزیراعظم پر بھی چھائے رہتے۔

اس طرح حیدرآباد کا مالی نظم و نسق ۱۸۰۶ء سے تقریباً ۱۸۴۳ء تک راجہ چندو لال کے تحت رہا اور مناسب معلوم ہوتا کہ ہم نہایت اختصار کے ساتھ اس چالیس برس کے عرصہ میں مالیات حیدرآباد پر ایک سرسری نظر دوڑائیں اور ایسی حالت میں جب کہ نہ ہی اس زمانہ کی معتبر اور مکمل سرکاری دستاویزات ملتی ہیں اور نہ ہی آمدنی اور اخراجات کے باضابطہ حسابات موجود ہیں۔ اس بارے میں حالات کے محض ایک مختصر سے خاکے پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا

سربستہ طریق مالگزاری | مالگزاری کی وصولی کا طریقہ نہایت ناقص تھا۔ یعنی ہر ایسا فرد جسے عام طور سے دولت مند تصور کیا جاتا وزیراعظم کے پاس اپنی خدمات بحیثیت تعلقدار کے پیش کرنے کا مجاز تھا۔ اگر اس پیشکش کو قبول کرلیا جاتا تو اسے سرکاری خزانے میں ایک معینہ رقم داخل کرنی ہوتی اس رقم کا تخمینہ اس طرح کیا جاتا کہ جو اضلاع اس کے سپرد کئے جاتے ان کی مجموعی مالگزاری کا اندازہ کرکے اس میں سے ۲ر فی روپیہ گھٹا دیے جاتے تاکہ اس سے تعلقدار اپنے ماتحتین اور ملازمین کی تنخواہیں ادا کرے۔ اس کے بعد تعلقدار کو ایک سند دے دی جاتی جس پر وزیراعظم کی مہر ثبت ہوتی اور آخرکار تعلقدار دوبارہ نذر پیش کرکے رخصت ہو جاتا بس یہیں تعلقدار کے جملہ فرائض ختم ہو جاتے اور اگر خزانے میں مالگزاری کی اقساط پابندی سے ادا ہوتی رہتیں تو اس سے کسی قسم کی جواب طلبی یا بازپرس نہ ہوتی۔ تعلقدار خود حیدرآباد میں گل چھرے اڑاتا اور مالگزاری کی وصولی کے سلسلہ میں اپنے ایک نائب کو سیاہ و سفید کا مالک بنا دیتا جسے تقریباً دو سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی اور قطع نظر اس امر کے کہ وہ مالگزاری کی رقم کس طرح وصول کرتا اور کتنی وصول کرتا اس کا یہ اٹل فریضہ ہوتا کہ کسی طرح بھی وہ چار لاکھ روپے سالانہ تعلقدار کے ذاتی فائدے کے لئے وصول کرلے۔

اس دور کے محاصل | مندرجہ ذیل فہرست سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس دور میں

کتنے متعدد اور مختلف اقسام کے محاصل وصول کئے جاتے تھے ۔

(۱) دھنگر پٹی یعنی مویشیوں پر محصول

(۲) ڈھیرپٹی یعنی وہ محصول جو ڈھیروں پر عائد تھا ۔

(۳) شادی پٹی یعنی شادیوں پر محصول

(۴) چارسائی پٹی یعنی چمڑوں اور کھالوں پر محصول

(۵) بھوئی پٹی یعنی وہ محصول جو بھوئی ادا کرے ۔

(۶) ہاٹ بازاری یعنی بازاروں اور ہاٹ پر محصول ۔

(۷) کلال پٹی یعنی شراب فروشوں پر محصول ۔

(۸) جلاہی پٹی یعنی وہ محصول جو جلاہوں پر عاید تھا ۔

(۹) دھارہ پٹی

(۱۰) راہ داری یعنی نقل وحمل پر محصول ہر علداری کی تبدیلی پر دیا جاتا اور اس کے مندرجہ ذیل سات اجزا تھے ۔

(الف) تھال برتی ۔ یہ محصول مال خریدنے کے فوراً ہی بعد ادا کرنا ہوتا ۔

(ب) راہ داری جو ہر پرگنے کے حدود پر ادا کیا جاتا ۔

(ج) ارسوا ۔ یہ محصول دلیسکھیا دیشپانڈے وصول کرتے ۔

(د) جنگل یہ محصول رات بھر کے لئے پناہ دینے کے صلے میں ڈھیر وصول کرتے ۔

(ھ) دشمل ۔ اس محصول کو پٹیل وصول کرتے ۔

(و) لادور ۔ یہ ایک ایسا محصول تھا جسے پٹیل کے ذریعہ دیوتا کی بھینٹ چڑھایا جاتا ۔

(ز) پان سپاری ۔ اس نام سے جو محصول وصول کیا جاتا اس سے سرکاری سپاہیوں کی تواضع کی جاتی ۔

(۱۱) غنیم باب ۔ دشمن کے خلاف حفاظت کا محصول ۔

(۱۲) پارل پٹی ۔ بھوسے کی رسد پر محصول

(۱۳) بٹ سبزی ۔ ترکاریوں کی فروخت پر محصول ۔

(۱۴) بانس فروشی ۔ بانس کی فروخت پر محصول

(۱۵) رسم ریڈی

(۱۶) مذکوری پٹی

(۱۷) دفن ۔ جنازوں پر محصول ۔

(۱۸) سنڈل اور گردول ۔ باجوں پر محصول

(۱۹) تانی اور پان ال ۔ پان تمباکو والوں اور تیل فروشوں پر محصول ۔

(۲۰) اشا بازاری ۔ بازاری چوروں پر محصول ۔

(۲۱) مچھی گلٹی ۔ مچھلی پکڑنے والوں پر محصول ۔

(۲۲) کمہرپٹی ۔ کمہاروں پر محصول ۔

(۲۳) بھینس پٹی ۔ بھینسوں پر محصول ۔

(۲۴) نخشی جانوروں کی فروخت پر محصول ۔

(۲۵) آدم پٹی ۔ کاریگروں پر محصول ۔

(۲۶) محترفہ ۔ مکانات اور دوکانوں پر محصول ۔

(۲۷) سفرپٹی ۔ یعنی ایسا محصول جس سے زمینداروں کے مصارف سفر پورے کئے جاتے ۔

اس دور کے محاصل کی فہرست تو یقیناً بہت طویل ہے لیکن ان سے آمدنی بہت کم حاصل ہوتی اور ان میں سے اکثر محاصل ٹیکس کے بنیادی اصولوں کے سراسر منافی تھے ۔

حصول آمدنی کے بعض دوسرے ذرائع

حصول آمدنی کی غرض سے وراثت اور جانشینی کے سلسلے میں بھاری نذرانے وصول کئے جاتے جب کوئی زمیندار فوت ہوجاتا تو اس کا جائز وارث اس وقت تک جاگیر پر قابض نہ ہوسکتا تاوقتیکہ وہ ایک کثیر رقم ادا نہ کردے ۔ اس کا

لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیردار بر سر اقتدار ہونے کے بعد اس رقم کی تلافی اپنی رعیت کو لوٹ کھسوٹ کر کر اس قسم کے ناجائز ذرائع سے جو آمدنی حاصل ہوتی وہ بالکل علیحدہ طور پر جمع کر دی جاتی اور اس کے حسابات پر فدوی راجہ چندو لال کے دستخط ہوتے۔ ان کے ناجائز ہونے سے قطع نظر یہ تدابیر کسی طرح بھی مالی معاملات کو درست یہ اصلاح کرنے میں موثر ثابت نہیں ہو سکتیں۔

آمدنی کا ایک ذریعہ یہ تھا کہ حقوق ٹکسال کو فروخت کر دیا جاتا۔ اور اس طرح معمولی زمیندار بھی سکہ سازی کے مجاز بن جاتے۔ اس وقت ریاست میں چودہ مختلف قسم کے سکے مروج تھے اور طریقہ یہ تھا کہ ہر جاگیردار پر یہ پابندی عائد کر دیا تھا کہ اس کے علاقہ میں سوائے ایک خاص قسم کے سکے کے کوئی دوسرا سکہ نہ چلے۔

فوری اخراجات کی پابجائی کے لئے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کئے جاتے۔

(۱) ساہوکاروں اور زمینداروں سے قرض لینا۔

(۲) زیورات۔ جواہرات اور تعلقوں کو رہن کرنا۔

(۳) تعلقوں کی مالگزاری کو پیشگی وصول کرنا۔

(۴) نذرانے حاصل کرنا۔

اس دور میں حکومت کے اخراجات — حکومت کے اخراجات اس دور میں مندرجہ ذیل مدات میں منقسم تھے

(۱) منہائی از مداخل۔ اس میں ساری ایسی رقمیں شامل تھیں جنہیں ضلع کے عہدے دار وصولی کے مصارف کے طور پر منہا کر لیتے۔ مثلاً صادر یا دفتر کے معمولی مصارف۔ رسوم یعنی پرگنے کے عہدہ داروں کی فیس یومیہ اور سالانہ یعنی بعض وظیفہ خواروں کے روزانہ اور سالانہ مصارف دیہیادریا یعنی دیہات سے تعلق رکھنے والے مصارف اور اسی قسم کی دوسری منہائیاں۔

(۲) **تعلقہ محلات**۔ اس میں تمام ایسے تعلقے اور علاقے آجاتے تھے جو قرضوں اور تنخواہوں کے سلسلے میں منتقل کر دئیے گئے تھے۔ اس مد کے تحت ایسے مصارف بھی شمار ہوتے

جو افواج منصبداروں اور ساہوکاروں کے قرض اور سود کی رقوم کے سلسلے میں لاحق ہوتے۔

(۳) مخارج نقد از خزانہ و محلات۔ یعنی مرکزی و صوبہ واری "خزانوں کی نقد ادائیاں" اس میں ہز ہائنس کا الاونس دیوان اور پیشکار کی تنخواہ فوج کی تنخواہ، منصبداروں کے منصب، قلعے کے رسالے کے مصارف، زمینداروں کی تنخواہ اور اخراجات متفرق شامل تھے۔

مندرجہ بالا اخراجات میں سے بعض مدیں ایسی تھیں جو صرف کاغذ پر ہی جاتیں لیکن ان کے خروج کرنے کی کبھی نوبت ہی نہیں آتی۔ مثال کے طور پر تنخواہوں کی نصف رقم بھی فی الحقیقت ادا نہیں کیجاتی۔ نیز ان مصارف کے علاوہ بہت سے ایسے اخراجات بھی ہوتے جنہیں مصالحتاً سرکاری حسابات میں داخل ہی نہیں کیا جاتا۔ اس طرح پہلی مد کے تحت مصادر کے مصارف ہرگز اتنے نہیں ہوتے جتنے کہ ظاہر کئے جاتے۔ اس کے علاوہ ہر روپے ... دو آنے سہاہوکار کے جاتے لیکن شاذ و نادر ہی اس طرح حاصل کی ہوئی ساری رقم بازار پر صرف کیجاتی۔ کم و بیش یہی کیفیت ... اور دوسرے وظائف کی تھی جنہیں حکومت تعلقداروں اور سربستہ داروں وغیرہ کے توسط سے لوگوں کو ادا کرتی اور جن کا بیشتر حصہ بجائے ان لوگوں تک پہنچنے کے خود تعلقداروں کی جیب میں چلا جاتا۔

سرکاری قرضہ

اس دور میں [illegible] میں تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپے کا قرضہ ... کے مصارف کے سلسلے میں موجود تھا اور چنانچہ نظام ہز ہائنس کو اس کے سلسلے میں اپنی جیب سے ایک کروڑ بیس لاکھ روپے ادا کرنے پڑے۔ جب قرض کا مجموعی بار ۲ کروڑ روپے سے بھی تجاوز کر گیا تو ایک دفعہ سر چارلس مٹکاف نے راجہ چندو لال سے دریافت کیا کہ آخر آپ نے اس بھاری قرض کی ادائیگی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ راجہ چندو لال نے مسکراتے ہوئے نہایت اطمینان سے جواب دیا "ادائیگی کیسی ادائیگی۔ کا تو میرا ارادہ ہی نہیں ہے اس لئے کہ قرضخواہوں کو کافی سود دیا جا چکا ہے اور اب انہیں ایک دمڑی بھی ادا نہ کرونگا۔"

راجہ چندو لال کے زمانہ وزارت کے اختتامی سال میں آمدنی اور اخراجات کی کیفیت ذیل

کی جدولوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

سرکاری آمدنی

نمبر سلسلہ	سرکاری آمدنی کے مدات	آمدنی (لاکھ روپے میں)
۱	بیدر شریف اور حیدرآباد کے صوبوں کے تنخواہی تعلقے	۲۸ / ۹۵
۲	برار، بیجاپور، اورنگ آباد کے صوبوں کے تنخواہی تعلقے	۱۴ / ۸۴
۳	صوبجات بیدر شریف اور حیدرآباد کے ایسے تعلقے جو دیوانی عاملوں کے تحت تھے۔	۶۳ / ۵۹
۴	صوبجات برار، بیجاپور اور اورنگ آباد کے ایسے تعلقے جو دیوانی عاملوں کے تحت تھے	۵۳ / ۴۲
	میزان	۱۶۰ / ۲۶

سرکاری اخراجات

نمبر سلسلہ	سرکاری اخراجات کی مدات	اخراجات (لاکھ روپے میں)
۱	صادر۔ رسوم۔ یومیہ مشاہرے	۲۱ / ۸۶
۲	اعلیٰحضرت کا الاونس اور خاندان شاہی کے اخراجات	۲۵ / ۲۵
۳	فوجی اخراجات	۸۱ / ۷۱
۴	دلو (۱) کا مشاہرہ	۳ / ۰۰

۵	منصب دار	۱۲،۱۳
۶	دوسری تنخواہیں	۱،۰۴
۷	عدالتیں	،۴
۸	تعلقداروں کے تحت افواج	،۱۴
۹	قلعے کارسالہ	،۵۷
۱۰	ادنیٰ ملازمین	۳،۲۴
۱۱	یومیہ دار	۱،۹۱
۱۲	برطانوی افواج	۴۰،۰۰
	میزان	۱۹۱،۵۷

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کی مجموعی آمدنی (۱۶۰،۳۶) لاکھ روپے سالانہ تھی لیکن مجموعی اخراجات (۱۹۱،۵۷) لاکھ روپے تھے۔ اس طرح موازنے میں ۳۱،۲۱ لاکھ روپے کا خسارہ تھا۔ بظاہر اکتیس لاکھ روپے کا خسارہ کچھ بہت زیادہ پریشان کن اور تشویشناک نہیں معلوم ہوتا لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ یہ خسارہ حکومت کی مجموعی آمدنی کا پانچواں حصہ تھا

راجہ چندولال کے زمانۂ وزارت کے اختتام اور نواب سالار جنگ کے تقرر کے درمیانی عرصے میں حیدرآباد کا مالی نظم ونسق

اس زمانہ میں بھی حکومت کی مالی حالت نہایت ناگفتہ بہ رہی نہ کوئی باضابطہ سرکاری خزانہ قائم کیا گیا اور نہ ہی باقاعدہ طور پر سرکاری حسابات رکھے جاتے۔ بحیثیت مجموعی مملکت کا مالی نظم ونسق کسی ایک فرد کے تفویض نہیں تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ خود وزیر اعظم کا اثر بھی مالی معاملات پر برائے نام ہوتا۔

فوجی جمعداروں اور بعض دوسرے ملازمین سرکار کو جب مسلسل طویل عرصے تک تنخواہیں نہ دیجاتیں تو ان کے نام چھوٹے چھوٹے تعلقے کر دئے جاتے جو تنخواہی جاگیروں کے نام سے موسوم ہوتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کئی لاکھ روپے کی آمدنی سے حکومت محروم ہوتی جارہی تھی۔ ایسی دشواریوں اور پیچیدگیوں کا یہ سلسلہ بجائے ختم ہونے کے اور بڑھتا ہی گیا۔ منصبدار کجا خود خاندان شاہی کے افراد کی تنخواہیں قرض رہنے لگیں۔

راجہ رام بخش کا زمانہ بھی مالیات کے نقطۂ نگاہ سے حد درجہ دشوار گزار ثابت ہوا۔ برطانوی افواج کی تنخواہیں مسلسل کئی ماہ تک نہیں ادا کیجا سکیں اور آخر کار یہ رزیڈنسی کے خزانے سے ادا کی گئیں۔ اس طرح دوسرے قرضوں کے علاوہ صرف یہی مد اسی لاکھ تک پہنچ گئی۔

حکومت کی ساکھ کس قدر گر گئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ساہوکاروں نے حکومت کو قرض دینے سے صاف انکار کر دیا تا وقتیکہ وہ جمعداروں کی ضمانت نہ پیش کرے۔ اور اس کے بعد بھی حکومت کو قرض اس شرح سود کی نسبت دوگنی شرح پر دینے کو کہا جو کہ عام طور سے بازار میں رائج تھی۔ نیز اگر حکومت راست طور پر جمعداروں سے معاملہ کرنے کی کوشش کرتی تو اسے اور زیادہ دشواریوں کا سامنا ہوتا۔ اس لئے کہ ہر لاکھ روپے کے معاوضے میں جو جمعدار قرض دیتے وہ ایسی حالت میں جب کہ ہر سپاہی کی تنخواہ چودہ روپیہ ماہوار ہوتی اس کے طلبگار ہوتے کہ حکومت ان کے دستے میں دو چار سو سپاہیوں کا اضافہ کردے۔ ستم ظریفی یہ کہ سپاہیوں کو شاذ و نادر ہی ملازم رکھا جاتا بلکہ بیشتر اوقات ان کا محض فرضی نام رجسٹر میں لکھ کر حکومت سے تنخواہ کا مطالبہ کیا جاتا اور اس طرح حکومت کو قرض اور سود کے علاوہ تنخواہوں کی رقم بھی ادا کرنی پڑتی۔

ملک کا سارا مالی نظم و نسق غلط اصولوں پر مبنی تھا۔ یعنی حکومت کی آمدنی کے جائز ذرائع تو بیکار تھے لیکن عوام تباہ ہوتے جا رہے تھے اکثر سرکاری ملازمین انتہا درجے کے راشی تھے۔ حکومت بھی اپنے وعدے پابندی سے وفا نہ کرتی اور اپنے مالیاتی مسلک کو نہ بعض

لاتے وقت وہ صرف فوری نفع کو دیکھتی اور آئندہ نتائج کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا جاتا
چونکہ سرکاری خزانے کو ہر لمحے روپے کی ضرورت رہتی اس لئے کاشتکاروں کو مجبور کیا جاتا
کہ وہ اسی وقت لگان ادا کردیں جب کہ ان کی فصلیں کٹ کر فروخت بھی نہ ہوئی ہوتیں اور ایسی
صورت میں ان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ ہوتا کہ وہ ساہوکاروں سے بہت بھاری شرحوں
پر قرض لیں اور اس طرح ایک ایسے مطالبے سے نجات حاصل کریں جس سے ان کا بچنا محال
تھا کاشتکار مفلس اور زمیندار تباہ ہو چکے تھے۔ تجارت، زراعت اور مقامی صنعتیں بجائے
ترقی کے روبہ انحطاط تھیں۔ البتہ تعلقدار، سربستہ دار، دیسکھ اور دیشپانڈوں کے خوب مزے
تھے۔

سنہ ۱۸۴۴ء میں ریاست کی زوال پذیر اور ناگفتہ بہ مالی حالت کے پیش نظر ڈیٹن[1] اور
بعض مقامی ساہوکاروں نے ایک بینک کے قیام کی تجویز پیش کی تھی تاکہ حکومت کی مالی امداد
ہو سکے۔ تجویز یہ تھی کہ اس بینک کا مجموعی سرمایہ پچاس لاکھ روپے مقرر کیا جائے جس میں سے
نصف حکومت فراہم کرے۔ دس لاکھ حیدرآباد کے ساہوکاروں کا ہو اور بقیہ پندرہ لاکھ
بمبئی کے شہریوں کا لیکن بالا خاص تجویز کو عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔

سرکاری ملازمین اور افواج کی تنخواہیں اکثر قرض رہتیں اور انہیں وصول کرنے کا بہت
کامیاب اور مقبول طریقہ یہ تھا کہ لوگ وزیر اعظم یا ہز ہائینس کی قیام گاہ کے احاطے میں جا بیٹھتے
اور وہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھتے جب تک کہ ان کا قرض بے باق نہ کر دیا جاتا۔ یہ طریقہ
"دھرنے کے طریقے" سے موسوم تھا۔

حکومت کی ساکھ زوال پذیر تھی اور اگر اسے قرض کی حاجت ہوتی تو نہایت نمایاں ضمانت
اور بہت بھاری شرح سود پر ہی قرض مل سکتا۔ خسارے کی تلافی کرنے اور روز افزوں مصارف
کی پابجائی کے لئے جو ناقص اور ادھوری اور ناکام تدابیر اختیار کی جاتیں ان سے لوگوں کی قوت ادائی

1. Deighton

بری طرح متاثر ہوتی ۔

حکومت کی آمدنی | حصول آمدنی کا اہم ترین ذریعہ جیسا کہ آج بھی ہے مالگزاری تھا جس سے بحیثیت مجموعی معمولاً ایک کروڑ روپے کے قریب رقم جمع ہوتی ۔ اس میں وہ مصارف شامل نہیں تھے جو مالگزاری کی وصولی کے سلسلے میں لاحق ہوتے اور جن کا تناسب کل رقم کا دس فیصد ہوتا ۔ آبکاری کی آمدنی باوجود اس کے کہ سیندھی شراب کے علاوہ بعض دوسرے اشیاء مثلاً بھنے ہوئے گوشت کو بھی اس کے زمرہ میں شامل کر لیا گیا تھا ۔ ایک لاکھ سے بھی کم تھی۔ راہداری کے محاصل جو وقتاً فوقتاً سارے ملک میں وصول کئے جاتے ہر ہر قدم پر تجارت اور لین دین کی راہ میں اہم رخنہ ثابت ہوتے ۔ ان محاصل سے چار لاکھ کے قریب آمدنی حاصل ہوتی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ملک کی عام تجارت اس سے کس قدر شدید طور پر متاثر ہوتی اس کا صحیح اندازہ دراصل بہت دشوار ہے ۔ اس سے قطع نظر اور بھی بہت سے محاصل مختلف امور و اشیاء کے سلسلے میں عاید ہوتے جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں مہتروں ۔ چرواہوں ۔ جلاہوں ، کہاروں کو محصول ادا کرنا پڑتا اور اسی طرح ترکاریوں ، بانس چمڑوں اور بھوسے کی فروخت پر محصول عائد تھا ان محاصل سے کم و بیش اتنی ہی رقم وصول ہوتی جتنی کہ محاصل راہداری سے ۔ بعض مقامی محاصل مثلاً مہرانہ جو خطابات کے سلسلے میں وصول کیا جاتا ۔ محترفہ یعنی ایسا محصول جو مخصوص پیشوں یا ذرائع معاش کو اختیار کرنے کے لئے اجازت ناموں پر عائد کیا جاتا اور شہر سدھارنی سب سے بحیثیت مجموعی محض چند ہزار روپے کی آمدنی ہوسکتی ۔ علاوہ اس کے آمدنی کے بعض دوسرے چھوٹے موٹے ذرائع بھی تھے جن کو اب عدالتوں کے تحت شمار کیا جاتا ہے اور جن کو اس زمانے میں ایسے معقول ذرائع کی حیثیت دی جاتی تھی جن سے محض چند ہزار کی آمدنی حاصل ہوسکتی ۔

اس دور میں مختلف محاصل کے مشخص کرنے اور انکی وصولی کے لئے باضابطہ انتظامات موجود تھے ۔ چنانچہ مالگزاری کی بھی کم و بیش یہی حالت تھی ۔ اس کی وصولی اکثر اوقات

کا شتکاروں اور گتہ داروں کے توسط سے ہوتی اور جس وقت تک کہ حکومت کے مطالبات کی تکمیل ہوتی رہتی وہ ان کی مختلف ناجائز کارروائیوں پر شاذونادر ہی معترض ہوتی۔

حکومت کے اخراجات | جہاں تک اخراجات کا تعلق ہے افواج پر بیشتر میں رقم صرف ہوتی۔ بعض اضلاع کے بڑے بڑے حصے چند امراء نے محض فوجی امداد کے صلے میں اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ اس رقم کو بھی شامل کرتے ہوئے جو کہ حکومت حیدرآباد حکومت برطانیہ کو لشکر کے مصارف کے سلسلے میں ادا کرتی۔ مالگزاری کی بیشتر آمدنی فوجی اخراجات کی نذر ہو جاتی۔ انعامی اور اعزازی جاگیروں کے سلسلے میں جو زمینات بخش دی جاتیں ان سے عموماً کئی لاکھ کا نقصان ہوتا۔ مختصر یہ کہ ایسے محکمے جن پر رعایا کی فلاح و بہبودی اور خوشحالی کا انحصار تھا مستقل بے توجہی کا شکار رہے اور ان پر برائے نام رقم صرف کیگئی۔ تعلیم پر محض چند سو روپے صرف کئے جاتے اور تقریباً اتنی ہی رقم صفائی۔ حفظان صحت اور دواخانوں وغیرہ پر صرف کیجاتی۔ امورعامہ پر حکومت صرف بیس ہزار روپے صرف کرتی اور تالابوں اور سڑکوں وغیرہ کی تعمیر و مرمت کی جانب شاید ہی کبھی توجہ کیجاتی۔ دارالسلطنت کے علاوہ کہیں باقاعدہ پولیس کا وجود ہی نہ تھا۔ عدالتوں کے لئے بحیثیت مجموعی پچاس ہزار روپے کی رقم محفوظ کیجاتی۔ جیل خانوں پر پچیس ہزار روپیہ صرف ہوتے۔

مختصر یہ کہ تمام ایسے امور پر جو کسی بھی مہذب اور ترقی یافتہ مملکت کی ناگزیر ضروریات میں شمار کئے جا سکتے ہیں فقط ایک لاکھ کی رقم صرف کیجاتی۔ عام نظم و نسق کے سلسلے میں جو مصارف ہوتے ان میں بیشترین حصہ خود وزیراعظم اور دوسرے سرکاری عہدہ داروں کی تنخواہ کا ہوتا سرکاری رسوم ہزہائنس اور خاندان شاہی کے لئے جو بڑی بڑی رقوم درکار ہوتیں ان کو نت نئے قرضے لے کر پورا کیا جاتا۔ نیز حکومت کو خانگی بینک کاروں اور ساہوکاروں سے جو قرضے ملتے ان پر شرح سود بہت بھاری ہوتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت کی ضروریات اول تو شدید اور روزافزوں ہوتیں دوسرے حکومت شاذونادر ہی قرض کی واپسی کے معاملے میں

اپنا وعدہ وفا کر سکتی۔ جیسے جیسے حکومت کی ساکھ گرتی گئی یہ لازمی ہوتا گیا کہ ان قرضوں کی ضمانت کے طور پر بعض اضلاع کی مالگزاری کو ان ساہوکاروں کے پاس رہن کر دیا جائے۔ طرفہ یہ کہ بعض اوقات ان اضلاع کے نظم ونسق اور انتظامی امور کو بھی ان ہی ساہوکاروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا اور یہ ساہوکار جب ایک دفعہ کسی ضلعے پر قابض ہو جاتے تو حساب کتاب میں پیچیدگیوں اور سود در سود کے دعوؤں کے ذریعے اپنے قبضے کو حتی الامکان بر قرار رکھتے بعض اوقات خود سرکاری ملازمین سے یہ التجا کیجاتی کہ وہ حکومت کی ناگفتہ بہ مالی حالت کی اصلاح کے لئے قرض دیں لیکن یہ عہدے دار اس پر محض اسی حالت میں رضامند ہوتے جب کہ حکومت ان کے ساتھ خصوصی مراعات ملحوظ رکھتی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ حکومت کے آئندہ اخراجات کا بار اور زیادہ بڑھ جاتا۔

جوں جوں حالات بد سے بدتر ہوتے گئے حکومت حصول آمدنی کے لئے اور زیادہ نامناسب طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ مثلاً مالگزاروں سے بھاری نذرانے وصول کئے جاتے اور لازمی طور پر ان نذرانوں کی تلافی یہ مالگزار اپنی رعیت سے کرتے جس سے عوام اور زیادہ زبوں حال ہو جاتے۔

آمدنی میں اضافہ کا ایک نامعقول طریقہ یہ بھی تھا کہ غیر قانونی اور ناواجب جرمانے عائد کئے جاتے یا جاگیرات ضبط کر لیجاتیں۔

مالگزاری کی منتقلی قبل از وقت اور بعض اوقات اس دن سے تین سال قبل کر دیجاتی جب کہ مالگزاری فی الحقیقت واجب الادا ہوتی۔ نیز خود جس کے نام مالگزاری کر دی جاتی اس کے اپنے مطالبات اس قدر گراں ہوتے کہ حکومت کو برائے نام رقم ادا کیجاتی۔

ایسے افراد جن کے بارے میں یہ شبہ ہوتا کہ انہوں نے ناجائز طور پر حکومت کو محروم کر کے دولت پیدا کی ہے تو ان سے بطور خاص جانشینی اور وراثت کے سلسلے میں نذرانے وصول کئے جاتے۔

جب خود حکومت کو اپنی ساکھ اور وسائل آمدنی شدید طور پر ناکافی ثابت ہوتے تو فرمانروا کے خانگی ذرائع کا سہارا لیا جاتا خود حضور نظام نے اس دوران میں اپنے پاس سے بحیثیت مجموعی ڈیڑھ کروڑ کی رقم ادا کی لیکن اس کے باوجود حکومت کے قرض کی مجموعی مقدار تین کروڑ روپے سے کم نہ ہو سکی۔

برطانوی رزیڈنٹ مسلسل طور پر اس امر کی طرف ہماری حکومت کو متوجہ کرتے رہتے تھے کہ ریاست کی مالی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی اور ملک تباہی کے کنارے پر پہنچ چکا تھا لیکن باوجود اس کے مالی اصلاح کے کسی منصوبے کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا ۱۸۵۱ء میں مسٹر ڈیشن نے ایک یادداشت پیش کی جس میں ریاست حیدرآباد کے مالی انتظامات کو برطانوی ہاتھوں میں لے لینے کا مشورہ دیا تا وقتیکہ اس کی مالی حالت کی مکمل طور پر اصلاح نہ ہو جائے

نواب سالار جنگ کا تقرر مختار الملک نواب سالار جنگ بہادر نے ۱۸۵۳ء میں مالیات

فوری دشواریاں اور انکی مالی اصلاحات اور نظم ونسق

حیدرآباد کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی اور قبل اس کے کہ ہم ان شدید مالی پیچیدگیوں کی جانب متوجہ ہوں جو مالیات کی عام خرابیوں کے علاوہ ان کے زمانۂ وزارت کے آغاز سے ذرا قبل پیدا ہو گئی تھیں اور جنہیں دور کر کے انہوں نے مالیات حیدرآباد کی تاریخ میں سابقہ حالات کے مقابلہ میں ایک ایسے درخشاں باب کا اضافہ کیا جس کی نظیر اس دور میں شاید ہی کوئی دوسری ریاست پیش کر سکے اور جس کے لئے ہماری مملکت ہمیشہ ہمیشہ شرمندۂ احسان رہے گی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حکومت کی آمدنی اور اخراجات کا تفصیلی نقشہ پیش کر دیں۔

مندرجہ ذیل جدول کا مقابلہ اگر راجہ چندو لال کے زمانۂ وزارت کے اختتامی سال یعنی ۱۸۴۳ء میں حکومت کی آمدنی سے کیا جائے تو دونوں کے درمیان نہ صرف حیرت انگیز بلکہ بعید از عقل فرق معلوم ہوتا ہے اس زبردست تفاوت کا سبب اول تو یہ تھا کہ برار۔ رائچور دوآب اور نلدرگ وغیرہ کے اضلاع نیز بموم اور آل پور وغیرہ کے تعلقوں کی آمدنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے

نام منتقل کردی گئی تھی تاکہ اس کا قرض اور سود ادا ہو سکے چنانچہ اس کارروائی سے حکومت کی آمدنی کس قدر شدید طور پر متاثر ہوئی تھی اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی ممکن ہے کہ صرف برار رائچور دوآب اور نلدرگ کے علاقوں کی منتقلی کے باعث حکومت حیدرآباد تقریباً پچاس لاکھ سالانہ کی مستقل آمدنی سے محروم ہوگئی ۔

دوسرے آمدنی کی اس تخفیف کو اس حد تک مالی بدانتظامی اور ابتری پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے جو راجہ چندولال کی علٰحدگی اور نواب سالار جنگ کے تقرر کے درمیانی عرصے میں اور زیادہ شدت اختیار کرگئی ۔

سرکاری آمدنی ۱۸۵۵ء میں

نمبر سلسلہ	مدات آمدنی	آمدنی (لاکھ روپے میں)
۱	مالگزاری	۶۴٫۸۵
۲	آبکاری	۱٫۷۲
۳	کروڑگیری یا راہ داری	۴٫۶۵
۴	عدالتیں	٫۰۸۶
۵	سود	۱٫۰۶
۶	دیش پٹی	٫۴۳
۷	متفرقات	۲٫۱۳
۸	افواج	٫۰۷۱
	میزان	۷۵٫۰۶

سرکاری اخراجات ۱۸۵۵ء میں

نمبر سلسلہ	مدات خرچ	اخراجات (لاکھ روپے میں)
۱	مالگزاری	۶٫۵۸

۲	کروڑگیری یا راہ داری	۶،۵۸
۳	عدالتیں	،۳۴
۴	جیلخانے	،۱۱
۵	پولیس	،۰۰۶
۶	ڈاکخانے	،۱۴
۷	تعلیم	،۰۰۱۹
۸	دواخانے	،۰۶۴
۹	نظم و نسق	۱،۷۶
۱۰	چھوٹے محکمے	،۰۱۷
۱۱	پرگنہ وطنداران	۲،۶۸
۱۲	الاونس وغیرہ	،۴۴
۱۳	خلعت	،۱۱
۱۴	رقوم کی واپسی	۱۶،۴۴
۱۵	سود	،۰۲۳
۱۶	ہزائنس	۱۵،۹۵
۱۷	منصب	،۷۴
۱۸	متفرقات	۱۳،۲۶
۱۹	افواج	۱۵،۷۱
۲۰	امور عامہ	،۰۸۷
	میزان	۴۰،۴۷ [1]

[1] اخراجات کے ان اعداد کا مقابلہ اگر راجہ چندو لال کے زمانہ وزارت کے اخراجات سے کیا جائے تو

علاوہ ان ساری دشواریوں اور مالی افراتفری کے جن کا تذکرہ ہم مفصل طور پر گذشتہ صفحات میں کر آئے ہیں نواب سالار جنگ کے تقرر کے وقت بعض ایسے حالات پیدا ہوگئے تھے جنہوں نے مالیات کی اصلاح کے کام کو مشکل سے مشکل تر بنا دیا۔ سب سے پہلے تو یہ کہ برار۔ رائچور و دوآب اور نلدرگ وغیرہ کے اضلاع جن سے ہماری حکومت کو تقریباً ۴۸ر۳۴ لاکھ روپے کی آمدنی حاصل ہوتی نیز بھوم اور آل پور وغیرہ کے تعلقے ایسٹ انڈیا کمپنی کی نذر کر دئے گئے تھے تاکہ برطانوی رسالے کے اخراجات پورے ہوسکیں اور خود ایسٹ انڈیا کمپنی کے قرض و سود کی ادائیگی ہوسکے۔ ان اضلاع و تعلقوں کی منتقلی کے باعث ریاست کی مالی حالت اور زیادہ ابتر ہوگئی۔ اس میں شک نہیں کہ سرکاری خزانہ ان اخراجات سے بچ رہا تھا جو اسے ان اضلاع کی منتقلی سے قبل لاحق ہوا کرتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکومت ایسی بہت سی نئی نئی ذمہ داریوں میں گرفتار ہوگئی جس سے نجات حاصل کرنا سہل نہ تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مندرجہ بالا علاقوں کی منتقلی کے باعث بہت سے جاگیرداروں نے جن کی جاگیرات انہی علاقوں میں واقع

(سلسلہ گذشتہ) دونوں میں بہت فرق معلوم ہوتا ہے اور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت کے مجموعی اخراجات میں تقریباً ۶ فیصدی تخفیف ہوچکی تھی۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو اخراجات میں یہ تخفیف کفایت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس کا حقیقی سبب یہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام برار۔ رائچور دوآب و نلدرگ کے اضلاع نیز بھوم اور آل پور کی منتقلی کے باعث حکومت حیدرآباد برطانوی رسالے کے اخراجات اور قرض و سود سے متعلق اخراجات سے عارضی طور پر بچ گئی تھی۔ چنانچہ اس کا اندازہ اس سے ممکن ہے کہ راجہ چندو لال کے دور وزارت کے آخری سال یعنی سنہ ۱۸۴۲ء میں صرف مختلف فوجی مدات پر بحیثیت مجموعی سوا کروڑ روپے کے قریب رقم صرف ہوتی تھی جس کی تفصیل درج ذیل ہے

فوجی اخراجات	۸۱ر۷۱ لاکھ روپے
افواج	ر۱۴ لاکھ روپے
قلعے کا رسالہ	ر۵۷ لاکھ روپے
برطانوی افواج	۴۰ لاکھ روپے
جملہ فوجی اخراجات	۱۲۲ر۴۲ لاکھ روپے

لیکن سنہ ۱۸۵۵ء میں متذکرہ بالا اضلاع کی منتقلی کے بعد افواج کے اخراجات صرف تقریباً ۱۶ لاکھ رہ گئے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کے مجموعی اخراجات میں نمایاں کمی کا حقیقی سبب فوجی اخراجات میں شدید تخفیف تھی۔

تھیں مثلاً ایلچپور اور ہمجوم کے جاگیر دار سلطان نواز الملک، دلاور نواز جنگ۔ بڑھن خاں، عبداللہ بن علی اور عمر بن عاد نے اپنی جاگیروں کے عوض زر نقد کا دعوئی کر دیا اور اس طرح حکومت کے روبرو کئی لاکھ کے مطالبات پیش ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید حکومت مالی دشواریوں اور پیچیدگیوں کے اس گرداب سے کبھی نہ نکل سکیگی۔ آمدنی اس قدر ناکافی تھی کہ منصبداروں اور شاہی خاندان کے افراد کے مشاہرے بھی وقت پر ادا نہیں ہو سکتے تھے سکھ رسالے نے جسے ایک عرصے سے تنخواہیں نہ دیگئی تھیں شاہی محل کو محصور کر لیا۔ اور بعض بڑے قرضخواہوں مثلاً سلطان غالب بن اسود، اور قلندر بیگ نے کھلم کھلا نافرمانی کے مظاہرے کئے ہز ہائنس کا مسلسل اصرار تھا کہ ان کے جواہرات جن کو ۲ لاکھ روپے میں رہن کیا گیا تھا اور جن کو مسٹر ڈیٹن انگلستان لے گئے تھے اور وہ الماس جو مقامی ساہوکاروں کے پاس گرو تھے جلد سے جلد واپس لئے جائیں۔ صرف مقامی ساہوکاروں کا قرض دو کروڑ ستر لاکھ روپیہ ہو چکا تھا حکومت کے پیش نظر ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ کس طرح بغیر کوئی شورش پیدا کئے برار کے علاقے کو منتقل کر دیا جائے

غرض یہ تھی کہ مالیات حیدرآباد کی حالت جب کہ نواب سالار جنگ وزارت کے عہدے پر فائز ہوئے اور ان حالات میں کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس مالی بدنظمی سے نجات دلانے اور مالیات حیدرآباد کی از سر نو تعمیر، سابقہ رقوم کی ادائیگی، قرضوں کی واپسی، رہنوں کا خاتمہ، اضلاع پر دوبارہ قبضہ ایسے دشوار گزار اور پیچیدہ فرائض تھے جنہیں کامیابی سے ادا کرنے کے لئے بے نظیر قابلیت، استقلال، جرات اور مہارت کی ضرورت تھی اور درحقیقت یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ نواب سالار جنگ ہی کی انتھک کوششوں، دوراندیشی اور بے مثل قابلیت کی بدولت ہماری ریاست اس مالی تباہی سے محفوظ رہی جس کے نتائج نہ صرف معاشی بلکہ سیاسی اعتبار سے فیصلہ کن ثابت ہوئے۔

نواب سالار جنگ نے بخوبی محسوس کیا کہ فقط نقائص اور خرابیوں کے ازالے پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ مالی نظم و نسق کو تعمیری بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے مالی

ذرائع درکار تھے۔ تعلقوں اور اضلاع میں فوجداری اور دیوانی عدالتوں کے قیام مالگزاری کی وصولی کے لئے ایک علیحدہ محکمہ کی تنظیم، مالگزاری کو مشخص کرنے کے لئے ایک علحدہ محکمہ کا قیام عوام کی جان ومال کی حفاظت کے لئے ایک کارگزار محکمہ پولیس۔ امور عامہ کے محکمے۔ ذرائع آمد ورفت وحمل ونقل اور وسائل آبپاشی کی اصلاح جس کے ساتھ زراعت پیشہ طبقہ کی خوشحالی وابستہ تھی۔ اشاعت تعلیم، ملک کے تمام اہم مراکز میں دواخانوں اور محکمہ جات صفائی کا قیام ڈاک کے بہتر انتظامات، ریلوے کی تعمیر جس کے ذریعہ لین دین اور تجارت کو فروغ ہو، اور بعض فوری اخراجات مثلاً قحط اور خشک سالی تمام ایسے امور تھے جنہیں روبعمل لانے کے لئے اولین شرط یہ تھی کہ ریاست کی مالی حالت کو مستحکم بنایا جائے۔

نواب سالارجنگ نے سب سے پہلے تدبیر یہ اختیار کی کہ دو مالی ماہرین کو مقرر کیا اور ان سے اپنی ذاتی نگرانی میں حسابات مرتب کروائے۔ چنانچہ اس کا اندازہ کہ یہ نگرانی کس قدر شدید تھی اس امر سے بخوبی ممکن ہے کہ سر سالارجنگ خود ہر تختۂ حساب پر دستخط کرتے اس احساس کے پیش نظر کہ جب تک موازنے میں خسارہ موجود رہے خاطر خواہ تعمیری سرگرمیاں نہیں ہوسکتیں انہوں نے مالیات میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی بازار زرمیں حکومت کی ساکھ بہت بڑھ گئی اس کے بعد انہوں نے نسبتاً زیادہ مناسب شرح سود پر از سرنو قرضے لئے اور ان سے وہ سابقہ قرضے ادا کرئے جن پر حکومت کو بہت بھاری شرح سود ادا کرنی پڑتی تھی۔ اس طرح سود کی اس سالانہ رقم میں نمایاں تخفیف ہوگئی جو حکومت پابندی سے ادا کرنے پر مجبور تھی۔

اس طریقے سے جو بچت ہوئی اسے ان اضلاع کی واپسی پر صرف کیا گیا جو حکومت کے مفاد کے سراسر خلاف شرائط پر ساہوکاروں کے سپرد کردئے گئے تھے۔ بہت سی ایسی اراضی تھی جس پر خانگی افراد جعلی حقوق کی بنا پر قابض ہوگئے تھے چنانچہ حکومت نے ان کو واپس لے لیا غرض ان تدابیر کے باعث چند ہی برس میں حکومت کی آمدنی میں پچاس لاکھ سے زیادہ اضافہ ہوگیا

مزید براں سنہ ۱۸۶۰ء میں ضلع رائچور اور دہاراسیون کی واپسی کی بدولت سرکاری آمدنی میں ۲۰ لاکھ روپے کا فوری اضافہ ہو گیا اور ان اضلاع کے مالی نظم و نسق میں معقول اصلاح کے ذریعے ان سے حاصل ہونے والی آمدنی میں مزید اضافہ کیا گیا۔

آمدنی کے اضافے کو محض سابقہ قرض کی واپسی کے لئے محدود نہیں کیا گیا اس لئے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو محض عارضی نتائج حاصل ہوتے برخلاف اس کے سر سالار جنگ نے یہ سوچا کہ ان رقوم کو اگر ملک کی ترقی و خوشحالی پر صرف کیا جائے جس کی طرف سے اب تک سراسر بے توجہی برتی گئی تھی تو حکومت کی آمدنی میں اس قدر اضافہ کیا جا سکتا تھا جو اس سود سے کہیں زیادہ ہوتا جو اس کی برعکس حالت میں قرض کی ادائیگی سے بچ رہتا۔ نواب سالار جنگ نے ایسا مسلک اختیار کیا جس سے اگر ایک طرف قرض اور اس پر سود کی رقم سال بسال گھٹتی گئی تو دوسری جانب اسی کے ساتھ ساتھ مادی وسائل کی ترقی کے ذریعے ملک کی معاشی ترقی کی رفتار میں نمایاں اضافہ ہو گیا۔

ایسے علاقوں کو واپس لیا گیا جو ماضی میں تعلقداروں کے نام تنخواہی علاقوں کی حیثیت سے منتقل کر دئیے گئے تھے مالی انتظامات کی اصلاح کے ذریعے ایک طرف آمدنی میں اضافے کی کوششیں کی گئیں تو دوسری جانب تخفیف مصارف کے ساتھ ساتھ ملک کی معاشی و مادی فلاح پر روپیہ صرف کرنے میں پس و پیش نہ کیا گیا۔ ایسی انعامی جاگیریں جو ناجائز طریقے پر حاصل کی گئی تھیں ان کو واپس لیا گیا۔ بٹائی یا اجناس میں ادائی کا طریقہ ترک کر دیا گیا۔ اس طریقے کے تحت ہوتا یہ تھا کہ مالگزاری تو جنس کی شکل میں جمع کی جاتی لیکن جب اجناس کا ڈھیر ہو جاتا تو خود شاہی کارگزاروں کاشتکاروں اور ساہوکاروں کو مجبور کیا جاتا کہ وہ فوراً انہیں بازاری نرخ سے ۵ روپے فی کھنڈی بڑھ کر خرید لیں اور نقد قیمت ادا کر دیں۔ ظاہر ہے کہ اناج کو ذخیرہ کرنے کے لئے مناسب انتظامات نہ تھے اور وہ کھلا پڑا رہتا جس سے شدید نقصان ہوتا۔ علاوہ ازیں اس طرح طرز مالگزاری کو من مانی خیانت کا موقع مل جاتا کاشتکار اصلاح فصول کی جانب توجہ نہ کرتے اس لئے

کہ انہیں یقین ہوتا کہ حکومت اس میں حصہ دار بنجائے گی۔ سالار جنگ نے پیدا وار کی نوعیت زمینات کی زرخیزی وغیرہ کے پیش نظر ایک مقررہ مدت کے لئے جو رقم معین کرادی اس کے باعث روزمرہ کی شکایات سے بھی نجات ملی اور نظام مالیات میں تیقن کا پہلو بھی پیدا ہوگیا۔

مالگزاری کی رقوم باضابطہ بندوبست کے بعد تیس برس کے لئے معین کردی گئیں۔ پہلے مالگزاری سربستہ طریقہ پر وصول کیجاتی تھی لیکن سالار جنگ نے اس طریقے کو ترک کردیا اور بجائے اس کے سرکاری ملازمین کے ذریعے وصول ہونے لگی۔

بہت سے ایسے محاصل جو لوگوں کی پریشانی اور بےزاری کا باعث تھے برخاست کردئے گئے۔ راہ داری کے محاصل بھی اٹھا دئے گئے گو کہ ان لوگوں کو جن کے لئے یہ محاصل راہ داری آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ بن گئے تھے حکومت کو معاوضے کے طور پر دو لاکھ پچاس ہزار سے زاید مالیت کی اراضی بخشنی پڑی لیکن نواب سالار جنگ اس مسلک کے مفید نتائج کے پیش نظر اس پہ استقلال سے کاربند رہے۔ ان کے علاوہ بعض ایسے محاصل کو بھی برقرار نہیں رکھا گیا جن کو رواجی حیثیت حاصل تھی اور جو ایک عرصے سے رائج تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نواب سالار جنگ نے یہ محسوس کیا کہ سابقہ بدنظمی کے باعث کاشتکار طبقہ ایسا تباہ حال ہوچکا تھا کہ اس پر مالگزاری کے علاوہ مزید بار ڈالنا سراسر زیادتی اور ناانصافی تھی۔ تجارت اور مختلف پیشوں پر جو محصول "محترفہ" عاید تھا وہ بھی برخاست کردیا گیا۔ اس طرح مختلف محاصل کے خاتمے کے باعث مجموعی سرکاری آمدنی میں جو تخفیف ہوئی اسے ذیل کی جدول میں پیش کیا گیا ہے۔

	محصول	سالانہ آمدنی جو منقطع ہوگئی
۱	چھوٹے محاصل	۱،۳۳
۲	امرائی یا پھل کے درختوں پر محصول	۰،۵۶
۳	بنا چرائی یعنی مویشیوں کی چرائی پر محصول	۲،۶۶

۴	شہر سدھار یعنی بلدی محاصل	ر ۴۲
۵	سیر دیہہ یعنی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں راہداری محصول۔	۳ ر ۴۰
۶	غلے پر محصول درآمد	۲ ر ۰۰
۷	محترفہ یعنی تجارت اور پیشوں پر محصول	۲ ر ۹۵
۸	کپاس اور تیل وغیرہ کے محصول میں تخفیف	۶ ر ۵۰
	میزان	۱۹ ر ۸۲

نواب سالار جنگ کے زمانۂ وزارت کے بالکل ابتدائی سال بھی حیدرآباد کی تاریخ مالیات میں کس قدر اہمیت رکھتے ہیں اور اس عرصے میں کس قدر نمایاں مالی اصلاح ہوئی ہے اس کا اندازہ برطانوی ریزیڈنٹ مسٹر سانڈرس کے مندرجہ ذیل فقروں سے بخوبی ہو سکتا ہے جو انہوں نے ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۱ء کی رپورٹ نظم و نسق میں تحریر کئے تھے۔ "یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ حیدرآباد جس سے کہ میں ۱۸۶۰ء میں متعارف ہوا اس حیدرآباد کے مقابلہ میں جس کا تذکرہ میرے پیشرو لارڈ مٹکاف نے ۱۸۵۲ء کے مراسلوں میں کیا ہے ویسا ہے جیسا کہ آج کا انگلستان خاندان اسٹورٹ کے انگلستان کے مقابلہ میں اور جیسا کہ حکومت کو بخوبی احساس ہے یہ نتیجہ ہے موجودہ وزیر اعظم نواب سر سالار جنگ ہی کی انتظامی قابلیت و قابل ستائش مالی مسلک کا۔ نہ صرف خزانہ لبریز ہے بلکہ حکومت کی آمدنی مجموعی سالانہ صرف کے مقابلہ میں آٹھ لاکھ زیادہ ہے۔ مزید برآں حکومت کا اعتبار و ساکھ نہایت مستحکم ہے"۔

۱۸۶۲ء کے بعد حکومت کی مالی اصلاح کی رفتار اور زیادہ تیز ہوگئی۔ ملک کو صوبوں، اضلاع اور تحصیلوں میں تقسیم کر دیا گیا اور عدالتوں کا قیام عمل میں آیا۔ پولیس کے انتظامات بھی

بہت بہتر ہو گئے اور امور عامہ پر بھی زیادہ رقوم صرف کی جانے لگیں۔ معتمدی اور بعض دوسرے اہم دفاتر کی از سر نو تنظیم ہوئی اور سرکاری خزانوں سے راست انہیں رقوم ادا کیجانے لگیں۔ سب سے زیادہ نمایاں اصلاح محکمہ مالگزاری میں عمل میں آئی۔ یعنی رعیت واری نظام کے تحت نقد ادائیوں کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ ملک بھر میں ڈاکخانوں، مدارس اور دواخانوں کا قیام عمل میں آیا اس طرح نہ صرف جان ومال کی حفاظت کا سامان پیدا ہو گیا بلکہ معاشی اور سماجی ترقی کی ایک نئی شاہ راہ کھل گئی۔

نواب سالار جنگ کی مالی اصلاحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچیس برس کی مدت کے اندر لگان برار اور ریلوں کی آمدنی کے علاوہ مجموعی آمدنی میں ز ۷۸ ر ۱۹۲) لاکھ روپے کا اضافہ ہوا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نمبر سلسلہ	اضافہ آمدنی کی مدات	اضافہ آمدنی (لاکھ روپے میں)
۱	جاگیروں کی واپسی	۱۲ر۸۵
۲	تنخواہی تعلقوں کی واپسی	۲۹ر۶۴
۳	رہن اضلاع کی واپسی	۲۶ر۸۵
۴	انعامی اراضی کی واپسی	۷ر۳۱
۵	توسیع کاشت اور دوسرے ذرائع	۱۱۶ر۱۸
	میزان	۱۹۲ر۷۸

ظاہر ہے کہ آمدنی میں اس اضافے کے ساتھ ساتھ اخراجات میں بھی اضافہ ہوا۔ نواب سالار جنگ کے دور وزارت میں حکومت حیدرآباد کے مجموعی اخراجات میں کس قدر اضافہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کے تقرر کے وقت یعنی ۱۸۵۳ء میں مجموعی اخراجات تقریباً ۴۰ر۴۷ لاکھ روپے سالانہ تھے لیکن ان کے انتقال کے سال یعنی

۲-۱۹۰۱ء میں مجموعی اخراجات ۲۸۷،۸۶ لاکھ روپے سالانہ ہو چکے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کے اخراجات میں سوا دو کروڑ روپے کے قریب اضافہ ہوا تھا۔ لیکن اخراجات کے اس اضافے کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ پہلے کے مقابلہ میں اب تعمیری اور پیداآور امور پر بہت زیادہ رقم صرف ہوتی تھی۔ اخراجات میں اضافہ کا بیشتر حصہ مندرجہ ذیل (۱۶) مدات کے سلسلے میں لاحق ہوا۔

(۱) تعلقوں اور اضلاع میں مالگزاری اور عدالتی عہدہ داروں کا تقرر (۲) صدرالمہامین کا تقرر (۳) وزیراعظم کے معتمدین کا تقرر (۴) تنقیح حسابات کے دفتر کا قیام (۵) امور عامہ کا محکمہ (۶) ریاستی ریلیں (۷) بلدہ اور اضلاع پولس (۸) محکمہ نیپہ (۹) بلدیات (۱۰) راہداری کا محصول اٹھ جانے سے لوگوں کو جو مالی نقصان ہوا تھا اس کا معاوضہ (۱۱) محکمہ تعلیم (۱۲) محکمہ طبابت (۱۳) ہزہائنس کے الاونس میں اضافہ (۱۴) برار کے جاگیرداروں کو برار کی منتقلی کے باعث جو نقصان ہوا تھا اس کا معاوضہ (۱۵) سابقہ بقایاں اور قرضوں کی ادائیگی (۱۶) ہزہائنس کے مصارف۔

لیکن اخراجات کے اس اضافے کی تلافی مالگزاری، جنگلات، آبکاری، کروڑگیری، اسامپ۔ دیش پٹی یعنی سڑکوں پر محصول، ٹپہ اور عدالتوں کے ذریعے ہو گئی۔

ابھی سر سالار جنگ کے تقرر کو بیس سال بھی نہیں گزرے تھے کہ ایسے امور جو عوام کی فلاح و بہبودی سے قریبی طور پر وابستہ تھے۔ سالانہ مصارف ایک لاکھ سے بڑھ کر پچیس لاکھ ہو گئے۔ اس کے علاوہ قحط سالی کے مقابلہ اور جنگلات کے لئے بڑی بڑی رقوم مختص کر دی گئیں۔

سب سے زیادہ قابل ستائش پہلو اس ترقی کا یہ تھا کہ ان جملہ اصلاحات کو بغیر تجارت اور زراعت پر مزید بار ڈالے روبعمل لایا گیا تھا بلکہ واقعہ تو یہ تھا کہ ان اصلاحات کے باعث جن کی نوعیت مالی تھی۔ تجارتی اور زرعی ترقی کے لئے نسبتاً زیادہ سازگار حالات پیدا ہو گئے تھے۔

نواب سالار جنگ کے دور وزارت میں محاصل کے بارے میں بھی کوئی بہت زیادہ نمایاں اضافہ نہیں ہوا صرف محصول اسٹامپ اور سڑکوں پر ایک ملکے سے محصول کا اضافہ ہوا چنانچہ اس دور میں آمدنی کے اضافے کو ملک کی مجموعی دولت اور پیداوار اور وسائل کی مستقل ترقی پر محمول کرنا غلط نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر ۱۸۵۵ء میں مالگزاری سے صرف ۶۵ لاکھ روپے وصول ہوتے جو ۱۸۸۳ء میں بڑھ کر ۱۸۱ لاکھ ہو گئے۔ اس اضافہ کا حقیقی سبب توسیع کاشت نظام مالگزاری کی اصلاح اور ایسی اراضی کی واپسی تھی جو لوگوں سے ناجائز طور پر غصب کر رکھی تھی ان اصلاحی تدابیر کا نتیجہ یہ نکلا کہ فی ایکر زمین پر مالگزاری کا بار بجائے بڑھنے کے کم ہو گیا۔

آبکاری کی آمدنی سترہ گنی ہو گئی تھی باوجود اس کے کہ سوائے منشیات کے دوسری تمام اشیاء کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔

چنگی کی آمدنی میں گیارہ گنا اضافہ ہوا تھا جو فی الحقیقت مقامی اور بیرونی تجارت میں اضافے کا نتیجہ تھا۔

علاوہ ان مستقل ذرائع آمدنی کے بہت سے نئے ذرائع بھی پیدا ہو گئے۔ مثلاً جنگلات جو مملکت حیدرآباد بالخصوص علاقہ تلنگانہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں ان کی آمدنی دو لاکھ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح بہت سے فلاحی محکمے مثلاً عدالتیں، ڈاکخانے، تعلیمات اور جیلخانوں کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو گیا۔

مالی نظم ونسق اور انتظامات میں عام اصلاحات کے پہلو بہ پہلو سرکاری حسابات اور تنقیح کے طریقوں کو بھی بہتر بنایا گیا۔ ملک کو اضلاع میں تقسیم کرنے کے بعد ہر ضلع کے صدر مقام پر ایک سرکاری خزانے کا قیام عمل میں آیا جس کے حسابات اور رسائد ماہ بماہ صدر دفتر تنقیح و حسابات میں بھیجے جاتے۔

۱۸۶۹ء میں ایک مزید دفتر حسابات کا قیام عمل میں آیا تھا جس کی غرض یہ تھی کہ ملازمین سرکار کی تنخواہوں اور فوری اخراجات کی تنقیح کرے۔ گو ابتدا میں اس دفتر کی کارگزاری کو بہت

زیادہ سراہا گیا لیکن آخرکار اس سے وہ مقصد نہ حاصل ہو سکا جسے حاصل کرنا مقصود تھا اس نے لاکھوں روپے بغیر کسی تصفیئے کے رہنے دئے اور ہزاروں روپے بغیر اس کی اجازت کے صرف کئے گئے۔ سالہاسال تک اس نے غیر قانونی کارروائیوں کی تحقیق کی زحمت نہیں گوارا کی اور قبل اس کے کہ کسی قسم کی تحقیقات کیجا سکے ایسے افراد کی بیشتر تعداد جن پر ان کارروائیوں کی ذمہ داری عاید ہوتی تھی مرکھپ گئی۔

غرض بارہ سال کی آزمایش کے بعد جب یہ دفتر اپنے مقصد کے حصول میں ناکام ثابت ہوا تو اسے برخاست کر دیا گیا۔ اور اس کے بیشتر فرائض اکومنٹ جنرل یا صدر محاسب اور معتمد امور عامہ کے سپرد کر دئے گئے۔ اس دفتر نے ۱۹،۲۹ روپے کی رقم جو بلا کسی حساب یا تنقیح کے چھوڑ دی تھی اسے سالار جنگ نے ۱۸۶۹ء میں موزوں مدات کے تحت تقسیم کروائی۔

اس عرصے میں سرکاری حسابات کا ایک معقول طریقہ اختیار کیا گیا جس میں ضلع واری خزانوں اور طریق موازنہ کو نمایاں اہمیت دی گئی۔ اس طرح ملک کے مالی انتظامات کی تاریخ میں ایک جدید دور کا آغاز ہوا۔ یہ طریقہ کم و بیش کئی سال تک جاری رہا۔ چار افسروں کو منتخب کرکے بغرض ٹریننگ بمبئی و برار روانہ کیا گیا اور واپسی پر انہیں صدر محاسب کے مددگاروں کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔

مختصر یہ کہ نواب سر سالار جنگ بہادر نے اپنے تقرر کے وقت حیدرآباد کو مالی اعتبار سے نہایت تباہ حال پایا اور اپنے انتقال کے وقت اسے غیر معمولی طور سے مستحکم چھوڑا ایک معمولی سا امر جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ سر سالار جنگ کی مالی اصلاحات کس قدر ہمہ گیر بیش بہا اور منفعت بخش تھیں یہ ہے کہ ان کے تقرر کے وقت حیدرآباد کے سرکاری خزانے میں صرف ۸ لاکھ روپے جمع تھے بلدہ ہی کا خزانہ ریاست بھر کا واحد خزانہ تھا اور سال کے اختتام پر اس میں صرف تیرہ ہزار روپے کی سلک موجود تھی لیکن نواب صاحب

کی مسلسل اور انتھک کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زندگی کے آخری سال یعنی سنہ ۱۸۸۲ء میں سرکاری خزانے اور اس کی مختلف شاخوں میں تین کروڑ کی رقم جمع ہوئی تھی اور ان کے انتقال کے روز یعنی ۹ فروری سنہ ۱۸۸۲ء کو (۱۸) لاکھ روپے کی سکّک موجود تھی۔

نواب سالار جنگ کے زمانہ وزارت میں حکومت کی آمدنی کے اضافے کو ذیل کی جدولوں میں نہایت تفصیل سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے اس امر پہ روشنی پڑتی ہے کہ اس دور میں کس طرح رفتہ رفتہ مالیات حیدرآباد کو استحکام حاصل ہوا۔

نواب سالار جنگ کے دور وزارت میں سرکاری آمدنی (لاکھ روپیہ میں)

مدات آمدنی	سنہ ۱۸۵۴ء	سنہ ۱۸۶۵ء	سنہ ۱۸۷۵ء	سنہ ۱۸۷۹ء
مالگزاری	۵۸٫۹۶	۱۲۳٫۳۲	۱۸۴٫۲۸	۱۸۸٫۸۲
آبکاری	۱٫۵۷	۱۲٫۹۲	۲۸٫۵۹	۳۴٫۱۵
کروڑگیری	۴٫۲۴	۴۲٫۴۳	۲۴٫۹۰	۳۴٫۸۳
متفرقات	۳٫۲۵	۱۲٫۷۴	۱۸٫۵۲	۲۸٫۶۲
میزان	۶۸٫۲۶	۱۹۱٫۴۱	۲۵۶٫۲۹	۲۸۶٫۴۳

سرکاری آمدنی میں اضافہ کا تقابلی مطالعہ

مدات آمدنی	سنہ ۱۸۶۵ء کا مقابلہ سنہ ۱۸۵۴ء سے اضافہ لاکھ روپے میں فیصد	سنہ ۱۸۷۵ء کا مقابلہ سنہ ۱۸۶۵ء سے اضافہ لاکھ روپے میں فیصد	سنہ ۱۸۷۶ء کا مقابلہ سنہ ۱۸۷۵ء سے اضافہ لاکھ روپے میں فیصد	سنہ ۱۸۷۹ء کا مقابلہ سنہ ۱۸۵۴ء سے اضافہ لاکھ روپے میں فیصد
مالگزاری	۱۰۹٫۱۸-۶۴٫۳۴	۴۹٫۴-۶۰٫۹۶	۲٫۴-۴٫۵۴	۲۲۰٫۲ - ۱۲۹٫۸۶
آبکاری	۷۲۳٫۰۴-۱۱٫۳۵	۱۲۱٫۱-۱۵٫۶۵	۱۹٫۵-۵٫۵۸	۱۰۷۵٫۰۸-۲۲٫۵۸
کروڑگیری	۹۰۱٫۵-۳۸٫۱۹	- - -	۳۰٫۳-۹٫۹۴	۷۲۲٫۶-۳۰٫۹۰
متفرقات	۲۹۱٫۶-۹٫۴۹	۴۵٫۳-۵٫۷۸	۵۴٫۳۹-۱۰٫۱۱	۷۷۹٫۷-۲۵٫۳۸
میزان	۱۸۱٫۴-۱۲۳٫۴۰	۳۳٫۸-۶۴٫۸۶	۱۱٫۸-۳۰٫۱۴	۳۲۱٫۱-۲۱۸٫۴۲

مالیات حیدرآباد نواب سالار جنگ کے انتقال سے ۱۹۱۱ء تک

۵ فروری ۱۸۸۴ء کو حضور وائسرائے نے حضرت غفران مکان کو تخت نشینی پر خاص طور سے انہیں مشورہ دیا کہ مالیات کی جانب بالخصوص توجہ کیجائے۔ نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ غیر تشفی بخش مالیات، ریاستوں کی تباہی کی اولین نشانی ہے اس لئے کہ مالی حالات سے لاپرواہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے تو بار بار محاصل عاید کرنے پڑتے ہیں اور پھر لوگ رفتہ رفتہ غربت و تباہی کا شکار ہوتے جاتے ہیں اور آخرکار بڑھتی ہوئی شرحوں پر قرضہ لیا جاتا ہے جس کے باعث لازمی طور پر ریاستیں دیوالیہ ہوجاتی ہیں

نیز ہائنس نے اس مشورے کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے یہ اعلان کردیا کہ ان کی حکومت کا اولین فریضہ یہ ہوگا کہ وہ سرکاری آمدنی اور اخراجات کا جائزہ لے تاکہ ایک طرف مصارف میں تخفیف کے ذریعے اور دوسری جانب مزید ذرائع آمدنی پیدا کرکے ریاست کی مالی حالت کو مستحکم سے مستحکم تر بنایا جائے۔

اس ضمن میں سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ حکومت پر جو ذمہ داریاں قرض کے سلسلے میں عاید ہوتی تھیں، اور جو ایک عرصے سے باعث تشویش بنی ہوئی تھیں ان کا ضابطہ تعین کیا جائے چنانچہ خاص طور سے اس مقصد کے لئے کہ حکومت کے قرضے کے متعلق کامل تحقیقات، اور اس کے بعد ان کا تصفیہ کیا جائے ایک قرض کمیشن مقرر کیا گیا۔ اس کے زیر تحقیق میں نہ صرف ایسے قرضے تھے جو نواب سالار جنگ کے تقرر سے قبل لئے گئے تھے بلکہ اس میں وہ قرضے بھی شامل تھے جو نواب سالار جنگ نے حکومت کی ضروریات کے لئے وقتاً فوقتاً حاصل کئے تھے۔ اس کمیشن کے روبرو جملہ پینتالیس دعوے پیش ہوئے جن کی مجموعی مالیت ۶۲۷٫۹۲ لاکھ روپے تھی جس میں سے ۲۰۳٫۲۱ لاکھ روپیوں کا مطالبہ سود کے سلسلے میں کیا گیا تھا۔ مجموعی دعووں کا چوراسی فیصد حصہ (یعنی ۵۲۸٫۵۹ لاکھ روپے کے دعوی) نواب سالار جنگ کے تقرر سے قبل کے زمانہ سے متعلق تھا۔ نیز اس قرض کمیشن کے سامنے جو دعوے پیش کئے گئے

تھے ان میں سے ۵۹۹٫۹۰ لاکھ روپے شخصی یا ذاتی ضمانت پر حاصل کئے گئے تھے اور ۲۸٫۰۲ لاکھ روپے سرکاری ضمانت پر حاصل کئے ہوئے قرض میں شمار ہوتے تھے اس کمیشن نے تحقیقات اور غور و فکر کے بعد صرف ۴۸٫۰ لاکھ روپے کی مالیت کے دعوؤں کو حق بجانب قرار دیا اور باقیماندہ رقوم یعنی ۹۱۹٫۱ لاکھ روپے کے دعوؤں کو خارج کیا۔

غیر ضروری مصارف میں کمی کرنے کے لئے تخفیف مصارف کی ایک کمیٹی کا بھی قیام عمل میں آیا اور اس کے علاوہ ایک عام مالیاتی بورڈ بھی قائم کیا گیا جس کی غرض یہ تھی کہ مالی اصلاح کے لئے تجاویز پیش کرے۔ اس بورڈ نے کئی برس کی تحقیقات کے بعد حکومت کے سامنے سفارشات پیش کیں اور شاید اس کے نتیجہ کے طور پر حسابات افواج کی شاخ بھی صدر محاسبی میں ضم ہو گئی تاکہ حسابات پر بہتر نگرانی ہو سکے۔

نواب سالار جنگ کے انتقال یعنی سنہ ۱۸۸۳ء کے بعد سے بیسویں صدی کی ابتدا تک حیدرآباد کی مالی حالت کا اندازہ ذیل کی جدول سے ہو سکتا ہے جس میں سنہ ۱۸۸۲ء اور سنہ ۱۸۹۹ء[1] کی اہم مدات آمدنی اور اہم مدات خرچ کے تقابلی اعداد و شمار درج کئے گئے ہیں۔

آمدنی کا تقابلی مطالعہ

	سنہ ۱۸۸۲ء	سنہ ۱۸۹۹ء
مالگزاری	۱۶۵٫۰۶	۳۰۶٫۳۵
آبکاری	۲۹٫۳	۴۸٫۶۱
کروڑگیری	۵۱٫۹۵	۵۲٫۰۸
سود	٫۲	۷٫۴۶
ریلیں	۱۶٫۴۲	۱۲٫۹۶
مجموعی آمدنی	۳۰۸٫۳۱	۳۸۵٫۸۳

[1] سنہ ۱۹۰۰ء کو مقابلہ کے لئے اس لئے منتخب نہیں کیا گیا کہ اس سال قحط کے باعث غیر معمولی حالات پیدا ہو گئے تھے۔

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عرصے میں حکومت کی آمدنی میں تقریباً اسی لاکھ روپے کا اضافہ ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ کم و بیش تمام اہم مدات سے آمدنی میں اضافہ ہوا تھا۔ سوائے ریلوں کے مالگزاری کی مجموعی آمدنی میں تقریباً ۴ لاکھ روپے سالانہ کا اضافہ ہوگیا تھا۔ اسی طرح آبکاری کی آمدنی اس عرصے میں ڈیڑھ گنی ہوگئی تھی۔ سود جس سے ۱۸۶۲ء میں صرف بیس ہزار روپے سالانہ کی آمدنی حاصل ہوئی۔ ۱۸۹۹ء میں تقریباً آٹھ لاکھ آمدنی کے حصول کا ذریعہ بنا ہوا تھا۔

اخراجات کا تقابلی مطالعہ

(لاکھ روپے میں)

	۱۸۶۲ء	۱۸۹۹ء
مالگزاری	۳۵٫۸۰	۴۲٫۳۳
عدالتیں	۹٫۰۵	۷٫۲۷
پولیس	۳۲٫۳۰	۲۶٫۷۱
تعلیم	۱٫۷۷	۷٫۸۹
طبابت	۱٫۹۴	۶٫۱۰
عام نظم ونسق	۱۲٫۳۹	۱۶٫۰۶
افواج	۶۵٫۷۵	۶۹٫۲۹
تعمیرات	۱۷٫۲۶	۱۷٫۱۶
سود	۱٫۲۳	۷٫۵۹
ادائی قرض	-	۲۱٫۴
مجموعی اخراجات	۲۸۷٫۸۶	۳۷۵٫۰۸

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عرصے میں آمدنی کے ساتھ ساتھ

حکومت کے اخراجات میں بھی نمایاں اضافہ ہوا لیکن آمدنی کے اضافے کے اضافے کے مقابلہ میں اخراجات کا اضافہ کم تھا۔ یعنی سنہ ۱۸۴۰ء کی نسبت سنہ ۱۸۵۵ء میں آمدنی تو اسی لاکھ سے قریب بڑھ گئی تھی لیکن مجموعی اخراجات میں تقریباً پچاس لاکھ کا اضافہ ہوا۔

اس عرصے میں مالیات حیدرآباد کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ رہی کہ رفتہ رفتہ تعمیری محکموں پر مجموعی اخراجات روبہ ترقی تھے۔ چنانچہ تعلیم پر سنہ ۱۸۸۲ء میں جو رقم صرف ہوئی تھی اس سے سا گنی رقم سنہ ۱۸۹۹ء میں صرف کیجا رہی تھی اسی طرح طبابت پر بھی اخراجات میں نمایاں اضافہ ہوگیا تھا سود اور قرض کی واپسی کیجانب بھی توجہ کیجارہی تھی۔

اگر انیسویں صدی میں مالیات حیدرآباد پر بحیثیت مجموعی نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے ابتدائی حصے نیز راجہ چندولال کے طویل دور وزارت میں حکومت حیدرآباد کی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ راجہ چندولال کی علٰحدگی اور نواب سالار جنگ کے تقرر کی درمیانی مدت میں حالات بد سے بدتر ہوگئے۔ انیسویں صدی کے پہلے نصف حصے میں حکومت حیدرآباد کے مالی مسلک کی اساسی خصوصیت یہ تھی کہ بجائے اس کے کہ اضافہ آمدنی یا تخفیف اخراجات کے ذریعے مالیہ کو مستقل طور پر متوازن کرنے کی کوشش کی جاتی۔ مالی دشواریوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے مسلسل قرض لیا جاتا رہا۔

نواب سالار جنگ نے اس مضرت رساں مسلک کو ترک کرکے مالیات حیدرآباد کو ٹھوس بنیادوں پر قائم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ مالی اعتبار سے ان کا دور وزارت سابقہ تاریک زمانے کی نسبت بہت زیادہ درخشاں ہے ظاہر ہے کہ ان کے انتقال کے بعد بھی مالی اصلاح کے اس راستے پر قدم بڑھانے کی کوشش کیگئی جو سالار جنگ اپنی زندگی میں دکھلا گئے تھے لیکن اس کے باوجود انیسویں صدی کے اختتامی سال مالیات حیدرآباد کی تاریخ میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ نیز سنہ ۱۸۹۹ء کے شدید قحط نے حیدرآباد کی مالی حالت کو نہایت شدید طور پر متاثر کیا۔ اور موازنے میں ۴۷ر ۴۴ لاکھ روپئے کا خسارہ پیدا ہوگیا جس کی تلافی کے

سرکاری حکومت نے حکومت ہند سے قرض لیا۔

اس باب میں ہم نے انیسویں صدی میں مالیات حیدرآباد کے نمایاں تاریخی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی۔ آئندہ باب میں ہم بیسویں صدی کی ابتدا سے گزشتہ جنگ عظیم کے خاتمے تک مالیات حیدرآباد پر تبصرہ کریں گے

تیسرا باب

مالیات حیدرآباد بیسویں صدی کی ابتداء سے گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمہ تک

سنہ ۱۹۰۰ء کا قحط | سنہ ۱۹۰۰ء کے زبردست قحط نے حیدرآباد کو نہایت شدید طور پر متاثر کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو اس کے باعث آمدنی میں نمایاں تخفیف ہوگئی ۔ دوسرے قحط زدہ علاقوں میں لوگوں کی امداد کے لئے جو تدابیر اختیار کی گئیں ان پر بہت زیادہ اخراجات لاحق ہوئے چنانچہ اس سال حکومت کو مجموعی آمدنی ۳۰۱٫۳۹ لاکھ روپے حاصل ہوئی ۔ لیکن مجموعی اخراجات ۴۴۵٫۰۶ لاکھ روپے ہوئے گویا اس طرح موازنہ میں ۱۴۴٫۴۷ لاکھ روپے کا خسارہ ہوگیا

آمدنی میں تخفیف کا سبب اول تو یہ تھا کہ قحط کے باعث سابقہ سال کے مقابلہ میں مالگزاری کی آمدنی ساٹھ لاکھ کے قریب کم ہوگئی تھی دوسرے کروڑگیری کی مجموعی آمدنی میں تقریباً ۳۰ فیصد تخفیف ہوئی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ قحط نے روئی کی فصل کو شدید طور پر متاثر کیا تھا طرفہ یہ کہ لگان برار کی رقم جو معاہدہ کی رو سے ۲۵ لاکھ روپے سالانہ قرار پائی تھی اتنک وصول نہ ہوسکی تھی اسی طرح قحط سالی کے باعث جنگلات کی مجموعی آمدنی میں بھی نمایاں تخفیف ہوگئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نے قحط زدہ علاقے کے مویشیوں کی چرائی کی سرکاری جنگلات

میں عام اجازت دے دی اور اس کا کوئی معاوضہ وصول نہیں کیا۔ اس قحط کے باعث حیدرآباد کے مالیہ میں جو زبردست خسارہ ہوگیا اس کی تلافی کے لئے حکومت حیدرآباد نے برطانوی حکومت سے دو کروڑ روپے قرض لئے اس قرض پر چار فیصد سالانہ سود قرار پایا۔ نیز اس قرض کی ادائیگی کے لئے سالانہ قسط بشمول سود گیارہ لاکھ روپے طے ہوئی جس وقت کہ یہ قرض حاصل کیا گیا تھا اس وقت کی شرح مبادلہ کے لحاظ سے دو کروڑ روپے سکہ کلدار کے تقریباً ڈھائی کروڑ روپے حالی ہوتے تھے۔

اس ڈھائی کروڑ روپے حالی کے قرض کو مندرجہ ذیل امور پر صرف کیا گیا۔

غرض	رقم (لاکھ حالی روپے میں)
موازنے میں خسارے کی تلافی کے لئے	۱۰۹/۹۶
دیگر متفرق ادا شدنی قرضوں کی ادائی کیلئے	۵۹/۹۰
سرکاری خزانے کی سلک میں اضافے کیلئے	۸۰/۱۴
میزان	۲۵۰/۰۰

مالیات حیدرآباد بیسویں صدی کے آغاز سے گذشتہ جنگ عظیم کی ابتدا تک

بیسویں صدی کے آغاز اور گذشتہ جنگ عظیم کی درمیانی مدت مالیات حیدرآباد کے لئے ایک حد تک سازگار ثابت ہوئی مجموعی آمدنی مسلسل طور پر ترقی پذیر رہی اور حکومت کے موازنہ میں مستقل طور پر بچت ہوتی رہی۔

ذیل کی جدول میں سنہ ۱۹۰۱ء اور سنہ ۱۹۱۳ء میں حکومت حیدرآباد کی آمدنی کے تقابلی اعداد پیش کئے گئے ہیں۔

آمدنی کا تقابلی جدول[1]

مدات آمدنی	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۱۳ء
مالگزاری	۲۱۴/۱۷	۲۴۳/۸۹

[1] اس جدول میں صرف ان مدات کو درج کیا گیا ہے جو غیر معمولی طور پر اہم ہیں یا جن میں زیر بحث عہد میں کافی تغیر ہوا ہے۔

کروڑ گیری	۵۴٫۵۸	۷۴٫۴۹
آبکاری	۴۴٫۱۷	۸۷٫۵۶
لگان پرانہ	۰	۲۹٫۰۰
سود	۵٫۶۵	۳۴٫۷۴
ریلیں	۴۷٫۸۲	۵٫۴۹
افیون	۴٫۷	۷٫۴
جنگلات	۳٫۳۹	۹٫۹۳
معدنیات	۱٫۳۸	۱٫۱۹
زرکاغذی۔ دارالضرب اور مبادلہ	٫۷۶	۱۳٫۲۴
متفرقات	۱۰٫۳۰	۴٫۳۸
مجموعی آمدنی	۳۹۸٫۰۸	۵۱۷٫۰۰

مندرجہ بالا جدول سے واضح ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں حکومت کی مجموعی آمدنی میں یعنی سنہ ۱۹۰۱ء کی نسبت سنہ ۱۹۱۳ء میں حکومت کی مجموعی آمدنی تقریباً سوا کروڑ روپے بڑھ گئی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اس عرصہ میں مالگزاری کی آمدنی میں معتدبہ اضافہ ہوا جس کا سبب اول تو یہ تھا کہ مسلسل کئی سال تک فصلیں اچھی ہوئی تھیں اور کاشتکار نے نہ صرف جملہ مطالبات ادا کردئے تھے بلکہ بقایاوں کی وصولی بھی ایک حد تک ہوگئی تھی دوسرے سابقہ بندوبست پر نظرثانی اور زیر کاشت رقبہ میں توسیع کے باعث مالگزاری کی آمدنی میں اضافہ ہوگیا۔

اس عرصہ میں حکومت کی مجموعی آمدنی کے اضافہ کو آبکاری کی آمدنی کے اضافہ پر محمول کرنا بھی غلط نہ ہوگا چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء کے مقابلہ میں سنہ ۱۹۱۳ء میں آبکاری کی آمدنی دوگنی ہوگئی تھی اس غیر معمولی اضافہ کا سبب اول تو یہ تھا کہ منشیات کی نسبتاً زیادہ مقدار فروخت ہورہی تھی دوسرے یہ کہ حکومت نے جاگیرداروں سے حقوق آبکاری حاصل کرلئے تھے۔

کروڑگیری کی آمدنی میں بھی ۳۰ لاکھ روپے سالانہ کا اضافہ بیرونی تجارت میں ترقی کے باعث ہوا۔

بیسویں صدی کے آغاز اور گزشتہ جنگ عظیم کے درمیانی عرصہ میں مالیات حیدرآباد میں ایک نمایاں رجحان یہ بھی رہا کہ سود کی مجموعی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ حکومت حیدرآباد نے بالخصوص حکومت ہند کے پرامیسری نوٹوں کی شکل میں کافی سرمایہ محفوظ کیا۔ دوسرے یہ کہ اس زمانے میں سود کی عام شرحیں بھی نسبتاً اعلی رہیں۔

اس عرصہ میں ریلوں کی آمدنی البتہ نمایاں طور پر کم ہوگئی۔ آمدنی کی یہ کمی اس لئے بھی زیادہ شدید معلوم ہوتی ہے کہ اس سے قبل طریقہ یہ تھا کہ ریلوں کی مجموعی آمدنی کو سرکاری آمدنی میں اور مجموعی اخراجات کو سرکاری اخراجات میں شریک کردیا جاتا لیکن ۱۹۱۰ء کے بعد سے یہ طریقہ ترک کردیا گیا اور سرکاری موازنہ میں ریلوں کا صرف خالص منافع جمع کیا جاتا۔

مندرجہ ذیل جدول میں ۱۹۰۱ء اور ۱۹۱۳ء میں حکومت حیدرآباد کے اخراجات کے تقابلی اعداد درج کئے گئے ہیں۔

اخراجات کا تقابلی مطالعہ[1]

	۱۹۰۱ء	۱۹۱۳ء
مالگزاری	۴۱٫۰۵	۴۴٫۲۷
عدالتیں	۷٫۳۴	۹٫۴۴
پولیس	۲۶٫۵۰	۳۳٫۰۸
تعلیم	۷٫۹۰	۱۱٫۶۰
طبابت	۵٫۹۶	۷٫۶۳
عام نظم و نسق	۱۸٫۹۱	۲۰٫۶۳
افواج	۹۴٫۳۶	۵۴٫۲۴

[1] اس جدول میں صرف ان مدات کو درج کیا گیا ہے جو غیر معمولی طور پر اہم ہیں یا جنہیں زیر بحث عرصہ میں کوئی خاص تغیر ہوا ہے

تعمیرات	۱۲،۸۸	۲۹،۴۵
سود	۶،۹۲	۸،۸۸
ادائی قرض	۶،۷۱	۱۷،۷۷
مجموعی اخراجات	۳۸۲،۶۸	۴۲۳،۸۷

مندرجہ بالا جدول کے دیکھنے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ مجموعی اخراجات میں مجموعی آمدنی کی نسبت کم اضافہ ہوا تھا۔ یعنی بیسویں صدی کے آغاز سے گذشتہ جنگ عظیم تک مجموعی آمدنی میں تو تقریباً سوا کروڑ روپے کا اضافہ ہوا تھا لیکن برخلاف اس کے مجموعی اخراجات کے اضافہ کی مقدار نصف کروڑ بھی نہ تھی۔

اس عرصہ میں مالیات حیدرآباد میں ایک قابل ذکر رجحان یہ کارفرما رہا کہ افواج کی مد پر اخراجات روبہ تخفیف رہے لیکن تعمیری محکموں پر مصارف میں اضافہ ہوتا رہا چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء کی نسبت سنہ ۱۹۱۳ء میں فوجی اخراجات میں ۱۰ لاکھ سے زائد تخفیف ہوئی تھی لیکن تعلیم، طبابت اور تعمیرات کے اخراجات میں علی الترتیب تقریباً ۹۰ فیصد، ۳۰۰ فیصد اور ۱۳۰ فیصد کا اضافہ ہوا تھا اسی طرح ادائی قرض کے لئے جو سالانہ رقم مختص کیجاتی تھی اس میں بھی اضافہ ہوگیا تھا

مالیات حیدرآباد گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں

گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں مالیات حیدرآباد کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ سنہ ۱۹۱۴ء کا موازنہ جب پیش کیا گیا تو اس وقت جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سنہ ۱۹۱۴ء تا سنہ ۱۹۱۸ء یعنی پانچ برس کے عرصہ میں حکومت حیدرآباد کی مجموعی آمدنی اور مجموعی اخراجات پر نظر دوڑالیں۔

	سنہ ۱۹۱۴ء	سنہ ۱۹۱۵ء	سنہ ۱۹۱۶ء
آمدنی	۵۶۴،۸۶ لاکھ	۵۷۰،۳۶ لاکھ	۵۹۵،۲۷ لاکھ
اخراجات	۴۹۸،۲۸ لاکھ	۴۸۸،۴۷ لاکھ	۵۲۵،۸۶ لاکھ

بچت	۶۶٫۵۸ لاکھ	۱۸٫۸۹ لاکھ	۵۲۵٫۰۶ لاکھ
		۱۹۱۷ء	۱۹۱۸ء
آمدنی		۶۰۱٫۰۵ لاکھ	۶۰۷٫۵۱ لاکھ
اخراجات		۵۴۳٫۰۹ لاکھ	۵۹۷٫۰۹ لاکھ
بچت		۵۸٫۶۶ لاکھ	۱۰٫۴۲ لاکھ

چونکہ جب ۱۹۱۴ء کا موازنہ مرتب کیا گیا اس وقت جنگ کو شروع ہوئے محض چند ماہ گزرے تھے اور جنگی اخراجات کا کوئی قطعی اندازہ نہ ہوسکتا تھا اس لئے اس مقصد کے لئے کوئی علیحدہ رقم مختص نہیں کی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ حکومت کی مالی خوشحالی روئی اور تل سے وابستہ تھی اور چونکہ یہ بیشتر غنیم ممالک کو برآمد کئے جاتے تھے اس لئے یہ اندیشہ تھا کہ رسد طلب کے مقابلہ میں بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ دوسرا خطرہ یہ تھا کہ مختلف دشواریوں کے باعث برآمد میں جو نمایاں تخفیف ہوگی اسی کے مساوی تخفیف اگر درآمد میں نہ ہوسکی تو برطانوی سکوں کی طلب عثمانیہ سکوں کے مقابلہ میں بہت بڑھ جائے گی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عثمانیہ سکوں کی قدر میں شدید تخفیف ہوگی اس طرح یہ اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ برطانوی سکوں کا ذخیرہ جس پر جنگی اخراجات اور ریلوے کی ادائیگیوں کا بار بھی پڑ رہا تھا کہیں بہت ناکافی نہ ثابت ہو

۱۹۱۵ء میں حیدرآباد بلیہ جنگ سے متاثر ہو چلا۔ باوجود اس کے کہ روئی اور تل کی فصلیں بہت اچھی نہیں ہوئی تھیں ان کی بہت سی مقدار فروخت نہ ہوسکی قیمتیں بہت کم تھیں علاوہ ازیں حالی روپیہ کی قدر مبادلہ اس قدر کم ہوچکی تھی جس کی مثال سابقہ تاریخ زر میں اس وقت سے موجود نہ تھی جب سے کہ حالی اور کلدار کی انتہائی اور اقل ترین شرحوں کا تعین ہوا تھا۔ یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ حکومت کہیں حالی روپیوں کو چلن سے علیحدہ کرنے اور بمبئی کے ذخیرہ پر روپیہ کی ہنڈیاں دینے کے لئے مجبور نہ ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ حکومت عثمانیہ سکوں کے عوض برطانوی سکے نہیں حاصل کرسکتی تھی اور اس لئے برطانوی سکوں کا ذخیرہ جو اکتوبر ۱۹۱۵ء

میں ۱۹۰ لاکھ تھا اکتوبر ۱۹۱۶ء میں صرف (۱۶۰) لاکھ رہ گیا تھا۔ ۴۰ لاکھ کی اس کمی کے باعث ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اخراجات میں شدید تخفیف کے بغیر مالیات حیدرآباد کی کیفیت ناگفتہ بہ ہو جائے گی لیکن سکہ حالی کی بیرونی شرح مبادلہ کے متعلق یہ خدشہ بڑی حد تک بے بنیاد ثابت ہوا اور شرح مبادلہ کے برقرار رکھنے میں برطانوی سکوں کا ذخیرہ اتنے شدید طور پر متاثر نہیں ہوا جیسا کہ اندیشہ تھا۔

جنگ کے پہلے سال ہی سے ہز ہائنس نے دو سواروں کی رجمنٹوں کے مصارف اپنے ذمہ لے لئے تھے اس کے علاوہ ۱۹۱۵ء کے دوران میں ۳ لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم حکومت برطانیہ کو مسلسل ادا کیجاتی رہی۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ پرنس آف ویلز فنڈ۔ ایک لاکھ روپیہ امپیریل انڈین رلیف فنڈ اور پچاس ہزار روپیہ انجمن صلیب احمر کو دئے گئے اس طرح بحیثیت مجموعی اکتوبر ۱۹۱۶ء تک حکومت حیدرآباد کو ۴۰ لاکھ روپے سے زائد جنگی مصارف برداشت کرنے پڑے۔

۱۹۱۶ء کے متعلق خطرہ یہ تھا کہ اس سال غیر معمولی مالی دشواریاں اور پیچیدگیاں پیش آئیں گی لیکن حالات اس کے بالکل برعکس رہے۔ روز افزوں قیمتوں اور بڑھتی ہوئی برآمد کا دور دورہ ہو گیا جس کے باعث سارے سابقہ اندیشے باطل ثابت ہوئے اس کے دو اسباب تھے اول تو یہ کہ اتحادی بحریہ سمندری راستوں پر حاوی ہو گیا تھا جس کے باعث بیرونی تجارت زیادہ متاثر نہیں ہوئی۔ دوسرے اس سال نہ صرف فصول نہایت عمدہ ہوئی تھیں بلکہ جاپانی تاجروں نے ان کی طلب میں نمایاں اضافہ کر دیا تھا چنانچہ ۱۹۱۶ء کی ابتدا ہی میں نہ صرف سابقہ سال کی بچی ہوئی پیداوار فروخت ہو گئی بلکہ اس سال کی ساری فصلیں بھی بہت جلد نمایاں منافع پر ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں ۱۹۱۵ء میں عام شکایت یہ تھی کہ اجناس کی قیمتیں کم اور خریدار مفقود ہیں۔ لیکن دوسرے سال اس کے برعکس شکایت یہ تھی کہ مال اتنی تیز رفتار سے فروخت ہو رہا تھا کہ بمبئی کے بازاروں میں اسے پہنچانا تک دشوار ہو گیا تھا۔ مقدار برآمد کے اضافہ اور مقدار

درآمد کی مسلسل تخفیف نے حالات کا رخ پلٹ دیا۔ ۱۹۱۵ء میں حالی سکے کی شرح مبادلہ کا رجحان تخفیف کی جانب تھا جس کے باعث برطانوی سکوں کا ذخیرہ متاثر ہو رہا تھا لیکن ۱۹۱۶ء میں شرح مبادلہ اپنی بیشترین حد تک پہنچ گئی اور اس پر ۵ ماہ تک قائم رہی برطانوی سکوں کے عوض ۱۱۶ روپئے کی شرح سے بحیثیت مجموعی (۱۸۶) لاکھ روپے سکہ عثمانیہ خزانہ سے اور (۱۰۵) لاکھ روپے کے نئے سکے دارالضرب سے جاری ہوئے۔ عثمانیہ سکوں کی طلب ایک منزل پر تو اس قدر شدید ہو گئی تھی کہ حالات کو قابو میں رکھنا محال معلوم ہوتا تھا۔ خزانے کی سالک روپیہ تخفیف تھی اور دارالضرب کو شب و روز کام کرنا پڑ رہا تھا۔ برطانوی سکوں کی بقایا سالک دو کروڑ روپے سے تجاوز کر چکی تھی اور تسکیک کے لئے چاندی خریدی گئی تھی ۱۹۱۶ء کے خاتمے تک طبی اور امدادی اغراض کے چندوں سے قطع نظر جن کی مجموعی مقدار تین لاکھ سے بڑھ چکی تھی پچھتر لاکھ برطانوی روپے دئے جا چکے تھے اور ۱۹۱۷ء کے موازنے میں اس غرض کے لئے اتنالیس لاکھ کی گنجایش رکھی گئی تھی۔

۱۹۱۷ء مالی اعتبار سے نہایت مایوس کن ثابت ہوا باوجود اس کے کہ اس سے نہایت خوشگوار توقعات وابستہ کرلی گئی تھیں بے وقت کی طوفانی بارش نے ½ فصول کو قطعی طور پر تباہ کر دیا اور یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ شاید تجارت خارجہ بہت بری طرح متاثر ہو گی لیکن روئی کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے حالات کو بڑی حد تک سنبھال لیا مطبوں اور کروڑگیری کی آمدنی میں نمایاں تخفیف ہوئی لیکن بڑھتی ہوئی قیمتوں نے مالگزاری کی ادائی کی مقدرت کاشتکاروں میں پیدا کر دی۔ تجارت برآمد میں تخفیف کے باعث مالی پیچیدگیوں کا سلسلہ قائم رہا۔ طرفہ یہ کہ حکومت ہند کے دستور العمل کی اشاعت نے چاندی کی قیمت اتنی بڑھا دی کہ تسکیک میں کوئی منافع باقی نہ رہا۔ آخر مجبور ہو کر حکومت نے چھ فیصدی سود سے پچھتر لاکھ روپے کے قرض کا اعلان کیا۔

مندرجہ ذیل جدول[1] میں گزشتہ جنگ عظیم کے دوران میں اہم مدات آمدنی کے تقابلی اعداد پیش کئے گئے ہیں۔

	سنہ ۱۹۱۴ء	سنہ ۱۹۱۵ء	سنہ ۱۹۱۶ء	سنہ ۱۹۱۷ء	سنہ ۱۹۱۸ء
مالگزاری	۲۵۸/۱۰	۲۸۵/۱۰	۲۸۳/۹۵	۲۹۲/۶۰	۲۹۸/۲۱
کروڑگیری	۸۷/۹۶	۷۰/۲۵	۷۹/۱۷	۷۰/۴۰	۵۸/۴۳
آبکاری	۹۶/۳۷	۱۰۲/۳۱	۱۰۴/۷۹	۱۰۹/۴۴	۱۱۶/۵۱
افیون	۷/۷۴	۹/۱۷	۱۰/۳۴	۱۱/۲۳	۱۱/۰۰
جنگلات	۱۰/۸۴	۸/۶۸	۷/۷۰	۷/۱۲	۶/۴۶
سود	۳۶/۷۳	۳۵/۳۸	۳۹/۰۹	۴۰/۴۰	۴۹/۱۵
دارالضرب، زرکاغذی ومبادلہ	۲/۳۵	/۷۸	۵/۱۵	۴/۸۳	۳/۷۰
ریلیں	۹/۳۵	۲/۴۸	۴/۵۳	۵/۴۰	۳/۰۱

گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں اہم مدات آمدنی کے تقابلی جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالگزاری کی آمدنی میں دوران جنگ میں اضافہ ہوا جس کی وجہ یہ تھی کہ قیمتیں برابر بڑھتی رہیں اور کاشتکاروں نے اپنے سارے مطالبات بے باق کر دئے علاوہ ازیں مالگزاری کی آمدنی میں اضافہ کی وجہ یہ بھی تھی کہ مجموعی زیر کاشت رقبے میں بھی توسیع ہوئی۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں حسب دلخواہ موسمی حالات وغیرہ کے باعث اور اضافہ برآمد کی وجہ سے کروڑگیری کی آمدنی بڑھی۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں کروڑگیری کی آمدنی میں تجارتی دشواریوں کے باعث تخفیف ہوئی۔ لیکن سنہ ۱۹۱۹ء میں بحری نقل وحمل کے بہتر حالات اور جاپانی بازاروں کے

[1] اس جدول میں صرف ان مدات کو درج کیا گیا ہے جو غیر معمولی طور پر اہم ہیں یا جن میں گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں کوئی خاص تغیر ہوا ہے۔

حصول کے باعث اس آمدنی میں اضافہ ہوا۔ لیکن سنہ ۱۹۱۸ء میں کروڑگیری کی آمدنی میں تخفیف کا سبب یہ ہوا کہ اول تو تجارت برآمد کم ہو گئی دوسرے قیمتی دھاتوں کی برآمد کم کر دی گئی تیسرے غذائی نگرانی کے محکمے نے غذائی اجناس کی برآمد پر پابندی عاید کر دی۔

آبکاری کی آمدنی میں بھی دوران جنگ میں بڑھتی ہوئی قیمتوں اور تجارتی گرم بازاری کے باعث مسلسل اضافہ ہوا۔

دوران جنگ میں سود کی آمدنی اس لئے برابر بڑھتی رہی کہ اول تو زیادہ رقوم مشغول ہو گئیں دوسرے شرح سود میں نمایاں اضافہ ہو گیا تھا۔

جنگ کے ابتدائی سالوں میں مسافروں کی کثرت کے باعث ریلوں کی آمدنی بھی بڑھی۔

افیون و گانجے کی مد سے آمدنی گذشتہ جنگ کے دوران میں مسلسل بڑھتی رہی۔

اخراجات کی تقابلی جدول[1]

	سنہ ۱۹۱۴ء	سنہ ۱۹۱۵ء	سنہ ۱۹۱۶ء	سنہ ۱۹۱۷ء	سنہ ۱۹۱۸ء
مالگزاری	۴۹،۰۰	۵۱،۳۱	۵۴،۹۸	۵۵،۷۷	۵۷،۱۷
سود	۶،۹۷	۶،۹۴	۵۴،۹۸	۵۵،۷۷	۵۷،۱۷
عام نظم ونسق	۲۰،۶۲	۲۱،۴۰	۲۱،۹۱	۲۲،۵۲	۲۲،۸۱
عدالتیں	۱۰،۲۰	۱۰،۱۱	۹،۹۷	۹،۸۱	۱۰،۴۳
پولیس	۳۵،۰۶	۳۴،۳۲	۳۵،۲۰	۳۸،۶۴	۴۷،۱۹
تعلیم	۱۱،۹۴	۱۳،۱۰	۱۵،۱۱	۱۶،۷۰	۲۲،۴۵
طبابت	۷،۴۷	۸،۹۶	۹،۴۲	۱۵،۹۵	۱۳،۲۸
قرضوں کا تصفیہ	۷۶،۶۸	۲۷،۷۵	۳۴،۴۰	۲۷،۸۱	۲۸،۲۹

[1] اس جدول میں صرف ان مدات کو درج کیا گیا ہے جو غیر معمولی طور پر اہم ہیں یا جن میں گزشتہ جنگ عظیم کے دوران میں کوئی خاص تغیر ہوا ہے۔

[redacted]

کارہائے عامہ	۳۶ ر ۳۹	۳۸ ر ۴۰	۴۵ ر ۵۰	۴۲ ر ۵۲	۵۴ ر ۰۷
افواج[1]	۵۴ ر ۱۴	۵۲ ر ۳۱	۵۱ ر ۱۷	۵۰ ر ۱۱	۵۴ ر ۳۲

گزشتہ جنگ عظیم کے دوران میں اہم مدات اخراجات کے تقابلی مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالگزاری اور عام نظم ونسق پر مجموعی اخراجات برابر بڑھتے رہے۔ دوسرے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنگ کے باعث ملک کی تعلیمی وتعمیری ترقی میں رخنہ نہیں پڑا۔ چنانچہ تعلیم اور کارہائے عامہ دونوں پر اخراجات میں کسی قسم کی تخفیف نہیں کیگئی بلکہ ان میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔

گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں اخراجات کے اعداد کے تقابلی مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کے پہلے سال ۶۰ ر ۶۷ لاکھ روپے کی رقم قرضوں کی واپسی کے سلسلہ میں صرف کیگئی تھی لیکن اس کے بعد کے سالوں میں اس میں بے حد تخفیف ہوگئی

گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں مالیات حیدرآباد پر راست طور سے جو بار پڑا اس کی تفصیلات ذیل کی جدول میں پیش کیگئی ہے۔

	کل امداد (لاکھ روپے میں)
(۱) بری جنگ سے متعلق امداد	۱۱۱ ر ۰۰
(۲) بحری جنگ سے متعلق امداد	۱۵ ر ۰۰
(۳) جنگی امدادی امور سے متعلق چندے	۳ ر ۵۰
(۴) جنگی خدمات سے متعلق امداد	۳ ر ۲۴
جملہ ایسی رقوم جو ہمیشہ کے لئے دیدی گئیں	۱۳۲ ر ۷۴
(۵) ۱۹۱۶ء کے چار فیصد کے قرضے میں حصہ	۳۹ ر ۰۰

[1] اس جدول میں جو فوجی اخراجات درج کئے گئے ہیں وہ معمولی فوجی اخراجات کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے اس میں جنگ کے باوجود کوئی معتدبہ اضافہ نہیں معلوم ہوتا۔

(۶) سنہ ۱۹۱۸ء کے جنگی قرضہ میں حصہ	۶۱ ر ۲۵
مجموعی رقمی امداد جو بطور قرض دی گئی	۱۱۰ ر ۲۵
میزان	۲۲۴ ر ۹۹

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کے سلسلہ میں مالیات حیدرآباد کو ڈھائی کروڑ روپے کے قریب جس میں سے کم رقم قابل واپسی تھی) بار برداشت کرنا پڑا۔

ظاہر ہے کہ اتنی بڑی رقم سے دستبرداری حاصل کرنے کے سلسلہ میں کافی ایثار کرنا پڑا چنانچہ حیدرآباد میں ریلوں کی تعمیر کے لئے جو ذخیرہ قائم کیا گیا تھا وہ اسی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ گدگ ریلوے کی تعمیر کو روک دیا گیا اور ورنگل ملہار شاہ لائن کی ابتدا ہی نہ ہو سکی۔ اگر جنگ مالیات پر اثر انداز نہ ہوئی ہوتی تو ریلوں میں دو سو میل سے زائد اضافہ ہو چکا ہوتا۔

یہ تو گویا جنگ کے راست مصارف تھے لیکن اس سلسلے میں ان بالواسطہ مالی خساروں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو ریاست کو جنگ کے باعث بھگتنے پڑے۔ حکومت حیدرآباد نے روپے کے تمسکات اور کاغذی تمسکات کی شکل میں جو سرمایہ مشغول کیا تھا اور جس کی مقدار ایک لاکھ سے زائد تھی اس کی قیمت میں راست کمی ہوئی روپے کے تمسکات کی قدر میں بظاہر تو ایک کروڑ سے زائد کا اضافہ ہو گیا تھا لیکن ان کی مجموعی بازاری قیمت حسب سابق ۵ء۴ کروڑ روپے تھی۔

چوتھا باب

مالیات حیدرآباد گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد سے سنہ ۱۹۳۹ء تک

گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمہ اور سر اکبر حیدری کے تقرر کی درمیانی چار سالہ مدت مالیات حیدرآباد میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ سوا اس کے کہ اس عرصے میں وہ عارضی اثرات جو جنگ کے باعث مالیات حیدرآباد پر کارفرما رہے تھے رفتہ رفتہ زائل ہو گئے۔ مثلاً جنگ کے دوران میں مجموعی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا تھا لیکن جنگ کے خاتمے کے دوسرے سال ہی حکومت کی مجموعی آمدنی میں خاصی تخفیف ہو گئی یعنی مجموعی آمدنی ۵۱ ر ۶۰۷ لاکھ سے ۳۲ ر ۵۶۷ لاکھ ہو گئی۔

مالگزاری کی آمدنی تو کم ہو گئی لیکن کروڑگیری کی آمدنی میں نمایاں اضافہ ہوا جس کا سبب یہ تھا کہ تجارتی لین دین پر سے وہ پابندیاں اٹھ گئی تھیں جو جنگ کے دوران میں کروڑگیری کی آمدنی میں تخفیف کا سبب بنی رہی تھیں اس عرصے میں حکومت کے اخراجات کم و بیش یکساں رہے

سر اکبر کا تقرر اور ان کی مالی اصلاحات

سنہ ۱۹۲۲ء سے البتہ مالیات حیدرآباد میں ایک جدید دور کا آغاز ہوا جب کہ سر اکبر نے مالیات حیدرآباد کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں

۔لی اور دور رس مالی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔
سب سے پہلے تو یہ کہ مدات آمدنی و اخراجات کی سابقہ تقسیم میں تغیر کیا گیا۔ مختلف مدون
ضابطہ اصولوں کے تحت قائم کیا گیا اور اخراجات و آمدنی دونوں میں مختلف مدات کے نشانات
سلسلہ میں یکسانیت پیدا کی گئی۔ تعلیم طبابت پولیس وغیرہ کو جن کی آمدنی محض اتفاقی دبرا۔ت
م ہوتی تھی آمدنی کے تختہ سے خارج کر دیا گیا اور انہیں صرف مطبوعہ حسابات میں شریک رکھا
یا۔ واپسی کی رقوم کو جنہیں اب تک ایک ہی مد کے تحت رکھا جاتا تھا انہیں اب اس آمدنی سے
نہا کیا جانے لگا جس سے کہ وہ متعلق تھیں۔ یہی صورت معاوضوں کے ساتھ بھی اختیار کی گئی
نفرقات کے تحت متعدد مدات کو شریک کر دیا گیا تھا چنانچہ انہیں علیحدہ علیحدہ قائم کیا گیا۔ سائنٹیفک
ساتنٹفک مد سے جدا کر کے تجارتی اور نیم تجارتی مد میں شامل کیا گیا۔ زراعت علاج حیوانات
ور امداد باہمی کی علیحدہ علیحدہ مدات قائم ہوئیں۔ انسداد قحط۔ ادائی قرض فاضل رقوم کے شغل
مل اور تمسکات کی خرید و فروخت کے لئے جدا جدا مدات قائم ہوئیں۔ اس نئی تقسیم کی غرض
رف یہی تھی کہ ہر نوع کی آمدنی اور اخراجات کو صحیح طور پر واضح کیا جا سکے نیز غیر معمولی و معمولی
خراجات کے درمیان امتیاز قائم ہو سکے۔ مثال کے طور پر سکہ سازی کا منافعہ جسے آمدنی کا ایک
ستقل ذریعہ تصور کرنا صحیح نہیں۔ آمدنی کے معمولی ذرائع میں شمار نہ ہوتا اسی طرح ایسے اخراجات
لازمی طور پر ایک معینہ مدت کے بعد لاحق ہوتے ہیں مثلاً قحط سے متعلق اخراجات کو مختلف
سالوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیا گیا کہ جس سال قحط نمودار ہو اس سال کے موازنے میں
خراجات بہت زیادہ نہ معلوم ہوں۔

مدات محفوظ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں مالیات حیدرآباد کے ایک اور جزو کی
وضاحت کر دی جائے جو سر اکبر کا مرہون منت ہے مالیات حیدرآباد کی باگ ڈور اپنے
ہاتھوں میں لینے کے بعد سر اکبر نے مختلف مقاصد اور اغراض کے پیش نظر مستقل ذخیرے
قائم کئے جن کی تفصیلات حسب ذیل ہیں ۔

محفوظ سکہ قرطاس اس محفوظ کے قیام کا مقصد زر کاغذی کی پشت پناہ بننا ہے۔ حیدرآباد واحد ریاست ہے جہاں حکومت کا اپنا زر کاغذی رائج ہے۔ ۱۹۱۸ء کے قانون زر کاغذی کی دفعہ نمبر (۹) کی رو سے یہ پابندی عاید ہے کہ زر کاغذی کے سلسلہ میں نقدی کی بجائے حکومت ہند کے تمسکات۔ حکومت حیدرآباد کے تمسکات یا کسی دوسری قسم کے تمسکات گردش میں نوٹوں کی مجموعی تعداد میں ایک تہائی حصہ کی مالیت کے مساوی رکھے جائیں۔ چنانچہ اس کے پیش نظر تقریباً ۵ کروڑ روپے کو مستند تمسکات میں مشغول کیا گیا ہے جس سے کم و بیش پچیس لاکھ روپے سالانہ کی آمدنی حاصل ہوتی ہے

محفوظ استقامت سکہ عثمانیہ گذشتہ جنگ عظیم نیز سر اکبر کے تقرر سے قبل حکومت حیدرآباد بھی کم و بیش ان تدابیر کی تقلید کر رہی تھی جو حکومت ہند نے روپے اور اسٹرلنگ کی درمیانی شرح تبادلہ کے استحکام کے لئے اختیار کی تھیں یوں تو ۱۹۰۹ء میں ۹۰ لاکھ روپے کے اضافہ سے ایک ذخیرہ کے قیام کا حکم صادر ہوا تھا تاکہ برطانوی سکوں کی بڑھتی ہوئی طلب کی تکمیل ہو سکے اور عثمانیہ سکوں کی شرح تبادلہ کو برقرار رکھا جائے لیکن ۱۹۱۱ء تا ۱۹۲۱ء جو چاندی سکہ سازی کی غرض سے خریدی گئی تھی اس کی فروخت کے سلسلے میں (۶۰) لاکھ کے قریب نقصان ہوا اسی طرح کلدار ذخیرہ میں جو پرامیسری نوٹ تھے ان کی فروخت پر ۱۲ لاکھ کا خسارہ ہوا۔ چنانچہ جب بالآخر سر اکبر نے محفوظ استقامت سکہ عثمانیہ کو قائم کیا تو اس کی ابتدا ڈھائی لاکھ روپیوں کے پرامیسری نوٹوں سے کی۔

سر اکبر کی اس مالی اصلاح کی جس قدر بھی ستائش کیجائے کم ہے چنانچہ اس اقدام کی افادیت کا اندازہ اس امر سے ممکن ہے کہ اس کے کئی برس بعد انگلستان اور امریکہ نے اس طریقے کے فوائد سے متاثر ہو کر حیدرآباد کی تقلید میں اپنے یہاں بھی استحکامی ذخیرے قائم کئے۔

اس ذخیرے کا تمام تر مقصد یہ ہے کہ حالی اور کلدار سکوں کی شرح تبادلہ کو معینہ حدود

کے اندر رکھا جائے اگر بازاری شرح تبادلہ اس شرح تبادلہ سے کم یا زیادہ ہو جاتی ہے جس کا تعین حکومت کی جانب سے ہوا ہے تو حکومت نے اپنے سر یہ ذمہ داری لی ہے کہ وہ مقررہ شرح پر حالی و کلدار زر فراہم کرے اس طرح جو نقصان ہوگا اس کی تلافی اس ذخیرے کے ذریعے کیجا سکتی ہے یہ ذخیرہ جو سکہ سازی یا اجرائی زر کے مجموعی منافع پر مشتمل ہے ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں ۳۶،۱۶۲ کروڑ روپے تک پہنچ چکا تھا۔

محفوظ ادائی قرضہ | ۱۹۲۱ء میں حکومت حیدرآباد کا سرکاری قرضہ ڈھائی کروڑ روپے سے تجاوز کر چکا تھا۔ چنانچہ ۱۳۹۹ء کے قرض کی ادائیگی اور ادائی قرض کے ذخیرے کی خاطر پچاس لاکھ کی رقم علحدہ کی گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر سال دس لاکھ روپے اس مقصد کے لئے جمع کر دیئے جایا کریں۔ اس ذخیرے کے تحت ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں سوا تین کروڑ روپے سے زائد رقم جمع ہو چکی تھی۔

محفوظ قحط | تجارتی کساد بازاری یا قحط کے مقابلہ کے لئے جن کا ایک معینہ مدت کے بعد درپیش ہونا ناگزیر ہوتا ہے ضرورت اس کی تھی کہ پہلے سے سامان کر لیا جائے۔ اندازہ یہ کیا گیا کہ ہر بیس برس کے عرصے میں اس مقصد کے لئے تقریباً تین کروڑ روپے کی رقم درکار ہوتی ہے چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر سال اس مقصد کے تحت پندرہ لاکھ روپے کی رقم محفوظ کر دیجائے ظاہر ہے کہ ان پندرہ لاکھ میں قحط سالی یا تجارتی کساد بازاری کے ان اثرات کی تلافی کے لئے رقوم شامل نہیں تھیں جو مالگزاری یا سرکاری آمدنی کی دوسری مدات پر رونما ہوتی ہیں اور جن کی تلافی اس زائد آمدنی سے ہونی چاہئیے جو حکومت کو خوشحالی کے دور میں حاصل ہوتی ہے۔ ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں اس محفوظ کے تحت دو کروڑ نوے لاکھ روپے کے قریب رقم موجود تھی۔

محفوظ صنعتی | ایک ذخیرہ اس غرض سے بھی قائم کیا گیا کہ صنعتی کاروباروں کی مالی امداد کیجائے۔ اس کی مجموعی مقدار ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں دو کروڑ انیس لاکھ کے قریب تھی

اس ذخیرے کی ایک شاخ صنعتی ٹرسٹ فنڈ کے نام سے موسوم ہے۔ فیصلہ یہ کیا گیا تھا کہ ایک کروڑ کی رقم حیدرآباد کی صنعتوں کی مالی امانت کے لئے محفوظ کردی جائے چنانچہ اس فنڈ سے متعدد صنعتوں کو نفع پہنچا ہے۔ ایک طرف اس کے ذریعہ نئی صنعتوں کے قیام کی کوشش ہوتی ہے تو دوسری طرف قدیم صنعتوں کی دستگیری کیجاتی ہے۔ اس فنڈ میں ۱۹۴۱ء کی ابتدار میں تقریباً نوّے لاکھ روپے موجود تھے۔

عام ذخیرہ ظاہر ہے کہ حکومت سیونگس بنکوں اور سرکاری بیمے اور پراویڈنٹ فنڈ کے لئے جو رقم وصول کرتی ہے ان کے تحفظ کے لئے بھی ایک ذخیرہ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے بھی ایک عام ذخیرہ قائم کیا گیا۔ اس کے تحت ۱۹۴۱ء کی ابتدار میں پینسٹھ لاکھ روپے کی رقم موجود تھی۔

سر اکبر نے ان ذخیروں سے قطع نظر تمام اہم سرکاری محکموں کے لئے علحدہ علحدہ ذخیرے قائم کردئیے تاکہ ان سے ان کے ان غیر معمولی اخراجات کی تکمیل ہوسکے جن کی گنجائش موازنے میں نہ رکھی گئی ہو۔ ان ذخیروں کا مقصد یہ تھا کہ محکمے خاطر خواہ ترقی کرسکیں اور ان کی راہ میں مالی رخنے نہ پڑیں۔ اس ذخیرے کے تحت ۱۹۴۱ء کی ابتدار میں ایک کروڑ نوّے لاکھ کی رقم موجود تھی

سررشتہ واری سبیل بندی مالیہ سر اکبر نے یہ محسوس کیا کہ سالانہ موازنے کے طریقے کے تحت ہر سال کے اختتام پر چونکہ مختلف محکموں کی گنجائش سوخت ہوجاتی اس لئے وہ کوشش یہ کرتے کہ کسی طرح جلد سے جلد اپنی مکمل گنجائش سے استفادہ کرلیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مختلف محکمے ترقی کے طویل المدت منصوبوں کو روبعمل لانے کی کوشش نہ کرتے بلکہ اس کے برخلاف ان کے طرزِ کار کی آخری غایت یہ ہوتی کہ کسی طرح اپنی ساری رقم صرف کردیں قطع نظر اس سے کہ اس رقم کا استعمال مناسب طور پر ہو یا نامناسب طور پر۔ چنانچہ سر اکبر نے ان نقائص کو دور کرنے کے لئے مالیات حیدرآباد

میں ایک جدید طریقے کی ابتدا کی جو سررشتہ داری سبیل بندی ایس کے لقب سے مشہور ہے غرض ۱۹۲۲ء اس لئے بھی حیدرآباد کی تاریخ مالیات میں نمایاں اہمیت رکھتا ہے کہ اسی سال سررشتہ داری سبیل بندی کا طریقہ اختیار کیا گیا قبل اس کے کہ ہم اس طریقہ پر تبصرہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود سر اکبر کے الفاظ میں اس اسکیم کی تفصیلات پیش کردیں -

"میں معمولی سرکاری ابواب آمد و خرچ میں سے خالص عارضی ابواب اور خصوصاً ان ابواب کو جن کا شمار اصلی خرچ سرکاری میں نہ سمجھنا چاہیئے علحدہ دکھانے کی کوشش کرونگا۔ مثلاً سرمایۂ محفوظ کے تمسکات جیسے کہ سرکار عظمت مدار کے پرامیسری نوٹ ہیں کہ انکی فروخت سے جو آمدنی ہوتی ہے اس کے شامل کرنے سے روشن سلک میں بظاہر ایک معتدبہ اضافہ نظر آتا ہے لیکن یہ اضافہ فی الحقیقت سرمایۂ محفوظ کی کمی کا نتیجہ ہوتا ہے پس اس سے محاصل سرکاری کے اندازہ کی صحیح شکل میں فرق آجاتا ہے اس طرح سکہ عثمانیہ کی تسکیک سے جو منافع ہوتا ہے اور جو سابق میں محفوظ کلدار کے نام سے ایک جدا سرمایۂ محفوظ سمجھا جاتا تھا تو ایسے منافع پر ایک باقاعدہ ذریعہ آمدنی کی طرح حصر نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس لئے وہ حسابات میں بطور معمولی ابواب آمدنی کے نہیں دکھایا جاسکتا۔ دوسری جانب قحط کے جملہ اخراجات کو درآنحالیکہ قحط ایک دوری واقعہ ہے جس کا کسی نہ کسی سال آنا ضروری ہے صرف ایسے سال کے مجموعی مخارج کا حصہ سمجھنا جس میں قحط فی الواقع آیا ہو متعلقہ سال کے خرچ میں ایک مبالغہ شدید کی صورت پیدا کردیتا ہے۔"

سررشتہ داری انتظام مالیہ

سررشتہ فینانس میں جن مسائل پر سال آئندہ میں مجھے غور و فکر کرنے کا خیال ہے ان میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مدات محاصل و مخارج کی جو تقسیم چلی آتی ہے اس پر نظرثانی اس طور سے ہو کہ ہر ایک مد اپنے صحیح و مناسب موقع پر نظر آئے اور مختلف سرمایہ جات محفوظ اپنے ذرائع وصول یا اغراض مصارف کے لحاظ سے جن کی بناء پر وہ قائم کئے گئے ہیں علحدہ علحدہ نامزد کئے جائیں۔ اس نظرثانی کی ایک غایت یہ

بھی ہوگی کہ اخراجات کی غرض سے سرکار ابد قرار کے مالیہ کی تقسیم سررشتہ وار کردی جائے جس کو میں سررشتہ داری انتظام مالیہ کے نام سے موسوم کرسکتا ہوں۔

سر جان سٹریچی کی ایک تحریر سے جس کو میں ذیل میں نقل کرتا ہوں ظاہر ہوگا کہ سرکار عظمت مدار کے مالیہ کا انتظام جس وقت تک صوبہ واری نہیں ہوا تھا اس وقت تک برٹش انڈیا کے خزانہ عامرہ سے اس صوبہ کو زیادہ روپیہ نہ ملتا تھا جو سب سے زیادہ مستحق ہوتا تھا بلکہ اس کو سب سے زیادہ روپیہ ملتا تھا جو شور مچانے میں سب سے بڑھ کر ہوتا تھا۔

"لوکل گورنمنٹوں کے پاس کوئی ذریعہ اس علم کا نہ تھا کہ وہ کس پیمانہ سے اندازہ کر کے گورنمنٹ ہند سے اپنے سالانہ مطالبات کریں۔ جس خزانہ سے وہ روپیہ حاصل کرتے تھے اس کی دولت کو لازوال سمجھتے تھے محض اس وجہ سے کہ اصل حال سے ناواقف تھے ہر طرف ان کو کسی نہ کسی بات میں ترقی پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی اور ان کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی جو قابل تسلیم بھی تھی کہ اپنے صوبہ اور صوبہ کے باشندوں کے لئے ایسی کثیر سے کثیر رقمیں حاصل کریں جن پر حکومت ہند کو وہ ملک کے مالیہ سے دینے پر آمادہ کرسکیں۔ اس کو تجربہ سے یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ جس قدر کم کفایت شعاری سے کام لیں گے اور جس قدر زیادہ تقاضے اپنے مطالبات کی بابت کریں گے اسی قدر گورنمنٹ ہند کو اپنے مطالبات کی ضرورت ثابت کرنے پر آمادہ کردیں گے۔

"اگر برٹش انڈیا کے صوبوں کی اس تمثیل کو ریاست ہذا کے سررشتہ پر عاید کیا جاوے یعنی جو سررشتہ زیادہ شور کرے اس کو زیادہ رقم مل جائے تو اس اصول کے برتنے میں اب سے دس پانچ برس پہلے البتہ عملی مشکلات پیش نہ آسکتی تھیں کیونکہ اس زمانہ میں پانچ یا چھ کروڑ کے کل ملنے میں سے کروڑ ڈیڑھ کروڑ کی بچت ہو جانی ایک معمولی بات تھی لیکن اب ایسا ممکن نہیں چنانچہ میں سنہ ۱۳۳۱ ف کے اعداد موازنہ کی تفصیل دکھاؤں گا کہ گو سنین ماضیہ کے مقابلہ میں یہ موازنہ جہاں تک مرتب ہوا ہے زیادہ ترین محاصل کا موازنہ ہے لیکن پھر بھی وہ اخراجات

کے لئے جن کی ادائی سرکار نے اپنے ذمہ پہلے سے قریب قریب لازم کرلی ہے محض کفایت کرنے کی حد سے زیادہ نہیں۔ پس آئندہ اختیار کرنے کے لئے جو اصول اس وقت میرے ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ چند سال کے لئے ہر سررشتہ کے واسطے ایک مجموعی سالانہ رقم منظور فرمائی جائے اور ہر ایسے سررشتہ کو اس مجموعی رقم کے اندر صرف کا ایک بڑی حد تک پورا اختیار بہ پابندی ایسی عام قیود کے دیا جاوے جو غیر ضروری وسعت اختیارات اور نامناسب نظائر پیدا کرنے کی مانع ہوں نیز اس کے حسابات ایک موثر اور بالاستیعاب تنقیح کے تابع کردئے جائیں سررشتہ جات پر لازم ہوگا کہ جو اصلاحیں وہ کرنا چاہیں اپنی گنجائش کے اندر کریں۔ اگر کسی سررشتہ کو سرمایہ پر رقم لگانے کی تحریک کرنی ہو تو اس پر لازم ہوگا کہ جس رقم کو سرمایہ پر لگانا چاہتا ہے اگر اس کا منافعہ اس سود سے کم ہوتا ہو جو سرکار عالی کو ایسی رقم کے مہیا کرنے کے لئے دینا پڑے تو سود کی اس کمی کا تکملہ اپنی گنجائش سے کرے محاصل سرکار ابد قرار کو اس طرح سررشتہ وار تقسیم کرنے اور ہر سال ایسے واقعات کے لئے ایک گنجائش محفوظ کرنے کے بعد جن کا قحط کے مثل اتفاقیہ دورہ میں کسی نہ کسی وقت آنا ناگزیر ہے اگر کوئی فاضل رقم بچ رہے تو پھر اس کے بارے میں رائے دینا کہ وہ کس طرح مفید طور پر تقسیم ہوسکتی ہے۔ سررشتہ فینانس کا ایک مسرت آمیز فرض ہوگا۔ لیکن عموماً اس بچت پر اس سررشتہ کا حق مرجح ہوگا جو اس کے پیدا ہونے کا موجب ہوا اس کے بعد ان وسعت پذیر سررشتہ جات کا حق ہوگا جیسے کہ تعلیمات۔ حفظان صحت۔ تجارت صنعت و حرفت۔ توسیع ذرائع آمد و رفت اور آبپاشی ہیں جو رعایا کی ذہنی جسمانی اور معاشی نشو و نما کا باعث ہوسکتے ہیں لیکن جب تک ایسی بچت فی الواقع خزانۂ سرکاری میں داخل نہ ہوجائے اور صدر المہام صاحبان علاقہ جات پر بھروسہ کیا جائیگا کہ مدت مقررہ کے لئے جو گنجائش معین کی گئی ہے سالانہ اخراجات ان کے اندر ہی رہیں"۔

اسکیم ۱۳۳۱ف میں منظور فرمائی گئی تھی اور جو قواعد معزز باب حکومت سرکار عالی نے منظور فرمائے تھے انکی موجودہ صورت بشمول ترمیمات مابعد حسب ذیل ہے۔

ف ۱- ہر سررشتہ کے لئے جو گنجایش رکھی جائے گی وہ آغاز ۱۳۳۲ ف سے تین سال کے لئے بدیں شرط مقرر کیجائے گی کہ

(الف) نامساعد حالات (مثلاً قحط یا شدید گرانی) رونما ہو تو یہ لائق تخفیف ہونگے۔

(ب) اگر ختم سال پر معمولی آمدنی میں کچھ بیشی ہوگی تو زائد رقم مختلف سررشتوں میں اس طریق سے جس طرح کہ سرکار عالی تصفیہ فرمائے زائد گنجائش کے طور پر تقسیم کردی جائے گی۔

شعبہ خانہ و سررشتہ جات انتظامی مندرجہ زمرہ (د)	ف ۲- جن سررشتہ جات خرچ کی صراحت حاشیہ میں کیگئی ہے ان میں سے ہر ایک سررشتہ کو اس کی معمولی گنجایش کے علاوہ اس رقم کے صرف کرنے کا بھی حق حاصل ہوگا جو اس کی آمدنی

کی بیشی اور کسی ایسی فیس یا محصول وغیرہ سے وصول ہو جو بطور معاوضہ اس سررشتہ کی انجام دہی کار کے لئے عاید کیا گیا ہو۔

ف ۳- کسی سررشتہ کو خاص صورتوں میں اس کے اخراجات کے لئے بطور پیشگی رقم اس وقت دیجا سکے گی جبکہ سرکار کو اس کا اطمینان ہو جائے گا کہ رقوم مصارف کی تلافی سررشتۂ مذکور کی آمدنی کی بیشی سے ہو سکیگی۔

ف ۴- تجارتی و مثل تجارتی سررشتہ جات مندرجہ حاشیہ میں سے ہر ایک سررشتہ کے اختیار میں مندرجہ ذیل رقوم رہینگی۔

طباعت - برقی - ٹیلیفون - صنعتی کاروبار - صناع مجلس - اسٹیشنری ڈپو -

(الف) خالص رقوم مندرجہ موازنہ بابتہ سررشتہ متعلقہ اگر کوئی مقرر ہوئی ہو۔

(ب) اور آمدنی محصلہ سررشتہ متعلق جس سے اس کو

(۱) کل اخراجات کاروبار صرف کرنے ہونگے۔

(۲) فرسودگی کی بابت مناسب رقم مہیا کرنی ہوگی -

(۳) سرکار کو (۵) فیصدی کے حساب سے کل سرمایہ پر سود ادا کرنا ہوگا باقی رقم

میں سے سررشتہ اپنی حالت کے لحاظ سے جو نفع برآمد ہو داخل سرکار کرے گا۔

ف۔ سرخرچ کی رقم گنجایش موازنہ کے تابع ہوگی زائد از موازنہ خرچ قاعدہ (۳) کی صورت میں یا اس صورت میں جائز ہوگا جب کہ سررشتۂ متعلقہ کی سلک میں اس قدر رقم فاضل سال ماسبق کے حساب سے برآمد ہو کر موجود ہوگی۔ جو اخراجات فرمان خسروی کا بلا تحریک سررشتہ عاید ہوں گے ان کا بار سررشتہ متعلقہ کی بچت پر پڑے گا لیکن اگر سابقہ مسلزمات کی پابجائی کے بعد بچت سررشتہ میں کافی گنجائش نہ ہو تو سررشتہ کو اسی قدر رقم معتادی گنجائش کے علاوہ زائد از موازنہ دیجائے گی۔

ف۶۔ جو اخراجات بطور فیصدی اور ایکیل کے آمدنی محصلہ پر حسب قواعد ادا کئے جاتے ہیں وہ اور نیز وصولات زائد کی واپسی و وضعات اور معافیات گنجائش موازنہ کے تابع نہ ہونگے۔

ف۷۔ سررشتہ داری رقوم موازنہ میں سے جو بچت ہوگی وہ بدوران سنین مقررہ سررشتۂ متعلقہ کے حساب میں باغراض مصارف جمع رہے گی اور تیسرے سال کے آخر پر جو بچت رہے گی اس کا نصف حصہ دوسری قرارداد کے آغاز پر بطور سالک بھی سررشتہ قائم رہے گی لیکن جو بچت مدات ذیل میں بذریعہ تخفیف ظہور میں آئے گی وہ بحق سرکار جمع ہوگی۔

(۱) مناصب و ماہوارات خاص
(۲) یومیہ جات و معمولات (غیر مشروط الخدمت)
(۳) رسوم
(۴) تخفیف جمعیت بے قاعدہ
(۵) تحریر سررشتہ داران فوج
(۶) تمام ماہوارات بلا خدمت

(۸) - جو مصارف سرمایہ (کیپیٹل اکسپنڈیچر) کسی سررشتہ کے لئے منظور ہو چکے ہیں اس سے زائد مصارف سرمایہ کی درخواست اگر سررشتہ مذکور کرے تو سررشتہ مذکور کو کل مصارف سرمایہ بر شمول قدیم و جدید مصارف سرمایہ جس کی درخواست کیگئی ہے پانچ فیصدی کے حساب سے سود ادا کرنے کی گنجایش بھی اپنی رقم معینہ کے اندر یعنی اپنی آمدنی سے رکھنا پڑے گی - یہ سررشتہ کی خام آمدنی پر پہلا بار ہوگا -

(۹) - اخراجات متعلقہ مشاہرہ الونس، صادر اور ابواب مختصہ نافذ الوقت قانون و قواعد اور اسکیلوں کے پابند ہوں گے -

(۱۰) - سررشتہ جات کو اپنی معینہ رقوم کے متعلق صادر اور مصارف خاص ابواب مختصہ کے ابواب میں بجز ان ابواب کے جن کا ذکر قاعدہ (۶) میں کیا گیا ہے باہم دیگر تبدیل کرنے کا پورا اختیار حاصل رہے گا ان کو صادر اور ابواب مختصہ سے بھتہ اور اخراجات دورہ میں رقم منتقل کرنے کا اختیار بھی ہوگا -

(۱۱) - جائدادوں کے مامور ہونے کے باعث جو بچت تنخواہوں اور پرسنل الونسوں کے متعلق ہوگی اس کو مستقل جائدادوں کے قائم کرنے کے کام میں نہیں لایا جا سکیگا لیکن وہ بچت اس کام آسکیگی کہ اس سے بقایا تنخواہ یا ہنگامی خدمت کی تنخواہیں جن کی مقدار بچت کی رقم سے بڑھ کر نہ ہو ادا کیجائے - عملہ کی تعداد کا جو معیار ہر سررشتہ کے متعلق سرکار عالی نے سیالر یز کمیشن کی تحریک پر مقرر فرمایا ہے اس کے اندر مستقل تخفیف عمل میں لانے سے جو بچت ہو اس کو جدید تقررات اضافہ صادر خاص اخراجات اور سررشتہ متعلقہ کی دوسری اصلاحات پر صرف کیا جا سکیگا -

(۱۲) - بھتہ و اخراجات دورہ کے لئے جو رقم دیگئی ہے نیز جو گنجایش کارہائے جنگلات عمارات و شوارع آبپاشی اور ترقیات عامہ کے لئے رکھی گئی ہے اور مرمت و تعمیر کے لئے جو رقم ہر سررشتہ کے اختیار میں دیگئی ہے اس کو مشاہرہ یا صادر پر بجز صریح

منظوری سررشتہ فینانس کے جو صرف بجٹ ہی خاص صورتوں میں دیجائے گی زر صرف نہیں کیا جا سکیگا۔

غرض اس طریقے کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ اس کے تحت بجائے ایک سال کے تین برس کی اساس پر مختلف محکموں کی گنجائش کا تعین ہوتا یعنی ہر سہ سالہ مدت کے لئے پہلے سے اس آمدنی کے بارے میں پیش قیاسی کر لی جاتی جس کی معمولی حالات میں حاصل ہونے کی توقع تھی اور اس اندازے کے پیش نظر نیز دوسرے محکموں سے مشورے کے بعد ہر سررشتہ کے لئے تین سال کی حد تک سالانہ رقم کا تعین کر دیا جاتا ہے۔ اس سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ پیش قیاسی میں نہایت احتیاط و سختی برتی جاتی ہے بلکہ آمدنیوں میں کمی و بیشی کے پہلو بہ پہلو مختلف محکموں کی ضروریات اور ترقی کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے سہ سالہ مدت کے اختتام پر جو محکمہ واری بچتیں ہوتیں انہیں مختلف محکموں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ اس طرح جو بچتیں حاصل ہوتیں ان سے ایسے امور کے لئے گنجائش فراہم کیجاتی جو ایک معینہ مدت میں مکمل ہو سکتے ہیں اور جن پر مصارف غیر متوالی ہوتے ہیں مثلاً سڑکیں وغیرہ۔
اس کے ساتھ ساتھ اخراجات کے لئے جو لازمی طور پر چند برس کے بعد لاحق ہوتے ہیں مثلاً قحط کے لئے ہر سال رقم محفوظ کر دی جاتی ہے تاکہ جس سال قحط نمودار ہو اس سال کا موازنہ بہت زیادہ متاثر نہ ہو اور تعمیری سرگرمیوں میں رخنہ نہ پڑے۔

اس مالی اصلاح کا ایک روشن پہلو یہ بھی تھا کہ اس طرح مختلف محکمے سوچ بچار کے بعد اور دور اندیشی سے اپنی گنجائش سے استفادہ کر سکتے تھے جس کے باعث کفایت ہوئی جلد بازی سے خرچ نہیں کیا جاتا جیسا کہ اگر گنجائش قابل سوخت ہو تو سال کے اختتام سے ذرا قبل عام طور سے ہوتا ہے۔

سررشتہ واری سبیل بندی مالیہ کا طریقہ سنہ ۱۹۲۲ء میں اختیار کیا گیا اور یہ مسلسل بیس برس تک کسی خاص تغیر کے جاری رہا۔ باوجود اس کے کہ محکمہ فینانس کو مختلف محکموں

کی گنجایش میں تخفیف کرنے کا استحقاق ہوتا۔ لیکن بیس برس کے عرصے میں کبھی اس کی نوبت نہ آئی کہ محکمہ فینانس اپنے اس اختیار کو استعمال کرتا بلکہ اس کے برخلاف اگر ضرورت محسوس کیگئی تو محکموں کے لئے مزید گنجایش فراہم کردیگئی۔

مختصر یہ کہ اس طریقے کے تین مقاصد تھے۔ اول تو یہ کہ ہر محکمے کی رقم کا تعین تین برس کے لئے کردیا جائے دوسرے ان محکموں کو رقم کے استعمال میں بشتر ین آزادی دیجائے تیسرے یہ کہ سختی سے حسابات کی جانچ ہوتی رہے اور فضول خرچی نہ ہو۔ اس طریقے کے تحت محکموں کو اجازت ہوتی کہ پہلے دو برس میں اپنی ساری بچتوں سے استفادہ کریں جو فاضل بچت باقی رہتی وہ کالعدم ہوجاتی جسے آئندہ سال مختلف محکموں کی ضروریات کے پیش نظر تقسیم کردیا جاتا۔[1]

مالیات حیدرآباد محکمہ داری سیل بندی مالیہ کے نفاذ سے کساد بازاری کی ابتدا تک

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۲ء یعنی محکمہ واری سیل بندی کے نفاذ اور ۱۹۲۹ء یعنی کساد بازاری کے آغاز سے قبل مالیات حیدرآباد پر نظر دوڑالی جائے تاکہ ان مالی اصلاحات کے نتائج واضح ہوسکیں جو سر اکبر اپنے تقرر کے بعد روبہ عمل لائے تھے۔

مالی اعتبار سے فی الحقیقت ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۹ء کا دور نہایت ساز گار ثابت ہوا۔ حکومت کے موازنے میں مسلسل بچت ہوتی رہی جسے مناسب اور منفعت بخش امور پر صرف کیا گیا۔

محکمہ واری سیل بندی مالیہ کے تحت پہلی سہ سالہ مدت یعنی ۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۵ء میں دو کروڑ تیئس لاکھ روپے کی مجموعی بچت ہوتی۔ اس بچت میں سے ایک کروڑ تیس لاکھ

[1] اس طریقے میں تجربے سے کیا نقائص ظاہر ہوئے اور کن وجوہ کی بنا پر اسے مسلسل بیس برس تک قائم رکھنے کے بعد ۱۹۴۳ء میں ترک کردیا گیا اس پر آگے چلکر بحث کی گئی ہے۔

روپے کی رقم ریلوں کی خریدی کے لئے اور ساڑھے اٹھارہ لاکھ روپے کی رقم انسداد قحط کے لئے محفوظ کردی گئی اس کے علاوہ سڑکوں کی تعمیر، انتظامات آبرسانی۔ شفاخانہ عثمانیہ محکمہ علاج مویشیان اور دارالترجمہ پر بھی رقوم صرف کیگئیں۔

سنہ ۱۹۳۲ء تا سنہ ۱۹۳۵ء کی سہ سالہ مدت میں بحیثیت مجموعی چار کروڑ اٹھارہ لاکھ کی بچت ہوئی۔ اس میں ۱۹ لاکھ روپے ریلوں کی خریدی کے ذخیرہ میں محفوظ کئے گئے اور ایک کروڑ ۲۶ لاکھ روپے مختلف عمارتوں مثلاً جامعہ عثمانیہ اور معتمدی کے لئے رکھے گئے۔ اس کے علاوہ سڑکوں کی تعمیر کے لئے ۸۰ لاکھ روپے، کارہائے بلدیہ یعنی اضلاع و شہر میں انتظامات آبرسانی کے لئے ۷۰ لاکھ روپے عام تعلیم کے لئے ۶۵ لاکھ روپے طبابت کے لئے ۲ لاکھ روپے صنعتوں کے لئے ۱۰٫۵ لاکھ روپے زراعت کے لئے ۲٫۷۵ لاکھ روپے اور علاج حیوانات کے لئے ۳ لاکھ روپے محفوظ کئے گئے۔

مدات آمدنی کا تقابلی جدول[1]

	سنہ ۱۹۲۳ء	سنہ ۱۹۲۹ء
مالگزاری	۳۰۲٫۵۰	۳۴۱٫۹۴
کروڑگیری	۱۲۹٫۶۹	۱۵۷٫۱۳
آبکاری	۱۴۱٫۰۱	۱۶۳٫۷۶
افیون	۱۰٫۲۸	۱۵٫۲۸
جنگلات	۵٫۱۳	۱۵٫۴۱
سود	۵۰٫۵۱	۵۲٫۳۷
دارالضرب۔ زر کاغذی و مبادلہ	۵٫۵۸	۱۸٫۴۷

[1] اس جدول میں صرف ان ہی مدات کو درج کیا گیا ہے جو خاص طور پر اہم ہیں یا جن میں نمایاں تغیر ہوا ہے۔

ریلیں	۱،۷۲	۴۷،۵۷
مجموعی آمدنی	۷۱۱،۲۴	۹۴۱،۸۸

آمدنی کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۲ء اور سنہ ۱۹۲۹ء کے درمیانی عرصے میں حکومت کی مجموعی آمدنی بہت زیادہ بڑھ گئی یعنی اس عرصے میں حکومت کی آمدنی میں سوا دو کروڑ روپے سے بھی زائد اضافہ ہوا۔ یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سنہ ۱۹۲۹ء کی آمدنی اتنی بلند سطح پر پہنچ گئی تھی جس کی مثال سنہ ۱۹۳۷ء کو مستثنیٰ کرتے ہوئے موجودہ جنگ کی ابتدا تک حیدرآباد کی مالی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آمدنی میں اس غیر معمولی اضافے کا سبب یہ تھا کہ کم وبیش اہم مدات سے آمدنی میں اضافہ ہوگیا تھا۔

اس عرصے میں مالگزاری کی آمدنی میں تقریباً چالیس لاکھ روپے سالانہ کا اضافہ ہوا تھا جس کا سبب سازگار موسمی حالات تھے۔ اسی طرح کروڑگیری اور آبکاری کی آمدنی نمایاں طور پر بڑھ گئی تھی۔ اول الذکر میں اضافے کا سبب یہ تھا کہ محصول برآمد اور محصول درآمد دونوں سے آمدنی بڑھ گئی تھی اور موخرالذکر کی آمدنی سیندھی کی فروخت میں اضافہ کے باعث بڑھی تھی۔

سود کی آمدنی بھی روبہ ترقی رہتی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ سرکاری امانتوں اور شغل اصل میں مسلسل اضافہ ہوا تھا۔ لین دین کے اضافے اور کاروباری سرگرمی کے باعث ریلوں کی آمدنی بھی بڑھ گئی تھی۔

مدات اخراجات کا تقابلی جدول[1]

	سنہ ۱۹۲۲ء	سنہ ۱۹۲۹ء
مالگزاری	۶۷،۶۷	۷۸،۸۹

[1] اس جدول میں صرف ان ہی مدات کو شریک کیا گیا ہے جو خاص طور پر اہم ہیں یا جن میں نمایاں تغیر ہوا ہے۔

عدالتیں	۱۹٫۷۱	۱۹٫۰۴
پولیس	۵۷٫۴۴	۵۸٫۹۸
تعلیم	۶۵٫۱۱	۷۱٫۷۷
طبابت	۱۵٫۶۳	۱۸٫۸۱
عام نظم ونسق	۳۵٫۲۶	۳۶٫۷۴
افواج	۶۲٫۳۵	۶۴٫۸۹
تعمیرات	۵۹٫۸۶	۱۱۰٫۱۶
سود	۱۴٫۸۶	۲۱٫۹۴
ادائی قرض	۱۰٫	۱۰٫۰۰
مجموعی اخراجات	۶۶۸٫۸۲	۷۶۳٫۹۰

مندرجہ بالا تقابلی اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعی اخراجات میں تقریباً ایک کروڑ روپے سالانہ کا اضافہ ہوگیا تھا۔ لیکن یہ اضافہ آمدنی کے مجموعی اضافے کا نصف بھی نہ تھا۔

سوائے سود اور تعمیرات کے تمام اہم مدات پر اخراجات کم وبیش یکساں رہے تھے تعمیرات پر سالانہ مصارف دو گنے اور سود پر ڈیڑھ گنے ہو گئے تھے۔

مالیات حیدرآباد کساد بازاری کے دوران میں گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمے اور موجودہ جنگ کی ابتداء کے درمیانی عرصے میں دنیا ایک مکمل تجارتی چکر سے گذری جس میں توسیع روزگار یعنی گرم بازاری کساد بازاری اور بحران تینوں منازل موجود تھے گذشتہ جنگ کے اختتام کے بعد سنہ ۱۹۲۱ء تک گرم بازاری کے حالات برقرار رہے اس کے بعد سرد بازاری کی کیفیت شروع ہوئی جو سنہ ۱۹۲۴ء تک قائم رہی سنہ ۱۹۲۵ء میں حالات کا رخ تبدیل ہوگیا اور سنہ ۱۹۲۹ء تک کم وبیش ہر ملک میں پیدائش اور روزگار کی سطح

بہت بلند رہی لیکن اس کے بعد کے پانچ سال سنہ ۱۹۳۰ء سے سنہ ۱۹۳۴ء تک بحران و شدید کسا بازاری کی کیفیت رہی۔

ہندوستان میں بھی تقریباً حالات یہی رہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء تا سنہ ۱۹۳۴ء معاشی زندگی پر کساد بازاری کے اثرات رونما ہوتے رہے۔

ظاہر ہے کہ کساد بازاری چونکہ قیمتوں، پیدائش اور روزگار وغیرہ کو نمایاں طور پر متاثر کرتی ہے اس لئے مالیات سے اس کا قریبی رشتہ ہے۔ گذشتہ کساد بازاری کے دوران میں تقریباً ہر ملک کا مالیہ غیر متوازن ہو گیا تھا۔ آمدنی میں نمایاں تخفیف ہوئی تھی اور اخراجات اس تناسب سے نہیں گھٹے تھے جس کے باعث مالئے غیر متوازن ہو گئے تھے اس کی تلافی کے لئے ایک طرف آمدنی میں تخفیف کی کوشش کی گئی تو دوسری جانب حکومت نے تخفیف اخراجات کے مسلک پر عمل کیا تھا جس کے باعث معاشی زندگی متاثر ہوئی تھی۔

چنانچہ کساد بازاری کی تقریباً پانچ سالہ مدت سنہ ۱۹۳۰ء تا سنہ ۱۹۳۴ء میں مالیات حیدرآباد کی کیا کیفیت رہی اس مسئلہ پر ہم نے آئندہ صفحات میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

حیدرآباد کے مالیہ پر کساد بازاری کے اثرات سنہ ۱۹۳۰ء میں ظاہر ہوئے جب کہ آمدنی میں نوے لاکھ سے زائد تخفیف ہو گئی اور اخراجات میں تقریباً چالیس لاکھ روپے کا اضافہ ہوا۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں کساد بازاری نے حیدرآباد کے مالئے کو زیادہ شدید طور پر متاثر کیا یعنی سابقہ سال کی نسبت مجموعی آمدنی میں تو تقریباً نوے لاکھ روپے کی کمی ہوئی لیکن اخراجات بیس لاکھ کے قریب بڑھ گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موازنے میں ۶۷٫۳۰ لاکھ روپے کا خسارہ پیدا ہو گیا جس کی تلافی سابقہ بچتوں اور قحط و صنعتی مدات محفوظ کے ذریعے سے کی گئی۔

سنہ ۱۹۳۲ء میں گذشتہ سال کی نسبت آمدنی میں ۵۱٫۴۹ لاکھ کا اضافہ ہوا لیکن یہ

اضافہ اس کا ثبوت نہ تھا کہ حالات روبہ اصلاح ہو چکے بلکہ یہ تمام تر نتیجہ تھا ان رقوم کا جو سالہائے گذشتہ کے اختتام پر محکموں کے استعمال کے لئے کالعدم قرار دی گئی تھیں۔ مجموعی آمدنی میں اس اضافہ کے ساتھ ساتھ اس سال مجموعی اخراجات میں بھی تقریباً ۴۶ لاکھ کا اضافہ ہو گیا اس طرح خسارہ کی مجموعی مقدار (۶۱۰۳۸؍) لاکھ روپے ہو گئی۔

سنہ ۱۹۳۳ء میں سابقہ سال کے مقابلہ میں حکومت کی مجموعی آمدنی میں تقریباً ۱۲ لاکھ روپے کی تخفیف ہوئی لیکن اس کے پہلو بہ پہلو مجموعی اخراجات بھی اکیس لاکھ کے قریب گھٹ گئے۔ چنانچہ اس سال (۶۸۰۶۱) لاکھ روپے کا خسارہ ہوا۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں گذشتہ سال کی نسبت حکومت کی مجموعی آمدنی گیارہ لاکھ کے قریب کم ہو گئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اخراجات میں تقریباً چودہ لاکھ روپے کی تخفیف ہوئی۔ اس طرح بحیثیت مجموعی چھیالیس لاکھ روپے کا خسارہ ہوا۔

کساد بازاری کے دور یعنی سنہ ۱۹۳۰ء تا سنہ ۱۹۳۴ء میں مالیات حیدرآباد پر اگر بحیثیت مجموعی نظر دوڑائی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۳۰ء سے کساد بازاری کے اثرات حیدرآباد کے مالیہ پر رونما ہوئے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں حیدرآباد کو مالی اعتبار سے بدترین حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں آمدنی میں خفیف سا اضافہ ہوا لیکن اخراجات کے اضافے کی رفتار اس سے بھی زیادہ تیز ثابت ہوئی۔ سنہ ۱۹۳۳ء اور سنہ ۱۹۳۴ء میں مجموعی آمدنی برابر روبہ تخفیف رہی۔ لیکن اخراجات میں اس سے بھی زیادہ سرعت سے کمی ہوتی گئی۔ دوسرے الفاظ میں سنہ ۱۹۳۱ء کے بعد سے سنہ ۱۹۳۴ء تک ہر سال حیدرآباد کے مالیہ میں خسارہ کی مقدار سابقہ سال کی نسبت کم ہوتی گئی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کساد بازاری کے دور میں اہم مدات آمدنی پر بھی نظر دوڑائی جائے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کساد بازاری نے کن مدات کو زیادہ متاثر کیا اور کن کو نسبتاً کم

کساد بازاری کے دوران میں آمدنی کا تقابلی جدول

	سنہ ۱۹۲۹ء	سنہ ۱۹۳۰ء	سنہ ۱۹۳۱ء	سنہ ۱۹۳۲ء	سنہ ۱۹۳۳ء	سنہ ۱۹۳۴ء
مالگزاری	۲۴۱/۹۳	۳۰۲/۰۲	۳۰۰/۲۵	۳۰۹/۲	۳۰۵/۴	۳۰۴/۰۵
کروڑگیری	۱۵۷/۱۳	۱۵۷/۵۸	۱۰۴/۴۷	۸۴/۶	۱۰۱/۵	۱۰۰/۲
آبکاری	۱۶۳/۷۶	۱۵۹/۴۰	۱۴۵/۷۲	۱۵۴/۰۰	۱۵۸/۴	۱۶۷/۰۷
افیون	۱۵/۲۸	۱۵/۳۷	۱۳/۳۶	۱۲/۸	۱۳/۲	۱۶/۳
جنگلات	۱۲/۸۵	۱۵/۴۱	۱۲/۸۲	۱۱/۴	۱۱/۸	۱۳/۱
سود	۵۲/۳۴	۵۵/۹۳	۵۸/۹۴	۵۱/۱	۷۳/۵	۴۳/۸
دارالضرب زر کاغذی مبادلہ	۱۸/۳۷	۱۶/۹۶	۲۱/۴۹	۱۸/۴۵	۲۱/۶۸	۱۹/۳
ریلیں	۴۷/۵۷	۴۵/۷۲	۲۹/۹۶	۴۵/۲	۲۸/۱	۴۶/۰۸
مجموعی آمدنی	۹۴۱/۸۸	۸۵۱/۸۲	۷۶۲/۳۳	۸۱۳/۸۲	۸۰۶/۱۸	۷۹۵/۲۷

آمدنی کے تقابلی اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالگزاری کی آمدنی میں شدید ترین تخفیف سنہ ۱۹۳۰ء میں ہوئی۔ لیکن اس کے بعد چار برس میں اس کی مقدار کم و بیش یکساں رہی۔

کروڑگیری کی آمدنی مالگزاری کے برخلاف سنہ ۱۹۳۰ء میں زیادہ متاثر نہیں ہوئی بلکہ اس میں خفیف سا اضافہ ہوا۔ البتہ سنہ ۱۹۳۱ء میں کروڑگیری کی آمدنی ۵۳ لاکھ روپے گھٹ گئی۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں اس میں بیس لاکھ کی مزید تخفیف ہوئی۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں کروڑگیری کی آمدنی میں اضافہ ہوا اور وہ تقریباً سنہ ۱۹۳۱ء کے معیار پر آگئی۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں کم و بیش اس کی یہی کیفیت رہی۔ کروڑگیری کی آمدنی میں تخفیف عام ادنیٰ قیمتوں کے علاوہ اس لئے بھی ہوئی کہ

لہ ہندوستان یا حیدرآباد کی حد تک سنہ ۱۹۲۹ء کو کساد بازاری کے دور میں شمار کرنا صحیح نہیں اسے اس جدول میں محض اس لئے شریک کر لیا گیا ہے کہ مختلف مدات آمدنی کے اتار چڑھاؤ کی بخوبی وضاحت ہو سکے۔

زرعی اجناس کا محصول برآمد کم کر دیا گیا تھا۔

آبکاری کی آمدنی کو کساد بازاری زیادہ متاثر نہ کر سکی چنانچہ سنہ ۱۹۳۱ء میں بھی جو آبکاری کے اعتبار سے کساد بازاری کا بدترین سال ثابت ہوا اس کی آمدنی میں سنہ ۱۹۲۹ء یعنی معمولی حالات کی نسبت صرف اٹھارہ لاکھ کی تخفیف ہوئی۔

کساد بازاری کے ابتدائی چار سال میں سود کی آمدنی متاثر نہیں ہوئی البتہ سنہ ۱۹۳۴ء میں اس کی آمدنی میں تخفیف ہوئی جس کا سبب یہ تھا کہ اس سال حکومت ہند نے اپنے قرض کی شرح سود کو کم کر دیا[1]۔

ریلوں کی آمدنی میں سنہ ۱۹۳۱ء میں پندرہ لاکھ کی تخفیف ہوئی جس کا بین سبب ناموافق تجارتی حالات اور سرد بازاری تھی۔

کساد بازاری کے زمانہ میں اہم مدات اخراجات کا مطالعہ اس لئے ضروری ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ کساد بازاری کے باعث اخراجات میں کس قسم کا رجحان پیدا ہو گیا تھا اور کس حد تک مالی پیچیدگیاں ملک کی تعمیری سرگرمیوں میں مزاحم ہوئی تھیں۔

کساد بازاری کے زمانہ میں اخراجات کا تقابلی جدول

	سنہ ۱۹۲۹ء[2]	سنہ ۱۹۳۰ء	سنہ ۱۹۳۱ء	سنہ ۱۹۳۲ء	سنہ ۱۹۳۳ء	سنہ ۱۹۳۴ء
مالگزاری	۷۸٫۸	۶۴٫۲	۶۸٫۶	۶۶٫۹	۶۸٫۷	۴۶۱٫۵
سود	۲۱٫۹	۲۳٫۰۶	۲۷٫۷	۲۱٫۲	۳۲٫۶	۲۰٫۴
عام نظم و نسق	۳۶٫۷	۳۹٫۰	۲۳٫۵	۴۱٫۹	۲۱٫۱	۴۱٫۶
افواج	۶۴٫۸	۶۶٫۷	۷۳٫۲	۷۵٫۹	۸۸٫۵	۸۲٫۳
عدالتیں	۱۹٫۰۰	۲۱٫۱	۲۵٫۲	۲۳٫۲	۲۲٫۵	۲۲٫۹
پولیس	۵۸٫۹	۶۱٫۱	۶۵٫۶	۶۸٫۴	۶۷٫۴	۶۸٫۰

[1] Conversion [2] ہندوستان یا حیدرآباد کی حد تک سنہ ۱۹۲۹ء کو کساد بازاری کے دور میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے لیکن اس جدول میں محض اس لئے شریک کر لیا گیا ہے کہ مختلف مدات آمدنی کے اتار چڑھاؤ کی بخوبی وضاحت ہو سکے

تعلیم	۷۱٫۷	۷۶٫۱	۸۶٫۷	۹۰٫۵	۹۸٫۲	۱۱۶٫۴
طبابت	۱۸٫۸	۲۱٫۵۲	۲۳٫۹	۲۹٫۰۰	۲۹٫۳۰	۲۸٫۸
عمارات و وسائل حمل و نقل	۱۱۰٫۱۹	۹۷٫۰۹	۸۴٫۲۷	۹۳٫۰۰	۶۹٫۴	۶۸٫۹
مجموعی اخراجات	۷۶۳٫۹۰	۸۰۱٫۹۹	۸۲۹٫۶۳	۸۷۵٫۱	۸۵۴٫۷۹	۸۴۱٫۳۶

اخراجات کے تقابلی جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ کساد بازاری کے دوران میں فوجی اخراجات مسلسل طور پر ترقی پذیر رہے تھے اس کا اندازہ اس امر سے ممکن ہے کہ ۱۹۲۹ء میں افواج پر ۶۴٫۸ لاکھ روپے سالانہ صرف کئے جا رہے تھے لیکن ۱۹۳۴ء میں یہ اخراجات بڑھ کر ۸۲٫۳ ہو گئے تھے۔ فوجی اخراجات کا یہ اضافہ اس لئے اور بھی زیادہ قابل توجہ ہے کہ کساد بازاری نے جو مالی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں ان کے باعث کفایت کی ضرورت نہایت شدید ہو گئی تھی۔

پولیس پر بھی اخراجات کساد بازاری کے دوران میں برابر بڑھتے رہے یہی کیفیت سود اور عام نظم و نسق کے اخراجات کی تھی۔

عمارات اور حمل و نقل پر اخراجات میں نہایت تیز رفتار سے مسلسل تخفیف ہوئی۔ ۱۹۲۹ء میں اس مد پر ۱۱۰٫۱۹ لاکھ روپے صرف ہو رہے تھے لیکن ۱۹۳۴ء میں اس پر صرف ۶۸٫۹ لاکھ روپے صرف ہوئے۔

تعلیم اور طبابت پر البتہ اخراجات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کساد بازاری کے دوران میں حکومت نے جو مالی مسلک اختیار کیا اس کا ایک درخشاں پہلو یہ تھا کہ تعمیری اور عوام کی فلاح و بہبود سے وابستہ محکموں پر اخراجات میں کمی کی بجائے اضافہ کیا گیا۔

مالیات حیدرآباد کساد بازاری کے بعد سے موجودہ جنگ کی ابتدا تک | ۱۹۳۵ء کے بعد سے

رفتہ رفتہ حیدرآباد کے مالیہ پر سے کساد بازاری کے اثرات زائل ہوتے گئے اور آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں محصول موٹر کار سنہ ۱۹۳۷ء میں محصول صنعت دیاسلائی اور سنہ ۱۹۳۸ء میں محصول شکر و محصول سگریٹ عاید کئے گئے سنہ ۱۹۲۷ء و سنہ ۱۹۳۵ء کی نسبت حکومت کی مجموعی آمدنی میں اسی لاکھ سے زائد اضافہ ہوا۔ لیکن اس کے بعد ناموافق موسمی حالات کے باعث حکومت کی آمدنی سنہ ۱۹۳۹ء میں کم ہوگئی۔

آمدنی کا تقابلی جدول

	سنہ ۱۹۳۵ء	سنہ ۱۹۳۹ء
مالگزاری	۳۱۲/۹۵ لاکھ	۲۹۵/۳۴ لاکھ
کروڑگیری	۹۱/۶۶	۱۱۱/۲۶
آبکاری	۱۶۷/۷۲	۱۹۸/۹۲
افیون	۱۳/۵۹	۱۳/۱۴
جنگلات	۱۲/۳۵	۱۲/۰۴
سود	۲۷/۷۹	۳۰/۵۴
دارالضرب، زرکاغذی مبادلہ	۲۱/۲۹	۲۳/۲۰
ریلیں	۱۰۹/۵۲	۱۴۱/۲۲
مجموعی آمدنی	۸۶۲/۰۱	۸۹۲/۶۴

آمدنی کے تقابلی جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۳۵ء کی نسبت سنہ ۱۹۳۹ء میں سوائے کروڑگیری اور ریلوں کے تقریباً تمام اہم مدات سے آمدنی میں تخفیف ہوگئی تھی جس کا سبب ناموافق موسمی حالات تھے البتہ کروڑگیری کی آمدنی میں تقریباً بیس لاکھ اور ریلوں کی آمدنی میں ۳۲ لاکھ کے قریب اضافہ ہوا تھا۔

اخراجات کا تقابلی جدول

	۱۹۳۵ء	۱۹۳۹ء
مالگزاری	۶۶٫۱۵	۶۵٫۴۲
سود	۴۱٫۱۴	۴۸٫۴۶
عام نظم ونسق	۴۱٫۱۵	۴۴٫۴۴
افواج	۷۹٫۰۷	۸۹٫۲۱
عدالتیں	۲۲٫۱۸	۲۴٫۰۹
پولیس	۶۷٫۴۷	۶۴٫۱۰
تعلیم	۱۰۶٫۴۱	۹۳٫۰۸
طبابت	۲۹٫۱۱	۲۰٫۷۶
عمارات و وسائل حمل ونقل	۴۰٫۹۸	۵۰٫۷۵
مجموعی اخراجات	۷۸۱٫۳۰	۸۳۴٫۸۷

اس عرصے میں اخراجات کے تقابلی اعداد کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ افواج پر مجموعی اخراجات میں نمایاں اضافہ ہو گیا تھا برخلاف اس کے تعلیم پر اخراجات زوال پذیر تھے۔

اس باب میں ہم نے گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد سے موجودہ جنگ کی ابتداً تک مالیات حیدرآباد پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی۔ موجود جنگ کے دوران میں مالیات حیدرآباد کی کیا کیفیت رہی ہے اس موضوع پر ہم کسی آئندہ باب میں بحث کریں گے

پانچواں باب

ابواب آمدنی

اس باب میں ہم مختصر طور پر حکومت حیدرآباد کی آمدنی کے مختلف ابواب پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ حیدرآباد کے اہم مدات آمدنی کے رجحانات کیا رہے ہیں نیز کون سے ابواب آمدنی کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے اور کون سی مدات آمدنی کی حیثیت زوال پذیر رہی ہے۔[1]

زیادہ صحیح اور معتبر نتائج اخذ کرنے کی غرض سے ہم نے بجائے سالانہ اعداد کے ہر پنج سالہ مدت کے اوسط اعداد کو پیش نظر رکھا ہے ان اوسط اعداد کی ابتدا ہم نے سنہ ۱۸۸۲ء یعنی نواب سالار جنگ کے دور کے خاتمے سے کی ہے۔ سنہ ۱۸۵۳ء سے سنہ ۱۸۸۲ء کے دور میں ہمیں فقط ایک ایک انفرادی سال کے اعداد پر اکتفا کرنی پڑی اس لئے کہ اول تو سال بہ سال کے اعداد مفقود ہیں دوسرے نواب سالار جنگ کے دور میں مدات آمدنی کے رجحانات پر ہم دوسرے باب میں بحث کر چکے ہیں۔

[1] اس باب میں ابواب آمدنی کے رجحانات کا تجزیہ سنہ ۱۸۵۳ء سے موجودہ جنگ کی ابتدا تک یعنی گذشتہ پچاس سال کے دوران میں کیا گیا ہے موجودہ جنگ نے مختلف مدات آمدنی کو کس طرح متاثر کیا ہے اور ان میں کس قسم کے رجحانات پیدا کر دئے ہیں اس موضوع پر آٹھویں باب میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مالگزاری ذریعہ آمدنی کی حیثیت سے مالگزاری مالیات حیدرآباد میں بیشترین اہمیت رکھتی ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل جدول سے اس کی گذشتہ کیفیت پر روشنی پڑتی ہے۔

اوسط سالانہ آمدنی

سال	(لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	۶۴٫۸۵	۸۵
۱۸۶۵ء	۱۲۳٫۳۲	۷۹
۱۸۷۵ء	۱۸۴٫۲۸	۷۲
۱۸۸۲ء تا ۱۸۸۶ء	۱۷۹٫۰۱	۵۵٫۳
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۱۹۵٫۴۳	۵۹٫۴
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۲۰۹٫۳۷	۵۸
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۱۸۷٫۸۹	۵۳٫۵
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۲۱۰٫۶۰	۵۱٫۱
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۲۴۲٫۵۱	۵۰٫۷
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۲۵۹٫۵۸	۴۷٫۶
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۲۵۷٫۵۷	۴۲٫۷
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۲۹۲٫۶۴	۳۸٫۷
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۳۱۱٫۲۴	۳۷٫۵
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۳۱۴٫۱۲	۳۸٫۱
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۳۱۰٫۰۰	۳۳٫۹

مندرجہ بالا جدول سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ مالگزاری کی آمدنی سـ
تا سنہ ۱۹۰۱ء کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جبکہ زبردست قحط کے باعث غیر معمولی حالا

پیدا ہو گئے تھے مسلسل طور پر بڑھتی رہی ہے۔ اس کے اضافے کی رفتار سنہ ۱۸۵۴ء سے سنہ ۱۸۸۳ء تک یعنی نواب سالار جنگ کے دور وزارت اور سنہ ۱۹۰۷ء سے سنہ ۱۹۳۰ء تک بالخصوص نہایت تیز رہی ہے لیکن مالگزاری کی آمدنی میں کم و بیش مسلسل اضافے کے باوجود مجموعی آمدنی میں اس کا فیصد حصہ رو بہ تخفیف رہا ہے چنانچہ سنہ ۱۸۵۳ء میں یعنی آج سے نوّے برس قبل حکومت کی مجموعی آمدنی کا تقریباً پچاس فیصد حصہ مالگزاری کے ذریعہ حاصل ہوتا تھا لیکن موجودہ جنگ سے پہلے باوجود اس کے کہ مالگزاری کی مجموعی آمدنی تقریباً پانچ گنی ہو گئی تھی لیکن اس کا فیصد حصہ صرف ۳۳ فیصد رہ گیا لیکن صریح وجہ یہی ہے کہ ماضی میں ہماری حکومت کے پاس دوسرے ایسے اہم ابواب آمدنی موجود نہ تھے جن سے وہ اب استفادہ کر رہی ہے۔

آبکاری | مالگزاری کے بعد آمدنی کے ذریعہ کی حیثیت سے مالیات حیدرآباد میں آبکاری کو اہمیت حاصل ہے۔ اس کا رجحان حسب ذیل رہا ہے۔

اوسط سالانہ آمدنی

سال	(لاکھ روپے میں)	فی صد
۱۸۵۴ء	۱٫۷۲	۲
۱۸۶۵ء	۱۲٫۹۲	۷
۱۸۷۵ء	۲۸٫۵۷	۱۱
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۳۳٫۹۷	۱۰٫۴
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۳۳٫۶۲	۱۰٫۲
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۴۳٫۰۴	۱۱٫۹
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۴۴٫۲۸	۱۲٫۶
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۴۸٫۸۴	۱۱٫۸

۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۶۴٫۹۸	۱۳٫۶
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۹۴٫۳۴	۱۷٫۳
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۱۲۴٫۳۷	۲۰٫۶
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۱۴۹٫۹۲	۱۹٫۸
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۱۵۸٫۲۰	۱۹٫۰
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۱۶۵٫۸۶	۲۰٫۱
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۱۷۸٫۸۱	۱۹٫۶

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ آبکاری کی آمدنی کا رجحان مالگزاری سے بالکل مختلف رہا ہے یعنی آبکاری کی مجموعی آمدنی میں اضافے کے پہلو بہ پہلو حکومت کی مجموعی آمدنی میں اس کا تناسب بھی مسلسل طور پر ترقی پذیر رہا ہے ۱۸۵۳ء کے مقابلے میں ۱۹۳۹ء میں آبکاری کی آمدنی اٹھانوے گنی ہو چکی تھی۔ آبکاری کی آمدنی میں اضافے کی رفتار بالخصوص ۱۹۱۵ تا ۱۹۲۵ء نہایت تیز رہی۔ ۱۸۵۳ء میں حکومت کی مجموعی آمدنی کا صرف دو فیصد حصہ آبکاری کے ذریعہ سے حاصل ہوتا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کے تناسب میں اضافہ ہوا اور موجودہ جنگ کے آغاز کے وقت اس کا تناسب بیس فیصد کے قریب پہنچ گیا تھا

کروڑگیری مالیات حیدرآباد میں آبکاری کے بعد کروڑگیری کو اہمیت حاصل ہے اس کا رجحان حسب ذیل رہا ہے۔

سال	اوسط سالانہ آمدنی (لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	۴٫۶۵	۶
۱۸۶۶ء	۴۲٫۴۲	۲۲
۱۸۷۵ء	۲۴٫۸۹	۱۰

۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۴۸٫۲۲	۱۴٫۹
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۴۹٫۴۹	۱۴٫۱
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۵۰٫۴۱	۱۴
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۴۷٫۶۵	۱۳٫۹
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۵۷٫۸۸	۱۴٫۱
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۶۷٫۵۰	۱۴٫۱
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۷۷٫۲۵	۱۴٫۲
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۷۲٫۸۹	۱۲٫۱
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۱۳۳٫۴۰	۱۷٫۹
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۱۳۸٫۳۸	۱۹٫۷
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۹۶٫۷۲	۱۱٫۷
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۱۱۶٫۹۳	۱۲٫۸

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ کروڑگیری کی مجموعی آمدنی کساد بازاری کے دور کو مستثنیٰ کرتے ہوئے مسلسل طور پر بڑھتی رہی - اس مد سے آمدنی میں کس قدر زیادہ اضافہ ہوا ہے اس کا اندازہ اس سے ممکن ہے کہ ۱۸۵۴ء میں اس سے صرف ۴٫۶۵ لاکھ روپے کی رقم حاصل ہوئی تھی لیکن ۱۹۳۰ء میں اس سے ۱۵۰٫۵۸ لاکھ روپے وصول ہوئے موجودہ جنگ سے قبل کروڑگیری کی آمدنی کی مقدار ۱۱۱٫۲۶ لاکھ روپے تھی ۱۹۲۲ء تا ۱۹۳۰ء کروڑگیری کی آمدنی میں نہایت تیز رفتار سے اضافہ ہوا۔

ریلیں | مالیات حیدرآباد میں کروڑگیری کے بعد ریلوں کی آمدنی کو اہمیت حاصل ہے چنانچہ اس سے ماضی میں جو آمدنی حاصل ہوئی ہے اسے مندرجہ ذیل جدول میں پیش کیا گیا ہے۔

اوسط سالانہ آمدنی

سال	(لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۱۳٫۹۱	۴٫۳
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۱۰٫۸۹	۳٫۳
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۱۷٫۶۹	۴٫۹
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۲۹٫۸۲	۸٫۵
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۳۳٫۶۰	۸٫۲
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۱۴٫۸۱	۳٫۱
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۴٫۶۹	٫۹
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۱۰٫۱۸	۱٫۷
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۲۵٫۲۴	۳٫۳
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۳۹٫۹۶	۵٫۰
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۶۸٫۷۲	۹٫۱
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۱۳۲٫۳۵	۱۴٫۵

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۳۵ء تک ریلوں کی آمدنی کو مالیات حیدرآباد میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی لیکن ان کی خریداری کے بعد سے ان کی آمدنی مسلسل طور پر نہایت تیز رفتار سے بڑھتی رہی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ مالیات حیدرآباد میں آمدنی کی اس مد کو جو اہمیت حاصل ہے اس میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے چنانچہ موجودہ جنگ کی ابتداء سے قبل ریلوں سے حکومت کی مجموعی آمدنی کا تقریباً پندرہ فی صد حصہ حاصل ہوتا رہا تھا۔

سود | سود کو بھی آمدنی کی اہم مدوں میں شامل کیا جاتا ہے۔

سال	اوسط سالانہ آمدنی (لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	۱٫۶	۲
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	٫۶۵	٫۲
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۱٫۱۸	٫۴
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۹٫۴۹	۲٫۶
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۹٫۶۳	۱٫۹
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۸٫۳۹	۲
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۱۸٫۳۶	۳٫۸
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۳۴٫۹۰	۶٫۴
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۴۵٫۲۱	۷٫۵
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۴۶٫۹۴	۶٫۲
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۵۱٫۲۸	۶٫۱
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۴۴٫۲۹	۵٫۴
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۲۹٫۵۰	۳٫۳

مندرجہ بالا جدول سے واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۳۱ء تک نہ صرف سود سے جو مجموعی آمدنی حاصل ہوئی تھی اس میں نمایاں اضافہ ہوتا رہا بلکہ مجموعی آمدنی میں اس کا تناسب بھی ترقی پذیر رہا لیکن اس کے بعد اس میں تخفیف ہوئی ۔ موجودہ جنگ کے آغاز سے قبل اس مد سے تقریباً تیس لاکھ روپے کی آمدنی ہو رہی تھی ۔

اشامپ

سال	اوسط سالانہ آمدنی (لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۳/۹۲	۱/۲
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۶/۳۵	۱/۹
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۸/۴۰	۲/۳
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۸/۰۰	۲/۳
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۷/۹۵	۱/۹
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۹/۴۲	۲/۰
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۱۱/۴۰	۲/۱
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۱۳/۵۱	۲/۲
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۱۷/۹۵	۲/۳
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۲۰/۷۸	۲/۵
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء		
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۱۹/۵۳	۲/۱

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشامپ کی مجموعی آمدنی میں ہر سال تھوڑی بہت کمی بیشی ہوتی رہی ہے لیکن اس کے باوجود اس کا تناسب حکومت کی مجموعی آمدنی میں تقریباً یکساں رہا ہے۔ موجودہ جنگ کی ابتدا تک اس کے ذریعہ سے حکومت کی آمدنی کا کم و بیش دو فیصد حصہ وصول ہوتا رہا ہے۔

جنگلات[۱]

سال	اوسط سالانہ آمدنی (لاکھ روپیوں)	فیصد
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۱٫۲۹	٫۴
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۱٫۳۸	٫۹۶
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۱٫۵۲	٫۴
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۲٫۸۹	٫۸
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۴٫۵۳	۱٫۱
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۷٫۴۸	۱٫۶
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۸٫۹۷	۱٫۶
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۵٫۷۰	٫۹
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۹٫۰۷	۱٫۲
۱۹۲۰ تا ۱۹۳۱ء	۱۲٫۹۱	۱٫۵
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۱۴٫۲۹	۱٫۷
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۱۲٫۷۳	۱٫۴

جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگلات کی آمدنی روبہ ترقی ہے اور موجودہ جنگ کی ابتداء سے قبل اس سے ۱۲ لاکھ روپے یعنی مجموعی آمدنی کا تقریباً ۱½ فیصد حصہ وصول ہو رہا تھا ۔

ان ابواب آمدنی کے علاوہ جن کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہم نے تفصیل سے کیا ہے زرکاغذی

۱؎ جنگلات اور اسٹامپ کے ذریعہ سے جو آمدنی ہماری حکومت کو حاصل ہوتی ہے اس کی مقدار اس قدر زیادہ نہیں ہے جس کے باعث ان مدات کو آمدنی کے اہم ابواب میں شمار کیا جائے لیکن یہاں ہم نے دونوں کا تفصیلی مطالعہ اس لئے کیا ہے کہ یہ دونوں مدات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور عرصۂ دراز سے مالیات حیدرآباد کا ایک جزو بنی ہوئی ہیں ۔

مبادلہ و دارالضرب اور لگان برار سے بھی ہماری حکومت کو آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اول الذکر کی مجموعی آمدنی ترقی پذیر رہی ہے اور سنہ ۱۹۳۹ء میں اس سے مجموعی طور پر ۲۳ لاکھ روپے وصول ہو رہے تھے۔ لگان برار میں ظاہر ہے کہ کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی اور اس سے ۲۹ لاکھ روپیہ سالانہ وصول ہوتے ہیں۔

اس باب میں ہم نے مختصر طور پر اہم ابواب آمدنی کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کے رجحانات کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ آئندہ باب میں ہم حکومت حیدرآباد کے اہم ابواب اخراجات پر تبصرہ کریں گے۔

سترھویں صدی عیسوی کے اوائل میں سلطنت قطب شاہی کے معاشی حالات

از محمد غوث

انگلستان میں ایک مجلس ہاک لیٹ سوسائٹی (Haklayt Society) کے نام سے قائم ہے۔ سنہ ۱۸۴۶ء میں یہ مجلس قائم ہوئی تھی۔ اس کا مقصد محض یہ ہے کہ قدیم بری و بحری سفروں کے حالات اور دوسرے جغرافیائی معلومات کے نوشتے طبع اور شائع کرے۔ یہ مجلس صرف انگریز سیاحوں کے ہی نوشتے شائع نہیں کرتی بلکہ دوسرے السنہ کے کارآمد سیاحت نامے وغیرہ بھی انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کرتی ہے۔ ہر کتاب ایک ماہر فن کے سپرد کی جاتی ہے، اور تصحیح و تحشی کے بعد استفادۂ عام کے لئے طبع کی جاتی ہے۔ مطالب کی توضیح کے لئے نقشے، تصاویر اور دوسرے ضروری تختے وغیرہ اصل متن کے ساتھ شریک کئے جاتے ہیں۔ اس مجلس نے ابتدائے قیام سے سنہ ۱۹۳۱ء تک ۱۶۶ کتابیں شائع کیں۔ اس مجلس کا سالانہ چندہ ایک گنی مقرر تھا، ارکان کو پورے سال بھر کے مطبوعات تحفۃً فراہم کئے جاتے ہیں اور صرف ارکان ہی اس مجلس کے مطبوعات خرید سکتے ہیں۔

اس مجلس کے دوسرے سلسلہ کا ۶۶ واں مطبوعہ گول کنڈہ کے تین سیاحت ناموں کا مجموعہ ہے اس کا نام ری لے شن آف گول کنڈہ (Relations of Golconda) ہے اس کی ادارت مشہور انگریز تاریخ نویس ڈبلیو۔ ایچ مورلینڈ (W. H. Moreland) نے کی ہے اور بہت محنت و قابلیت سے تعلیقات اور حواشی لکھے ہیں۔ ۳۷ صفحوں کا ایک پُر از معلومات مقدمہ بھی لکھا ہے، اس مقدمہ میں امور ذیل پر روشنی ڈالی ہے:-

(۱) سلطنت گول کنڈہ (صنعتی و تجارتی تبصرہ)۔ (۲) ساحل کارومنڈل پر یوروپین آبادکار۔ (۳) سیاحان

زیر نظر کے حالات، (۴) گول کنڈہ اور مچھلی بندر کے ناموں کی تحقیق

عصری مطبوعات کے دوسرے لوازمات، اشاریہ، نقشے، فہرست، ماخذات، اور کار آمد ضمیموں سے بھی یہ کتاب خالی نہیں ہے۔ آخر کتاب میں مرتب نے سکوں، اوزان و پیمانوں کے متعلق ایک ضمیمہ میں بہت اچھے معلومات قلمبند کئے ہیں۔

یہ سیاح جنھوں نے حالات قلمبند کئے ہیں، یہ ہیں:۔

(۱) ولیم میت اولڈ (William Methwold) ۱۶۲۵ء میں اولاً یہ حالات طبع ہوئے۔ یہ حالات ۱۶۱۸ء سے ۱۶۲۲ء تک ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر لکھے گئے۔ ولیم میت اولڈ کو آخر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائرکٹر منتخب کیا گیا تھا۔

(۲) دوسرا سیاح جس نے حالات قلمبند کئے، انٹونی شورر (Antony schorer) ہے اس نے ۱۶۱۵ء یا ۱۶۱۶ء میں یہ حالات لکھے۔ انٹونی شورر نے مچھلی بندر میں ڈچ کے علاقہ کے کارخانہ میں نوکری کی تھی۔ یہ حالات کمپنی کے ڈائرکٹروں کی اطلاع کے لئے لکھے گئے تھے، جن کا صدر دفتر ہالینڈ میں تھا۔ یہ حالات ۱۹۳۰ء سے پہلے شائع نہیں ہوئے

(۳) تیسرے سیاح کے قلمبند کئے ہوئے حالات ہالینڈ میں ۱۶۴۲-۴۶ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئے سیاح کا نام معلوم نہیں ہے۔ مورلینڈ نے خیال کیا ہے کہ سیاح کا نام (Pictor Gielisz Von Rovesteyns) ہے، اور یہ کہ یہ حالات ۱۶۱۴ء میں لکھے گئے۔ تحریر کا مقصد اعلیٰ عہدہ داروں کو حالات سے آگاہ کرنا تھا۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ اردو میں نہ صرف اس کا ترجمہ کیا جائے بلکہ بعض مبالغہ آمیز بیانات کی صحیح مواد سے تصحیح کی جائے۔ ولیم میت اولڈ کے قلمبند کئے ہوئے معاشی حالات کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔ نظم ونسق، معاشرت، مذہب اور دوسرے عام حالات کسی اور موقع پر بیان کئے جائیں گے علاوہ ازیں دوسرے دو سیاحوں کے نوشتوں سے حالات کا اقتباس بھی آئندہ پیش کیا جائیگا

مچھلی بندر کو سلطنت گول کنڈہ کا خاص بندرگاہ ہونے کا امتیاز حاصل تھا۔ یہاں اور نظام پٹن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی متعدد تجارتی کوٹھیاں موجود تھیں۔ مچھلی بندر میں کمپنی کا ایجنٹ رہا کرتا تھا۔

مچھلی بندر چھوٹا سا قصبہ ہے لیکن بہت آباد ہے، کوئی فصیل نہیں ہے، یہ قصبہ کچھ ٹھیک طور سے آباد نہیں ہوا، محلِ وقوع بہت ہی ناموزوں ہے۔

پہلے یہاں مچھلی پکڑنے والوں کی معمولی سی آبادی تھی، بعد میں سڑک کی سہولت سے سوداگر یہاں آباد ہوگئے۔ اس علاقہ میں کہیں کہیں چاول کی دو فصلیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ شاذ و نادر کبھی کبھی تین فصلیں بھی ہو جاتی ہیں، یوں عام طور سے صرف ایک ہی فصل حاصل ہوتی ہے لیکن پیداوار بہت ہوتی ہے۔ دالوں کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ بہت دُور اوپر کے علاقہ میں اچھے گیہوں کی کاشت بھی ہوتی ہے لیکن زیادہ نہیں ہے۔ اس علاقہ میں گیہوں کم استعمال کیا جاتا ہے۔

غذا کے طور پر استعمال ہونے کے قابل پھول اور بوٹیاں کم ہوتی ہیں، اس کی بجائی کے لئے پان کا استعمال عام ہے۔

یہ علاقہ بہت زرخیز ہے۔ ہر قسم کے اشیائے مایحتاج بہت ہی ارزاں ہیں، ان کی بہت افراط ہے۔ آٹھ مرغیاں ۱۲ پنس میں ملتی ہیں، ایک گوسفند دس پنس میں۔ اٹھارہ پنس سے دو شلنگ میں اچھا سؤر مل جاتا ہے۔ اسی طرح مچھلی وغیرہ کا بھی حال ہے۔ یہ تو اس قصبہ کا حال ہے لیکن اندرون ملک یہ اشیاء اور بھی ارزاں ملتی ہیں۔

حیدرآباد سے مچھلی بندر کا سفر دس دن میں طے ہوا کرتا تھا۔

بادشاہ کی آمدنی ۲۵ لاکھ پگوڈا ہے۔ ایک پگوڈا ایک فرانسیسی کراون کے مساوی ہے اور ۷ شلنگ ۹ پنس اسٹرلنگ کی قیمت کا۔ کومٹی جو لوگ کہلائے جاتے ہیں وہ اس علاقہ کے بیوپاری ہیں یہ لوگ یا ان کے ملازمین ملک کے اندرونی حصوں میں سفر کرتے پھرتے اور جولاہوں سے کپڑا خریدا کرتے ہیں۔ دوسری ضروری چیزیں بھی خریدتے اور ان سب کو بڑی مقداروں میں بندرگاہوں میں بیرونی تاجروں کو فروخت کردیا کرتے ہیں۔ فروخت کرنے میں یہ لوگ بیرونی تاجروں سے یا تو ان کا مال بدل لیتے ہیں یا نقد قیمت حاصل کرتے ہیں۔ ان میں کے چند لوگ صرافی کا کام کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی پرکھ بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس طبقہ میں جو غریب لوگ ہیں، وہ دوکانداری کرتے ہیں۔ چاول، مسکہ، تیل، مشکر، شہد

اور دوسری غذائی چیزوں کا بیوپار کرتے ہیں۔

کسان اور کونبی گائے اور بیل کسی قیمت پر بھی غیر کو فروخت نہیں کرتے، البتہ آپس میں ۶ سے ۸ شلنگ تک فروخت کرتے ہیں۔

پیشہ ور لوگوں کی عموماً ایک ہی مزدوری ہوتی ہے، اگر مزدوری میں کوئی فرق ہوتا ہے تو وہ کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ لوہار جو کیلے بنایا کرتا ہے اور سنار جو سونے کی زنجیر بناتا ہے، دونوں کو دن بھر میں ۳ پنس مزدوری ملتی ہے، یہ گویا میستری کی مزدوری ہے۔ ان کے نوکروں کو دن بھر میں ایک پینی دی جاتی ہے، بعض کو تو اس سے بھی کم۔

ہمارے مکانوں میں جو لوگ کام کرتے ہیں ان کو ماہانہ معاوضہ کھانے کے بغیر ۵ شلنگ دیا جاتا ہے پورٹر (کہار) جو پالکی اُٹھاتے ہیں اُن کا معاوضہ بھی یہی ہے۔ اس ملک میں اشیائے احتیاج کی کثرت اور باشندوں کی معمولی غذا زندگی گزارنے کا سامان کردیتی ہے۔

ابھی حال میں اس سلطنت میں ہیروں کے معدن[1] کا جو پتہ چلا، اس کا قصّہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دھنگر کو اتفاق سے ایک چمکیلے پتھر سے ٹھوکر لگی۔ دھنگر نے بے توجہی سے اس کو اُٹھالیا اور ایک کومٹی کو تھوڑے سے چاول کے بدل میں فروخت کردیا۔ کومٹی نے دوسرے کو فروخت کیا۔ تا آنکہ یہ ہیرا اُن لوگوں کے ہاتھ میں پہونچ گیا جو اس کی قدر وقیمت جان سکتے تھے۔ جو لوگ سلسلہ بہ سلسلہ اس کو فروخت کئے تھے اُن کا پتہ چلاتے ہوئے آخرکار دھنگر کے ذریعہ سے معدن کا پتہ مل گیا۔ بادشاہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہاں حکومت کی نگرانی قائم ہوگئی۔ جب خبر عام ہوئی تو ہر جگہ کے جوہری وہاں جمع ہوئے یورپین کوٹھیوں کے حکام ذمہ دار بھی وہاں پہونچے، ان کے ساتھ میت اولڈ (Methwold) بھی وہاں پہونچا۔ چند روز سفر میں گزرے، تمام راستہ غیر آباد پہاڑی تھا۔ مچھلی بندر سے یہ مقام ۱۰۸ میل دور تھا ایک خوبصورت قیام گاہ میں سب لوگ فروکش ہوئے۔ گورنر (غالباً فوجدار) سے اجازت لے کر یہ سب

---

[1] مورلینڈ نے لکھا ہے کہ یہ کولور (Kollur) کا مقام ہے، جو دریائے کرشنا پر واقع ہے۔ انہوں نے ضلع کرشنا کی مینول (Manual) صفحہ ۲۲۳ کا حوالہ دیا ہے۔

لوگ معدن دیکھنے گئے۔ معدن کا محل وقوع شہر سے دو میل پر تھا۔ ان لوگوں کو وہاں بتایا گیا کہ معدن میں روزانہ (۳۰) ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ بادشاہ نے یہ علاقہ ستاروں کی ذات کے ایک شخص کو پٹہ پر دے دیا تھا۔ سالانہ محصول تیس لاکھ پگوڈا قرار دیا گیا تھا۔ بادشاہ نے قرار دیا تھا کہ دس قیراط سے زیادہ وزن کے ہیرے شاہی خزانہ میں داخل کر دیئے جائیں۔

پٹہ دار زمین دوسروں کو پھر اپنی جانب سے پٹہ پر دیا کرتا ہے۔ اس میں بعض لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعض خسارہ۔

باوجود سخت انتظام اور شدید سزاؤں کے قیمتی ہیرے باہر نکل جایا ہی کرتے ہیں۔ چنانچہ (۴۰) قیراط کے وزنی ہیرے بھی باہر چلے گئے

یہ معدن دریائے کرشنا کے قریب واقع ہے۔ معدن دریافت ہونے سے قبل یہ مقام مشکل آباد تھا اب ایک لاکھ آدمیوں کی آبادی ہے۔ اس میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں، معدن میں کام کرنے والے اور بیوپاری وغیرہ سب موجود ہیں۔ قرب و جوار کے مقامات سے یہاں سب ضروری چیزیں لائی جاتی ہیں لیکن قیمتیں گراں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ راستہ میں مختلف علاقوں میں محصول ادا کرنا پڑتا ہے مکانات بہت معمولی ہیں، گویا کہ ان کو مستقل سکونت کے لئے تعمیر نہیں کیا گیا ہے۔

بعد میں معدن میں کام بند کر دیا گیا، اور لوگوں کو وہاں جانے کی ممانعت ہوگئی۔ لوگوں نے اس کے اسباب مختلف بیان کئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کام پھر شروع کیا گیا لیکن بہت کم ہیرے دستیاب ہوئے

اس علاقہ میں کم قیمت کے دوسرے اور بھی پتھر پائے جاتے ہیں۔ سیاحت نامہ میں ان کے نام بھی لکھے ہیں[1]۔

اس علاقہ میں لوہا اور فولاد بھی بہت ہے۔ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں چیزیں یہاں

---

[1] وہ یہ ہیں: Aggats, Topasses, Amatists, Garnets.

سے جاتی ہیں۔ جہاں یہ دھاتیں تیار ہوتی ہیں وہاں لوہے کی قیمت ۲ شلنگ مقررہ وزن ہے، فولاد اپنے مقررہ وزن میں ۳ شلنگ میں حاصل ہوتا ہے لیکن یہ چیزیں بیلوں پر پندرہ دن کی مسافت طے کرکے بندرگاہ کو پہونچتی ہیں اس لئے وہاں ان کی قیمت زیادہ ہوجاتی ہے، لوہا پانچ شلنگ میں اور فولاد سات شلنگ میں فروخت ہوتا ہے۔

اِس علاقہ میں سونا، چاندی، ٹن، تانبا اور دوسری دھاتیں موجود نہیں ہیں۔

اِس علاقہ میں چھینٹ کا کپڑا اسی طرح ارزاں اور افراط سے حاصل ہوتا ہے جس طرح کہ ہندوستان کے اور حصوں میں لیکن اس علاقہ کی چھینٹ مختلف ہوتی ہے، اور آسانی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ چھینٹ اس علاقہ کی ساختہ ہے۔ اِس ساحل کارومنڈل میں کپڑے پر چھاپے کا کام جس عمدگی سے ہوتا ہے اس کی شہرت سارے ہندوستان میں ہے، اور بلاشبہ دیکھنے میں یہ کام بہت ہی خوب ہوتا ہے، رنگ اس قدر پکا ہوتا ہے کہ گو کپڑے کو بار بار دھویا جائے لیکن جب تک کپڑا موجود رہتا ہے رنگ بھی باقی رہتا ہے۔ یہ رنگ ایک بوٹی سے فراہم کیا جاتا ہے جس کو اس علاقہ میں Chay[۱] کہا جاتا ہے۔ یہ بوٹی اسی علاقہ میں اُگتی ہے۔ اس سے گہرا لال رنگ حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ بوٹی شاہی پیداوار سمجھی جاتی ہے۔

اِس ملک میں نیل کا رنگ بھی کافی مقدار میں بنایا جاتا ہے، اور لاہوری نیل کے مماثل ہوتا ہے۔ ولندیزی لوگ دکن کے نیل کی خریداری کرتے ہیں اور اسکو ہالینڈ روانہ کیا کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف انگریز شمالی ہند میں تیار ہونے والے نیل کے رنگ کی حالت اور قیمت کے کافی تجربہ کے بعد وہی خریدا کرتے ہیں اور سورت کی بندرگاہ سے اس کو بھیجا کرتے ہیں۔

گزشتہ چند سال سے یہاں تمباکو کی کاشت ہونے لگی ہے اور بڑی مقدار بندر مچھلی[۲] اور اراکان کو بھیج دی جاتی ہے۔ دکن کے لوگ بھی اس کو بہت استعمال کرتے ہیں، یہ تمباکو کمزور ہوتا ہے، لیکن اگر توجہ کی جائے

---

[۱] Chay or Chay root

[۲] آبنائے باب المندب کے اندر یہ بندرگاہ واقع ہے۔ مورلینڈ نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں جو جہاز ہندوستان سے جاتے تھے وہ اسی بندرگاہ میں لنگر ڈالتے تھے۔

تو یہ بات دور ہو سکتی ہے یہاں کے لوگ پتے دھوپ میں خشک کر لیا کرتے ہیں، اور پھر وہی استعمال کرتے ہیں، کوئی مزید آمیزش نہیں کی جاتی ہے

دوسرے ممالک کو جو مال بھیجا جاتا ہے، اس سے یہاں کے لوگ یقینی طور سے نفع پیدا کرتے ہیں اس مقصد کے تحت یہ لوگ بڑے بڑے جہاز تیار کرتے ہیں، جس مال مسالہ سے یہ جہاز تیار کئے جاتے ہیں اس کے مد نظر یہ جہاز بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن انگلستان میں جو جہاز تیار کئے جاتے ہیں، وہ ان کے مقابل خوبصورتی، سہولت بخشی اور موسم کا مقابلہ کرنے کی قابلیت میں زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔ ان سواحل پر جو جہاز تیار کئے جاتے ہیں، ان میں سے بعض ۷۰۰ ٹن کے بھی ہوا کرتے ہیں۔ ان جہازوں میں چونہ اور لوہا بہت عمدہ استعمال کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سورلینڈ نے یہ تعلیق لکھی ہے کہ ایک انگریزی جہاز جس کا نام گلوب (Globe) تھا اس کو نرساپور میں از سر نو درست کیا گیا تھا۔ اس درستی کی وجہ سے یہ جہاز اور زیادہ بہتر ہو گیا۔

اس ملک کے لوگ اپنے ہی جہازوں میں معمولاً بحیرۂ احمر میں بندر مقع تک سفر کرتے ہیں۔ دوسری جانب سوماٹرا، اراکان، پیگو (برما) وغیرہ تک جایا کرتے ہیں، یوں اپنے ہی سواحل پر سیلون اور راس کماری تک جہاز جایا کرتے ہیں

بندر گاہ مقع کو عموماً جنوری میں یہاں سے جہاز جایا کرتے ہیں، اور ستمبر یا اکتوبر میں واپس آتے ہیں۔ اس بندرگاہ پر ہر سال بادشاہ کی جانب سے چاول بھیجے جاتے ہیں تاکہ مکہ اور مدینہ میں خیرات کے طور پر تقسیم کئے جائیں۔ بادشاہ کے لئے یہاں عربی گھوڑے حاصل کئے جاتے ہیں۔ ہر جہاز میں چھ یا آٹھ گھوڑے سما سکتے ہیں، دکن میں گھوڑوں کی کوئی عمدہ نسل موجود نہیں ہے

عرب کو یہاں سے تمبا کو بڑی مقدار میں بھیجا جاتا ہے، اس کے علاوہ مندرجۂ ذیل اشیا بھی بھیجی جاتی ہیں ۱۔ (Rattans) Rotans. بنڑوں کے لئے۔ ۲۔ چھینٹ کے کپڑے عماموں کے لئے ۳۔ لوہا ۔ ۴۔ فولاد ۔ ۵۔ نیل ۔ ۶۔ Benjamin ۔ ۷۔ لاکھ۔ ان چیزوں کے بجائے عرب سے ان ممالک میں اونٹ کے بالوں اور ریشم سے بنا ہوا (Comlet) کا کپڑا لایا جاتا ہے۔

لیکن عموماً سلطانی (ترکی سکہ) یا ریال کی صورت میں نقد رقم لائی جاتی ہے۔

ستمبر میں جہاز اراکان اور پیگو (برما) وغیرہ کو جایا کرتے ہیں۔ وہاں سے فروری یا مارچ میں واپس ہوتے ہیں، اور اپریل تک اپنے وطن میں پہونچ جاتے ہیں۔

ان مشرقی ممالک کو جو سامان بھیجا جاتا ہے وہ یہ ہیں:-

Acheen (سوماترا) کو ۱۔ فولاد، بڑی مقدار میں۔ ۲۔ لوہا، قلیل مقدار میں۔ ۳۔ قسم قسم کی چھینٹ رنگین بھی اور سفید بھی۔ ۴۔ ہیرے، یہ وہاں بڑی قیمت میں فروخت ہوتے ہیں۔

وہاں سے جو سامان لایا جاتا ہے وہ یہ ہیں:-

۱۔ Benjamin. ۲۔ کافور۔ ۳۔ کالی مرچ۔ ۴۔ تمام چینیا اور چینی کا ہر قسم کا سامان۔ یہ سامان یہاں بڑے نفع سے فروخت ہوتا ہے۔ ۵۔ گندھک۔

اراکان کو جو سامان بھیجا جاتا ہے وہ یہ ہیں:-

۱۔ تمباکو۔ ۲۔ لوہا، تھوڑی مقدار میں۔ ۳۔ رنگین کپڑے۔

وہاں سے جو سامان لایا جاتا ہے وہ یہ ہے:-

۱۔ سونا۔ ۲۔ لاکھ۔ ۳۔ چاول، بہت بڑی مقدار میں۔ چاول ویجانگر کے علاقہ کے ساحل پر فروخت کیا جاتا تھا۔

پیگو کو جو اشیا بھیجی جاتی تھیں، وہ یہ تھیں:-

۱۔ چاندی۔ ریال سکہ کی صورت میں۔ ۲۔ دھاگہ۔ ۳۔ ململ، رنگین۔ زیادہ تر لال رنگ کا۔ چھاپہ کیا ہوا کپڑا بھی اس میں شامل ہوتا تھا۔

وہاں سے جو سامان آیا کرتا تھا وہ یہ تھا:-

۱۔ یاقوت و لعل، دنیا کے دوسرے حصوں میں ان کو بھیجا جاتا تھا۔ ۲۔ سونا۔ ۳۔ لاکھ۔ ۴۔ ٹن۔ ۵۔ پارہ

Tonnassey کو جو سامان جاتا تھا وہ یہ تھا:-

۱۔ لال رنگ کا دھاگہ۔ ۲۔ لال اور سفید ململ۔ ۳۔ چھاپے کے کپڑے۔ یہاں سے یہ سوداگر ۱۴ دن کا

سفر کر کے سیام تک جایا کرتے تھے۔ سیام میں اپنے ملک کے لئے چین کا سامان خریدا کرتے تھے۔

خود اس ملک کے سواحل پر یہ سوداگر چھوٹے چھوٹے جہازوں کے ذریعہ تجارت کیا کرتے ہیں۔ تجارت عموماً چاول اور دوسرے اجناس کی ہوتی تھی۔ جہاں یہ مال ارزاں ہوتا خریدا جاتا، اور جہاں نفع ہوتا فروخت کر دیا جاتا۔ عموماً ویجانگر کے علاقہ کے سواحل پر یہ مال فروخت ہوا کرتا۔ بدل میں عموماً بچے حاصل کئے جاتے۔ یہ عموماً ۲۔۳ شلنگ میں حاصل ہو جاتے؛ درمچھلی بندر میں چالیس شلنگ پر فروخت کر دیئے جاتے۔

صنعت کاغذ سازی کے متعلق دو ایک عالمگیری اور آصف جاہی احکام

از محمد غوث

گزشتہ دور میں حکومت کی جانب سے صنعت اور صناعوں کی جو سرپرستی ہوتی تھی، وہ اب بالکلیہ فراموش ہو چکی ہے۔ اس بارے میں سرکاری احکام اور اسناد سے تو بہت کم لوگ واقف ہونگے تاریخ دکن کی کانفرنس کے موقع پر مولوی سید بادشاہ حسین صاحب نے ایک مقالہ میں اس امر پر روشنی ڈالی تھی کہ کاغذ سازی کے متعلق نواب میر نظام علی خاں مرحوم نے کس طرح سرپرستی کی تھی۔ اتفاق سے شہاب الدین صاحب کاغذ ساز کاغذی پورہ اورنگ آباد سے تین کاغذات کی نقل حاصل ہوئی ہے۔ جس سے نواب میر نظام علی خاں مرحوم سے پہلے حضرت آصف جاہ اول اور خلد مکان اورنگ زیب کے دور میں جس طرح سرپرستی کی جاتی تھی اس کا حال واضح ہوتا ہے۔

اُمید ہے کہ یہ دلچسپی کا باعث ثابت ہونگے۔

نقل فرمان والا شان بادشاہِ خلد مکان بتاریخ شانز دہم شہر جمادی الاولیٰ سال بست و پنجم از جلوس والا سمت تحریر پذیرفت۔

چوں بعرض مقدس سید کہ بموجب فرمان عالی شان بادشاہ غفران پناہ خلد آرام گاہ علیین حضرت

جبل الجنۃ مثواہ

مبلغ یک ہزار و یکصد و چہاردہ تنکہ و دو لاری بطریق سالیانہ بجہت خرچ مساجد و فقرا کاغذ پورہ دولت آباد تابع صوبہ اورنگ آباد خجستہ بنیاد در محصول شاہ بازار کاغذ پورہ مزبور مقرر است و حارس قلعہ دولت آباد از ابتدائے عمل خود مبلغ مذکور را تنخواہ نکردہ و در حوض قتلو کہ جائے شستن خمیر

کاغذ است کاغذ سازان را نمی گذارد کہ غیر را دراں بشویند د آنہا از فضل و کرم بادشاہی امیدوارند
حکم جہاں مطاع واجب الاتباع صادر شد کہ مبلغ مسطور از حاصل شاہ بازار مرقوم برائے خرچ مساجد
و فقرا بدستور سابق حسب الضمن مقرر و محصول کاغذ سازان و کاغذ فروشان کاغذی واڑہ دولت آباد و
اورنگ آباد بشرط ساختن عالمگیری معاف باشد باید کہ حکام و متصدیان مہمات حال و استقبال مبلغ مرقوم
را موافق ضابطہ و معمول بمصارف مزبوری رسانیدہ باشند. و در باب دیگر نیز بآئین پیشیں عمل نمایند دریں بارہ
ہر سال سند مجدد طلب ندارند.

(۴)

نقل پروانچہ بمہر سیادت و رفعت پناہ محمد علی خاں از قرار بتاریخ پنجم شہر ذی حجہ ۲۹ سنہ

آنکہ سیادت و وزارت پناہ رفعت و کفایت دستگاہ میر عبدالقادر محفوظ باشند مستور نماند کہ بعرض
اشرف اقدس ارفع اعلی رسید کہ قیمت نامہ کاغذ دولت آبادی برضامندی کمال الدین وغیرہ کاغذ سازان
سکنہ کاغذی واڑہ دولت آباد بمہر سیادت و رفعت پناہ محمد علی خاں رسیدہ کہ حسب الحکم الاعلی قیمت سر دستہ
شش روپیہ بلا قصور حسب الضمن مقرر شدہ کہ متصدیان صوبہ دکن تنخواہ میدادہ باشند دریں باب ہر چہ
حکم شود حکم والا صادر شد کہ منظور دارند باید کہ بموجب حکم والا عمل آرند دریں باب نہایت تاکید دانند۔
مقررہ ضمن قیمت نامہ کاغذ دولت آبادی عالمگیری برضامندی کمال الدین وغیرہ کاغذ سازان ساکن
کاغذی واڑہ متعلقہ دولت آباد بمہر محمد علی خاں رسیدہ کہ حسب الحکم والا قیمت فی دستہ شش روپیہ بلا قصور
مقرر شدہ کہ متصدیان صوبۂ دکن تنخواہ میدادہ باشند۔

عــہ

اول	دوم
معہ	صمہ

مقررا از قرار سراسری فی دستہ اول خوش قماش لفافہ وغیرہ تعلق متصدیان صوبہ۔

سے عہ بلا قصور

(۳)

نقل عنایت نامہ مہری حضرت نظام الملک آصفجاہ اول علیہ الرحمۃ

بہ محمد نصیر الدین کاغذی واڑہ نوشتہ میشود

حسب الدرخواست او سند استقلال از دفتر دیوانی دکن بابت معافی محصول کاغذ سازان دکاغذ فروشان و محصول خریدی صابون و واگذاشت حوض قتلو وغیرہ بجہت شستن خمیر کاغذ و موقوفی امین و وجہ مساجد و فقرا بدستور سابق و عنایت نامجات بنام عظیم الدولہ بہادر نائب ناظم و قلعہ دار قلعہ دولت آباد و درباب امداد و اعانت صادر شدہ می باید کہ بخاطر جمع تمام بکار خود مستعد و سرگرم باشد۔ زیادہ چہ نوشتہ شود۔ فقط۔

اس کا مطلب یہ ہے ۔

۱ ۔ ۱۲ ۱۱ ٹنکہ سالانہ کاغذی واڑہ دولت آباد کے مساجد اور فقرا کے لئے کاغذی واڑہ کے شاہ بازار کے محصول سے مقرر تھے ۔ قلعہ دار دولت آباد نے اپنے ابتدائی عمل سے یہ رقم جاری نہیں کی اور نیز حوض قتلو میں کاغذ سازوں کو خمیر دھونے سے منع کردیا ہے حالانکہ حوض قتلو میں ہی کاغذ کی خمیر دھویا کرتے تھے ۔ حکم صادر ہوا کہ شاہ بازار کا محصول پہلے کے موافق مساجد اور فقرا کے لئے صرف ہوا کرے ۔ اور کاغذی واڑہ دولت آباد و اورنگ آباد کے کاغذ سازوں اور کاغذ فروشوں کا محصول اس شرط سے معاف کردیا جائیگا کہ عالمگیری کاغذ بنایا جائے ۔

۲ ۔ کمال الدین وغیرہ کاغذ سازان کاغذی واڑہ دولت آباد کی رضامندی سے کاغذ کا قیمت نامہ ملاحظہ سے گزرا حسبہ سردستہ چھ روپے ادا ہوا کریں ۔

۳ ۔ دفتر دیوانی دکن سے سند جاری ہوئی ہے کہ کاغذ سازوں اور کاغذ فروشوں کا محصول معاف کیا جائے ۔ صابون خریدنے کا محصول بھی معاف کیا جائے حوض قتلو میں خمیر دھونے کی اجازت دی جائے امین کو موقوف کردیا جائے اور فقرا و مساجد کا سالیانہ جاری رہے ۔

اشتہارات

التماس

تبدیلی پتہ: معزز خریدار اصحاب پتہ کی تبدیلی سے براہ کرم دفتر مجلّہ کو بروقت مطلع فرمایں۔

کتب برائے تبصرہ: تنقید و تبصرہ کے لئے کتابیں جو بھیجی جاتی ہیں اُس کے دو دو نسخے روانہ فرمائے جائیں۔

اشتہارات: یہ رسالہ ہندوستان کے مشہور اُردو معیاری رسالوں میں شمار کیا جاتا ہے اور دور و نزدیک جاتا ہے۔ اس رسالہ کے ذریعہ اشتہارات دینا کاروبار کی ترقی میں ممد و معاون ہوگا۔

مقالہ جات جامعۂ عثمانیہ: ادارہ نے اس کا بیڑا اٹھایا ہے کہ علمی ادبی اعلیٰ سے اعلیٰ مقالوں کے ذریعہ اُردو زبان کی بطور خاص خدمت انجام دی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جامعۂ عثمانیہ کے مابعد طیلسان مقالہ جات اسوقت تک (۱۲) شائع ہوچکے ہیں۔ جو صاحب اپنے مقالوں کی طباعت کے خواہشمند ہوں وہ براہ کرم مدیر مجلّہ ہذا سے مراسلت فرمائیں۔

ادائی چندہ: براہ کرم سالانہ چندہ کی ادائی کی جانب توجہ مبذول فرماکر ممنون فرمائیے

پڑھنے کے قابل کتابیں

عہد سلف

بیداری کے لئے ملک کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ اس کی تاریخ ہے۔ یہ کام تمام زندہ قوموں میں قومی زندگی کا سب سے اصلی اور مقدم عنصر ہے۔ اسکی بدولت سلطنت کی عظمت اور خاندان شاہی کے ساتھ ارادت اور عقیدت کا خیال مستحکم ہوتا جاتا ہے۔ اہل نظر کے پاس مسلم ہو کہ تاریخ سلطنت آصفیہ کو صحیح طریقہ سے لکھنے کی کوشش بہت کم ہوئی ہے۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے جناب مولوی محمد مرتضیٰ مرحوم نے قلم اٹھایا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں انکی تالیف کا پہلا حصہ "عہد سلف" ہے۔ یہ حضرت آصف جاہ کی سوانح عمری کا مقدمہ ہے۔ سلسلۂ بیان قائم کرنے اور صحیح نتائج حاصل کرنے کیلئے ناگزیر ہے۔ سلطنت اسلامی کے نشو و نما پھر ہندوستان و دکن میں اسلامی سلطنت کے قیام پر ایک تبصرہ لکھنے کی ضرورت داعی ہوئی۔ چنانچہ "عہد سلف" میں مرحوم نے ۱۴ سو سال کی تاریخ سلطنت اسلامی پر نہایت دقت نظر سے ایک دلچسپ اسلوب بیان میں تبصرہ کیا ہے۔ تاریخ اسلام و ہند کے شائقین کو اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ قیمت عہ

فوائد بدریہ

یہ کتاب حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک میں نہایت مستند کتاب ہے سیرت مبارک کی نہایت ضخیم عربی کتابوں کا یہ ایک بہترین اردو خلاصہ ہے۔ علاوہ بریں تقریباً (۸۰) سال پہلے کی زبان اور انشا کا بہترین نمونہ ہے۔ رائل سائز عمدہ ڈبل کاغذ ۴۰۴ صفحات لکھائی چھپائی نہایت نفیس

قیمت تین روپیہ۔ مجلد چار روپیہ۔

تفسیر فیض الکریم

تالیف قاضی بدر الدولہ مفتی محمد سعید خاں۔ یہ زبان اردو جس میں تفسیر و شان نزول اور احکام وغیرہ نہایت مستند احادیث و تفاسیر و فقہ سے لکھے گئے ہیں، ۸ جز طبع ہوگئے قیمت چار روپے

ملنے کا پتہ:۔ دفتر مجلد طیلسانین۔ باغ عامہ حیدرآباد دکن

پڑھنے کے قابل کتابیں

ریاض النسواں:

قاضی بدرالدولہ کی تالیف۔ فقۂ شافعی کی مستند کتاب جسمیں نماز و روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل صراحت سے لکھے گئے ہیں۔ ہر شافعی کو اسکی ضرورت ناگزیر ہے کاغذ چکنا رائل سائز ضخامت ۱۷۶ قیمت عہ

تحفۃ الخلان

تالیف مولوی خلیل اللہ مرحوم فقۂ شافعی جسمیں بیع وغیرہ معاملات اور فرائض وغیرہ کے مسائل معتبر کتب سے منتخب کرکے لکھے گئے ہیں۔ کاغذ چکنا رائل سائز ضخامت ۱۷۶ صفحات قیمت ایکروپیہ تین آنہ۔

طبِ قدیم کی تاریخ

تالیف حکیم محمد اسمٰعیل صاحب۔ اس کتاب میں طب قدیم کے اسلامی زمانہ کی تاریخ مرتب کی گئی ہے اور طب جدید کے ابتدائی اساس کو واضح کیا گیا ہے۔ اس تالیف پر مؤلف کو انجمن طلباء دکن کی جانب سے انعام ملا تھا۔ قیمت ۱۲/

خواتین عہد عثمانی

تالیف مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی۔ اس تالیف میں حیدرآباد کے حالیہ دور میں خواتین نے جو ترقی کی ہے اس کو دلچسپ پیرایہ میں قلمبند کیا گیا ہے۔ قیمت ایکروپیہ چار آنہ۔

قرآنی دعائیں

تالیف مولوی محمد فاروق صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) ایچ سی ایس قلب و روح کی تسکین کا سامان۔ ہدیہ ۸/

نورٌ علےٰ نور

تالیف مولوی محمد فاروق صاحب بی اے عثمانیہ) ایچ سی۔ ایس۔ قرآن شریف کی اُن آیتوں کا انتخاب جو بڑی عظمت و حلاوت رکھتی ہیں۔ ہدیہ آٹھ آنہ ۸/

ملنے کا پتہ :۔ دفتر مجلس طیلسانیین۔ باغ عام۔ حیدرآباد دکن

مجلہ طیلسانیین کا چندہ

۱- مجلہ چندہ دہندہ ارکان انجمن طیلسانیین عثمانیہ کو مقررہ قواعد کے موجب بلا قیمت ارسال کیا جائیگا
۲- مجلہ کا حصۂ معاشیات، معاشی کمیٹی انجمن طیلسانیین کے ارکان کو اپنے چندۂ رکنیت کے علاوہ سالانہ (عہ) ایکروپیہ ادا کرنے پر ارسال کیا جائیگا - اگر ان کو مجلہ کے دونوں حصے مطلوب ہوں تو ان کو سالانہ دوروپیہ اپنے چندۂ رکنیت کے علاوہ ادا کرنا ہوگا -
۳- مجلہ کے دونوں حصوں کی قیمت علاوہ محصول ڈاک خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ پانچروپیہ سکۂ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے پانچروپیہ سکہ حکومت ہند ہوگی.
۴- مجلہ کے عام حصہ کی قیمت محصول ڈاک کے علاوہ خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ تین روپیہ سکۂ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے تین روپیہ سکہ حکومت ہند ہوگی.
۵- مجلہ کے حصۂ معاشیات کی قیمت علاوہ محصول ڈاک خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ تین روپیہ سکۂ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے تین روپیہ سکۂ حکومت ہند ہوگی.
۶- مجلہ کے ہر حصہ کی قیمت فی نسخہ ایک روپیہ اور دونوں حصوں کی ایک روپیہ آٹھ آنہ ہوگی.
۷- تبادلہ کے طور پر اشتہارات کی اشاعت مطلوب ہو تو مراسلت کے ذریعہ تصفیہ ہو سکے گا.
۸- مجلہ کے سلسلہ میں ہر قسم کی مراسلت مہتمم مجلۂ طیلسانیین دفتر مجلس نمائش باغ عام روڈ حیدرآباد دکن کے توسط سے کی جانی چاہیئے.
۹- خریداران مجلہ اپنے پتہ کی تبدیلی سے مہتمم مجلہ کو بروقت مطلع فرمائیں.

اشتہارات کا نرخ

صفحہ	چار بار کیلئے	ایکبار کے لئے	صفحہ	چار بار کے لئے	ایکبار کیلئے
اصفحہ پہلا ورق	۴۰ روپیہ سالانہ	۱۲ روپیہ	پورا صفحہ اندرونی	۲۰ روپیہ سالانہ	۶ روپیہ
ھا صفحہ "	۲۰ "	۰ "	آدھا صفحہ "	۱۵ "	۵ "
صفحہ "	۱۵ "	۸ "	پاؤ صفحہ "	۸ "	۳ "

سلسلۂ مطبوعات انجمن طیلسانین عثمانیہ

نام کتاب	مصنف	قیمت
۱۔ عہد ابراہیم عادل شاہ ثانی کے متولیان ریاست	سید علی محسن ام۔ اے (عثمانیہ)	دو روپے
۲۔ سلطان احمد شاہ بہمنی	ظہیر الدین ام۔ اے (")	دو روپے
۳۔ امام غزالی کے کلامی خصوصیات	محمد غوث (محبوب نگری) ام اے (")	ایک روپیہ آٹھ آنہ
۴۔ موضع دویلی کی معاشی تحقیق۔	محمد ناصر علی ام۔ اے (")	دو روپے
۵۔ دربار اودھ کا اثر لکھنو کی شاعری پر	محمد اعظم ام۔ اے (")	ایک روپیہ
۶۔ معاشیات کی الف۔ بے۔	محمد ناصر علی ام۔ اے (")	آٹھ آنے
۷۔ عہد [illegible] حیدرآباد	میر مخدوم علیخاں ام۔ اے (")	دو روپیہ
۸۔ بلدہ سے قصبہ تک	محمد فاروق بی۔ اے (عثمانیہ) ایچ۔ سی۔ ایس	۴/
۹۔ ماور الکوحل	نظیر حسین افندی ام۔ ایس سی (عثمانیہ)	۴/
۱۰۔ مقامی محاصل انکے اقسام اور نوعیت	محمد فاروق بی۔ اے (عثمانیہ) ایچ۔ سی۔ ایس	۴/
۱۱۔ اسلام کے معاشی نظریے۔	محمد یوسف الدین ام۔ اے (عثمانیہ)	ایک روپیہ آٹھ آنہ
۱۲۔ پریم چند اور انکی افسانہ نگاری	محمد اکبر الدین صدیقی ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۱۳۔ ہندوستانی معاشیات کے مبادی	شرف الدین بی اے (عثمانیہ)	دو روپے
۱۴۔ دیسی ریاستیں اور تنظیم مابعد جنگ	سید محمد تقی ہاشمی ام۔ اے (")	۸/
۱۵۔ موجودہ جنگ کے اثرات قانون بین الممالک پر	سید صدیق حسین بی اے۔ ال ال ام (")	ایک روپیہ
۱۶۔ دکن میں تعلیم (عہد آصفجاہ اول و آصفجاہ ثانی)	سید علی محسن ام اے (عثمانیہ)	زیر طبع
۱۷۔ منشور اقوام متحدہ	ڈاکٹر محمد حمید اللہ ام اے (عثمانیہ) پی ایچ ڈی۔	
۱۸۔ انتخاب اور رائے دہی	محمد نور اللہ بی ایس سی (عثمانیہ)	ایک روپیہ

(۱) رہبر نمائش	خواجہ حمید احمد بی۔ اے	۴ روپے
(۲) تحریک ترقی ملکات آصفیہ	" " "	تین روپے
(۳) دنیائے نمائش	مرتبۂ مجلس نمائش کمیٹی	۸/
(۴) تحفۂ نمائش	" " "	۸/

مملکت آصفیہ کی

صنعتی ڈائرکٹری

مصنوعات مملکت آصفیہ کی پہلی نمائش کے بعد ہی یہ امر پیش نظر رہا کہ مملکت آصفیہ کی صنعتوں کے فروغ کے لئے ایک ڈائرکٹری کی ترتیب ناگزیر ہے۔ اور اس کے لئے سوال بند کی اجرائی سے مواد کی فراہمی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ چوتھی نمائش کے موقع پر مولوی خواجہ حمید احمد صاحب نے "رہبر نمائش" کے نام سے اپنی تالیف طبع اور شائع کی۔ بعد میں پھر یہ کوشش کی گئی کہ مستقل طور پر ڈائرکٹری مرتب کی جائے۔ سال گذشتہ دنیائے نمائش کے نام سے جو تالیف شائع ہوئی وہ گویا ڈائرکٹری کی ترتیب کی ہی کوشش تھی۔ فی الجملہ اس کو عام طور پر پسند کیا گیا۔ گذشتہ نمائش کے موقع پر بھی بہت کچھ مواد فراہم کیا گیا اور اُسے ایک تالیف میں قلمبند کیا گیا ہے۔ اس تالیف میں مملکت آصفیہ کے کئی سو صناعوں اور صنعتی اداروں کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔

قیمت عوام سے دو روپیہ۔ صناعوں سے ایک روپیہ۔

پتہ:۔ دفتر مجلس نمائش باغ عام حیدرآباد دکن

مجلۂ طیلسانیین کے مقاصد اور قواعد

۱ - مجلۂ طیلسانیین انجمن طیلسانیین عثمانیہ حیدرآباد دکن کا ترجمان ہے۔

۲ - اغراض و مقاصد

الف - جامعۂ عثمانیہ کے منظورہ مابعد طیلسان مقالے شائع کئے جائیں گے۔

ب - اردو مطبوعات پر تنقید و تبصرہ کیا جائے گا۔

ج - انجمن طیلسانیین عثمانیہ اور اس کے ملحقہ اداروں کی سرگرمیوں اور کاروبار کی تفصیلات شائع کی جائیں گی

د - علمی اور ہر جہتی ترقی کی معلومات و اطلاعات شائع کی جائیں گی۔

ھ - سیاسیات حاضرہ اور اختلافی مذہبی امور کے متعلق مضامین وغیرہ کسی صورت میں شائع نہ کئے جائیں گے

۳ - حسب ضرورت مجلہ کے مختلف حصے خاص خاص علم و فن سے مختص ہونگے۔ فی الوقت مجلہ کے دو حصے ہونگے حصۂ عام اور حصۂ معاشیات

۴ - مجلہ بہمن۔ اردی بہشت۔ امرداد اور آبان مطابق جنوری۔ اپریل۔ جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوگا۔

۵ - مجلہ کے ہر حصہ کی ضخامت کم از کم ۱۰۰ صفحے ہوگی۔

۶ - مابعد طیلسان مقالے اس صورت میں شائع کئے جائیں گے جبکہ انکا حق اشاعت و طباعت مجلہ کو دیدیا جائے۔ البتہ مؤلف کو دس نسخے ہدیۃً دیئے جائیں گے۔ اگر اس سے زائد نسخے درکار ہوں تو کاغذ کی قیمت قبل از قبل ادا کرنے پر انتظام کیا جائے گا۔

۷ - اگر مضمون یا مقالہ نگار پہلے سے مجلہ کے خریدار نہ ہوں تو مجلہ کا وہ شمارہ جس میں اُن کا مضمون شائع ہو بلا قیمت ارسال کیا جائے گا۔

۸ - سال بھر میں کسی صاحب کے دو مضمون یا مقالے شائع ہونے کی صورت میں سال مابعد کے لیے اگر قواعد انجمن طیلسانیین عثمانیہ مانع نہ ہوں تو مجلہ بلا قیمت جاری کیا جائے گا۔

۹ - اگر کسی مضمون یا مقالے کے لئے مجلہ اپنے خرچ سے تصاویر کے بلاکس تیار کرے تو ان کو مناسب قیمت پر جس کا تصفیہ مہتمم مجلہ کریگا فروخت کیا جاسکے گا۔

۱۰ - اگر مجلہ کا کوئی شمارہ اشاعت کے مقررہ مہینے میں وصول نہ ہو تو اس کی اطلاع دوسرے مہینے میں کر دینی چاہیئے

شادی کے بعد

وہ زیورات اور چیزیں جو دھری دھری

بیکار ہو جاتی ہیں۔ آپ انھیں ہمیں مناسب

اور اطمینان بخش داموں پر فروخت کرکے

اپنی ضرورت کے زیورات خرید سکتے ہیں،

کیونکہ ہم نے بطور خاص اپنی دوکان میں

اس کا انتظام کیا ہے۔ ہم آپ کو ہر طرح

اس کا یقین دلا سکتے ہیں۔

انجمن طیلسانیین عثمانیہ کا سہ ماہی علمی رسالہ

مجلہ طیلسانیین

(حصہ عام)

(مدیر)

محمد غوث ام اے ال ال بی (عثمانیہ)

(نائب مدیر)

محمد اکبر الدین صدیقی ام۔ اے

(مہتمم)

محمد انوار اللہ بی ایس سی

سالانہ چندہ پانچ روپے۔ علاوہ محصول ڈاک۔ قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

دفتر: مجلہ طیلسانیین۔ نمائش گاہ۔ سکرم جاہی روڈ حیدرآباد دکن

ٹیلیفون نمبر ۲۵۵۳

مطبوعہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن

مجلۂ طیلسانئین

(حصۂ عام)

جلد ۱۰ شمارہ ۱ و ۲ | بہمن ۱۳۵۵ف اردی بہشت ۱۳۵۵ف

فہرست مضامین

مجلہ طیلسانیین کا چندہ

۱۔ جملہ چندہ دہندہ ارکان انجمن طیلسانیین عثمانیہ کو مقررہ قواعد کے موجب بلا قیمت ارسال کیا جائیگا۔

۲۔ مجلہ کا حصۂ معاشیات معاشی کمیٹی انجمن طیلسانیین کے ارکان کو اپنے چندۂ رکنیت کے علاوہ سالانہ (عہ) ایکروپیہ ادا کرنے پر ارسال کیا جائیگا۔ اگر ان کو مجلہ کے دونوں حصّے مطلوب ہوں تو ان کو سالانہ دو روپیہ اپنے چندہ رکنیت کے علاوہ ادا کرنا ہوگا۔

۳۔ مجلہ کے دونوں حصّوں کی قیمت علاوہ محصول ڈاک خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ پانچ روپیہ سکۂ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے پانچ روپیہ سکہ حکومت ہند ہوگی۔

۴۔ مجلہ کے عام حصّہ کی قیمت محصول ڈاک کے علاوہ خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ تین روپیہ سکۂ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ تین روپیہ سکہ حکومت ہند ہوگی۔

۵۔ مجلہ کے حصۂ معاشیات کی قیمت علاوہ محصول ڈاک خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ تین روپیہ سکۂ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے تین روپیہ سکۂ حکومت ہند ہوگی۔

۶۔ مجلہ کے ہر حصّہ کی قیمت فی نسخہ ایک روپیہ اور دونوں حصوں کی ایکروپیہ آٹھ آنہ ہوگی۔

۷۔ تبادلہ کے طور پر اشتہارات کی اشاعت مطلوب ہو تو مراسلت کے ذریعہ تصفیہ ہوسکے گا۔

۸۔ مجلہ کے سلسلہ میں ہر قسم کی مراسلت مہتمم مجلۂ طیلسانیین دفتر مجلس نمائش مکرم جاہی روڈ حیدرآباد دکن کے توسط سے کی جانی چاہیئے۔

۹۔ خریداران مجلہ اپنے پتہ کی تبدیلی سے مہتمم مجلہ کو بروقت مطلع فرمائیں۔

اشتہارات کا نرخ

صفحہ	چار بار کیلئے	ایکبار کے لئے	صفحہ	چار بار کے لئے	ایک بار کیلئے
پورا صفحہ پہلا ورق	۳۰ روپیہ سالانہ	۱۲ روپیہ	پورا صفحہ اندرونی	۲۰ روپیہ سالانہ	۶ روپیہ
آدھا صفحہ "	۲۰ "	۸ "	آدھا صفحہ "	۱۵ " "	۵ "
پاؤ صفحہ "	۱۵ "	۸ "	پاؤ صفحہ "	۸ " "	۳ "

مہتمم مجلۂ طیلسانیین۔ مکرم جاہی روڈ حیدرآباد دکن

حِسّیات

(از جناب مولوی نبی الحسن صاحب شمیم بی اے (عثمانیہ) تعلقدار ونبرلی)

گم ہوں تجلیوں میں اپنا پتہ نہ پائیں
وہ آئینہ دکھاؤ جس میں نظر نہ آئیں

آواز آ رہی ہے یہ دشتِ کربلا سے
جینے کا راز یہ ہے مرنے سے جی لگائیں

بالیں پہ ہے خموشی اور شمع بجھ چکی ہے
روداد زندگی کی اب آئیے سنائیں

ہر نگاہِ برقِ ساماں مائلِ اکرام ہے
دیکھ لے اور دیکھنے والے تماشا عام ہے

حسرتوں کے درمیاں شکلِ بتاں تھی جلوہ گر
اب وہی دل ہے کہ جسمیں بس خلا کا نام ہے

اپنی ناکامی پہ خود ہی مسکرا دیتا ہوں میں
کوئی پردہ میں ہے اور قسمت مری بدنام ہے

اک خلش پر ہے ہماری زندگی کا انحصار
آرزو کا ترک کرنا بھی خیالِ خام ہے

بھولے چوکے آ ہی جاتا ہر زبانوں پہ شمیم
جو مٹائے سے نہیں مٹتا وہ میرا نام ہے

نظم قدیم

(از مولانا محمد مرتضےٰ مرحوم)

مملکت آصفیہ اور دکن کی تاریخ تالیف کرنے کے لئے مرحوم آخر زندگی تک کوشاں تھے، اور مختلف رسائل واخبارات میں اس موضوع پر متعدد مضامین شائع کئے لیکن تالیف کی نوبت آنے نہ پائی۔ انتقال کے بعد مسودات اور نوٹس مرتب کرکے عہد سلف کے نام سے ایک تالیف شائع کی گئی۔ جو گویا تاریخ دکن کے عہد وسطیٰ کا مقدمہ ہے۔ دوسرے مسودات کو بھی ترتیب دینے کی کوشش جاری رہی، لیکن انجام کی نوبت نہیں آئی۔ " نظم قدیم " کے نام سے جو تالیف مرحوم کے پیش نظر تھی اُس کے خام مواد کو ایک جا کردیا گیا ہے تاکہ افادہ واستفادہ کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا ہوسکے۔ اس شمارہ میں یہ قسط عہد بہمنی کے متعلق ہے، آئندہ قسط دکن کی پانچ ریاستوں کے متعلق ہوگی۔

(مجلہ)

ابتدائی دور

پردیسی آریا ہندوستان میں بس کر ہندو کہلائے جانے کے بیشتر یہاں اور ہی رنگ روپ، وضع قطع، چال ڈھال، چہرہ مہرہ کے ہندو بستے تھے۔ یہ پرانے ہندو جو گونڈ، بھیل وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں، ہزارہا سال کے انقلابوں کے بعد بھی اب تک انسانی فطرت کے سادہ خصائص میں نظر آتے، اور ہزارہا سال کے بتدریج ترقی یافتہ تمدن کے مقابل میں قدیم سادہ زندگی کا نمونہ دکھارہے ہیں، اور دراصل ہندوستان ہی ایک الیا

خطہ ہے جہاں تمدن اور فطرت کا ساتھ ساتھ نہایت آسانی سے مقابلہ ممکن ہے۔ اور جس کی اور کوئی نظیر کسی خطۂ ارض میں نہیں ملے گی۔

ان قدیم قوموں کے عادات و رسوم میں ایک قابل لحاظ طریقہ بجائے جلانے کے مُردوں کو دفن کرنا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کا قدیم طریقہ دفن کرنے کا ہی تھا۔

ان سادہ قوموں کے بعد دکن میں آثارِ تمدن کا نشان دڑاوڑ قوم کی مختلف شاخوں میں ملتا ہے جو تلنگے، ٹامل، اردے اور کنڑے وغیرہم ہیں۔

یہ مسلّم ہے کہ دکن کے ہندو آریا نسل سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے، بلکہ اصلی باشندوں سے زیادہ نسبت رکھتے ہیں، گویا انھیں کی ترقی یافتہ نسل تھے۔ چنانچہ زبان اس کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ السنۂ جنوب ہندوستان، اروی، تلنگی، کنڑی جو قدیم باشندوں کی زبانیں ہیں، سنسکرت سے بالکل متمائز ہیں۔ چنانچہ تلنگی اور مرہٹی میں جو فرق ہے، اس کو ہر شخص جانتا ہے۔

شفیق (لالہ لچھمی نارائن) نے لکھا ہے کہ:۔

"زبان اکثر این دیار مختلف است، مثلاً زبان مرہٹی کہ مخصوص الکہ کہ مرہٹ یعنی صوبۂ اورنگ آباد است، و قوم مرہٹہ بآں منسوب، و خطے مخصوص می دارد کہ نامہ و دفتر بہ کمال فصاحت و وضوح تحریر می شود۔ کنڑی، باشندگان صوبۂ بیجاپور بآں تکلم می کنند و نامہ و حساب بہ خطِ مخصوص می نویسند۔ قوم کنڑہ از انجا است۔ تلنگی کہ در مملکتِ تلنگ یعنی صوبۂ حیدرآباد رواج دارد، گروہ تلنگہ را مکالمہ و تحریر نامہ و حساب بخط مخصوص بآں است۔ زبان اروی وغیرہ کہ در جنوب مثل سری رنگ پٹن و چہ مہور گویائی بآں می کنند، ظاہرا خطِ مخصوص ہم دارند۔ عالم این چہار زبان را "چو جابتشیا" می گویند۔"

غرض دکن کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ شمالی ہندوستان یا آریا ورت میں آریا کا تمدن پھیلنے کے پیشتر ہی وہ ترقی کی راہ چلنے لگا، اور آریہ فاتحین اس کی ان پرانی زبانوں کو

مثانہ کے جو السنۂ بسیط میں داخل ہیں۔

جنوبی ہند کا تمدن آریا سے بہت پہلے کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سامری قوم، ملابار کے ساحل جنوب سے عراق میں جاکر بسی اور اسیریا و بابل کے تمدن کی بنیاد رکھی۔ علیٰ ہذا القیاس ملیبار سے ہی مصری تمدن کی بنا پڑی۔

قدیم راج

دکن میں پیشتر مختلف راج گزرے ہیں۔ مغربی چلوکیا خاندان کا پایۂ تخت بادامی تھا اس کے بعد راجگان راشٹرا کوٹا س نے، جن کا پایۂ تخت ملکھڑ تھا (مابین چیتاپور و سیڑم) اپنا راج کیا ہے۔

اس کے بعد مغربی چلوکیا خاندان کی حکومت کلیانی میں قائم ہوئی۔ کلیانی وہ مقام ہے جہاں بسپا نے لنگایتوں کا نیا مذہب قائم کیا تھا، جس کے پیرو کرناٹک میں لاکھوں آدمی موجود ہیں لنگایت کا مذہب جین سے جداگانہ ہے۔ جین مذہب کے پیروؤں کی بداخلاقی سے آخری درجہ لنگایت کا قائم ہوا۔ پس ایسی حالت میں بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ فاتحین اسلام کے آنے کے وقت ملک کی اخلاقی حالت کس درجہ زبون اور ناشائستہ ہو گئی تھی۔

جس وقت مسلمانوں نے دکن فتح کیا اس وقت یہاں جین مذہب مروج تھا۔ چنانچہ گلبرگہ کا راج بھیرن آخری ہندو راجہ اسی مذہب کا پابند تھا۔ اس وقت ملک میں طوائف الملوکی تھی۔ ایک خاندان نے یادگیر میں حکومت کی

کلیانی کے راجہ کو کالاچوریا خاندان کے راجہ نے شکست دی۔ کالاچوریا کے بعد راجگان یادو جو دیوگیری پر قابض تھے، کرناٹک پر بھی حکمراں ہوئے

غرض خاندانوں کے بقاء و فنا کے جو اصول تمام اقوام میں عمل کرتے ہیں ہندوؤں میں بھی پائے جاتے ہیں، اور بے جا تعصب اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ قدیم تاریخ بھلا دی گئی ہے۔ باہمی کشت و خون، بد اخلاقی، عیش و عشرت میں انہماک، رعایا کے حالات سے غفلت رسب باتیں

اس وقت بھی صاف صاف بلکہ اسلامی دور سے زیادہ معلوم ہونگی۔ بیٹے باپ کو قتل کرکے تھے۔ ششلاء میں جس راجہ نے ورنگل آباد کیا، وہ اپنے بیٹے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (تبشیر الدین صفحہ) ملیول ہزار ستون اور پاکھال کا تالاب اسی کا بنایا ہوا ہے۔

راجہ دیوگیر کے بھائی نے پرتاب رودر کی شکایت سلطان شہاب الدین غوری سے کی تھی (بشیر الدین صفحہ)

لنگایت فرقہ پیشہ وروں میں بھی قائم ہوگیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ برہمنوں کے اقتدار سے عامۃ الناس تنگ آگئے تھے، جس طرح ایران میں فرقہ مزدک۔

فدا علی نے لکھا ہے کہ:-

"جنگم مرشد بقالان است از قوم لنگایت وکومٹی وبجارہ، لنگ از سنگ تراشیدہ در گلو می دارند و پرستش آں می سازند"

ساتویں صدی عیسوی میں چینی سیاح ہیوان تھسانگ نے ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ اس وقت جنوبی ہند ۹ بڑی سلطنتوں میں منقسم تھا۔ تلنگانہ میں تین حکومتیں تھیں، آرین رام چندر جی نے جنوبی ہند اور لنکا پر حملہ کرکے اس کو فتح کیا۔ رام چندر جی کی سفر کی نشانیاں ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ رام چندر جی داعی مذہب ہونے کے ساتھ شمشیر بکف بھی تھے۔ وہ دکن میں ملک رانی کی غرض سے نہیں آئے تھے اس لئے غالباً یہاں جانشین چھوڑنے کے بغیر چلے گئے غالباً دکن میں سابقہ حکمرانوں کی عمل داری علی حالہ باقی رہی۔ شاید رام چندر جی کی تلقین سے ہی ویدک تہذیب دکن میں شائع ہوا۔ اس کے ایک عرصہ کے بعد آرین حکومتیں دکن میں قائم ہوگئیں۔

منتہائے جنوب میں ہندوؤں کے راج

جنوبی ہند کے منتہا میں ہندوؤں نے اپنی متعدد عالی شان سلطنتیں قائم کی تھیں۔ ان میں تین خاندان زیادہ مشہور ہیں۔

(۱) پانڈیے:- یہ خاندان ساحل کارومنڈل پر حکمران رہا تھا، اور اس کا دار السلطنت مدورا تھا

یہ ایک نہایت قدیم خاندان تھا، جو پانچ سو برس قبل مسیح سے قائم ہوا۔ یونانی مؤرخ میگاس تھی انس نے ۲۵ قبل مسیح میں اس خاندان کا تذکرہ کیا ہے۔

(۲) چولے۔ اس کا دارالسلطنت پہلے کنچی (کانجی وارم) میں قائم تھا، بعدہ تنجاور میں منتقل ہوا۔ کسی زمانہ میں اس کے حدود دریائے کرشنا تک وسیع تھے۔ (اردو جغرافیہ مدارس مترجمہ سید شاہ ابوالحسن)

(۳) چیرسے: یہ خاندان منتہائے جنوب میں ساحل ملیبار پر حکمران تھا۔ بقول ابوالحسن میسور کا کسی قدر حصہ اور کوئمبتور کا ضلع اس میں شامل تھا۔ اس کا دارالسلطنت کرور تھا۔

ملیبار

ملیبار کی نسبت ابوالحسن کا بیان ہے کہ:

"ملیبار کی قدیم تاریخ نامعلوم ہے۔ ملکی روایتوں سے پتہ لگتا ہے کہ قدیم زمانہ میں سمندر کی موجیں گھاٹوں کے دامن تک پہونچتی تھیں۔ جس وقت یہ زمین برآمد ہوئی ہندو یہاں بس گئے۔ کئی صدیوں تک یہ ضلع مدورا کے پانڈیے سلطنت کے ماتحت رہا جس کا ایک گورنر یہاں مقرر ہوا کرتا تھا۔ جب مدورہ میں طوائف الملوکی ہو گئی تو ملیبار میں زاموری، راجہ کلی کوٹ جو پادشاہی کا تخیل رکھتا تھا، نہایت طاقت ور ہوگیا۔"

کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب سلطنتیں بے شبہ تمدن کے اعلیٰ درجہ تک پہونچی ہوئی تھیں اور ان کے آثار قدیمہ ہر قطعۂ ملک میں ان کی تمدنی عظمت ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

وسطی و مغربی دکن میسور وغیرہ

راجپوتوں کی مختلف عالی شان شاخوں سے گویا تین شاخیں دکن میں فرماں روا ہوئیں۔

۱۔ علاقہ مہاراشٹرا جس کا دارالسلطنت دیوگری تھا۔ (دولت آباد)

۲۔ علاقہ تلنگانہ، جس کا دارالسلطنت ورنگل تھا۔ یہ اندھرا خاندان کی شاخ تھا۔

۳ - شمالی میسور کا علاقہ ۔ یہاں دوارسمدر خاندان حکمران تھا ۔ یہ خاندان بلّال خاندان کی شاخ تھا ۔

قدیم شہر

حیدرم ۔ سابق میں یہ ایک بہت بڑا شہر تھا، جس میں تین ہزار دیول، تین ہزار باؤلیاں اور ہزارہا مکانات تھے ۔ (گلبرگہ گزیٹیر ص۲۱۲) یہ شہر گرد روزگار کے اندر دب گیا ہے ۔ سررشتہ آثار قدیمہ کے لئے یہاں اچھا میدان ہے ۔ ویپ دان گرنائٹ پتھر کا بنا ہوا ہے ۔ گاؤ دم مخروطی شکل کا، طول ۵۸ فیٹ قاعدہ ۴/۱ ۳ فیٹ مربع ایک ہی پتھر اتنا بڑا ملنا اور اس سب کی سے تراشنا قابل دید صنعت ہے ۔ (بشیر الدین ص۲۰۵) ایک قدیم شیو کی دیول بھی ہے ۔ ہزار سال پیشتر تعمیر ہوئی ۔ نقاشی اور سنگ تراشی کا کام بدستور باقی ہے ۔

قصبہ سیلوار کی آبادی نہایت باقاعدہ ہے، چاوڑی بنا کر اس کے چاروں سمت لمبی لمبی ٹکیں نکالی گئی ہیں ۔

چیتاپور بھی قدیم مقام ہے ۔ ریشمی کپڑوں کے کارخانے ہیں مگر کپڑا موٹا ہوتا ہے ۔ ریشم اب بھی اچھا رنگا جاتا ہے ۔ گوا کے پرتگیزی راہبوں نے سولھویں صدی کی ابتدا میں یہاں گرجا قائم کیا تھا، اس کے قریب ننگی ویران شہر ہے ۔ چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں جب کہ یہاں شمالی ہندوستان کے راجپوتوں کی عملداری تھی، اور بدھ مذہب کا رواج تھا، بہت آباد تھا، مگر مندر جین کے معلوم ہوتے ہیں ۔ کئی مندروں میں کتبے بھی ہیں جو قدیم کنڑی زبان میں کندہ ہیں ۔

بشیر الدین نے یہ قول نقل کیا ہے کہ بستی پر قہر خدا نازل ہوا، اور آگ برسی ایک قسم کی وبا آئی تھی جس سے ساری بستی ویران ہو گئی، اور پھر وبا کے ڈر سے لوگ نہ بس سکے، اب ایسا اجڑا ہے کہ ایک آدمی بھی نہیں رہتا ۔ (بشیر ص۲۰۴)

ہمارے انتظامات تمدنی کی بنیاد اسی قدیم زمانہ میں ملتی ہے ۔ گروڑگیری کا سررشتہ قدیم سے چلا آتا ہے، سکے بھی جاری تھے سونے کا بھی سکہ تھا ۔ کنتی رائے کرناٹکی کا ہن زیادہ معتبر سمجھا جاتا تھا

(عبد الجبار ص۱۳۷)

کھیٹر (تعلقہ سیٹرم) بھی بدھ مذہب والوں کے زمانہ میں آباد ہوا ہے۔ اس زمانہ میں بہت آباد اور زرخیز خطہ تھا (بشیر ص۵۰)

بودھن بھی مشہور شہر تھا۔ یہاں بدھ کا ایک قدیم معبد ہے جو ہندوؤں کا دیول بنا اور انہوں نے اپنے تصرفات کیئے۔ مسلمانوں نے اس پر قابض ہونے کے بعد کوئی تبدیلی نہیں کی۔ البتہ مغرب کی جانب جو قلعہ تھا اس کو چبوترہ بنا کر بند کر دیا، اور چھت پر اینٹ سے گنبد بنائی، بزمانۂ محمد تغلق۔

ورنگل۔ بہت قدیم شہر ہے۔ پانچویں صدی عیسوی میں یہاں چالوکیا خاندان حکمران تھا۔ کنجی کے مندر خوب صورتی میں مشہور ہیں۔ اسی طرح تنجاور کے شہر کی مضبوطی اور مندروں کی کثرت مسلم ہے۔ مولی پورم، کمبوکونم، چدمبرم، سب آثار قدیمہ کے لحاظ سے سیاحت کے قابل ہو سکتے ہیں۔ (جغرافیۂ ابو الحسن)

مدورہ میں راجہ ترمل نایک پانڈے کا شاہی محل نوادر عالم سے خیال کیا جاتا ہے۔ یہ نہایت وسیع اور عالی شان محل ہے اور اس میں نہایت نزاکت کے ساتھ نقش و نگار کیا گیا ہے۔ اس کا دیوان خانہ (دربار عام) جس میں سنگ مرمر کے ہزار ستون نصب ہیں، نہایت مرتفع اور باعظمت ہے اور نہ صرف معاشرتی لحاظ سے اس کی عظمت تھی بلکہ علم نے بھی اس پر اپنا پورا سایہ ڈالا تھا۔ گویا اس کو یونیورسٹی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جس میں برہمنوں کے علوم سکھائے جاتے تھے اور بڑی بڑی جماعتیں اس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد تیار ہو کر نکلتی تھیں۔ (جغرافیۂ ابو الحسن)

ابھی ابھی لارڈ آمتھل گورنر مدراس نے بمقام کرنول تنجاور اور مدورہ کے آثار قدیمہ کی سیر کی دلکشی تسلیم کی ہے۔

قدیم زمانہ کی دولت و سرسبزی

قدیم زمانہ میں معدنیات میں کام کرنے کا رواج نہایت ترقی یافتہ درجہ پر معلوم ہوتا ہے

آخر اس زمانہ میں بھی سونے کا سکہ چلتا تھا۔ یہی معدن ٹلاہر میں پایا جاتا ہے کہ بعض مقامات پر ۲۰۰ فیٹ گہرا کھود کر سونا نکالا گیا ہے۔ قیاس کیا گیا ہے کہ آٹھ نو سو برس قبل اس مقام سے سونا نکالا گیا ہے۔ چنانچہ معدن کے اندر پرانے زمانہ کی لکڑی کی ناٹ اور کچھ پتھر کے کونڈے بھی

قدیم ہندوؤں کے زمانہ کی سرسبزی کا اندازہ ان بڑے بڑے تالابوں وغیرہ سے ہو سکتا ہے جو اب ویران ہیں مثلاً تالاب پاکھال، یا تالاب رام اپا۔ جس کے تحت لوگوں کو آباد کرنے کی کوشش ویک فیلڈ نے کی ہے۔

خدا علی نے لکھا ہے کہ:-

"درسرکار آرام گیر خصوصاً در پٹہ جات چنور وغیرہ۔۔۔، موضع داخل دفتر است، از ان جملہ یک صد و چند موضع آباد باقی ہمہ از صدہا سال ویران و بے چراغ ہستند۔ در بعضے مواضعات ویران تالاب کلاں از آب معمور مگر زراعت بہ سبب ویرانی دراں مواضع نمی شود۔ رعایا و دیگر تعلقات اطراف و جوانب بسبب فاصلۂ دور و دراز از بیم خوف درندہا کہ در ویرانی ہا مسکن بوم و شیر و گرگ شدہ است در انجا رفتہ کشت کاری نمی کنند۔ در تعلقہ پا لونچہ، بھدراچل در پٹی رانکاپلی صدہا موضع از صدہا سال ویران و بے چراغ۔ زنجبیل و فلفل دراز و عود صحرائی در ان ویرانہ بسیار می شود۔ در سال تمام یک دو روپیہ محاصل انجا (وصول می شود) از بعضے مواضع یک دو شارک خوش الحان کہ آن را مینا گویند در وجہ محاصل آن موضع می دہند۔ تا سرحد را چنبدری و گنجام ہمین ویرانہا واقع است"

فلسفہ اور مذہب

یونان کے فلسفہ کا ہی ڈنکا بجتے رہنے کی وجہ یہ ہے کہ یونان کے فلسفیوں نے ہی عام فہم تعلیم شروع کی تھی۔ اس کا سلسلہ جاری رہا اسی لئے ان کی تعلیم فنا ہونے سے بچ رہی۔ اور عرصۂ دراز تک فلسفۂ یونان کا ہی دور دورہ رہا۔ اگرچہ ابو ریحان البیرونی نے آرین فلسفہ کو علمی دنیا سے روشناس کرو دیا لیکن بدمذاقی نے اس طرف توجہ کرنے نہ دیا۔ لیکن ایک حد تک اس کا تو

پیدا ہوا۔ صدرا نے حکمائے ہند کا عزت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ صوفیائے کرام نے بھی بلند پایہ تحقیقات کی۔ لیکن یہ میراث فرنگستان کو نصیب ہوئی کہ سنسکرت کے مخفی علمی خزانے علمی دنیا کے روبرو علی الاعلان پیش کر دیں۔ اب ظاہر ہو گیا کہ یونان ہند کے آگے محض شاگرد ہے۔ پھر غور طلب ہے کہ استاد مصر ہے یا ہندوستان، لیکن بہر صورت یونان پر ہند کو تقدم حاصل ہے۔

بانی فلسفۂ یونان، طالیس سنہ ۶۲۰ قبل مسیح میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی نسبت تصریح کی گئی ہے کہ اس نے مصر میں تعلیم پائی تھی۔ اسی طرح فیثا غورث اور افلاطون نے مصر سے ہی سیکھا ارسطو جو یونان میں استاد الفلسفہ ہے گویا سکندر کے زمانہ میں تھا۔ سکندر کے زمانہ میں جب یونان و ہند کا مقابلہ ہوا تو یونانیوں نے تسلیم کر لیا کہ اہل ہند فلسفہ میں ان سے کامل ہیں۔

الحاصل فلسفۂ ہند کی نسبت یہ خیال ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ فلسفۂ یونان سے ماخوذ ہوگا۔ جس وقت یونانی مصریوں سے سیکھنے میں مشغول ہوئے تو ہم کو ہندوستان میں فلسفہ اپنے کمال پر نظر آتا ہے۔ بدھ کی ولادت سنہ ۵۵۰ قبل مسیح ہے اور یہ امر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ بدھ پر فلسفہ کا پورا اثر ہوا تھا۔ جس سے یہ لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس سے پہلے فلسفہ یہاں کامل ہو چکا تھا۔ اور بہ لحاظ اصول تدریج کے ضروری ہے کہ ایک معتد عرصہ اس کے لئے درکار ہوا ہو۔ اس طرح ثابت ہو گیا کہ فلسفۂ ہند کو تقدیم زمانی حاصل ہے۔ اب رہا تقدیم فضل اس کی نسبت بھی ثابت ہوگا کہ ہندی فلاسفہ ہی آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ ہندی فلاسفروں کے چھ درشن قرار دیئے گئے ہیں جن کا زمانۂ تصنیف کم از کم مابین سنہ ۸۰۰ تا سنہ ۶۰۰ قبل مسیح قیاس کیا گیا ہے۔ اور اگرچہ ہم سنسکرت نہیں جانتے لیکن جس قدر بیان سنا جاتا ہے اس سے یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس جامعیت اور عام فہم طریقہ سے بحث کی گئی ہے وہ فلاسفۂ یونان کو نصیب نہیں ہوئی۔ لی بان نے مسلمانوں کی نسبت اعتراض کیا ہے کہ مسلمانوں نے فلسفہ میں ترقی نہیں کی اگرچہ لی بان نے بغیر ملاحظہ کتب اہل اسلام و صوفیا یہ اعتراض کیا ہے اور ان کی

کتابوں کے دیکھنے کے بعد ثابت ہوا ہے کہ جیسی ترقی تھی وہ مسلمانوں نے حاصل کی تھی لیکن خود یورپ نے بھی تو اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ آج جرمن کا سب سے مشہور حکیم اس فلسفۂ ہند کی عظمت کا معترف اور اسی بنیاد پر جدید تحقیقات کی عمارت قائم کرتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ بقول لی بان کے فطرت نے جن بنیادی سوالوں کا بیج بویا ہے ان کا کوئی جواب قطعی نہیں آتا۔ اور اس لئے گو طبعیات میں کیسی ہی ترقی کیوں نہ ہو جائے در حقیقت فلسفۂ اولی میں تغیر ممکن نہیں۔ جو خیالات آج فطرت انسانی میں پیدا ہوتے ہیں وہی ہیں جو سالہا سال پیشتر پیدا ہوتے تھے۔ اور ان سوالات پر ہند میں فلسفیوں نے جس قدر اور جس طریقہ سے چھان بین کر لی ہے اس سے بہتر طریقہ بظاہر اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکا ہے جس کا خود فرنگستانی نامور سے نامور محققوں کو شد و مد سے اعتراف ہے۔

وید کے تیسرے حصہ اُپ نشد کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس میں وحدۃ الوجود کی تعلیم ہے اس فلسفہ کو بھگوت گیتا میں عمدگی سے بیان کیا گیا ہے جو کرشن کی طرف منسوب ہے۔ اس میں دین و دنیا کے جمع کرنے کا وہ طریقہ بیان کیا گیا ہے جس کو میں نے اپنی تحقیقات میں توکل حقیقی اور اصل تصوف ثابت کیا ہے۔ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ۔ بے ہمہ و با ہمہ۔ کرم یوگ۔ اس طرح مہابھارت کے آخری اشلوک میری تحقیقات میں دولت اور خوشی نیکی ہی کا نتیجہ ہیں۔ لیکن اس میں اللہ کی طرف لو لگانے کا حکم نہیں ہے، جس کی تکمیل اسلام نے کی ہے۔

جیسے کہ ثابت ہو چکا ہے مجوس یعنی پارسی اور ہند کے آریا ایک ہی اصل رکھتے تھے۔ اگنی ہوتر یعنی آگ کا ہمیشہ مشتعل رکھنا پرانی رسم ہے۔ اس سے دونوں قوموں کا اتحاد پایا جاتا ہے۔ مجوس کی نسبت مفسرین و فقہا نے یہ رائے دی ہے کہ ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ پارسیوں کے متعلق اسلامی علماء کے خیالات کے متعلق ایک مضمون مرتب ہوا تھا جو صحیفہ ماہواری میں شائع ہوا۔ پس یہی حال آریا کا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح بائبل سے تثلیث ثابت نہیں ہوتی بلکہ گھڑی جاتی ہے اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ وید میں بھی توحید ہے۔ وید کے اس منتر سے استشہاد کیا جاتا ہے کہ "ایک ہی سچ ہے"

یا گویا دوسرے الفاظ میں حقیقت ایک ہے۔ ممکن ہے کہ وید بالہام لکھی گئی ہو۔ مظاہر قدرت کو جو دیوتا کہا گیا ہے اس کے معنی معبود کے نہیں ہیں بلکہ نورانی جسم کے ملائکہ۔

ہندو جو وید سے معنی اخذ کرتے ہیں وہ ویسے ہیں جیسے عیسائی بائبل سے اخذ کرتے ہیں۔

وید کے بعد جیسا کہ عیسویت اور اسلام میں دیکھا جاتا ہے الٰہیات میں جمود وجود میں ہوا ہوگا، جس سے مختلف چھے درشن ہو گئے۔ اس وقت مذہب اور فلسفہ میں اختلاف پیدا ہوا ہوگا۔ اپنشد میں ممکن ہے کہ فلسفہ اور مذہب کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہو گویا وہ علم کلام ہے۔ بھگوت گیتا اس کی تفسیر کہی جاتی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اس کے بعد بدھ کا زمانہ آیا جس کا منشاء ان خرابیوں کی اصلاح کرنا تھا جو مقلدین وید میں پیدا ہو گئی تھیں۔ بدھ کے ہاں تصوف کے فنا کی تصویر نظر آتی ہے۔

ذاتوں کی تفریق دراصل تمدنی تھی، جیسا کہ اہل ایران کی تاریخ سے صاف ہو جاتا ہے۔ مگر اب اب وہ جزو مذہب سمجھی جانے لگی تھی جس کی اصلاح بدھ نے کی۔ ممکن ہے کہ مقلدین وید پر ان بت پرست ڈراوڑ قوموں کا اثر ہوا ہو جو پہلے سے یہاں بستی تھیں۔

مجھے یہ تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ بدھ خدا کا قائل نہ تھا جیسا کہ اہل یورپ کا خیال ہے۔ ممکن ہے کہ بدھ کے کلام کی تعبیر غلط کی گئی ہو۔ بہرحال بدھ نے تبلیغی مذہب کی بنیاد ڈالی۔ برہمن مذہب میں شل یہود ظاہر پرستی آگئی تھی، بدھ نے تعلیم باطن سے مثل مسیح علیہ السلام اس کا اثر دور کرنا چاہا ہوگا

بدھ کے بعد جین مذہب ہوا، آخر میں شنکر اچاری کی بدولت مذہب قدیم میں پھر بہار آ گئی، جس کی نسبت تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ نہ صرف بدھ بلکہ اپنے نام لیوا وید اور نیز فلاسفۂ ہند سے بالکل مختلف ہے۔

شنکر اچاری نے اپنشد اور بھگوت گیتا وغیرہ پر شرحیں لکھی ہیں، یہ گویا متعلق ہیں بھگوت گیتا کے۔

شنکر اچاری کے کئی صدی بعد راما چاری نے فرقۂ وشنو کو قائم کیا۔ اس مذہب کو [illegible]

جو شنکر اچاری سے اختلاف ہے۔ راما چاری کے ہاں وحدت شہود ثابت تھی۔ (ماخذات تاریخ ہند قدیم، رومیش چندر دت۔ میکس مولر۔ شہرستانی کی ملل والنحل۔ رسائل شبلی۔ البیرونی کی الہند۔ ابن حزم کی ملل والنحل۔ آزاد کی سخندانِ پارس۔ مرزا مہدی خاں کی رپورٹ مردم شماری ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری۔ راجہ رام موہن رائے کی تصانیف۔ نامۂ خسرواں)۔

نواب مہر امین جنگ بہادر کا قابل قدر مضمون جو رسالہ ترقی (حیدرآباد) میں شائع ہوا، اس میں اچھی طرح بتایا گیا ہے کہ مسئلہ توحید نے ہندوستان میں وقتاً فوقتاً کیا رنگ بدلے۔ شنکر اچاری نے توحید کی تعبیر "وحدۃ الوجود" سے کی (لاموجود الا ہو)۔ اس مسئلہ وحدۃ الوجود نے اہل ہند کو مبداء توحید سے بہت دور کر دیا تھا۔ اور جس وقت ہندوستان میں اسلام آیا تو دراصل ویدادُ شنکر اچاری کی تعلیم نسیاً منسیاً ہو چکی تھی۔ راما چاری نے ہندوستان میں ظہور اسلام کے بعد وحدۃ الوجود کو توحید کی طرف زیادہ مائل کر دیا تھا۔ بعد میں مادھو اچاری کا ظہور ہوا۔ انھوں نے قدیم مسئلہ وحدۃ الوجود کے عوض صاف صاف "وحدہ لاشریک لہ" کی تعلیم جاری کر دی تھی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید قدس سرہٗ نے ہندوؤں کے مذہب کے متعلق نہایت جامع اور مکمل محققانہ فیصلہ فرمایا ہے۔ وہ اپنے مکتوب ۱۴ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

"پرسیدہ بودند کہ کفارِ ہند مثل مشرکانِ عرب دینِ بے اصلے دارند یا آں را اصلے ہست و منسوخ شدہ۔ و در حق پیشینیاں اینہا چہ اعتقاد باید کرد۔ مختصرے از روئے تحقیق و انصاف مرقوم می گردد۔ بداند آنچہ از کتب قدیمۂ اہل ہند معلوم می شود این است کہ رحمت الٰہیہ در وقت آغاز پیدائش نوع انسانی برائے اصلاح معاش و معاد کتابے مسمّٰی بہ بید کہ چہار دفتر واہد مشتمل بر احکام امر و نہی و اخبار ماضی و مستقبل است بتوسط ملکے برہما نام کہ آمر و جارحۂ ایجاد عالم است فرستادہ۔ و مجتہدان ازاں کتاب شش مذہب استخراج نمودہ بنائے اصول عقائد بداں گذاشتہ ایں فن را دھرم شاستر نامیدہ اند یعنی فن ایمانیات کہ علم کلام باشد و نوع انسانی را چہار فرقہ نمودہ چہار مسلک ازاں کتاب برآمدہ برائے ہر فرقہ مسلکے قرار دادہ

بنائے فروع اعمال را بر آں نهاده اند و این فن را کرم شاستر خوانده اند یعنی فن عملیات که علم فقه باشد . و چوں نسخ احکام را منکر اند و بحکم عقل مناسب طبائع اهل هر مدت و زمان تجویز تغیر اعمالی مزید ست . و عمر طولانی عالم را چهار حصه ساخته هر یکے را جگ نام کرده برائے اهل هر جگ طور عملے از آں بر چهار فقرا نفذ نموده اند . و انچه متاخرین اینها تصرفات کرده اند از اعتبار ساقط است . و جمیع فرق ایشاں در توحید باری تعالیٰ اتفاق دارند . و عالم را مخلوق می دانند و اقرار بفنائے عالم و جزائے اعمال نیک و بد و حشر و حساب دارند . و در علوم عقلی و نقلی و ریاضیات و مجاهدات و تحقیق معارف و مکاشفات اینها را ید طولیٰ است . و عقلهائے اینها فرصت عمر آدمی را چار حصه قرار داده ، حصهٔ اول در تحصیل علوم و دوم در تحصیل معاش و اولاد و سوم در تصحیح اعمال و ترویض نفس و چهارم در مشق انقطاع و تجرد که غایت کمال انسانی است و نجات کبریٰ که بر آں موقوف ست صرف می نمایند . و قواعد و ضوابط دین اینها نظم و نسق تمام دارد . پس معلوم شد که دین هر نبی بوده است و منسوخ شده . و از ادیان منسوخ غیر از دین یهود و نصاریٰ نسخ دین دیگر در شرع مذکور نیست . حال آنکه نسخ بسیار در معرض محو و اثبات آمده و باید دانست که بحکم آیهٔ کریمه وان من امة الا خلا فیها نذیر و کریمه و لکل امة رسول آیات دیگر . در ممالک هندوستان نیز بعثت انبیا و رسل علیهم السلام واقع شده است . و احوال اینها در کتب اینها مضبوط است . و از آثار اینها ظاهر می گردد . که مرتبهٔ کمال و تکمیل داشته اند . و رحمة عامه رعایت مصالح عباد را درین مملکت وسیع نیز فرو نگذاشته . و پیش از بعثت خاتم الرسل صلی الله علیه وسلم در هر قومے پیغمبرے مبعوث شده و اطاعت و انقیاد همان پیغمبر بر آں قوم واجب بوده نه اتباع قوم دیگر . و بعد ظهور پیغمبر ما که خاتم المرسلین است صلی الله علیه وسلم و مبعوث است بکافهٔ انام و دین او ناسخ ادیان ست شرقاً و غرباً مدتے را تا انقراض زمان مجال عدم انقیاد وی نمانده پس از آغاز بعثت او تا امروز که هزار و صد و هشتاد و سال ست هر که باد سے نگرویده

کفر نیست نسبت بہ ایشان۔ و چون شرع بحکم آیۂ کریمہ منہم من قصصنا علیک ومنہم من لم
نقصص علیک۔ از بیان احوال اکثر انبیا ساکت است۔ در شان انبیا ہند سکوت اولیٰ است
نہ ما را جزم بہ کفر و ہلاک اتباع آنہا لازم است و نہ تعیین بر نجات آنہا بر ما واجب۔ و
مادہ حسن ظن متحقق است بشرطیکہ تعصب درمیان نہ باشد۔ و در حق اہل فارس
بلکہ اہل ہر ملکت کہ پیش از ظہور خاتم الرسل گذشتہ اند و لسان شرع از احوال آنہا ساکت
است۔ و احکام و آثار آنہا مناسب و موافق مسلک اعتدال است ہمیں عقیدہ
اولیٰ است۔ و کافر گفتن کسے بے دلیل قطعی آسان نہ باید دانست۔ و حقیقت بت
پرستی اینہا آن است کہ بعض ملائکہ کہ بامر الٰہی در عالم کون و فساد تصرفے دارند یا بعض
ارواح کاملان کہ بعد ترک تعلق اجساد آنہا را دریں نشأہ تصرفے باقی است یا بعض افراد
احیا کہ بزعم اینہا مثل حضرت خضر زندۂ جاوید اند، صور آنہا ساختہ متوجہ بآں می شوند و
بسبب ایں توجہ بعد مدتے بصاحب آں صورت مناسبت بہم می رسانند و بنا بران مناسبت
حوائج معاشی و معادی خود را روا می سازند و ایں عمل مشابہتے بذکر رابطہ دارد کہ معمول صوفیۂ
اسلامیہ است کہ صورت پیر را تصور می کنند و فیض ہا بر می دارند ایں قدر فرق ہست کہ
در ظاہر صورت شیخ نمی تراشند و ایں معنی مناسبتے بعقیدۂ کفار عرب نہ دارد کہ آنہا بتان
را متصرف و مؤثر بالذات می گفتند نہ آلۂ تصرف الٰہی۔ و ایں ہا را خدائے زمین می دانستند
و خدائے تعالیٰ را خدائے آسمان۔ و ایں شرک است۔ و سجدۂ اینہا سجدۂ تحیت ست
نہ سجدۂ عبودیت کہ در آئین ایں ہا بہ مادر و پدر و پیر و استاد بجائے سلام ہمیں
سجدہ معمول و مرسوم است کہ آں را ڈنڈوت می گویند۔ و اعتقاد تناسخ مستلزم
کفر نیست۔" (مقامات مظہری)

اس مکتوب کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-
(آپ نے) دریافت کیا تھا کہ اہل ہند کا مذہب مشرکان عرب کے مذہب کے مثل بے اصل ہے

یا یہ کہ اس کی کوئی اصل ہے کہ جس کی تنسیخ عمل میں آگئی، اور یہ کہ ان بزرگوں کے متعلق کیا اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ تحقیق و انصاف کے ساتھ بطور مختصر جواب دیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اہل ہند کی قدیم کتابوں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ نوع انسانی کی پیدائش کے آغاز کے موقع پر رحمت الٰہیہ نے معاش و معاد کی اصلاح کے لئے ایک کتاب بید نامی ایک فرشتہ برہما کے توسط سے بھیجی۔ اس کتاب کے چار دفتر ہیں جو احکام امر و نہی اور اخبار ماضی و مستقبل پر مشتمل ہیں۔ ان لوگوں کے مجتہدوں نے اس کتاب سے چھ طریقوں کا استخراج کر کے ان پر اپنے عقائد کے اصول کی بنیاد رکھی۔ اس فن کو دھرم شاستر کے نام سے موسوم کیا گیا۔ گویا فن ایمانیات یا علم کلام اس کو کہنا چاہیئے نوع انسانی کے افراد کو چار فرقوں میں تقسیم کر کے چار مسلک اس کتاب (بید) سے نکالے گئے اور ہر فرقہ کے لئے ایک مسلک قرار دے کر اس پر فروع اعمال کی بنیاد رکھی گئی۔ اس فن کو کرم شاستر کا نام دیا گیا۔ گویا فنِ عملیات یا علم فقہ۔ اور چونکہ احکام کی تنسیخ کے منکر ہیں اور از روئے عقل ہر زمانہ کے لوگوں کے طبائع کے مناسب تغیر اعمال کی تجویز ضروری ہے اس لحاظ سے عالم کی عمر طولانی کے چار حصّہ کر کے ہر ایک کو "جگ" کا نام دیا گیا، اور ہر جگ کے لوگوں کے لئے طریقۂ عمل ان چار دفتروں سے اخذ کیا گیا۔ ان لوگوں کے متاخرین نے جو کچھ تصرفات (تحریفات) عمل میں لائے ہیں وہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ ہندوؤں کے تمام فرقوں کو توحید باری تعالیٰ میں اتفاق ہے، عالم کو مخلوق جانتے ہیں، یہ اقرار ہے کہ عالم فنا ہونے والا ہے، اور یہ کہ نیک و بد اعمال کی جزا ملے گی، حشر ہوگا اور حساب عمل میں آئیگا۔ ان لوگوں کو علوم عقلی و نقلی، ریاضیات و مجاہدات، تحقیق معارف و مکاشفات میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ ان کے عقلاء نے آدمی کی عمر کے زمانہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلا حصّہ علوم کی تحصیل میں بسر کیا جاتا ہے، دوسرے حصّہ کو معاش پیدا

سلہ اس ترجمہ کی ذمہ داری مؤلف پر نہیں ہے۔

کرنے اور تولید اولاد میں صرف کیا جاتا ہے۔ تیسرا حصہ تصحیح اعمال اور نفس کشی میں گزارا جاتا ہے اور چوتھا حصہ (خدا کی یاد اور مخلوق کی خدمت) انقطاع اور تجرد کی مشق میں کہ کمال انسانی کی غایت وہی ہے اور نجات کبریٰ (مکتی) اسی پر موقوف ہے۔ ان کے مذہب کے قواعد و ضوابط کو پورا نظم و نسق حاصل ہے۔ قواعد و ضوابط پوری طرح مدون تھے بس معلوم ہوا کہ ہر نبی کے لئے اپنا دین تھا جو منسوخ ہوگیا۔ جو مذاہب منسوخ ہوگئے اُس کے سلسلہ میں شرع میں سوا یہود و نصاریٰ کے مذہب کی تنسیخ کے کسی اور مذہب کی تنسیخ کا حال بیان نہیں ہوا ہے۔ حالانکہ احکام کے باقی رکھنے اور بدل دینے کے متعلق بہت کچھ تنسیخ عمل میں آئی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ قرآن کریم کی ان آیتوں کے مدنظر وان من امۃ الاخلا فیھا نذیر اور لکل امۃ رسول اور نیز دوسری آیتوں کے اعتبار سے ممالک ہندوستان میں بھی انبیا اور رسولوں کی بعثت واقع ہوئی ہے۔ ان کے احوال ان لوگوں کی کتابوں میں منضبط ہیں۔ ان لوگوں کے آثار (احوال) سے ظاہر ہوتا ہے کہ تکمیل و کمال کا مرتبہ ان کو حاصل تھا اور رحمت عامہ اور مصالح عباد کی رعایت کو اس وسیع مملکت میں بھی چھوڑا نہیں دیا گیا۔ خاتم الرسل صلعم کی بعثت سے قبل ہر قوم میں ایک پیغمبر مبعوث ہوا اور اس قوم پر اسی پیغمبر کی اطاعت واجب تھی۔ دوسری قوموں کے پیغمبروں کی اتباع ضروری نہیں تھی۔ ہمارے پیغمبر کے ظہور کے بعد کہ آپ خاتم المرسلین ہیں اور ساری دنیا کے لئے آپ مبعوث ہوئے ہیں، اور آپ کا دین مشرق و مغرب کے مذاہب کا ناسخ ہے، کسی کو آخر زمانہ تک آپ کی اطاعت سے گریز کرنے کی مجال نہیں ہے۔ شرع اسلامی بموجب آیۂ کریمہ منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك اکثر انبیا کا احوال بیان کرنے سے ساکت ہے۔ انبیار ہند کی شان میں سکوت اولیٰ ہے۔

ان لوگوں کی بت پرستی کی حقیقت یہ ہے کہ بعض ایسے ملائکہ ہیں کہ ان کو امر الٰہی

سے عالم کون و فساد میں کوئی نہ کوئی تصرف حاصل ہے، یا بعض کاملوں کی روحیں ایسی ہیں کہ جسد سے تعلق ترک ہونے کے بعد اس دنیا میں ان کو کوئی تصرف حاصل رہتا ہے یا بعض افراد کے متعلق یہ خیال ہے کہ مثل حضرت خضر زندۂ جاوید ہیں - ان سب کی صورتیں بنا کر ان کی جانب توجہ کی جاتی ہے۔ اور اس توجہ کی وجہ سے کچھ مدت کے بعد اس صاحب صورت کے ساتھ مناسبت پیدا کر لی جاتی ہے اور اس مناسبت کی بنا پر اپنے معاش و معاد کے حوائج کو جاری کرتے ہیں، یہ عمل "ذکر رابطہ" سے مشابہت رکھتا ہے کہ جو اسلامی صوفیا کے پاس معمول رہا ہے۔ اور جس میں پیر کی صورت کا تصور کیا جاتا اور فیوض حاصل کئے جاتے ہیں۔ البتہ یہ فرق ہے کہ صوفیۂ اسلامیہ ظاہر میں کوئی صورت نہیں تراشا کرتے۔ اہل ہنود کے اس طریقہ کو کفارِ عرب کے عقیدہ سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ کفار عرب خود بتوں کو متصرف اور مؤثر بالذات خیال کیا کرتے تھے، ان کو آلۂ تصرف الٰہی نہیں قرار دیا گیا تھا۔ بتوں کو خدائے زمین قرار دے رکھا تھا اور خدائے تعالیٰ کو خدائے آسمان، اور یہ شرک ہے۔ اہل ہنود کا سجدہ سجدۂ تحیت (سلام) ہے نہ کہ سجدۂ عبودیت (بندگی)، ان لوگوں کے ہاں قاعدہ یہ تھا کہ ماں، باپ، پیر اور استاد کو بجائے سلام کے سجدہ کیا جاتا تھا۔ اس کو ڈنڈوت کہا کرتے تھے، اور اعتقاد تناسخ مستلزم کفر نہیں ہے"۔

یہ تحقیق جس بے تعصبی سے فرمائی گئی ہے اس پر اضافہ مشکل ہے۔

بہمنی دور

انتظام مملکت

سلطنت بہمنیہ میں مکمل باضابطہ انتظام مملکت دہلی کے نمونہ پر موجود تھا۔ علاؤالدین نے جو گویا منتخب شدہ صدر تھا، وہ نظام قائم رکھا جو دہلی میں موجود تھا اور جو قتلغ خاں نے دکن میں بھی قایم کیا۔ دراصل یہ تمام نظام بغداد سے ماخوذ ہے اور بغداد میں ایران سے۔ ایران کی قدیم تاریخ سے وہی نظام معلوم ہوتا ہے، جو مابعد اسلامی دور میں قائم ہوا۔ لی بان نے بیان کیا ہے کہ بغداد کا نظم و نسق زمانۂ حال کے نظم و نسق کے قریب قریب تھا۔ البتہ طرز کارروائی میں وقتاً فوقتاً تبدیلی ہوتی رہی ہے اس وقت کے بہت سے عہدے صرف نام سے یادگار رہ گئے ہیں۔ ملک نائب سیف الدین غوری اول مدار المہام سلطنت بہمنیہ کے رسالہ نصائح الملوک سے بہت سے عہدوں کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ (عبد الجبار، تاریخ دکن ص۶۲) آئین اکبری سے بھی قدیم نظم و نسق کا اصول معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ وقتاً فوقتاً عہدوں کے فرائض و نوعیت میں بہ لحاظ حالات تبدل لازمی ہے۔ بغداد کا نظم و نظام حکومت معلوم کرنے کے لئے ماوردی کی احکام السلطانیہ پر رجوع کرنا چاہیئے۔

عادل شاہیہ کے فرمان موسومہ محمامان میں درج ہے کہ

"درخراسان و.......از کاریگران ہیچ نمی گیرند"

(تاریخ سلطنت بیجاپور، بشیر الدین جلد ۲ صفحہ ۱۲۱)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایران ہی اس زمانہ کا ولایت تھا، جس کی تقلید ہندوستان میں کی جاتی تھی۔

سر رشتۂ فوج

یہ سررشتہ تو زمانۂ سابق میں دراصل بنیاد حکومت تھا۔ زمانۂ حال میں فوج کی اہمیت عدالت

اور تجارت کے روپیہ کم ہو گئی ہے۔ مگر اس وقت تو یہی سررشتہ اصل مرکز انتظام تھا۔ اس زمانہ کے انتظامات کا کچھ بگڑا ہوا حصہ اب تک نظم جمعیت میں نظر آجاتا ہے، جو اپنے اصل منشا نظم کے برخلاف بدنظمی کا مرادف سمجھا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں ہر سررشتہ جداگانہ تھا۔ سوار (بہ ماتحتی سرخیل) پیدل، توپ خانہ بہ ماتحتی میر آتش رسد رسانی، فیل خانہ (بہ ماتحتی شحنۂ فیل) بحریہ (بہ ماتحتی میر بحری)۔ ان تمام سررشتوں کے انتظامات کی یادگار میں خاص اصطلاحات اور عہدوں کے نام موجود رہ گئے ہیں۔ سلطنت بہمنیہ کا پہلا میر بحری بایزید خاں غالباً ترک تھا۔

بقول تاریخ نظامی بہمنی فوج ابتدا میں پچاس ہزار سوار، پچیس ہزار پیدل سے زیادہ نہیں تھی۔ محمد شاہ کے زمانہ میں اس پر اضافہ ہوا۔ پائے تخت میں ایک لاکھ تک فوج رہتی تھی۔ پھر صوبجات میں جداگانہ۔ چار صوبوں میں چالیس ہزار سے کم فوج نہ تھی۔ (عبدالجبار۔ ص۹۵)

تحفۃ السلاطین کے حوالہ سے عبدالجبار نے لکھا ہے کہ علاء الدین نے جب گجرات اور مالوہ پر فوج کشی کی تو اس وقت پچاس ہزار سوار اور ساٹھ ہزار پیدل فوج تھی (ص۱۹۶) اتھناسیس نے محمد شاہ ثانی کی فوج تین لاکھ بیان کی ہے جو ہر طرح آراستہ تھی۔

محمد شاہ نے فوجی القاب بھی مقرر کئے تھے، مثلاً سلحدار، سرخیل، جوناق یکہ، بار دار، سرنوبت وغیرہ۔ ان سب کے معانی کے متعلق عبدالجبار نے صراحت کی ہے۔ (ص۲۲۲)

سلح خانہ، فیلخانہ، شترخانہ، اور گاڑی خانہ ہر ایک صیغہ جدا جدا تھا۔ جسے کارخانہ سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

محمد شاہ کے وقت سلح خانہ میں بیس ہزار تلوار، بیس ہزار خنجر، پندرہ ہزار کٹار، دس ہزار سپر، پانچ ہزار زرہ، پانچ ہزار خود، دس ہزار نیزے، بیس ہزار تیر، دس ہزار کمان، دس ہزار بندوق اور پانچ سو گرز موجود تھے۔ اور گولۂ بندوق دس من، بارود کے کوٹھے علحدہ تھے۔ (عبدالجبار ص۲۳۱)

شاہی ہاتھی تین سو بیس، اونٹ ہزار سے زیادہ، دو سو رتھ، تین سو گاڑیاں اور پانچ سو

شاہی گھوڑے تھے۔

توپ خانہ

مسلمانوں میں، ہندوستان میں سب سے پہلے توپ خانہ کا استعمال محمد شاہ بہمنی نے کیا۔ (محمد شاہ کا زمانہ ۷۵۹ھ سے ۷۷۶ھ تک ہے) مآثر برہانی سے ثابت ہوتا ہے کہ بیجانگر میں اس سے پہلے توپوں کا رواج شروع ہو چکا تھا۔ (۷۶۳ھ بمقام بیجانگر) غالباً براہ ساحل، جہازوں کے ذریعہ یہ آتشی تحفہ ہندوستان پہونچا۔ بہرحال اس نئے حربہ کی ملاقت محمد شاہ نے اس ساز و سامان کے ساتھ کی کہ چند ہی دنوں میں بیجانگر کا توپ خانہ بازیچۂ اطفال بن کر رہ گیا۔ بہمنی توپ خانہ میں ترک اور فرنگی مامور تھے۔ میر آتش (کمانڈر) کا نام مقرب خاں سیستانی تھا۔ چنانچہ فرشتہ نے لکھا ہے کہ:-

"فرامین مطاعہ بہ جمیع قلاع و ممالک محروسہ مرسول داشتہ و توپ و ضرب زن بسیار طلب کرد و کارخانۂ آتش بازی راکہ پیشتر ازیں در دکن میان مسلمانان شائع نہ بود محل اعتماد ساختہ سرکاری آں را بہ مقرب خاں ولد صفدر خان سیستانی کہ از امرائے معتمد بود رجوع فرمود و جمیع رومیاں و فرنگیاں کہ ملازم آن موکب منصور بودند تابع مقرب خاں شدہ توپ خانۂ بزرگ ترتیب یافت۔"

سرکاری توپ خانہ میں خود توپیں ڈھالی جاتی تھیں۔ دیگر آلاتِ حرب بھی تیار ہوتے تھے۔ باروت سازی کے متعدد کارخانے موجود تھے، گولے گولیاں بھی تیار ہوتی تھیں (عبد الجبار ص۲۳۳)

تقسیم ملکی

دارالسلطنت بجائے دولت آباد کے گلبرگہ قرار پایا، اس کی وجہ وہی تھی جو دارالخلافہ کے دمشق سے بغداد میں منتقل کی تھی، یعنی گلبرگہ میں علاء الدین کے اثرات زیادہ قوی تھے۔ علاء الدین نے تلتغ خاں کی تقسیم کے مطابق اپنے ممالک محروسہ کے ۴ حصے قرار دیئے تھے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱- ملک نائب۔ حسن آباد گلبرگہ تا حدود ابل و رائچور و مدگل۔ (صوبہ گلبرگہ)

۲۔ مسند عالی۔ دولت آباد۔ جنیر۔ چیول۔ بیڑ وغیرہ (صوبۂ اورنگ آباد)

۳۔ مجلس عالی۔ براڑ۔ و ماہور

۴۔ اعظم ہمایوں۔ بیدر، قندہار، اندور، اور کولاس وغیرہ علاقۂ تلنگانہ (صوبۂ گلشن آباد)

ہر صوبہ کا لقب: ملک نائب، مسند عالی، مجلس عالی، اور اعظم ہمایوں، محمد شاہ اول نے مقرر کئے تھے۔

محمود گاواں نے بہ زمانۂ محمد شاہ ثانی آٹھ قسمت قرار دیئے اور ان کے لئے ۸ سرلشکر جو طرف دار کہلائے جاتے تھے، مقرر کئے۔ جو یہ تھے:۔

(۱) کاویل۔ (۲) ماہور۔ (۳) دولت آباد۔ (۴) گلبرگہ۔ (۵) راجبندری۔ (۶) ورنگل۔ (۷) جنیر اور (۸) بیجاپور۔

ان آٹھ اطراف میں بہت سے قصبے اور پرگنے خاصہ قرار دیئے گئے، جو راست بادشاہ کی نگرانی میں تھے گویا صرف خاص کے مماثل۔

سکہ

محمد شاہ اول نے اپنا سکہ بھی جاری کیا۔ بہمنی سلطنت کے سکے چاندی اور سونے دونوں قسم کے ہوتے تھے۔

مسی سکے بھی جاری کئے گئے تھے۔ ایک پورا پیسا اور ایک آدھا پیسا۔ (عبدالجبار ص ۱۳۵)

سونے اور چاندی کے سکے کل ۴ مقداروں کے ہوتے تھے۔ انتہائی وزن ۲ تولے، کم سے کم وزن ½ تولہ۔ سکوں کے ایک جانب کلمۂ شہادت اور خلفاء اربع کا نام، دوسری طرف بادشاہ کا نام اور تاریخ ضرب سکہ۔ بقول فرشتہ قدیم دکنی صرافوں نے سازش کی اور سکے گلا دیئے۔ ان کو یہ منظور نہ تھا کہ نئے سکے جاری ہوں۔ قدیم سکے خالص نہیں ہوتے تھے۔ ان سے صرافوں کا بہت فائدہ تھا۔ جرم کی سزا قتل قرار دی گئی اور چند صراف قتل بھی کئے گئے۔ قدیم صرافوں کے عوض کھتری صرافوں کو کام دیا گیا۔ یہ صراف فوج کے ساتھ دہلی سے آئے تھے اور دکن میں

بھی مراتی اختیار کرلی تھی۔ فیروز شاہ کے زمانہ میں قدیم دکنی صراف پھر بحال ہو گئے۔ سلطنت بہمنیہ میں زوال پیدا ہوا تو پھر دکن میں ہُن اور پرتاب، قدیم سکّے رواج پا گئے۔

سونے کا سکہ صرف شاہانِ بہمنیہ نے جاری کیا تھا۔ ان کے بعد پانچوں ریاستوں کو سونے کا سکہ رائج کرنے کی قدرت نہیں ہوئی۔

مال گزاری

مال گزاری کا انتظام وہی رہا جو قدیم سے چلا آتا تھا۔ مقامی حالات کے لحاظ سے ہر جگہ مناسب انتظام کیا جاتا تھا۔ اور اسی نے سلطنت بہمنیہ کو ہندو رعایا میں ہر دلعزیز بنا دیا۔ سید تقی اصفہانی پہلا صدر محصلین مال واجب ادر مال دیہ تھا۔ جاگیر کا طریقہ جو مغول تاتار کی ایجاد بیان کیا جاتا ہے (عبدالجبار ص۱۰۱) شمالی ہند کی طرح دکن میں بھی جاری کیا گیا بلکہ کسی قدر زیادہ ہی۔ خود علاء الدین کو محمد تغلق نے جاگیریں عطا کی تھیں۔

جاگیریں اس غرض سے دی جاتی تھیں کہ اس کی آمدنی فوج کی تنخواہ میں دی جائے، اور بعد وضع اخراجات رقم سرکاری خزانہ میں داخل ہو۔ (عبدالجبار ص۱۰۱) اس سے ظاہر ہوگا کہ بتدریج جاگیر کے طریقہ نے کیا شکل اختیار کی معطی لہ سے دوسرے کو جاگیر اس غرض سے ہی منتقل ہوتی تھی۔ چنانچہ تغلقی اور بہمنی دور میں یہی اصول تھا

احمد شاہ ولی بہمنی کا فرمانِ جاگیر خاندان حضرت خواجہ بندہ نواز میں موجود ہے

مالگزاری کے نہ صرف قدیم اُصول بحال رکھے گئے بلکہ ذرائع آب پاشی کی ترقی سے ایک جدید دور ترقی آغاز ہوا۔ ایک عرصہ سے گزشتہ راجاؤں کے زمانہ میں جو ابتری پیدا ہو گئی تھی، اُس کے رفع ہونے سے خود بخود ترقی ہونے لگی، بنجر زمینیں آباد ہونے لگیں، آمدنی بڑھ گئی، گنگو پنڈت کی فطرت نے گویا اسی لئے تخلیق کی تھی کہ زمین آباد اور قابل زراعت بنائے۔ (عبدالجبار ص۱۲۷)

کرڑور گیری

یہ بھی قدیم سررشتہ ہے۔ تمغہ چی کرڑور پرانا لفظ ہے۔ میر زین العابدین اس سررشتہ کا پہلا ناظم تھا۔

بہمنیہ کے پہلے سے جس قدر اور جس طریقہ سے محصول لیا جاتا تھا وہی بحال رہا، البتہ حق کچہری موقوف کر دیا گیا۔ محاصل کے مقدار کی صراحت مولوی عبدالجبار نے بتائی ہے (صفحہ ۱۳۰)

سررشتۂ عدالت

یہ سررشتہ بھی گویا قدیم سے چلا آتا ہے۔ اور اسلامی حکومتوں میں اس کی وقعت زمانۂ حال کے سررشتۂ عدالت سے کم نہ تھی۔ عباسیوں کے زمانہ سے پورا باقاعدہ سسٹم موجود تھا۔ اور ہر جگہ اس کی تقلید کی گئی۔ قاضی کے اقتدارات باقاعدہ عدالتی تھے۔ صدر الشریف سمرقندی پہلا صدر الصدور تھا اور ملا سید احمد غزنوی مفتی۔ دربار میں ان دونوں کا اقتدار مسلّم تھا۔ چنانچہ سیاسی قتل کے لئے بھی فتویٰ حاصل کیا جاتا تھا۔ ایک عہدہ قاضی عسکر کا بھی تھا جیسے کہ ترکوں میں۔ اس پر سید محمد بدخشی کا تقرر ہوا۔ قاضی مفتی محتسب کے اختیارات و فرائض جدا جدا تھے۔ فوجدار، داروغہ کے عہدے بھی تھے۔ داروغہ گویا تعمیل احکام کے لئے ذمہ دار تھا۔

شاہان وقت عدالت میں جا کر معائنہ کرتے لیکن درحقیقت قاضی فیصلہ میں آزاد ہوتا تھا، جو تاریخ اسلامی میں مسلّم واقعہ ہے۔

علاؤ الدین بہمنی عدالتی اختیارات میں مداخلت بالکل نہیں کرتا تھا، بلکہ ہر معاملہ میں حکم عدالت حاصل کرتا تھا۔

سررشتۂ رجسٹریشن

اگرچہ یہ صیغہ جدید خیال کیا جاتا ہے، جیسے کہ خود اس کے انگریزی نام سے ظاہر ہے لیکن دراصل اسلامی دور میں یہ کام عدالت کا ضمیمہ رہا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ولیکتب بینکم کاتب بالعدل سے صاف کتابت (رجسٹری) کا حکم پایا جاتا ہے۔ وقتاً فوقتاً اسلامی دور میں باقاعدہ دستاویزات کا وجود پایا جاتا ہے۔ فرامین سے ثابت ہے کہ صیغۂ رجسٹری قاضیوں ہی سے متعلق تھا۔ پرانے قبالہ جات مصدقۂ قضاۃ موجود ہیں۔

سررشتۂ کوتوالی

یہ سررشتہ تونہایت قدیم اصلی لوازم وضروریات سلطنت سے ہے۔ خود لفظ کوتوال اس سررشتہ کی قدامت کی دلیل ہے۔ یہ لفظ ایسا قدیم ہے کہ اس کی ابتدا کا پتہ چلانا دشوار ہوگا۔ قیر خاں سلطنت بہمنی کا سب سے پہلا کوتوال ہے (عبدالجبار صفحہ ۲۷)

محمد شاہ کے زمانہ میں چوری اور ڈاکہ زنی کا خاص طور سے انتظام کیا گیا۔ ۲۰ ہزار رہزن (ٹھگ) قتل کئے گئے۔ یہ کام ایک عرصہ کے بعد بوجہ مرور زمان پھر انگریزوں کے زمانہ میں بھی ہوا۔ اتھانسیس ارمنی سیاح نے محمد شاہ بہمنی کے زمانہ میں سیاحت کی تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ سڑکوں پر جا بجا پہرہ چوکی تھا۔ مسافروں کو کسی قسم کا خدشہ نہ تھا۔ (تاریخ بیجاپور صفحہ ۱۳۶)

سررشتۂ ٹپہ

یہ سررشتہ بھی قدیم سے موجود رہا ہے۔ اگرچہ پوری طرح پبلک کے استفادہ کا انتظام نہیں تھا فاتح دکن علاؤالدین کے زمانہ میں دکن سے دہلی تک ڈاک برابر جاری تھی۔ اتفاق سے جب ایک دفعہ ڈاک کے آنے میں دیری ہوئی تو علاؤالدین نے حضرت نظام الدین اولیاء کے پاس ایک وفد بھیجا تھا۔ اس کا قصہ مشہور ہے۔ محمد تغلق کے پاس دہلی سے خط ورنگل میں ساتویں دن پہونچتے تھے۔ ڈاک کے انتظام کے لئے نائیک واڑی مقرر ہوتے تھے۔ ۳-۳ میل پر ٹپہ کی چوکی رہتی تھی۔ احکام سرکاری روزانہ روانہ ہوتے رہتے تھے، جوابات بھی لائے جاتے۔ گھونگرو ٹپہ اسی زمانہ کی یادگار ہے۔ یہ گھونگرو ٹپہ کے اعلام کی علامت تھی۔ سانڈنیاں بھی متعین ہوتی تھیں رویت ہلال کے لیے بھی سانڈنی سوار مقرر ہوتے تھے گھوڑوں کی بھی ڈاک تھی (عبدالجبار صفحہ ۱۲۳)

انتظام قحط

محمود شاہ بہمنی کے زمانہ میں جب قحط واقع ہوا تو دس ہزار بیل سرکارِ خاصہ سے گجرات ومالوہ میں بھیجکر غلہ طلب کیا گیا اور ارزاں نرخ سے رعایا کو فروخت کیا گیا۔

جہاز رانی

فیروز شاہ کے حالات میں فرشتہ نے لکھا ہے کہ "ہر سالی از بندر گوہ و دابل جہوں جہازات باطراف

می فرستاد۔

سررشتۂ احتساب

در اصل یہ سررشتہ فرائض سررشتۂ تجارت ادا کرتا تھا۔ نرخ کا تعین، قانون علائی کا ایک بنیادی اصول تھا۔ لفظ نرخی اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ سید نورالدین پہلا محتسب تھا۔

امور مذہبی

علاء الدین حسن کے انتقال کے بعد اس کی اکیلی بیوی ملکۂ جہاں نے حج کا ارادہ کیا۔ محمد شاہ اول نے اپنی مذہبی عقیدت سے بیش قرار رقم حرمین الشریفین کو اپنی ماں کے ذریعہ سے بھجوائی۔ ۲۰۰ من طلا اور ۷۰۰ من چاندی۔ ۷۶۱ھ میں بندر دابھول سے جہاز روانہ ہوا۔ ایک مہینہ بعد یہ جہاز جدہ پہونچا۔ ملکۂ جہاں نے چار ہزار اہل حرمین کا نکاح کرایا، مدینۂ منورہ میں سال بھر قیام رہا۔ خلیفۂ اسلام حاکم بامر اللہ کا فرمان مجدداً اس سفر میں شرفاء مدینہ کے توسط سے حاصل کرا گیا۔ ملکۂ جہاں نے اپنی عظیم الشان خیرات سے گویا زبیدہ خاتون کی یاد تازہ کی۔

یتیموں اور اندھوں کے لئے انتظامات

حکیم نفس محمود شاہ بن علاء الدین نے یتامیٰ کے لئے گلبرگہ، بیدر، قندھار، ایلیچ پور، دولت آباد جنیر، جیول، دابل وغیرہ مقامات میں معلمین مقرر کئے، اور ان کے اخراجات کے لئے رقم منظور کی۔ اندھوں کے لئے بھی مشاہرے مقرر تھے اور ان کی خبرگیری کی جاتی تھی۔

وظائف و تعلیم مذہبی

محدثین کرام کے لئے بڑے بڑے شہروں میں وظائف مقرر کئے گئے۔ ان وظائف کا اصل مقصد مذہبی تعلیم تھا۔ مولوی عبدالجبار نے تحفۃ السلاطین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سلاطین اسلام کی کشاکش ملک سے اشاعت اسلام مقصود ہوتی تھی۔ ملک کی فتح کے ساتھ ہی تعلیم کی جانب توجہ کی جاتی۔ علماء دین بغرض ہدایت مقرر ہوتے ہر ہر جگہ مسجدیں تعمیر ہوتیں، اور ان میں امام و مؤذن مقرر کئے جاتے۔ ان کا فرض ہوتا کہ عوام الناس کو دین کی تعلیم دیں۔ عربی فارسی سکھائیں اور تعلیم و ہدایت میں تالیف قلوب اور حسن اخلاق کا لحاظ رکھیں

ملحقات میں عین الدین نے لکھا ہے کہ سلاطین بہمنیہ نے دکن میں عربی اور فارسی کا رواج دیا۔ چنانچہ علاء الدین نے مدرسے بنائے، طلبہ اور اساتذہ کے لئے وظائف مقرر کئے، اکثر مدرسے مسجدوں کے ساتھ ہوتے تھے، چنانچہ ایلچ پور کا مدرسہ جو ۸۰۵ھ میں قائم ہوا مسجد کے ساتھ تھا۔ (عبدالجبار ص۹۲ و ۹۳) تغافل کے ساتھ مدرسہ کا بھی خاتمہ ہوا۔ مدرسوں کے کل اخراجات سرکار سے دیئے جاتے تھے۔ دولت آباد اور گلبرگہ میں بھی مدرسے قائم ہوئے، مسجدوں اور خانقاہوں کے ضمن میں۔

احمد شاہ ولی کے زمانہ میں سررشتۂ امور مذہبی کو رونق تازہ حاصل ہوئی۔ مسجدوں کے لئے قاری، پیش امام، خدام اور روشنی کے اخراجات مقرر کئے گئے۔ احمد شاہ کو علماء اور مشائخ کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ ناصرالدین کربلائی کی بڑی تعظیم کی گئی، اور ان کی توہین کی سزا میں شیر ملک جیسا افسر قتل کردیا گیا احمد شاہ کو مشہور شاہ نعمت اللہ ولی سے بھی بڑی عقیدت تھی۔ شاہ صاحب نے سلطان کو خط میں یہ لقب لکھا کہ "اعظم الشاہان شہاب الدین احمد شاہ ولی" حضرت کے پوتے بیدر میں تشریف لائے، جہاں اُن سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی، اس جگہ ایک مسجد تیار کی گئی اور قریہ آباد کیا گیا۔ اس کا نام نعمت آباد رکھا گیا۔ بعد میں خود شاہ نعمت اللہ ولی کے خود فرزند بھی تشریف لائے۔ سلطان نے اپنی لڑکی اُن کے نکاح میں دی۔

علاء الدین حسن نے کئی لنگر خانے جاری کئے تھے، اور ہر لنگر خانہ کے لئے کئی مواضع کی آمدنی وقف کردی تھی۔ گلبرگہ میں شیخ سراج جنیدی اور مولانا عین الدین بیجاپوری کی خانقاہوں میں بڑے بڑے لنگر خانے تھے۔ (عبدالجبار ص۲۱۴)

دعوتوں میں علماء و مشائخ کا ہاتھ خود سلطان علاء الدین حسن افتتاحاً سیلابچی اپنے ہاتھ میں لیکر دُھلاتا، چنانچہ یہی طریقہ مابعد میں جاری رہا۔

حرمین شریفین اور دیگر مقامات مقدسہ میں سالانہ بکثرت رقم بھیجی جاتی۔ مکہ میں ایک رباط بنائی گئی جس کے اخراجات کے لئے سالانہ پانچ ہزار ہُن بھیجے جاتے۔ یہ رباط سلطان سلیم کے زمانہ تک باقی تھی۔ اعانت حرمین کا یہ اصول اس وقت سے برابر جاری رہا۔ غریبوں کی شادیاں بھی سرکاری طور سے

کرانے کی ابتداء بھی علاء الدین حسن نے کی (عبدالجبار ص۲۱۲) گویا اس وقت سے سرکاری خیرات مبرات کا یہ مد ایک جزو رہا ہے۔

سلسلۂ رشد و ہدایت

ہندوستان میں تبلیغ اسلام کی تاریخ مسلمانوں کی سیاسی تاریخ سے بہت زیادہ مہتم بالشان ہے، اس کی طرف، حقیقت یہ ہے کہ اب تک کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اور یہ امر ہمارے لئے کس قدر باعث ننگ ہو سکتا ہے کہ اس مسئلہ پر سب سے پہلے پروفیسر آرنلڈ نے اپنی مشہور و یادگار زمانہ کتاب "دعوتِ اسلام" کے ذریعہ سے روشنی ڈالنے کی کوشش آغاز کی۔

بادی النظر میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے ساتھ ساتھ اسلامی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا۔ لیکن پروفیسر آرنلڈ نے نہایت صحیح بیان کیا ہے کہ "ہندوستان میں اسلام کو اپنی اشاعت میں بڑی اور مستقل کامیابی ایسے اوقات و مقامات پر ہوئی ہے جہاں مسلمانوں کی سیاسی طاقت بہت ہی ضعیف تھی۔"

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سواحلِ ہند مثل ملیبار وغیرہ میں جس کثرت سے اسلامی آبادی ہے اس کے تناسب سے ان مقامات میں جو مسلمانوں کی سیاسی طاقت کے مرکز تھے، اسلامی آبادی بہت خفیف ہے۔

سواحل دکن کی اسلامی تاریخ تو مستقل طور سے شمالی ہند کی تاریخ سے متمائز نوعیت رکھتی ہے جہاں اسلام اپنی ابتدائی صدیوں میں ہی جہازوں کے راستہ سے پہونچ چکا تھا۔ اس کے متعلق ایک علحدہ رسالہ لکھا گیا ہے[۱]۔

بزرگانِ دین نے جو کچھ کوشش اس بارے میں کی حقیقت میں وہ اسلام کی ایک لازوال یادگار ہے، جو کسی طرح فنا نہیں ہو سکتی۔

---

[۱] اصل میں بطور مضامین یہ سلسلہ اولاً صحیفہ ماہواری میں شائع ہوا۔ بعد میں ان مضامین کو رسالہ کی صورت میں مرتب کیا گیا تھا۔ یہ مقالہ مجلۂ طیلسانین میں شائع ہو چکا ہے۔

دنیوی پُرشوکت درباروں سے بلاشبہ یہ منظر کس قدر پُراسرار اور کرامت سے لبریز ہے کہ بندگان طریقت کے فقیرانہ دربار الگ جمے ہوئے ہیں ۔ یہ شیوخ باقاعدہ طور سے علوم کی تکمیل کے بعد مسند ارشاد وہدایت پر جلوس کرتے تھے ۔ ایسے زمانہ میں جبکہ دولت مسلمانوں کی خادمہ تھی بوریائے فقر اور نان جوار کو پرتکلف مگر تکلیف دہ زندگی پر صدق دل اور خلوص نیت کے ساتھ ترجیح دیتے تھے ۔ ایسی ایسی ریاضتوں اور مجاہدوں سے جو اس زمانہ میں ناممکن معلوم ہوں ، خودی پسند فطرت انسانی کو رام بناتے ، روحانی طاقت کو جلا دیتے اور تمام فرزندان مادر ہند کے دلوں میں عام اس سے کہ تازہ وارد مسلمان ہوں یا ان سے پہلے آئی ہوئی مختلف قومیں ۔ سب کے دلوں میں نہ مٹنے والی حکومت کما سکہ جماتے ۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاتشبیہ یہ اسلامی مشن اسی طرح اپنے کام میں مصروف تھا جس طرح کہ ہمارے سامنے فرنگستان کے مسیحی مشن ۔ بندگان اسلام اس زمانہ کے آباد اور ماشرتی مرکزی مقامات میں جاکر لیتے اور اپنی ریاضتوں سے جوگ اور ہندی فلسفہ کی تہ کے اندر گھس کر اپنا گھر بنا لیتے ۔ تمام ملک میں سلسلۂ خلافت پھیلا دیتے تھے ۔ سب جگہ یہی نظر آتا تھا کہ ایک ہی منظم اصول پر کام ہورہا ہے ۔ گویا ایک ہی سالویشن آرمی (فوج نجات) کے اجزا ہیں جو مطلق اپنے اصول وقواعد سے انحراف نہیں کرتے ۔

یہ تصویر خیالی نہیں بلکہ سراسر حقیقت تاریخی ہے ۔

ساحل کے راستہ سے تو خود صحابۂ کرام کے مزار مبارک سرزمین ہند میں موجود ہیں لیکن براہ پنجاب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس بزرگ نے شمالی ہندوستان میں دعوتِ اسلام کی کوشش فرمائی وہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ ہیں جو دہلی میں اسلامی جھنڈا لہرانے کے پیشتر اپنے عزیز وطن کی دلچسپیوں کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر اجمیر کی پہاڑیوں میں وہ روحانی اثر تازہ کر رہے تھے جو غار حرا سے تمام دنیا میں عالمگیر اخوت کے جذبہ کی تکمیل کے لئے روشن ہوا تھا محمد غوری نے ۵۸۷ھ میں دہلی کو اسلامی دارالحکومت قرار دیا لیکن حضرت خواجۂ اجمیر اس سے

پہلے ہی ہندوستان میں اپنا کام خدا کی مدد کے بھروسہ پر آغاز کر چکے تھے۔

اجمیر سے آگے دولت آباد میں بھی جو اس وقت دیوگیر کے نام سے دولت و ثروت کا مرکز اور دارالحکومت تھا، اسی زمانہ میں داعیانِ اسلام کا پہونچ جانا ثابت ہے۔

سید شاہ مومن عارف باللہ کا مزار دولت آباد میں موجود ہے۔ آپ کی تاریخ ولادت مہتابِ عجم (سنہ ۵۶۹ھ) اور تاریخ وفات آفتابِ عجم (سنہ ۵۹۰ھ) مشہور ہے۔ گویا فتح دہلی کے دس سال کے بعد آپ کا وصال دولت آباد میں ہوا ہے۔ علاء الدین کا حملہ دولت آباد پر اس سے ایک صدی کے بعد ہوا۔ پس اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بزرگانِ طریقت کس طرح بے خوف و خطر اللہ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے ملک کے اندر گھستے چلے جاتے تھے۔

مولوی بشیر الدین نے ضمیمہ تاریخ بیجاپور میں لکھا ہے کہ حضرت مومن عارف باللہ کی مسجد میں کتبہ ہے لیکن یہ کہ پڑھا نہیں گیا۔

اگرچہ مجھے دولت آباد متعدد مرتبہ جانے کا اتفاق ہوا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہر دفعہ کسی نہ کسی عذر سے حضرت موصوف کے مزار پر حاضر ہونے کا موقع نہیں ملا۔ ورنہ کتبہ کے پڑھنے کی ضرور کوشش کی جاتی۔ اُمید ہے کہ سررشتۂ آثار قدیمہ اس کتبہ کو شائع کرائے گا۔ اس کتبہ سے ممکن ہے کہ یہ تاریخی واقعہ ثابت ہو جائے کہ دولت آباد پر فوج کشی سے ایک صدی پہلے داعیانِ اسلام دولت آباد پہونچ چکے تھے۔

افسوس ہے کہ حضرت ممدوح کے حالاتِ زندگی معلوم نہیں ہوئے۔ اگر ان کے حالات کے معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو اس زمانہ کے حالات پر بہت کچھ روشنی پڑ سکے گی۔

اس کے بعد اس ایک صدی کی طویل مدت میں جب کہ دولت آباد پر حملہ کیا گیا متعدد داعیانِ اسلام کا دکن میں آنا ثابت ہے۔ من جملہ اور بزرگوں کے حضرت جلال الدین بخاری گنج رواں مشہور ہیں ان کا مزار خلد آباد اور دولت آباد کے مابین مرجع خلائق ہے۔ شاہ مومن عارف سے گویا نصف صدی کے بعد اور علاء الدین کے حملہ سے نصف صدی پیشتر آپ کا زمانہ ہے۔ آپ مشہور زمانہ حضرت شیخ

شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ [illegible] طرح وطن کو خیرآباد کہہ کر ہند میں چلے آئے۔ تاریخ وفات [illegible] ہے۔ روضۃ الاقطاب میں مولوی رونق علی مدرس خلد آباد نے آپ کے متعلق مشہور واقعات جمع کر دیئے ہیں، لیکن انھوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت ممدوح کے حالات زیادہ دست یاب نہیں ہوتے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت موصوف صرف تنہا نہیں آئے بلکہ ان کے ساتھ بہت سے رشتہ داروں اور اصحاب کا حلقۂ ارادت ساتھ تھا۔ ان میں ان کے بھانجے شیخ احمد اور شیخ محمود۔ ان کے متبنٰی پیر ترابی، سید نصر اللہ، سید احمد اور پیر کابو کے نام مشہور ہیں۔

اس درگاہ کے پاس جو قبور بکثرت ہیں، اور ان تمام روایتوں سے جو زبان زد ہیں یہ صحیح طور پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ممدوح کے فیض ملقین سے کافی تعداد حلقہ بگوشانِ اسلام کی پیدا ہوئی ہوگی۔

جس مقام پر یہ درگاہ ہے اس کے نیچے ایک بہت بڑا پختہ تالاب ہے، جو عوام میں پریوں کا تالاب مشہور ہے۔ تالاب اس طور سے بنایا گیا ہے کہ آس پاس کی پہاڑیوں کا پانی اس میں آکر جمع ہو جائے۔ جس طرف پہاڑ ہے اس کے سوا باقی جوانب میں انسانی صناعی ہے، پتھر تراش کر جمائے گئے ہیں، چاروں طرف اترنے کے لئے نہایت عمدہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں، کیونکہ تالاب نہایت عمیق ہے۔ غرض کیا بہ لحاظ ذریعۂ آب پاشی اور کیا بہ لحاظ منظر یہ مقام ایک منتخب مقام ہے۔

اس وقت جنوبی دیوار شکستہ ہونے کی وجہ سے پانی کا اصلی منشا فوت ہو گیا ہے، اور تالاب محض ایک قدرتی کنڈ کی حالت میں آ گیا ہے۔ جہاں تک روایات سے معلوم ہوتا ہے یہ تالاب عہد اسلامی سے پیشتر کا بنا ہوا ہے۔ اس کی تائید اس بیان سے ہوتی ہے کہ یہ مقام بھی ایک تیرتھ تھا۔ اس کے بچے کھچے آثار کا اس وقت تک بھی نشان پایا جاتا ہے۔ ایسے مناظر طبعی یا صنعتی کے ساتھ ساتھ اگلے زمانہ میں ضرور تیرتھ یا معبد کا وجود ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ اس مقام سے کاغذی پورہ اور دولت آباد تک زمین کا کل قطعہ "یونا مین" نامی

راجہ کے نام سے پرناس نگری مشہور ہے۔ اور زمین پر افتادہ ملبہ، پتھروں کی وضع جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منہدم عمارتوں کے ٹوٹے ہوئے پتھر ہیں، نیز خود بچے کھچے عمارتوں کے آثار زبان حال سے روایات کی تصدیق کرتے ہیں۔ غرض بظاہر جس وقت حضرت ممدوح یہاں آئے ہوں گے یہ ایک آباد تیرتھ ہوگا۔ اور ایک درویش مسافر کے لئے یہ امر کہ اس کو مسجد بنا دے بجز اس کے کہ روحانی اعلیٰ طاقت کا اعتراف کیا جائے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یا اقل درجہ یہ امر تسلیم کرنا ہوگا کہ اس وقت بھی یہ علاقہ ویران ہو چکا ہوگا۔ اکثر یہ ہوا کرتا تھا کہ دور مابعد میں دور ماقبل کے معابد ویران ہو جاتے تھے۔ اس مقام کو ویران پاکر حضرت ممدوح نے اس کو اپنا مرکز قرار دے لیا ہوگا۔

بہرکیف یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام سے پیشتر حضرت موصوف نے دولت آباد میں کافی اثر اپنے مشن کا قائم کر دیا تھا۔ اسی طرح مرہٹواڑی اور تلنگانہ سے اور آگے کرناٹک میں بھی اس عہد میں داعیان اسلام پہونچ چکے تھے۔

بابا فخر الدین اسی دور میں کرناٹک میں پہونچ گئے تھے جن کا نام سید حسن بن سید ابو القاسم سیستانی ہے۔ سیستان میں ان کے والد کی حکومت تھی، یہ بڑے بیٹے تھے، ان سے چھوٹے اور بھائی بھی تھے، سید علی اور سید مرتضیٰ۔ باپ کے بعد حکومت سید حسن کو ملی۔ لیکن روحانیت کے شوق میں حکومت ظاہری کو ترک کر کے سیاحت شروع کی۔ دوسرے بھائی سید علی چلہ کش بھی ساتھ ہو گئے۔ حج و زیارت کے بعد گجرات پہونچے، وہاں سے تل گھاٹ (کرناٹک) کا رخ کیا۔ ترچنا پلی میں جاکر متھر اولیا کے مرید ہوئے۔ پیر کے حکم سے سیلون وغیرہ کی بھی سیاحت کی۔ آخر سنہ ۶۹۰ھ میں پنی کنڈہ[1] میں آئے اور اسی مقام میں سنہ ۶۹۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت موصوف کے عام اثر کا یہ ثبوت ہے کہ اس عہد کا راجہ ان کا نہایت معتقد تھا، اس وقت بھی ان کا مزار ہر قوم و ملت کی زیارت گاہ ہے۔

بابا فخر الدین کے پیر بابا متھر جنوبی ہند کے مشہور و معروف بزرگ ہیں۔

---

[1] یہ مقام بنگلور گنٹکل لائن پر واقع ہے۔

حضرت صوفی سرمست اور ان کے خلیفہ شاہ علی پہلوان (عالم پور)

علاء الدین کے حملہ کے پیشتر جن بزرگوں نے دکن کا رخ کیا ان میں صوفی سرمست اور شاہ علی پہلوان بھی خاص طور پر مشہور ہیں۔ صوفی سرمست، فاروقی نسب چشتی طریقہ تھے۔ وطن سامرہ (بغداد) آپ کے ساتھ بھی مریدین اور مجاہدین کی ایک جماعت کا ہونا منقول ہے۔ ایک مدت تک ممتاز میں رہے جو دہلی کے قریب مشہور تیرتھ ہے۔ پھر سگر میں آئے جو شاہ پور (علاقہ سرکار عالی) کے قریب قدیم تاریخی شہر ہے۔ راجہ کا نام کما رام کہا گیا ہے جس نے آپ کو بالجبر خارج البلاد کرنا چاہا لیکن کہا جاتا ہے کہ راجہ ان کی بیٹی نرگس بی بی کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ عوام الناس ان کے معتقد ہوئے اور بکثرت باشندگان ملک کا ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا صراحۃً بیان کیا گیا ہے۔ ۸۰۶ھ میں انتقال ہوا۔ صوفی سرمست کی اولاد کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا۔ اور اس خاندان نے دعوت اسلام میں ایک عرصہ تک نمایاں حصہ لیا ہے جس کی تفصیل اس وقت ضرور نہیں۔ ان کے خلفاء میں شاہ علی پہلوان کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے جو روحانی قوت کے ساتھ پہلوانی میں طاق تھے۔ پیر کی اجازت سے قدم آگے بڑھایا۔ الپور (عالم پور) (علاقہ سرکار عالی۔ قریب کرنول) میں ان کا مزار ہے۔ جو اس زمانہ میں آباد اور بڑا شہر تھا۔ الپور یہ بہت قدیم مقام ہے، اور اس کے قرب و جوار میں کثرت آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں۔ رام چندر جی کا بن باس یہاں بھی کہا جاتا ہے۔ (مولوی بشیر الدین احمد جلد ۳۴۲) ان کے فیضان ہدایت سے اس نواح میں بکثرت باشندگان ملک کا ان کے ہاتھ پر زمرۂ اسلام میں داخل ہونا مسلم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شہید ہوگئے تھے ۷۲۲ھ یعنی مرشد کی زندگی میں ہی یہ واقعہ ہونا کہا جاتا ہے۔ جہاں آپ دفن ہیں وہ خود دیول ہے۔ جو اس مقام کا سب سے بڑا برہمنیور سامی کا دیول تھا۔ بہرحال علاء الدین کے گھوڑوں کے سم دولت آباد پر پہونچنے کے ربع صدی پیشتر الپور جیسے تیرتھ کے مقام میں علی مسجد میں ایک داعی اسلام کا دفن ہونا ایسا واقعہ ہے جو بہت کچھ تاریخی اہمیت اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اور یہ تسلیم کرنا ضرور ہے کہ اس شہید راہ خدا کی عظمت

کا نور اس معبد کے معتقدین وقت نے اعتراف کر لیا تھا۔

سید علاء الدین ندرباری

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ حضرت خواجۂ اجمیر کے خلفا، فتح دہلی کے ساتھ ہی ہندوستان میں جا بجا پھیلنے لگے تھے، چنانچہ منجملہ خلفا و ایک سید علاء الدین ندرباری مشہور ہیں جو بارشاد خواجۂ اجمیر کی ندرباد خاندیس۔ صوبۂ بمبئی) میں آگئے۔ یہاں کے راجہ کا نام رائے نند، اور ان کا واقعہ بھی صوفی سرمست کے مشابہ بیان کیا گیا ہے۔ آخر یہ بھی شاہ علی پہلوان کی طرح شہید ہوئے۔ یہ واقعہ ۶۱۲ھ کا بیان کیا گیا ہے۔

شاہ علی پہلوان اور سید علاء الدین ندرباری کی مثالوں سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ داعیان اسلام کو ہر جگہ یکساں کامیابی ضرور نہ تھی بلکہ بعض جگہ ان کو جان نذر کرنی پڑتی تھی۔ اگرچہ اس کے بعد پھر بہت جلد اس جان کے عوض جان دگر کا رتبہ حاصل ہو جاتا تھا۔ اور جان لینے والے خود معتقد بن جاتے تھے۔

بزرگان گلبرگہ

صوفی سرمست جس زمانہ میں سگر آئے ہیں اُسی زمانہ میں گلبرگہ میں بھی بکثرت بزرگان اسلام کا آنا ثابت ہے۔ اس وقت تک وہ اسلامی گلبرگہ بسا نہیں تھا جس کو علاء الدین بہمنی نے اس سے پون صدی کے بعد آباد کر کے اسلامی عہد کا مشہور شہر بنا دیا۔ بلکہ یہ ایک متوسط درجہ کا صدر مقام تھا۔

<u>تیغ برہنہ</u> گلبرگہ میں حضرت حسام الدین تیغ برہنہ کا انتقال ۶۸۰ھ میں بیان کیا جاتا ہے اور یہ وہی سال ہے جس میں حضرت صوفی سرمست کا سگر میں انتقال ہوا۔ یہ حضرت سید خوند میر حسینی دہلوی کے فرزند و خلیفہ تھے، جو اس عہد کے نامور بزرگان دہلی سے تھے۔ باپ کے انتقال کے بعد یہ یہاں آئے، ان کے ساتھ ان کے بھانجے بھی تھے۔ اشاعت اسلام میں اسی طریقۂ ملاطفت و رواداری کے ساتھ جو اس عہد کا اصول تھا خاص طور سے حصہ لیا۔ آپ کا مزار گلبرگہ میں موجود ہے۔

دوسرا دور، بعد حملۂ کافور، آٹھویں صدی

جس دور کے حالات اب تک لکھے گئے، اگرچہ وہ بہت تاریکی میں ہیں اور قدامت کی وجہ سے مصنفین مابعد نے اس لحاظ سے کہ ایسے وقت جبکہ یہاں اسلامی حکومت نہ تھی مسلمان مبلغین کا آنا دشوار سمجھ کر ان حالات کو بھی دور مابعد میں داخل سمجھا لیکن جو تاریخیں بزرگانِ دور اول کی متواتر چلی آرہی ہیں اُن سے صاف طور پر ظاہر ہوسکتا ہے کہ یہ در اصل دور اول کے حالات تھے۔ بہرکیف دوسرا دور کافور کے حملہ کے بعد سے آغاز ہوتا ہے جبکہ دولت آباد بالآخر اسلامی شہر بن گیا اور مسلمان مبلغین کے لئے ہر طرف راستے کھل گئے۔ اس عہد کے حالات کثرت سے ملتے ہیں اور یہ اچھی طرح نظر آتا ہے کہ بزرگان دین اس وقت میں جبکہ یہاں عام طور سے اسلامی آبادی گویا معدوم تھی کس طرح بے خوف و خطر اپنی زندگی اس دُھن میں گزار دیتے تھے۔ اگرچہ ان نتائج کا جو ان بزرگوں کی کوشش سے رونما ہوئے خاص طور سے تذکرہ نہیں کیا گیا تاہم جستہ جستہ جو حالات معلوم ہوتے ہیں اُن سے بہ آسانی اس سربکف جہادِ اکبر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو ان بزرگوں کو درپیش تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سلسلہ وار ایک ایک مقام کے حالات قلم بند کرنا شروع کریں اولاً ہم دولت آباد سے ہی آغاز کریں گے۔

حضرت منتخب الدینؒ زر زری زر بخش | حضرت ممدوح کا سنہ وفات ۷۰۹ھ ہے جبکہ ان کی عمر (۴۴) سال کی تھی، یہ زمانہ وہ ہے جبکہ کافور کے حملوں کا آغاز ہوا تھا، اور اس وقت تک یہاں راجہ کی [illegible] حضرت محبوب الٰہی کے خلفاء کا اثر تمام دکن میں پھیلا ہوا ہے۔ حضرت زر زری زر بخش کے ساتھ اکثر اولیاء دکن میں بھی آئے اور دہیں سے چوطرف پھیل گئے

شیخ سالار امام الاولیا اور شیخ یونس اور شیخ احمد علم بردار راچور میں آئے۔ بہت سے بزرگوں نے جامِ شہادت نوش کیا جو قلعہ کے اطراف جابجا دروازوں اور فصیل کے پاس آسودہ ہیں۔

لہ ان کے بعد بزرگوں کی جو یادداشتیں موجود ہیں اُن میں سنہ کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ ان کو بہ لحاظ سنہ ترتیب دے لیا گیا ہے۔

مخدوم شیخ سالار، نصیر الدین چراغ دہلی کے بھانجے ہیں:
سعد بخاری سنہ ۷۲۹ھ میں آئے۔ حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ تھے، گجرات وغیرہ سے ہوتے ہوئے آئے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز مدت العمر ہر جمعرات کو آپ کے مزار پر فاتحہ خوانی کو جایا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ شمس الدین غازی عرف شیرن شاہ۔ مستقر عثمان آباد میں مزار ہے (۷۳۰ھ) (تاریخ بیجاپور البشیر الدین ص ۳۹)

شیخ ضیاء الدین قتال (۷۳۹ھ) حضرت شیخ فرید گنج شکر کے پوتے، خوند میر علاء الدین جوہری کے خلیفہ تھے۔ یہ بھی راہ حق میں شہید ہوگئے۔ ہمراہیوں نے بھی جام شہادت نوش کیا، ماں اور بھائی کی بھی قبر پاس ہے۔ شیخ منہاج الدین تمیمی انصاری سنہ ۷۳۰ھ میں آئے۔ حضرت سید خوند میر علاء الدین جوہری دولت آبادی کے خلیفہ ہیں۔ گنج العلم کے ہم عصر تھے۔ اس وقت بھی مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔ سنہ ۷۵۵ھ میں انتقال ہوا

حضرت بدر الدین چشتی خلیفۂ حضرت نظام الدین اولیاء۔ سات سو اولیا میں ان کا بھی شمار ہے سنہ ۷۱۷ھ میں شہادت واقع ہوئی، پریندہ میں مزار ہے (تاریخ بیجاپور ص ۱۳۰، جلد ۳)

شیخ سراج الدین جنیدی۔ ۱۱۱ سال کی عمر پائی۔ حضرت جنید بغدادی کی اولاد سے تھے، ابتداً پشاور میں تھے۔ سنہ ۷۰۰ھ میں دولت آباد میں آئے۔ سید خوند میر علاء الدین جوہری سے بیعت کی۔ سید خوند میر شیخ قوام الدین محمود کے خلیفہ تھے۔ شیخ قوام الدین کے تین خلیفے دکن میں آئے تھے۔ شیخ سراج الدین جنیدی دولت آباد سے دہلی چلے گئے۔ الغ خاں نے ورنگل پر حملہ کیا تو یہ بھی ساتھ تھے بعد فتح دہلی چلے آئے۔ پھر دولت آباد کو واپس آئے۔ راستہ میں بمقام لکھنؤ شیخ سالار عثمان نے انتقال کیا۔ منجھلے بھائی شیخ احمد صلاح الدین بنگالہ میں ترویج اسلام کے لئے گئے، وہیں ان کا انتقال سنہ ۷۲۹ھ میں ہوا۔ دولت آباد کو آئے تو ایک اور بھائی تاج الدین ہمراہ تھے۔ بالآخر بیجاپور آئے یہاں آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا (سنہ ۷۲۰ھ) شیخ سراج الدین بیجاپور سے کوڑچی میں آگئے یہاں ایک گھنا املی بن تھا وہاں ٹھہر گئے۔ کوڑچی برہمنوں کی بستی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں

یہ علاوہ بڑا مرکز تمدن تھا۔ غرض بیان اور دیگر مقامات متصلہ مثل راجہ پور، چکوری اور کوتلی وغیرہ میں آپ نے اپنا نہایت مستحکم اثر پیدا کر لیا۔ علاء الدین حسن بہمنی نے بھی حضرت سے بیعت کی تھی۔ گنگو پنڈت اسی موضع کوڑچی کا پٹواری بیان کیا جاتا ہے۔ کوڑچی میں اپنے فرزند شیخ علاء الدین کو خلیفہ بنا کر حضرت اپنے چھوٹے فرزند قطب الدین کے ہمراہ سنہ [illegible]ھ میں گلبرگہ تشریف لائے۔ یہ زمانہ محمد شاہ کی حکومت کا تھا۔ سنہ ۸۱[illegible]ھ میں حضرت کا انتقال ہوا۔

خوزہ سلطانہ دختر سلطان محمود بہمنی کو خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے بیعت تھی۔ ان کے شوہر شمس العشاق عرف پیران حسینی تھے۔ مدگل میں اپنا مستقر بنایا تھا۔ سنہ ۹۲۰ھ میں بمقام مرتضیٰ آباد انتقال کیا۔

شیخ جلال الدین چندہ حسینی (گوگی) ان کے والد، والدہ اور چچا بھی اسی جگہ دفن ہیں۔ دادا سید خضر حسینی بیدر میں مدفون ہیں۔ صوفی سرمست کی طرح آپ بھی سادہ کے باشندہ تھے پھر سکھر میں متوطن ہو گئے۔ فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں ان کے والد اور چچا دکن آئے ہیں۔ دادا غالباً پہلے ہی آ گئے ہوں گے۔ حضرت کی ولادت دکن میں ہوئی۔ آپ کی بیوی صوفی سرمست کے نواسہ کی بیٹی تھیں۔ سنہ ۸۵۹ھ میں وفات پائی۔

حضرت شمس عالم (سنہ ۹۲[illegible]ھ) شاہ جلال الدین عرف چندہ حسینی مدفون گوگی کے فرزند رشید اور حضرت خواجہ بندہ نواز کے خانہ زاد بھائی ہیں۔ اپنے والد سے بیعت تھی۔

شاہ پور میں سید سالار مسعود بخاری، سید بخاری اور پیر محمد شمس الدین کے مزار ہیں۔

شیخ علاء الدین انصاری لاڈلے مشائخ۔ الند ان کا مستقر تھا۔ تحقیق نے لکھا ہے کہ "درگاہ شیخ علاؤ الدین مشہور بہ لاڈلے انصاری درکمال رفعت و دولتی پیش از سید محمد [illegible] بودہ از شہر بیت آوردہ" ان کے استاد مولانا قدر سلطان پور میں دفن ہیں۔

شیخ رکن الدین تو مجذوب اور پہاڑوں میں رہتے تھے۔ حضرت بندہ نواز کے پہلے سے

لہ توزش جلینے موجود ہیں نقل کردیے گئے ہیں۔

گلبرگہ میں رہتے تھے۔

مولانا حافظ، سات بھائی تھے جو دکن میں آئے، چار گلبرگہ میں رہے، ایک بھائی حافظ معز الدین نے آدوگیر مستقر قرار دیا۔ دوسرے بھائی نے کوہیر مستقر قرار دیا۔ تیسرے کسی اور طرف گئے۔ کیج ضلع بیڑ میں حضرت قاضی مہذب الدین کا مزار ہے، او بیار دولت آباد کے ساتھ وہاں آئے تھے اور پھر وہاں سے کیج تشریف لائے اور یہیں گویا اپنا مستقر قرار دیا۔ (تاریخ بیجاپور ص۲۹۶)

قصبہ انبڑ میں سید شاہ ضیاء الدین بیابانی مدفون ہیں۔ ان کا عرف پیر سقرلاتی ہے۔ بھجانی الاصل تھے۔ سیاحت کرتے ہوئے انبڑ میں قیام کیا۔ سقرلات اصل میں بانات کی چادر کو کہتے ہیں چونکہ بانات کی چادر اوڑھتے تھے اس لئے یہ لقب مشہور ہوا۔ اب جہاں درگاہ علاء الدین ہے وہ دراصل یہی پیر سقرلاتی کا چلہ تھا۔

غرض گاؤں گاؤں میں بزرگوں کے مزار موجود ہیں۔ اکثر کے معاش موجود ہے۔ تمام ملک میں روحانی تنظیم موجود تھی۔ یہ موضوع بہت سیر حاصل اور اس پر مستقل طور سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

علمی کارنامے

اسلامی ریاستوں میں سررشتۂ تعلیم ہمیشہ سررشتۂ امور مذہبی کا جزو رہا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق مختصر طور سے تذکرہ ہو چکا ہے۔

محمود شاہ کے زمانہ میں ادبیات کی خوب گرم بازاری تھی۔ اس زمانہ میں گلبرگہ دنیائے اسلام کا مشہور مرکز علم و ادب تھا۔ بغداد اور شیراز گویا مٹ چکے تھے۔ دہلی کی حالت بھی اس وقت کچھ بہتر نہیں تھی۔

محمود شاہ کے حسب الطلب خواجہ حافظ شیرازی گلبرگہ آنے کے لئے مستعد ہو چکے تھے۔ ان کے سفر خرچ کے لئے دس ہزار ہن بھیجے گئے تھے لیکن جہاز میں سوار ہونے کے بعد عزیمت فسخ کر دی اور ایک غزل میر فضل اللہ انجو کے پاس لکھکر بھیجدی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ غزل یہ تھی:-

دمے با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد / بہ مے بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جاں درو درج است / کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد
بکوئے مے فروشانش بجامے در نمی گیرند / زہے سجادۂ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد
بس آساں می نمود اول غم دریا بہ بوئے در / غلط کردم کہ ہر موجش بصد گوہر نمی ارزد
برو گنج قناعت جو بکنج عافیت حافظ / کہ یک دم تنگ دل بودن بہ بحر و بر نمی ارزد

بہر حال دکن نے فارسی شاعری کے سب سے اہم اُس کی قدر دانی میں حصہ لیا ہے

فیروز شاہ بہمنی نہایت عالم بادشاہ گذرا ہے، توریت اور انجیل پڑھنے کی قابلیت رکھتا تھا ہر ملت کے علماء کو جمع کر کے ان کے مذاہب کی اطلاع حاصل کرتا۔ ملا داؤد بیدری نے تحفۃ السلاطین اسی کے نام پر لکھی ہے

فیروز شاہ کے بعد احمد شاہ ولی کا زمانہ آیا، اگرچہ یہ حکیمانہ مشرب نہیں رکھتا تھا تاہم شعر و سخن اور تاریخ کا پورا قدردان تھا۔ آذری اسی کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ بہمن نامہ کی ابتداء اسی نے کی ہمایوں شاہ تک کی نظم آذری کی ہے، باقی تکمیل نظیری اور سامعی نے کی۔

فیروز شاہ بہمنی کو ریاضی اور ہندسہ کا خاص ذوق تھا۔ ان فنون میں بادشاہ نے مہارت پیدا کی تھی۔ اس کے دربار میں دنیا کے باکمال جمع تھے۔ بادشاہ نے دولت آباد کے بالا گھاٹ پر رصدگاہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ حکیم حسن گیلانی اور سید محمود گازرونی نگراں قرار پائے لیکن حکیم حسن کے انتقال وغیرہ اسباب سے اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔

مدرسۂ محمودیہ بیدر

یہ مدرسہ تو دکن کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے یادگار ہے محقق دوانی اور جامی جیسے مشاہیر زماں اس کی صدر نشینی کے لئے طلب کئے گئے تھے جو بوجہ کبر سنی نہ آسکے۔ محقق دوانی نے شرح ہیاکل النور محمود گاواں کے نام پر معنون کی ہے۔ جامی گاواں کے مداحوں میں ہیں۔ تحفۃ الملوک میں رفیع الدین شیرازی نے مدرسہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ممکن ہے کہ چار ہزار اسی

مدرسہ کی تقلید میں بنایا گیا ہو۔

مدرسہ کے مینار سو فیٹ بلند تھے، اور دور دور سے نظر آتے تھے۔ درحقیقت یہ عمارت عجائبات روزگار سے ہے۔ مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ بھی تھا۔ ایک طرف مسجد تھی۔ اس سے ملے ہوئے چو طرفہ دو منزلہ وسیع ہال۔

مدرسہ کی تعمیر کے سوا دو سو سال کے بعد بجلی گرنے سے ایک مینار اور مدرسہ کا نصف حصہ اُڑ گیا۔ (رمضان سنہ ۱۱۰۷ھ) بیان کیا جاتا ہے کہ مدرسہ میں بارود کا کوٹھا رکھا گیا تھا۔

سررشتۂ طبابت

علاءالدین حسن کے درباری طبیب حکیم علیم الدین ترمذی کے زیر اہتمام ایک لنگر خانہ اور شفاخانہ بھی تھا۔ اس شفاخانہ میں علاج کا خاص اہتمام ہوتا تھا، دوا اور غذا دونوں کو فراہم کیا جاتا۔ کل اخراجات بادشاہی خزانہ سے ادا ہوتے تھے۔ (عبدالجبار صـ۲۱۴)

علاءالدین فرزند احمد شاہ ولی کے زمانہ میں جبکہ پائے تخت گلبرگہ سے بیدر میں منتقل ہو گیا تھا، بیدر میں ایک دارالشفا کمال لطافت وصفائی سے بنایا گیا۔ اور چند دیہات اُس کے لئے وقف کر دیئے گئے، تاکہ ان کی آمدنی ادویہ، اغذیہ اور اشربہ کی تیاری میں صرف ہو۔ ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے اطبا اس دواخانہ میں مامور تھے اور تمام رعایا یکساں اس سے مستفید ہوتی تھی۔

احمد شاہ بہمنی کے زمانہ میں سانوترانی کتاب کا ترجمہ فارسی میں ہوا۔ (آثار خیر صـ۸۹)

حفظ صحت

اس سررشتہ کا بھی گویا عملاً وجود تھا۔ چنانچہ قیدیوں وغیرہ کی گردن میں طوق آہنی ڈالکر قاذورات پاک کرنے کا کام لیا جاتا تھا۔ تاکہ اس طریقہ سے علاوہ اس فائدہ کے ان کی تادیب بھی ہو کہ وہ کسب معیشت میں مصروف ہوں یا قلمرو بہمنیہ سے باہر چلے جائیں۔

رفاہِ عام

محمود شاہ نے سکرات کی دو کانیں بند کرادی تھیں۔

رسم ستی کے انسداد کے لئے سب سے پہلے علاء الدین حسن نے کوشش شروع کی۔ گنگو پنڈت کے ذریعہ وہ ہندوؤں کو سمجھاتا تھا۔ (عبدالجبار ص۲۱۲)

سررشتۂ تعمیرات

تعمیرات کے دو جزو ہیں، اول عمارات شاہی اور دوسرے عمارات رفاہِ عام۔

اول گلبرگہ آباد کیا گیا۔ قلعہ کی تعمیر علاء الدین حسن کے زمانہ میں ہوئی، برج وغیرہ سب اسی بادشاہ نے تعمیر کرلئے۔ خندق میں پانی آنے کے لئے دو نالے رکھے گئے تھے۔ ایک تالاب بھوسکہ سے دوسرا فرمان تالاب سے۔ دونوں نالے مٹی سے اٹ کر بند ہوگئے ہیں۔

گلبرگہ کی مسجد کلاں کی عمارت عجیب طرز کی ہے۔ اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جامع قرطبہ کی وضع پر تعمیر ہوئی۔ اس کی یادگار ہیں جب کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔

عبدالرحیم خاں مرحوم نے اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ عمارت دراصل مسجد نہیں تھی بلکہ دربار و تخت گاہ کا مکان ہے۔ لیکن خود عبدالرحیم خاں نے بیان کیا ہے کہ گلبرگہ کا سابقہ قلعہ بالکل حقیر تھا۔ تو پھر اس صورت میں قلعہ کے اندر اتنا بڑا دربار ہال کیونکر موجود ہو سکتا تھا۔ لیکن بہر کیف انھوں نے یہ امر تسلیم کیا ہے کہ تعمیر اسلامی دور کی ہے۔ لیکن ساتھ ہی انھوں نے پھر یہ بھی لکھا ہے کہ جینیوں کی دیول توڑ کر مسجد بنائی گئی۔ حالانکہ برج اسلامی طرز کا لکھا ہے۔

مسجد نہ ہونے کے دلائل یہ بیان کئے گئے ہیں کہ:

(۱) مسجد کا شملہ نہیں تھا، یعنی محراب و منبر

(۲) شمالی اور جنوبی دونوں دروازے ایسے مقام پر بنائے گئے ہیں کہ اگر نماز ہو رہی ہو تو آنے والوں کو صفوں میں ہو کر آنا پڑے گا۔

(۳) وضو کی جگہ اور حوض نہیں ہے۔

(۴) کوئی خطیب اور امام و مؤذن مقرر نہیں تھا، نہ کسی ایسے خاندان کا پتہ چلتا ہے بحالیکہ اس زمانہ کی تمام مسجدوں کے متعلق آئمہ کے خاندان اور اسنادِ معاش موجود ہیں۔

یہ گمان ظاہر کیا ہے کہ دیول کے پتھروں سے مغربی دیوار بنائی گئی ہے جس میں بعض تصویر دار پتھر نظر آتے ہیں۔

وسطِ قلعہ میں یہ نادرِ روزگار عمارت واقع ہے۔ عمارت کی شان تمام مساجد مروجۂ ہندوستان سے نرالی ہے، اوپر گنبد ہیں جو چھوٹے ہونے کی وجہ سے خوشنما تو ہیں لیکن بیرونی رخ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گنبدوں کا وجود خوش نمائی کے لئے اس قدر نہیں ہے جس قدر اندرونی عمارت کی وجہ قائم کرتے ہیں اس کو دخل ہے۔ اندرون مسجد وضع یہ ہے کہ کمانیں کمانیں بنتی چلی گئی ہیں۔ آخر حصہ کی کمانیں پست اور اس زمانہ کے عام مساجد گلبرگہ کے وضع کی ہیں جو کسی قدر بھدی سمجھی جاسکتی ہے۔ لیکن اس حصہ کے بعد کی کمانیں مرتفع اور خوشنما ہیں ہر طرف کمانوں کا مجمع مثلث نظر آتا ہے جو متوسط درجہ کے پایوں پر قائم ہیں۔

بہرکیف اس میں شک نہیں کہ عمارت کی شان ہندوستان کی اسلامی طرز سے جداگانہ ہے اور اس سے لا محالہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ بہ نسبت عام تخیلات زمانہ کے جو کسی عمارت کی وضع قائم کرتے ہیں کوئی خاص خیال اس عمارت کا محرک تھا۔ اور کیا تعجب ہے کہ وہ خیال جامع قرطبہ یا الحمرا غرناطہ کا ہو۔ غرض اس کی وضع صاف ظاہر کر رہی ہے کہ وہ ہندوانی عمارت نہیں ہے بلکہ گاتھک طرز ہے، جس نمونے کے کہ ہیچ نظر آتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ قطعی اسلامی یادگار ہے۔ کسی مورخ نے ہندو عمارت کو توڑکر مسجد بنانے کے متعلق تذکرہ نہیں کیا ہے۔

مسجد کا بیرونی نقش و نگار یعنی کنگرے بھی گاتھک طرز کو سامنے لاتے ہیں جو چرچوں میں نظر آتی ہے۔ نہ کہ دیولوں میں۔ ایسی کمان دار اور کنگرہ دار عمارت کسی ہندو طرز تعمیر کی پائی نہیں گئی۔ محراب بھی گاتھک طرز کا ہے۔ ایوان بیگم بیٹھے کی مسجد بھی اسی نمونہ کی ہے جس کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ جامع قرطبہ کے نمونہ پر بنائی گئی۔ البتہ ایک چیز کھٹکتی ہے۔ کہ آلی لکڑی

کا جو کٹہرہ محراب کے قریب اوپر چھت میں ہے، اس میں کسی قدر جانوروں کی وضع نظر آتی ہے شاید یہ بھی بتقلید جامع قرطبہ ہو۔ یا یہ لکڑی اس زمانہ کے ہندوؤں کی دست کاری ہو۔

عبدالرحیم خاں کے اندازہ سے چھ ہزار آدمی اس عمارت میں سما سکتے ہیں، مکہ مسجد کے اندر چار ہزار سے زیادہ نہیں سما سکتے۔ بقول عبدالرحیم خاں صحن مسقف کے باطن میں ایک چھوٹی سی خوشنما چوکھنڈی کے اندر تین نہایت خوشنما قبور ہیں۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ عمارت مسجد ہی تھی۔ دربار ہال ہوتا تو قبریں نہ ہوتیں۔ عبدالرحیم خاں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ عادل شاہیہ نے بہمنیوں کے کتبے اکھاڑ کر اپنے کتبے لگائے تھے۔ یہ محض خیال ہے تاوقتیکہ صحیح ثبوت نہ ملے۔ جامع مسجد کا کتبہ جو محمد شاہ کے زمانہ کا ہے اس کی نسبت بھی یہی خیال کیا گیا ہے۔ لیکن بالفرض اگر دوسری جگہ سے اکھیڑ دیا گیا ہوتا تو یہاں لاکر کیوں نصب کیا جاتا اس کتبہ کی رو سے عمارت جامع مسجد محمد شاہ اول کی بنا کی ہوئی ہے۔ سنہ ۷۶۹ھ بہ معماری رفیع ..... بن منصور القزوینی

ہفت گنبد

ان گنبدوں کے متعلق گزیٹیر میں تفصیلی حالات درج نہیں۔ پرانا گلبرگہ اس گرد روزگار میں جا ملا جس میں بابل، نینوا، اور بغداد سو رہا ہے۔ قدیم شہر بالکل مٹ گیا۔ بمرور زمان اس کے پتھروں سے لوگوں نے ناقص عمارتیں بنالیں، چنانچہ اب بھی بلند بلند دیواروں کے مکانات پائے جاتے ہیں۔

بہرحال موجودہ آثار سے یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ بہمنی عمارات دکن میں گویا دکن میں اسلامی تعمیر کا دوسرا طرز تھا۔ اگرچہ ان عمارتوں میں بہت کچھ عظمت رفعت اور شان ہے لیکن بہ لحاظ خوبی و خوشنمائی قطب شاہی گنبدوں کو بیرونی نگاہ میں گلبرگہ کے گنبدوں پر ترجیح حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قطب شاہی گنبدیں گویا نقش آخر تھیں۔ اس وقت ترفہ اور دولت کی حد ہوگئی تھی، اور خیالات میں نفاست آگئی تھی۔

لی بون نے ثابت کیا ہے کہ عمارات کی ترقی اس وقت ہوتی ہے جب کہ ترفہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اگلے عام دماغی قابلیت میں افضل ہوتے ہیں، لیکن نزاکت پچھلوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ اگلے عظیم المرتبت تھے۔ اس کا اثر اُن کی عمارات میں بھی ہے۔ گلبرگہ کے گنبد اگرچہ بڑے ہیں لیکن ان میں نقش ونگار، صفائی، خوش نمائی اور تدبیر ویسی نہیں ہے جیسے کہ گول کنڈا کے گنبدوں میں موجود ہے۔

یہی حال مساجد کا ہے۔ بقول لی بون مسلمانوں کی مسجدیں ہی ان کے ہر زمانہ کے تمدن کی تصویر دکھاتی ہیں۔ گلبرگہ کی مساجد اسی طرز کی ہیں جو ابتدائی دور کہا جا سکتا ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہٗ کی درگاہ کی اندرونی مسجد جو درگاہ کے اندر ہے وہ بھی سادہ، ابتدائی وضع کی کمان دار ہے۔ اس کی کچھ وضع حیدرآباد کی جامع مسجد سے ملتی ہے۔ یہی اس وقت کا ابتدائی نقش تعمیر مساجد تھا۔

گلبرگہ کے قلعہ کی چھوٹی مسجد محمد شاہ بہمنی کی تعمیر ہے۔

عبدالرحیم خاں نے لکھا ہے کہ عادل شاہیہ نے بہمنی کتبے نکلوا کر عادل شاہی کتبے نصب کرائے۔

مسجد فرمان تالاب۔ علاء الدین حسن بہمنی کے زمانہ میں ملک سیف الدین غوری نے سب سے پہلے یہ مسجد تعمیر کرائی (۷۵۲ھ) مسجد مومن پورہ بھی عہد بہمنی کی یادگار ہے۔

جامع مسجد شاہ بازار مسجد فرمان تالاب کے بعد تعمیر ہوئی۔ خود علاء الدین حسن کے زمانہ میں تعمیر ہوئی، گویا سرکاری جامع مسجد ہے۔ عبدالرحیم خاں کا خیال ہے کہ ایسی عظیم الشان مسجد کی موجودگی میں کسی مسجد کے اندرونِ قلعہ تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے قلعہ کی گاتھک عمارت مسجد نہیں بلکہ دربار ہال ہے۔ لیکن یہ کوئی وجہ نہیں۔ قلعہ کی مسجد بعد میں بنائی گئی ہوگی جیسا کہ کتبہ سے ظاہر ہے کہ محمد شاہ نے بنائی ہے۔ ہر بادشاہ پہلے سے زیادہ عالی شان مسجد تعمیر کراتا تھا۔

ہفت گنبد کے علاوہ علاؤ الدین کا مقبرہ فرمان تالاب کے پاس ہے۔ اس میں بھی چینی کا کام ہے جس میں بہت بڑی نقاشی اور صنعت دکھلائی گئی ہے۔ انواع و اقسام کے بیل بوٹے اور گلکاری دیکھکر جی خوش ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد محمد شاہ بہمنی کا گنبد ہے۔ اس میں بھی وہی گل کاری اور رنگ آمیزی ہے۔

فیروز آباد

فیروز شاہ نے نہر بھیمورہ (دریائے بھیما) کے کنارے ایک شہر فیروز آباد نامی بسایا۔ اس کے بازارات اور دوکانات نہایت پاکیزہ اور دلچسپ بنائے گئے "کوچہ ہا در غایت فراخی و راستی" قلعہ جس کا ایک ضلع پانی سے متصل تھا گچ اور پتھر سے بنایا۔ قلعہ کے اندر سبو کا پانی لایا گیا۔ سبو آب اور کوشکہائے عالی بنائے گئے۔ ایک ایک کوشک (کوٹھی) ایک ایک محل کے لئے۔ فیروز آباد اسٹیشن شاہ آباد کے متصل ہے۔

بیدر

احمد شاہ نے شہر بیدر بسایا۔ بیدر کا موقع بہ لحاظ قلمرو بہمنیہ وسط دکن میں تھا اور زمین نہایت عمدہ تھی۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ "میں نے ہندوستان کے اکثر شہر دیکھے ہیں۔ بیدر کی سی لطافت بہت کم دیکھی۔ زمین شنجرف کی طرح لال ہے۔ برسات کے زمانہ میں جو ہندوستان کا بہترین موسم ہے بیدر میں کیچڑ نہیں ہوتی۔ شہر کے اطراف دس فرسخ تک چونکہ زمین سُرخ ہے اور چسپیدگی نہیں رکھتی ہے، سیر و شکار کے وقت نہ گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے نہ آدمی۔ آدمیوں کے پاؤں اور گھوڑوں کے سُم برسات کے موسم میں کیچڑ سے نہیں بھرتے۔ کپڑے اور جسم سرخ نہیں ہونے پاتا۔ اکثر ایرانی میوے وہاں ہوتے ہیں، گاوزبان نے زعفران، امرد مختلف قسم کے انگور بھی اس زمین سے حاصل کئے تھے۔ موقع کی عمدگی کے لحاظ سے احمد شاہ نے بیدر کو دارالسلطنت بنانے کے لئے منتخب کیا۔ اس کا نام احمد آباد بیدر رکھا گیا۔

گلبرگہ کا طرز تعمیر بیدر میں بھی جاری رہا۔ احمد شاہ بہمنی کا مقبرہ گلبرگہ اور گولکنڈہ کے

مقابر کا نمونہ ہے۔ مینا کاری اور سیپ کا کام لاجواب ہے مشہور ہے کہ کتبوں میں بجائے نقطوں کے ہیرے جڑے ہوئے تھے جو اب بھی چمکتے ہیں۔ علاء الدین ثانی کا گنبد بھی احمد شاہ کے گنبد کے برابر ہے یہاں نہایت اعلیٰ درجہ کا چینی کا کام ہے۔ اس وجہ سے وہ چینی گنبد کہلاتا ہے۔ ان گنبدوں میں سنہری زمین پر لاجوردی اور زنگ برنگی کام صنعت کاری کا نہایت عمدہ نمونہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین ثانی نے زندگی ہی میں اپنا مقبرہ تعمیر کرایا کیونکہ کتبہ بخط قادر خاں ۸۴۳ھ کا ہے۔

دولت آباد

بہمنی دور کی عمارتوں میں دولت آباد کا منار بھی ہے جو بزمانۂ احمد شاہ بہمنی تیار ہوا۔ ۱۰۰ فیٹ بلند ہے۔ اس مینار پر مینا کاری موجود ہے، سنہری کام بھی کیا گیا تھا جو اب بھی کچھ مٹا مٹا یا موجود ہے۔ یہ کام اسی طرح کا ہے جس طرح مدرسۂ محمودیہ بیدر کا کام۔ مدرسۂ محمودیہ میں گویا اسی مینار کی تقلید کی گئی۔ ایرانی صناع نے ۸۴۹ھ میں تعمیر کیا۔ پرویز بن قزلفل جیسا کہ قطعۂ تاریخ کے آخری شعر میں ہے۔

قلعۂ دولت آباد کا چینی محل جس میں تانا شاہ کو رکھا گیا تھا غالباً اسی دور کا ہوگا کیونکہ اس کے بعد پھر کوئی زبردست حکمران دولت آباد پر قابض نہ ہوا۔

سلطان پور اور گلبرگہ

گلبرگہ سے تین میل کے فاصلہ پر سلطان پور ہے، اس میں مساجد اور مشہور بزرگان دین کے مزارات قابل دید ہیں۔ گلبرگہ خود علاء الدین سے قبل آباد تھا وہ بہت قدیم شہر کہا جاتا ہے۔ علاء الدین سے پہلے یہاں مسلمانوں کی کافی آبادی تھی۔

آب پاشی اور آب رسانی

دولت آباد کا حوض قتلو اسلامی دور کی آب پاشی کا پہلا نقش ہے۔ دراصل یہ ایک خزانۂ آب ہے۔ تین طرف پہاڑ اور ایک طرف پختہ دیوار۔ اس خزانۂ آب کا پانی نورۂ آب پاش سے

سے گزرتا ہوا قلعۂ دولت آباد کے ہاتھی حوض میں پہونچتا ہے، وہاں سے تمام آبادی میں پہونچتا تھا
یہ نظام اسلامی آب پاشی اور آب رسانی کا مرکب نمونہ ہے جس کو مسلمان اپنے ساتھ ہندوستان لائے۔ تالاب میں پانی بذریعہ نلوں کے ایک بڑے تالاب سے جو پہاڑوں میں ہے لایا جاتا تھا۔ (بشیر الدین۔ تاریخ بیجاپور صـ۲۷۸) اس سے دولت آباد کی اس سرسبزی کی بنا معلوم ہوتی ہے جس نے بغداد اور شیراز کے باغات ہندوستان میں بسا دیے۔ اور لوگ جس طرح عراق اور شام کی حالت پر روتے ہیں اس طرح ہم دولت آباد، بیدر اور اورنگ آباد پر روتے ہیں، جہاں لاکھوں آدمی بسائے جا سکتے ہیں۔ وہاں صرف چند ہزار بستے ہیں۔ اور دولت کے کیسے عمیق خزانے قلمرو آصفیہ میں ہیں لیکن تجسس اور کارکن ملکہ کارفرما نا پید ہیں۔ درۂ آب پاشی اور اس کا منظر اس کس مپرسی کی حالت میں بھی لاجواب ہے۔

سرکاری اہتمام سے قطع نظر عام لوگ بھی رفاہ عام کے کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ سونا باؤلی مشہور ہے۔ باولہ باؤلی۔ ڈاک باؤلی اور کوٹھا باؤلی ان سب نے بھی خلد آباد میں ایک ایک باؤلی بنوائی تھی۔ (بشیر الدین صـ۱۹۵)

سررشتۂ آثار قدیمہ

اس سررشتہ کا کام بھی گویا جاری تھا۔ علاء الدین نے غارہائے ایلورہ کی صفائی کرائی اور کتبوں کے پڑھنے کا انتظام کیا۔ (عبد الجبار صـ۲۱۲) تحفۃ الملوک میں ان غاروں کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔

لوازم سلطنت

چتر سیاہ سلطنت بہمنیہ کا بانا تھا۔ محمد شاہ اول نے اس کو موتی اور جواہر سے مرصع کیا، اور اس پر ہمائے مرصع کی صورت بنا کر لگائی اور ہما میں وہ یاقوت جڑائے گئے جو بیجانگر کے راجہ نے علاء الدین کو ہدیہ دیے تھے (عبد الجبار صـ۲۲۱)

پانچ دفعہ کی نوبت بھی محمد شاہ کی ایجاد ہے۔ بقول عبد الجبار دکن میں نوبت کی رسم بھی

محمد شاہ کے وقت سے جاری ہوئی۔ ہند میں اس کا رواج نہیں تھا، ایران میں رواج تھا۔

تخت فیروزہ

تخت فیروزہ خاندان بہمنیہ کا مایۂ ناز سرمایہ تھا۔ اس تخت کا طول ۳ گز اور عرض ڈھائی گز تھا۔ آبنوس کی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ اور اُس کے اوپر مرصع کار طلائی تختے اس ترتیب سے جوڑے گئے تھے کہ جب چاہیں پھر اس کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے صندوقوں میں ڈال کر بند کر دیں۔ ہر بادشاہ نے اس کی آرائستگی بڑھائی محمود شاہ کے زمانہ میں جب کہ اس سے چند جواہرات نکالنے کا ارادہ کیا گیا تو اُسکی لاگت ایک کروڑ ہن قرار پائی۔ ملا اسمٰعیل نوایتہ نے جس کے خاندان میں اس تخت کی حفاظت تھی فرشتہ سے بیان کیا کہ ابتداءً اس تخت کی پوشش فیروزہ رنگ مینا کاری سے تھی لہذا تخت فیروزہ نام ہوا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کا اصلی رنگ نظر سے غائب ہوگیا، دوسرے جواہرات کی کثرت کی بدولت

تاج

فیروز شاہ شاہانِ دکن میں پہلا تاجور ہے، جس نے دستار کی شکل میں مرصع تاج بنا کر سر پر رکھا

ملازمت میں ہندوؤں کا حصّہ

بہمنی سلطنت کے انتظامِ مملکت کا ایک نمایاں جزو یہ تھا کہ علاء الدین بہمنی نے ہندوؤں کو واقفیت اراضی کی بنا پر سرکاری ملازمت کے دائرہ میں داخل کیا، جو اب تک ان پر بند تھا۔ اس نے اپنے قدیم آقا گنگو منجم دربار دہلی کو دفتر محاسبہ کا افسر اعلیٰ قرار دیا۔ برسبیل تذکرہ یہاں یہ بیان بے محل نہیں کہ گنگو برہمن کی یادگار میں بہمنی پورہ گلبرگہ میں اب بھی موجود ہے۔ اس محلہ کا نام برہمن واڑی بھی ہے علاء الدین نے اس کو التمغا کر دیا تھا۔ شفیق نے لکھا ہے کہ "در ابتدا بجہت سکونت گنگوے برہمن شدہ است و ہمہ ہنود و برہمنان در انجا باشند۔"

بقول فرشتہ اس سے پہلے برہمن مسلمان بادشاہوں کے ہاں عہدے قبول نہ کرتے اور تعلق ملازمت پیدا نہ کرتے تھے (جیسا کہ مسلمان انگریزوں کے پاس) بلکہ ان سے الگ اپنے علوم میں علی الخصوص علم نجوم میں مشغول رہتے۔ (جیسے کہ مسلمان بھی انگریزوں کے ابتدائی دور میں) بعض لوگ

اگر قبابت اور نجوم پند و نصیحت اور قصہ خوانی کے ذرائع سے ارباب جاہ کی خدمت میں پہنچتے بھی تھے تو صرف انعام پر اکتفا کرتے ملازمت کا تعلق اختیار نہ کرتے۔ سب سے پہلے جس برہمن نے سلاطین اسلام کی خدمت قبول کی وہ یہی گنگو پنڈت ہے۔

فرشتہ نے لکھا ہے کہ "تا حال کہ سنہ ۱۰۱۵ھ است بخلاف سائر ممالک ہند حضوصاً دفتر پادشاہان دکن دنولپسندگی ولایات ایشان بہ برہا منہ رجوع است"

زمانۂ ما بعد میں فوجی عہدے بھی ان کو دے گئے۔ فیروز شاہ بہمنی نے بہت سے برہمنوں کو صاحب دخل کیا اور ان کو بزرگ بنایا۔ کھرلہ کے راجہ کو خلعت اور کلاہ زردوزی عطا کی۔

فرشتہ کا یہ قول کہ ممالک ہند کے برخلاف بہمنی سلطنت میں برہمنوں کو دائرۂ ملازمت میں جگہ دی گئی، صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ خافی خاں نے لکھا ہے کہ سکندر لودی نے ہندوؤں کو عربی رقوم لکھنے پر مجبور کیا۔ اس سے پہلے دفتر ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا اور ہندی زبان میں۔ پس لودھیوں کے ماقبل بھی یہی حالت قیاس کرنی چاہیئے۔ کیونکہ لودھی متقلد تھے موحد نہیں تھے۔ اگر پہلے سے سررشتۂ مالگذاری مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتا تو لودہی اس کو ہندوؤں کے ہاتھ میں نہ دیتے۔

انتظامِ مملکت کے اُصول

کسی خاندان میں کوئی حکمران انتظام قائم رکھنے میں ناکام ہو جاتا تو سوسائٹی دوسرے قابل فرد کا انتخاب کرتی، لیکن پھر اس کے خاندان میں بھی موروثی بادشاہت کا دور چلتا یہی اس زمانہ کی عام رفتار تاریخ ہے۔ انتخاب بربنائے قابلیت کا اصول جو اسلام نے سکھایا تھا وہ مشرق میں بہت عرصہ قبل ہی سنت کسریٰ و قیصر سے بدل گیا تھا، اور گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو مطلق اس نظام کے صواب و خطا کی خبر ہی نہیں تھی۔ غالباً اس زمانہ کی سوسائٹی میں صرف مدتِ العمر

کا پریسیڈنٹ باعث اعتبار نہ ہوتا تھا۔ یورپ میں بھی جمہوریت کی روح اس وقت تک ابتدائی حالت میں تھی۔ بہرحال خود ملک کی اس زمانہ میں عام طور سے جو حالت تھی وہی علاءالدین اور اس کے مابعد حکمرانوں کو کامیابی کا راستہ دکھارہی تھی۔ رعایا یہ چاہتی تھی کہ انتظام قائم رہے۔ محاصل واجبی وصول کئے جائیں جو ایک زبردست تنظیم کے ذریعہ سے برقرار رہ سکتا ہے۔

غرض سلطنت بہمینہ کا یہ انتظام مملکت جس میں سررشتۂ مال میں ہندو مامور تھے جس طرح ایک جانب سے اسلامی تمدن فاضلہ کا وارث اور یادگار ہے تو دوسری جانب ارض فرنگ کے لئے بھی تمدنِ فاضلہ کا وہ صحیح نمونہ پیش کرتا ہے جس کی اسلام نے ہی سب سے پہلے دنیا میں تعلیم دی۔

اس تمدن میں آسائشِ رعایا، مساوات اور حقیقی عدل ہے تو ناجائز محاصل سے روک ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو رعایا نے سلطنت بہمینہ کو ایک نمونۂ رحمت خیال کیا اسی کا نتیجہ تھا کہ بیرونی سیّاحوں کی شہادت کے بموجب ملکِ دکن کا یہ خطہ ایسا آباد تھا کہ ہر کوس پر ایک گاؤں ملتا تھا۔ جدہر دیکھو زراعت ہی تھی (اتھاسیس)

(باقی)

مظفر جنگ کی تخت نشینی اور پانڈیچری کے واقعات

(از جناب معین الدین رہبر صاحب فاروقی)

ناصر جنگ کی شہادت

مظفر جنگ کی تخت نشینی کے واقعات بیان کرنے سے قبل اُس "پس منظر" کا اجمالی تذکرہ ضروری ہے، جس کے باعث ان کو "مسندِ آصف جاہی" پر جلوس کا موقع ملا، اس لئے ہم نواب ناصر جنگ کی شہادت کے چند واقعات کا اعادہ کریں گے۔

جنجی کے نواح میں، اس سے کوئی چھ میل کے فاصلہ پر عساکرِ ناصری پڑاؤ ڈالے پڑی تھیں، کئی میل کے وسیع رقبہ پر ہزاروں کی تعداد میں خیمے نصب تھے، شاید جنوبی ہند کی سرزمین نے اس وقت تک اتنی عظیم الشان فوج نہ دیکھی ہوگی، اس کی گنتی ایک لاکھ سے متجاوز، اور مغل طرز کی کوئی تین چار سو توپیں ساتھ تھیں۔ کوہ پیکر ہاتھیوں کا ایک جمِ غفیر، چند ہی کو دیکھئے تو ایک عظمت کے ساتھ وحشت بھی طاری ہوجاتی ہے، اس رزم گاہ میں، سو دو سو نہیں سات سو کے لگ بھگ، نفیس سُرخ باناتوں کی جھولوں سے سجا، عماریوں اور ہودوں سے لیس، منظم و مرتب کھڑا تھا۔ ہندی مرز و بوم کے مختلف نسل سپاہی، جن میں مرہٹے، راجپوت، تلنگے، ہندی پٹھان اور دکنی شامل تھے تو ایرانی و تورانی اور نرسے افغان بھی۔ ان کے علاوہ مشیت کے نامعلوم ارادوں کے تحت سات سمندر پار کے انگریزوں کی ایک مختصر سی جمعیت، فوج کے اس ناپید اکنار بحر میں حباب آسا دکھائی دیتی تھی۔ غرض جنوبی ہند کے ایک عظیم حاکم کے جھنڈے تلے، اس کے سارے ماتحت راجا نواب، سردار اور زمیندار سب ہی جمع تھے، ہر ایک کی سج دھج نرالی اور مخصوص وضع قطع،

دلکش نظر آتی تھی۔

چالیس دن سے لگاتار بارش جاری تھی، لیکن تین دن سے تو اور آسمان ٹوٹ پڑا تھا، موسلادھار مینہ برس رہا تھا، اطراف و اکناف کے ندی نالے چڑھاؤ پر تھے۔ خیمے بھیگ کر مائل بہ سجدہ دکھائی دیتے تھے، زمین اس قدر تر ہوچکی تھی کہ ہر طرف دلدلی کیفیت نمودار تھی، آصفی فوج کے سپاہی نہ بیٹھ سکتے تھے اور نہ سو سکتے، کھڑے کھڑے گذار رہے تھے، ساز و سامانِ جنگ کو بُری طرح نقصان پہنچ رہا تھا، راستے کیچڑ سے پٹے، ندی اور تالابوں کی طغیانی سے راہ آمد و رفت بند تھی، اس لئے رسد کی کمی کی صورت میں اس کا حصول ممکن نظر نہ آتا تھا۔

قلعہ نشین حریف غنیم کو پریشان کرنے اور نیچا دکھانے کے لئے اسی موقع کی تاک میں کچھ کر گزرنے کی فکر میں تھا، تین دنوں سے افواہیں اڑ رہی تھیں کہ آج دشمن شبخون مارنے کا ارادہ کر رہا ہے، سب مقابلہ کے لئے تیار، ساری ساری راتیں آنکھوں میں گزار دیتے ہیں، لیکن کوئی حملہ نہ ہوتا۔ اس طرح تین راتیں آئیں اور گزر گئیں تو سبھوں نے یقین کر لیا کہ یہ گپ تھی، اسی لئے چوتھی دفعہ سرِشام پھر اسی قسم کا غلغلہ بلند ہوا تو کسی نے پرواہ نہ کی۔ دشمن کا مقصد اسی طرح ناصر جنگ کی سپاہ کو غفلت میں رکھ کے چھاپہ مارنا تھا، جب اس کو اس صورت حال کی اطلاع ملی، تو اس وقت جب سب میٹھی نیند سو رہے تھے اور رات ختم ہونے کے تین چار گھڑی باقی تھے حملہ کر دیا۔ اچانک توپوں اور بندوقوں کی آوازیں بلند ہوئیں تو سارے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، ہر شخص حواس باختہ، اور اس کے مدافعت کے ہتھیار اِدھر اُدھر پڑے ہوئے تھے، جن کو اٹھانے اور تلاش کرنے تک کی مہلت نہیں ملی۔ پیہم اطلاعیں پہنچنے لگیں کہ فرانسیسی لوٹ پڑے ہیں، عساکر ناصری کے غافل سپاہی بے طرح کٹ رہے ہیں، دور بھاگے جا رہے ہیں۔

فرانسیسی ناصر جنگ کے غدار عہدہ دار، اور باغی پٹھانوں کا سفید نشان دیکھ کر

ہاتھی سے قلب لشکر تک گھس آئے جو پہلے ہی سے بطور علامت مقرر کیا جا چکا تھا۔ توپوں اور بھاگنے والوں کا شور و غل سن کر نواب صاحب عالم بے قراری میں، اسی سادہ لباس سے جس میں کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے باہر نکل آئے اور اپنے ہاتھی کو طلب کیا، اسی حالت میں ہاتھی پر سوار ہو کر میدان جنگ کا رخ کیا، یہاں پہنچ کر اپنے سپاہیوں کو جوش و ہمت دلانی شروع کی، ہر ہر جانب پہنچتے اور جمع ہو کر مقابلہ کرنے کی تاکید فرماتے جا رہے تھے، سامنے ہی ان کی نظر ہمت خاں حاکم کرنول پر پڑی جو ہاتھی پر سوار حملہ آور کا مقابلہ کرنے کی بجائے خاموش کھڑا تھا، اس وقت صبح ہو رہی تھی، کچھ اندھیرا اور اجالا تھا، نواب صاحب نے اسے سلام کیا، اور کچھ کہتے ہوئے متوجہ کرنا چاہا، مگر اس نے کسی کا جواب نہ دیا، انھوں نے سمجھا کہ شاید تاریکی کی وجہ سے اور میرے معمولی لباس میں ملبوس ہونے کے باعث مجھے پہچان نہیں رہا ہے۔ اس لئے اپنی عماری سے قدرے بلند ہو کر دوبارہ سلام کر ہی رہے تھے کہ اس کے ہاتھی سے فائر کی دو آوازیں آئیں، اور ادھر دیکھا تو نواب صاحب، اسی تواضع میں، داور حقیقی کے آگے، دادگاہِ آخرت میں انصاف طلبی کیلئے رخصت ہو چکے تھے۔

افضل قاقشال کہتا ہے :۔

"ہمت خاں حاکم کرنول نے اپنی خواصی میں بیٹھے ہوئے شخص کو فائر کرنے کا اشارہ کیا، لیکن اس کا نشانہ خطا کر گیا، پھر فوراً ہی ہمت خاں نے اپنی قرابین سر کی، جس میں دو گولیاں بھری تھیں جو ناصر جنگ کے سینہ سے پار ہو گئیں۔"

صمصام الدولہ شاہ نواز خاں بیان کرتے ہیں :۔

"کہ دریں حال فرصت، ہمت خاں و شخصے کہ در خواصیٔ او نشستہ بود، تفنگہا معاً سر دادند، ہر دو تیر و تفنگ بہ سینۂ نواب رسید[۱]۔"

غرض ناصر جنگ کی روح پرواز کرتے ہی مخالفین میں سے کوئی آگے بڑھا، اور ان کے

---

[۱] مآثر الامراء جلد سوم مطبوعہ ص ۸۵۶

ہاتھی کے قریب پہنچ کر ان کے فیل بان چاند خاں کو ہاتھی کے بٹھانے کا اشارہ کیا، تاکہ نواب مرحوم کے جسد بے جاں سے سرجدا کرسکے، یہ نمک حلال وہادت، جوش غیرت، اور پاس وفا کے مارے تلوار سونت کر ہاتھی سے کود پڑا اور ایک ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا کام تمام ہوگیا، لیکن اس اثنار میں اس مقتول کا ایک اور ساتھی آن پہنچا، جس نے فیل بان پر پیچھے سے ایسا وار کیا کہ اس بے چارے نے آقا پر اپنی جان نثار کر کے سرخروئی حاصل کرلی۔ اس کے مارے جانے کے بعد، قاتل نے خود نواب شہید کے ہاتھی کو بٹھایا، اور ناصر جنگ کے جسم سے سر کاٹ کر، مظفر جنگ کے پاس لے پہنچا، جو ایک "گھاٹوپ" عماری میں سوار تھے، ان کی خدمت میں ماموں کا سر نذر کر کے صوبہ داری دکن کی مبارک باد دی۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ناصر جنگ کو تنہا دیکھ کر، ہمت خاں، عبدالنبی خاں اور بہلول خاں ان کے ہاتھی کے نزدیک پہنچے اور ان میں سے ہمت خاں نے اپنے ہاتھی سے "تیر کچہ" جو پاس ہی رکھا تھا پھینک مارا جو نواب کے سینہ میں جا لگا اور روح پرواز کرگئی اور وہ ہاتھی سے نیچے گر پڑے۔ سرتن سے جدا کر کے مظفر جنگ کے پاس لے کر پہنچے اور مبارکباد دی۔

"تذکرۃ البلاد والحکام" میں ہے

"بہلول خاں (بہادر خاں) بے تامل اول از بندوق، سینۂ بے کینۂ نواب را ہدف ساخت۔ پس فیل خود را متصل فیل خاص بردہ از دست محمد خاں جعفرآبادی کہ از خواص نشین افغان کڑپہ بود، سرِ نواب برید ا مید[1]"

الحاصل ۱۷۔ محرم ۱۱۶۴ھ ہجری کو چہار شنبہ کے دن، آدھی رات کے بعد فرانسیسیوں نے حملہ کیا تھا، اور نواب صاحب کے قتل تک رات ختم ہوکر، صبح طلوع ہو رہی تھی اس لحاظ سے ان کی شہادت ۱۷۔ محرم ۱۱۶۴ھ پنجشنبہ (مطابق ۵ دسمبر ۱۷۵۰ء) کو واقع ہوئی۔ "مآثر الامرا" میں مرقوم ہے کہ یہ واقعہ

---

[1] تذکرۃ البلاد والحکام مولفہ سید علی کرنبانی قلمی صہ ۱۷۸ (دفتر دیوانی عدالت عالیہ)

از روئے تقویم ۱۷ محرم کو ہوا لیکن رویت ہلال کی رُو سے سولہویں تاریخ تھی۔[۵۲]

مظفر جنگ بحالت قید اُس وقت ناصر جنگ کے ساتھ میدانِ جنگ میں ایک ہاتھی پر سوار تھے، جن کی عماری پردہ دار تھی، ان کے ہوا خواہوں نے ان کو اس سے نکالا، اور گھیر لیا، پھر نواب شہید کے ہاتھی پر سوار کرادیا، انھوں نے حکم دیا کہ شہید ماموں کا سر نیزہ پر بلند کرکے سارے لشکر میں گشت کرایا جائے۔

میدان جنگ، عجیب متضاد کیفیت کا نمونہ تھا، ایک طرف ناصر جنگ کے محلات سے آہ و بکا، اور درد و غم کی دل دوز آہیں قلب و جگر سے پار ہو رہی تھیں تو دوسری طرف سے مبارکباد کی نوبت اور نقاروں کا شور، اور مسرتوں کے "گلبانگ" سامعہ نواز ہو رہے تھے، بیک وقت ایک دوسرے سے مختلف، ایسے مناظر، چشم بینا کو وہ بصیرت بخشتے تھے، جو ساری زندگی وعظ و نصیحت سننے کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکتے۔ بے گور و کفن نعشوں سے معرکۂ کارزار پٹا پڑا تھا۔

نواب مظفر جنگ کے اطراف لوگوں کا وہ ہجوم، گویا شمع پر پروانے ٹوٹ پڑے ہیں کوئی اپنی خدماتِ لائقہ کا تذکرہ کرتا ہے، کوئی پشتینی تعلق کو گنا رہا ہے کوئی اپنے وفادارانہ کارنامے فخریہ لہجے میں بیان کرتا جاتا ہے، جسے دیکھو اور جس کو سنو، معلوم ہوتا ہے کہ رستمِ رزم ہے، اور وہ وہ کام کئے ہیں گویا بہادری اُسی پر ختم، وفا شعاری صرف اُسی کی ذات پر پہنچ کر کمال پا سکی ہے کہ عہدہ کا طلبگار، دوسرا جاگیر و منصب کا امیدوار، سلسلہ ٹوٹتا نہیں، انعام و اکرام عطایا و بخشش کے لئے مختلف صورتوں میں درخواستیں جاری ہیں نواب صاحب ان میں سے ہر ایک کو تسلی دلاسا دے دیکر اپنے اپنے خیموں کو جانے کا حکم دے رہے ہیں

ہجوم مردم سے نکل کر وہ ایک شاہی خیمہ میں آ گئے، فوراً ہی ایک فرانسیسی دستہ ان کی حفاظت کے لئے متعین ہو گیا۔

---

۵۲ مآثر الامراء جلد سوم ص ۵م

شہادت ناصری کی اطلاع کا اثر

اسی دن دوپہر کے بعد، نواب ناصر جنگ کی شہادت کی اطلاع، میدان جنگ سے پانڈیچری پہنچ گئی، جوں ہی کہ ڈیوپلے صاحب نے یہ خبر سنی آرمی کہتا ہے کہ وہ مسرت کے مارے آپے سے باہر ہوگیا اور جس لباس میں بیٹھا تھا اسی حالت میں اپنی شان کا لحاظ کئے بغیر نکل پڑا، اور پانڈیچری کی سڑکوں پر دوڑتا پھلانگتا دوپلے کی قیام گاہ پر پہنچا اور اُسے یہ اطلاع سناتے اور مبارکباد دیتے ہوئے اس زور سے گلے لگایا، قریب تھا کہ دوپلے کا دم گھٹ جائے۔ اس کی مسرت اندازہ سے باہر تھی فوراً حکم دیا کہ پانڈیچری کی توپوں کے منہ کھول دیئے جائیں اور انھیں پے درپے سر کیا جائے تاکہ نزدیک و دور اس فتح کی خوشخبری پہنچ جائے

اِدھر میدان جنگ میں شام کے قریب فرانسیسی کمان دار لاؤش اپنی جمعیت کے ساتھ مظفر جنگ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور مبارک باد دی۔ نواب صاحب نے اس کی بڑی خاطر و مدارت کی، اور اس کی خدمات کا بہت بہت شکریہ ادا کرتے ہوئے تعریف و توصیف کی۔

شام میں دوپلے نے پانڈیچری میں ایک دربار عام منعقد کیا، جس میں معززین عہدہ دار و سرداران فوج شریک ہوئے، جنھوں نے گورنر صاحب بہادر کے تدبر کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے مبارکباد پیش کی اور کہا کہ سارے جنوبی ہند کے ایک عظیم و جلیل حاکم کو قتل کرکے اور ہندوستان کی ایک کثیر تعداد مغل فوج پر، جو اس زمانہ میں ناقابل تسخیر سمجھی جاتی تھی، فتح پاکر وہ عزت حاصل کی ہے جو نہ صرف خود اس کی ذات کے لئے بلکہ سارے یورپ اور خاص کر فرانسیسی قوم کے واسطے تاریخ عالم میں ایک نہ مٹنے والا کارنامہ ہے۔

اس کے دوسرے دن دوپلے نے تین سفیر میدان جنگ روانہ کئے تاکہ وہ اس کی نمائندگی کرتے ہوئے کمپنی اور فرانسیسی قوم کی طرف سے مظفر جنگ کی خدمت میں حکومت کی مبارکباد پیش کریں، اور پھر چھ گراں بہا خلعتیں اور ایک سفید لشان ہاتھی بھیجا، نواب صاحب ان

تحائف سے بے حد متاثر ہوئے اور خصوصیت سے سفید نشان ان کے بہت پسند آیا' اور حکم دیا کہ ہمیشہ ہمارے معرکوں میں یہ علم سب سے آگے رہا کرے۔

مظفر جنگ کی تخت نشینی

فی الحال میں یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ نواب مظفر جنگ کی تخت نشینی کس تاریخ عمل میں آئی اور اس کے تفصیلی حالات کیا ہیں' صرف الوزر نامہ میں ۱۶ محرم بروز عطارد (چہارشنبہ) کی صراحت ہے۔ لیکن دستور کے مطابق ہمارا قیاس ہے کہ ناصر جنگ کی شہادت سے تین دن گزرنے کے بعد یوتھے دن ۲۰ محرم الحرام ۱۱۶۴ھ (مطابق ۸ دسمبر ۱۷۵۰ء) کو اتوار کے دن' میدان جنگ ہی میں رسماً اسکی تکمیل ہوئی ہوگی۔ کیونکہ باضابطہ جشن تخت نشینی تو دارالسلطنت پہنچنے پر موقوف رہتا ہے۔ تذکرۃ البلاد و الحکام سے صرف اس قدر واضح ہوتا ہے کہ افاغنہ نے انہیں ایک تختۂ پلنگ پر بٹھایا تھا' لیکن تاریخ کی وضاحت اس میں بھی نہیں۔

ناصر جنگ کے قتل کے ساتھ ہی کارپردازان مظفر جنگ کو فی الفور ایک اور خطرہ محسوس ہوا' کیونکہ اس وقت نواب شہید کے ہمراہ ان سے چھوٹے ان کے اور تین بھائی اسی میدان میں موجود تھے' آصف جاہ کے فرزند ہونے کی حیثیت سے اور بھائی کی کوئی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے' بھائی کے بھی وارث ہونے کے باعث آصفی تخت پر متمکن ہونے کے مستحق تھے۔ نواب مرحوم کا بھانجا' یا آصف جاہ کا نواسہ ہونے کے باوجود' وارثان جائز کی موجودگی میں قطعاً مظفر جنگ کو اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ بعض مورخ عجیب عجیب طریقے سے ناصر جنگ کی جانشینی کے استحقاق کے خلاف' دلائل پیش کرتے ہیں' جس پر ہم ہنستے یا حیران ہو جاتے ہیں۔ ناصر جنگ کی تخت نشینی کو تو جائز ثابت کرنے کا یہ مقام نہیں' ناصر جنگ کے حق غصب کر لینے پر اگر اعتراض یا دعویٰ یا حملہ کرنے کا حق تھا تو ان کے بڑے بھائی غازی الدین خاں فیروز جنگ ثانی کو' لیکن فیروز جنگ نے جب تک ناصر جنگ زندہ رہے ان میں

سے کسی پر عمل نہیں کیا، ہم یہاں مظفر جنگ کی تخت نشینی کو، اس وقت موجود آصف جاہ کی اولاد کے مقابلہ میں حق بجانب ثابت کرنے سے عاجز ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ محمد انور خاں نے بغرض حفاظت ناصر جنگ کے تینوں بھائیوں اور ان کی بیگموں کو راجہ رام چندر کی جمعیت میں پہنچا دیا تھا، جو نواب مرحوم کے لشکر میں مقدمہ پر مامور تھا۔

مظفر جنگ نے اسی خطرہ کو محسوس کر کے جس کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے۔ دو تین فرانسیسی سرداروں کو (جیس بسے اور لاٹوش بھی شامل ہیں) حکم دیا کہ وہ فوراً ان لوگوں پر اپنی فوجی نگرانی قائم کر دیں۔ نواب نظام الملک کے جو بیٹے اس جنگ گاہ میں موجود تھے ان کے نام اور ان کی عمریں حسب ذیل ہیں:-

(۱) سید محمد خاں صلابت جنگ اس وقت عمر تقریباً (۲۴) سال[1]
(۲) میر نظام علیخاں (آصف جنگ) " " " (۱۸) سال[2]
(۳) میر محمد شریف خاں بسالت جنگ " " " (۱۵) سال[3]

حسین علی کرمانی کہتا ہے کہ مظفر جنگ نے جب ان لوگوں کو تلاش کرایا تو بڑی مشکل سے پتہ چلا، جس کے بعد انھوں نے اپنے ایک رازدار و معتمد شخص کو بھیج کر اپنے پاس طلب کیا، آنے کے بعد بڑی تسلی دی اور مکارانہ صلح جوئی سے کام لیا[4] انور نامہ میں ہے کہ ان تینوں کو ہفت ہزاری منصب بھی عطا کیا[5]۔

تاریخ ظفر میں بھی اسی قبیل کا بیان ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے، صلابت جنگ، نظام علی خاں اور دیگر امراء کو بلا بلا کر تسلی دی۔ اور مرآۃ الصفا سے واضح

۱، ۲، ۳ علی الترتیب ان کے سنہ ہائے ولادت ۱۱۳۰ھ، ۱۱۴۶ھ اور ۱۱۴۹ھ ہیں۔ دیکھئے شجرۂ آصفیہ بدرالدین خاں تمیز۔ چوتھے بیٹے میر مغل علیخاں ناصر الملک ہمایوں جاہ جنکی عمر ۱۲ سال تھی شاید اسوقت ساتھ نہ تھے
۴ تذکرۃ البلاد والحکام قلمی صفحہ ۶۵
۵ انوار نامہ قلمی صفحہ ۱۴۲

ہوتا ہے کہ :-

"نواب صلابت جنگ و اسد جنگ و بسالت جنگ نیز بدستور بہ سرداران ہمشیرزادہ که در سن بجائے برادر کلاں بود، راضی گشتند"

ہمیں اس امر کی تصدیق کرنی پڑے گی کہ کیا فی الحقیقت نواب مظفر جنگ ان سب سے عمر میں بڑے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ دکن کی کسی تاریخ میں جو ہماری نظر سے اس وقت تک گزر سکی ہیں، ان کی تاریخ ولادت ہی نہیں ملتی، اور اشارۃً و کنایۃً بھی ان کی عمر کا ذکر نہیں ملتا جس پر ہم کو بے انتہا تعجب ہے بشاید ہم آئندہ اپنی تحقیقات میں اس کا پتہ چلا سکیں، فی الحال تاریخ فتحیہ کے ایک بیان کی مدد سے اس کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

یوسف محمد خاں، مظفر جنگ کے حالات کے ذیل میں لکھتا ہے کہ جس وقت ناصر جنگ حضرت آصف جاہ سے باغی ہو کر، مقابلہ پر اتر آئے تھے تو اس معرکہ میں مظفر جنگ اپنے والد متوسل خاں کے ساتھ شریک جنگ تھے اور اس وقت ان کی عمر (۱۷) سال تھی۔ یہ لڑائی ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۱۵۴ھ کو ہوئی تھی۔ تو اس لحاظ سے ان کا سنہ ولادت ۱۱۳۷ھ قرار پا سکتا ہے۔ اور تخت نشینی کا زیر بحث واقعہ ۱۱۶۴ھ کا ہے پس ان کی عمر اس وقت (۲۷) سال ثابت ہوتی ہے، اور ان کے تینوں ماموؤں میں سب سے زیادہ عمر ۲۴ سال صلابت جنگ کی ہے۔

فتحیہ کا مولف مظفر جنگ کا طرفدار، اور ان کا مصاحب رہ چکا ہے اور مرآۃ الصفا کا مولف محمد علی، شاہ نواز خاں دیوان و شریکِ معرکہ کا میر منشی، پس ہم سوچتے ہیں کہ کس طرح ان میں سے کس کی تردید کریں۔

الغرض اس وقت باغیوں اور فرانسیسیوں کی فوجی طاقت مظفر جنگ کی پشت پر موجود تھی، اس لئے ان کی تخت نشینی کو ع

"ہر کہ شمشیر زند خطبہ بہ نامش خوانند"

کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ خاندان آصفی کے اراکین امراء اور دوسرے سردار سب مجبور اور بری طرح گھرے ہوئے تھے، حریف نے سارے میدان کو قابو میں کر رکھا تھا، کسی کو مخالفت میں یارائے دم زدن نہ تھا، بعض بڑے بڑے امراء و افرادِ خاندان یہاں موجود نہ تھے، بلکہ وہ دارالسلطنت اورنگ آباد میں تھے اسی لئے چار و ناچار سب کو اطاعت کرنی پڑی۔

مقام تخت نشینی

جیسا کہ ہم نے سطورِ گذشتہ میں لکھا ہے کہ اسی میدان میں، جس میں آصفی سپاہ پڑاؤ ڈالے پڑی تھی۔ اور ناصر جنگ شہید ہوئے ہیں، مظفر جنگ سریر آرائے حکومت ہوئے لہٰذا جو مقام قتل ناصر جنگ ہے وہی مقام تخت نشینی مظفر جنگ ہے ــــ ہمارے تذکرے اور تاریخیں اس باب میں جو کچھ لکھتی ہیں ان کو ہم یکے بعد دیگرے یہاں نقل کریں گے۔

(۱) میر غلام علی آزاد بلگرامی، جو ساتھ معرکہ میں موجود اور ناصر جنگ کے پاس بوقت شہادت موجود تھے، سروِ آزاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مقام پانڈیچری سے تقریباً (۲۰) کوس (یعنی ۴۰ میل) قریب قلعۂ چنجی واقع تھا

(۲) ایک اور شریکِ کارزار افضل قاقشال بیان کرتا ہے کہ ناصر جنگ کے فوجی خیمے قلعۂ چنجی سے چھ کوس (۱۲ میل) کے فاصلہ پر نصب ہیں۔

(۳) تیسرا فوجی عہدہ دار نور محمد خاں، اپنی کتاب "واقعات جانشینی آصف جاہ" میں لکھتا ہے "ناصر جنگ پنج کروہ (۱۰ میل) قلعہ چنجی رسیدہ سوادِ آں زمین را انجام گاہ جلوہ گر فرمودند"[1]

[1] تذکرۃ البلاد والحکام ص۶۴ قلمی ہم سمجھتے ہیں کہ آزاد اور شاہنواز خاں وغیرہ جیسے ناصر جنگ کے دربار سے تعلق رکھنے والے اصحاب مقام کا نام اس وجہ سے نہ لکھ سکے کہ یہ ایک غیر معروف مقام تھا اور یہاں کے مواضع سے یہ لوگ واقف نہ تھے، اس تذکرہ نے جو نام لکھا ہے، اس کا سبب یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا مولف کرناٹک کے تعلقات و قصبات کے ناموں کو خوب جانتا ہے جس پر خود اس کی یہ تالیف شاہد ہے کیونکہ اس نے اس میں کرناٹک کے جملہ مقامات کا گویا ایک تاریخی جغرافیہ لکھا ہے، اس وجہ سے ہمارے نزدیک اس کے بیان کی اہمیت ہے۔ گو وہ شریک معرکہ نہ تھا مگر جس زمانہ میں یہ کتاب لکھی ہے اس واقعہ کو گزرے ہوئے چالیس پچاس سال سے زیادہ نہیں ہوئے تھے۔ ۱۲

(۴) تاریخ راحت افزا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا لشکر دو دریاؤں کے بیچ میں گھر گیا تھا، جن میں سے ایک کا نام چکرودنی لکھا ہے

(۵) تذکرۃ البلاد والحکام میں ایک جگہ پر ہے :-

" در میدانِ شرقی پچی کہ اندرون قلعہ تھانۂ فرانسیس بود ناغۂ

بیباک اندرو ئے دغا بر نواب مظلوم برید ہ "

(۶) اور دوسری جگہ اسی تذکرہ نے مقام کی بھی صاف وضاحت کرتے ہوئے اس کا نام بھی لکھ دیا ہے۔ اس لحاظ سے ہماری اپنی تاریخوں میں یہی ایک کتاب ہے جس نے نام کو بھی بالتصریح لکھا ہے۔ چنانچہ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

" چوں سوادِ موضع آ ئے گرام متعلقہ پچی کہ سہ کروہے (۶ میل)

شر قیست محلِ نزولِ رایات آصف جاہی گردید۔ "

حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری نے اپنے رسالہ " تاریخ " میں اس مقام کو تاریخ راحت افزا کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ہم اس سے کوئی نتیجہ حاصل نہ کر سکے

(۷) انڈین ہسٹری کانگریس کی پانچویں میقات (۱۹۴۱ء) منعقدۂ حیدرآباد میں مسٹر ام اے لیو ہارکس چندر ناگور (M.A Lehuraux Chandernagore) نے ایک مضمون " دوپلے فتح آباد کی دریافت (The Findly of the Site of Dupleix Fath abad) پڑھا تھا، ہم نے اسے بھی دیکھا ہے، جس کے اکثر مندرجات پر متحیر ہے کہ مضمون نگار بعض مغربی تاریخوں کی غلط بیانی کے کس قدر زیر اثر ہیں انھوں نے اپنی تحقیق سے جو مقام نامزد کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ " ولی میڈو پیٹ " (Velimedon Pet) جو جنوبی ارکاٹ کے تعلقہ " ٹنڈی وانم " (Tindivanam) سے تعلق رکھتا ہے کے شمال میں " ٹنڈی وانم و انڈی واش روڈ پر، پچیسویں ۲۵ میل سے کسی قدر پچھلی طرف " پٹانندل " (Pattanandal) کے موضع میں مقام زیر بحث واقع ہے۔

یہیں جنوبی رُخ پر سامنے کی جانب ایک چھوٹا سا مسطح میدان ہے، جو کسی زمانہ میں مسلمانوں کا قبرستان تھا، لیکن قبروں کے نشانات عرصہ ہوا کہ مٹ گئے۔ اسی رُخ پر شو لٹری ——— (Choultry) کی جانب مشہور روایتی تالاب کمارا پاکولم (Komarappa Kulam) ہے۔ بہرحال اس انکشاف کو ہماری تاریخوں کے متذکرہ بیانات کی بھی روشنی میں مقامی طور پر پہنچکر تصدیق و تحقیق کرلی ہوگی۔ جس کا کہ افسوس ہے ہم کو اب تک موقع نہ مل سکا۔

میدان جنگ سے پانڈیچری میں دوسری مرتبہ داخلہ

دکنی تاریخیں لکھتی ہیں کہ مظفر جنگ نواب ناصر جنگ کے مارے جانے کے بعد تین روز تک اسی میدان میں ٹھیرے رہے، چوتھے دن ۱۹ محرم شنبہ کو وہ پھلچری (پانڈیچری) روانہ ہوئے اور انگریزی تاریخوں سے دس بارہ روز یہیں قیام ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ بیان کیا گیا ہے ۱۶ دسمبر کو جدید نواب فرانسیسی آبادی یعنی پانڈی چری کے علاقے میں ایک فاتح اور والئی ملک کی شان سے داخل ہوئے، اور اسی مہینہ کی ۱۲ تاریخ کو انھوں نے اپنا پہلا دربار منعقد کیا۔ جس میں مغل سرداروں اور دوپلے کی نذریں قبول کیں۔

نظام الملک کی دولت کی پہلی لوٹ

ہم نے اپنی کتاب ناصر جنگ میں ہنری ڈاڈول کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس معرکہ میں جو مال غنیمت ہاتھ لگا اور (غالباً سرکاری تحویل میں) پانڈی چری لایا گیا وہ (۱۸) صندوق، جواہرات، ایک کروڑ اشرفیاں اور روپے نقد (جو غیر مسکوک تھے) پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ سارے شہر میں معلوم ہوتا تھا کہ روپیہ پھوٹ پڑا ہے، کوئی متنفس باقی نہ تھا جسے کافی مقدار میں مال ہاتھ نہ لگا ہو۔

الوار نامہ کی رُو سے زر و سیم مسکوک کی مقدار دو کروڑ اور جواہرات کی مالیت بھی دو

کروڑ سے متجاوز ثابت ہوتی ہے، اس کے سوا، الجنتی نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ (٩٠٠) توپیں بے شمار ہاتھی گھوڑے اور دیگر اجناس و آلات جو ہاتھ لگے تھے، ان کی قیمت کا تعین ایک کروڑ کیا گیا تھا۔

اس دولت کی نسبت، ہمیں ایک فرانسیسی سرجن کا بھی بیان ملتا ہے جو گو سال ڈیڑھ سال بعد کا ہے، لیکن اس وقت تک بھی اس مال غنیمت کی فراوانی اور بے پناہ مقدار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے یہ سرجن ١٧٥٢ء میں پانڈیچری سے لکھتا ہے :۔

"جو لوگ دکن جاتے ہیں، وہ دولت مند ہو جاتے ہیں کوئی شخص خالی ہاتھ نہیں آتا، ادم ولسنس میدم دوپلے کا بیٹا (٤٠) ہزار اشرفیاں، جو ہر ایک سولہ روپے کی ہے۔ اور بے شمار پگوڈا[۱] سکے روپے اور جواہرات لے کر واپس آیا ہے۔ ام کرجین دوپلے کا بھتیجا بھی اسی قدر مالدار ہو کر پہنچا ہے۔ اسی لئے ہر شخص حیدرآباد جانے کا آرزو مند ہے۔"[۲]

مظفر جنگ کا پانڈی چری میں استقبال

فرانسیسی کمپنی کے مقاصد کے لئے اور اسی کے پہلو بہ پہلو شخصی طور پر موسیو دوپلے کے واسطے بھی، فتح و جلوس مظفری؛ عین اس کی اپنی کامیابی بن گئی تھی انتہا پسند گورنر صاحب بہادر۔ کچھ اپنی افتاد طبع سے مجبور اور کچھ سیاسی مصالح کے پیش نظر۔ اس وقت نواب صاحب کو جس قدر مرعوب و ممنون کیا جا سکتا ہے، اُن تدابیر میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جاتے، اسی لئے مسرتی تقاریب کے رنگ برنگ و اوام بچھنے شروع ہوئے۔ جس میں یہ جذبہ بھی کارفرما تھا کہ اُمراء، رؤساء و دیگر نوابان ہند اور بالخصوص نواب مظفر جنگ پر، حریف انگریزوں کے

---

[۱] پگوڈا :۔ دکن کا ایک قدیم سکہ جو تقریباً ساڑھے تین روپے کا ہوتا تھا۔

[۲] ڈیپلے اینڈ کلائیو بائی ہنری ڈاڈول۔

بالمقابل، فرانسیسی قوم کی شان و شوکت اور تمول کا اظہار بھی ہو۔ مظفر جنگ پانڈی چری میں مہینہ بھر یا اس سے کچھ کم زیادہ قیام پذیر رہے یوں تو ہر روز کسی نہ کسی عنوان سے تقاریب کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن سب سے بڑا جو جشن منایا گیا، اس کی آتش بازی کی تفصیل سے دیگر لوازم کا اندازہ کیجئے۔

مسرتِ فتح میں عجوبۂ روزگار آتش بازی

کہتے ہیں کہ اس آنے والے دن کی مسرت کا مہینوں پہلے سے یقین کر لیا گیا تھا، اسی بنا پر وضاحت کے ساتھ مؤرخین لکھتے ہیں کہ تین ماہ سے اس تقریب کے لئے آتشبازی کی تیاری جاری تھی، اس واقعہ پر دُور بین نگاہیں پڑتی ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ دشمنوں نے کسی نہ کسی حیلہ سے ناصر جنگ کو قتل کر دینے کا بیڑا اٹھایا تھا، اور ان کو ناصر جنگ کے ساتھ غداری کر کے اپنا آلۂ کار بننے والے آصفی سرداروں کی نسبت اس معاملۂ دغا میں وفادار رہنے پر کس قدر بھروسہ تھا۔ دوپلے کے شہرہ آفاق طریق کا بھی یہ واقعہ ایک مثال سمجھا جائے گا، جس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جس کسی کام کا آغاز کرتا تو دس سال پہلے سے اس کے منصوبے تیار کرتا اور انھیں پختہ کرنا شروع کرتا تھا۔

الغرض اس قدر آتشبازی تیار کی گئی تھی کہ شاید ہی اس کی کوئی نوع باقی رہی ہو ہم جزئیات کا تذکرہ نہیں کریں گے، گورنری ایوان کی آرائش و زیبائش، شہر و قلعۂ پانڈیچری کی تزئین و رونق، بنگلوں اور عمارتوں کی رنگا رنگ روشنیوں اور ان کی جگمگاہٹ سے بھی نظریں ہٹا لینا چاہتے ہیں جو آپ کو خفیہ نویسوں کی ڈائریوں اور روزنامچوں وغیرہ سے مل جائیں گی، آپ کے سامنے صرف اس عجوبۂ روزگار نادر ترین آتشبازی کا تذکرہ کریں گے جس کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ یہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک اچھوتی اور بہت ہی عظیم الشان آتش بازی تھی۔

ہماری تاریخ صراحت افزا کی زبان اس کی تعریف میں لال ہے وہ لکھتی ہے کہ اس میں فنکاروں نے لنکا پر راون کی چڑھائی کا منظر چھپا رکھا تھا، جب نواب مظفر جنگ' دوپلے کی کوٹھی میں پہنچے تو ان سے ایک "بارودی بندر" کو اپنے ہاتھ سے روشن کرنے کی فرمائش کی گئی، اس کا سلگنا ہی تھا کہ یہ بندر اُن کے پاس سے اچک کر اس احاطہ پر جا پہنچا، جس کو لنکا قرار دیا گیا تھا، جس میں غالباً بارودی بنگلے اور مکان وغیرہ بنائے گئے تھے' یہ ایک ایک کو روشن کرتا جاتا تھا، یہاں تک کہ سارا جزیرہ نظر فریب مختلف روشنیوں سے جگمگا اٹھا اور وہ نظارہ آنکھوں کے سامنے پیش تھا، جو لنکا پر راون کی سپاہ ہیمون نے کیا تھا، اور سارے جزیرہ کو آتشیں بنادیا تھا۔ سارے دیکھنے والے سکتے میں اور حیران تھے' اور مورخ' کاریگروں کے اس بے پناہ کمال کی ندرت دیکھ کر جن تاثرات کا اظہار کرتا ہے' اس کے الفاظ کی مختصر طور پر یوں ترجمانی کی جاسکتی ہے کہ ؎

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہیے ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

مظفر جنگ کے انعام وعطایا کا سیلاب

اس جشن کے ضیافتی دربار میں نواب صاحب نے ڈوپلے کو ظفر جنگ کا اور اس کی بیوی کو "جہاں آراء بیگم" کا خطاب عطا کیا، جس کو مغربی مؤرخین نے بگاڑ کر کے "جوانا بیگم" لکھتے اور جس کی عقلمندی کی داستانیں بیان کرتے ہیں گورنر کو ایک خلعتِ فاخرہ بھی مرحمت کی، جس کو پہننے کے لئے دوپلے اسی وقت اٹھا اور زیب بدن کئے' فوراً حاضر دربار ہوکر مسلمان امراء کی طرح نواب صاحب کی خدمت میں سلام بجالیا۔ اس کے علاوہ اس کو دریائے کرشنا کے جنوب کے سارے علاقہ کا اپنی جانب سے نائب یا صوبہ دار مقرر کیا' اور اس کی شخصی جاگیر میں مقامات بچنی ویتری داوی بخشش دیئے۔ دوپلے اسکی بیوی' لڑکا' بیٹی اور بھتیجے کو بیشمار ہیرے' یاقوت اور دیگر جواہرات مرحمت کئے۔

یہ تو گورنر کا حال تھا[1] خود فرانسیسی کمپنی کو ڈپلے کی تصریح کے مطابق ساڑھے تین لاکھ سالانہ آمدنی کا ملک دیا گیا، بعض کتابیں ۸ لاکھ محاصل کا اور ایک تاریخ (۹۰) لاکھ کا علاقہ دیئے جانے کا تذکرہ کرتی ہیں، جس کے رقبہ کی یہ وضاحت کی ہے کہ وہ ملک فرانس کے برابر تھا۔ نیز کمپنی کو پانڈی چری کے اطراف کا حصہ بھی بطور انعام عطا ہوا۔

اس کے سوا ڈوپلے نے اپنی ذات کے لئے (۲۰) لاکھ، اور مصارف جنگ کے عوض سے (۵۰) لاکھ، اور فرانسیسی فوج کے واسطے (۵۰) لاکھ روپے بصورت نقدی حاصل کئے۔ تقریباً (۵۰) ہاتھی اور قیمتی جواہرات دوسرے فرانسیسی سرداروں اور کارداروں کو بھی دلائے گئے۔

چندا صاحب کو خطابات خدا نواز خاں، شمس الدولہ حسین دوست خاں بہادر، مبارز جنگ[2] کے ساتھ، منصب ہفت ہزاری، اور محمد علی خاں پسر انورالدین خاں کی بجائے نیابت فوجداری محالات پایاں گھاٹ متعلقہ کرناٹک کے عہدہ پر فائز کیا، جس میں ترچناپلی، مدورا، ترناولی، چنجاور وغیرہ شامل تھے۔ جس کا سالانہ خراج ۴۲ لاکھ، داخل خزانۂ شاہی کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس کے بیٹے رضا صاحب کو بھی منصب سے سرفراز کیا۔

نواب صاحب نے دیگر اہم سرداروں میں جن جن کو جاگیر و خطابات وغیرہ دیئے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:-

(۱) ہمت خاں حاکم کرنول کو ——— خطاب رستم جنگ، جاگیر میں رائچور و ادونی
(۲) عبدالنبی خاں حاکم کڑپہ کو ——— گنجی کوٹہ گوتی (یاتی) گوام گنڈہ (یاکرم کنڈہ) کی جاگیر
(۳) جانوجی مرہٹہ کو ——— خطاب مہاراؤ جونت ارجن
(۴) عبدالکریم کو ——— علاقہ مدرا
۵ رام داس پنڈت کو ——— خطاب راجہ رگھناتھ داس دیا۔ چونکہ اس نے سازش

---

[1] تاریخ ظفرہ ص ۱۰۶/۱۱۹
[2] اس حکم کا عکس دیکھئے سلسلۂ مطبوعات دفتر دیوانی جلد اول کے صفحہ ۱۳۵ پر۔

تعلق میں بڑا اختصار لیا تھا۔ اس لئے اپنا بڑا ہی خواہ و وفادار سمجھ کر مظفر جنگ نے اس کو دیوان سلطنت مقرر کیا۔

(٦) عبد الرحمٰن گارڈی کو ـــــ خطاب مظفر خاں، اور منصب ہفت ہزاری مع ماہی مراتب

(٧) جنرل بسے (موسی بوسی) کو ـــ خطاب عمدۃ الملک سیف الدولہ غضنفر جنگ اور منصب ہفت ہزاری مع علم و نقارہ۔

دربار دہلی میں مظفر جنگ کی عرضداشت

نواب مظفر جنگ نے، نواب ناصر جنگ کے مارے جانے، اور ان کی بجائے اپنے مسند نشین ہونے کے واقعات پر مشتمل ایک اطلاعی عرضداشت دربار دہلی میں احمد شاہ بادشاہ کی خدمت میں بھیجی، جو شاید یہیں (پانڈیچیری) سے روانہ کی گئی تھی۔ دکن کی ساری تاریخیں اس کے ذکر سے خاموش ہیں۔ آصف جاہ، ناصر جنگ، شاہنواز خاں، موسوی خاں میر منشی یا دیگر امراء وغیرہ کے خطوط کے جو مجموعے موجود اور ملتے ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس عرضی کا پتہ نہیں چلتا، ہمارا قیاس ہے کہ، دربار دہلی، چندا صاحب، گورنر پانڈیچیری، دیگر امراء اور نوابوں سے مظفر جنگ نے جو مراسلت کی ہوگی اس کا کہیں نہ کہیں کوئی مکمل مجموعہ، یا اس کا کوئی حصہ موجود ہونا اور ملنا چاہئے یا یہ جن کے نام مرسوم تھے اور بھیجے گئے تھے ان کے اپنے مکتوبات کے مجموعوں میں ان کی نقلیں ضرور دستیاب ہو سکیں گی اسی تصور کی بنا پر ایک عرصہ سے ہماری تلاش جاری ہے، تاکہ ان کو حاصل کر کے خود مظفر جنگ کے نکتہ نظر سے واقعات پر غور کرنے کا موقع مل جائے، جن سے بہت سے نئے تاریخی انکشافات کی بھی توقع ہے۔ سات آٹھ برس کی جستجو میں ہم ایک مجموعہ سے صرف

ہم نے سنا ہے کہ نواب علی یاور جنگ بہادر نے فرنچ انڈیا آفس (پیرس) سے اس قسم کا نہایت بیش

بقیہ صفحہ ۱۸ پر

ایک ہی عرضی پا سکے۔ جس وقت ہمیں یہ دستیاب ہوئی تو ہماری مسرت اندازے سے باہر تھی، وہی عرضداشت ہاتھ آئی جو انھوں نے بعد شہادت ناصر جنگ، مغل شہنشاہ کی خدمت میں بھیجی۔ بہرحال ہم "دکن ہسٹری کانفرنس" کی اس پہلی میقات میں اس نادر ترین تاریخی تحفہ کو پیش کر رہے ہیں، جو پہلی دفعہ اس کے اسٹیج سے منظر عام پر لائی جا رہی ہے

عرضداشت

بعد ادائی آداب زمین بوسی، بعرض باریابان محفل منور بادشاہ ظل اللہ گیہان خدیو، عالم پناہ می رساند آصف جاہ رحمۃ اللہ علیہ کہ اکمل عقلائی دہر و ابلغ جہاں، بل صاحب دل و اہل عرفاں بودند بوجدان حیثیت احوال و مشاہدۂ اوضاع و افعال کہ حصول دولت بیزدی و تطابق مرضیات پیرایۂ پسندیدگی یافتہ نوعے توجہات و عنایت بحال فدوی مرعی می فرمودند کہ از السنہ انام و زبانِ خواص و عوام احب البنین و احق الاولاد بہ روزی می یافت خصوصاً صدور امور غیر مرضی و حرکات ناشائستہ از نظام الدولہ، پاس رضا و ضیانت ادائی از فدوی در مقابلِ آں باعث افزائش مراتب اشفاق وازدیاد مراعات و التفات می کردند حتی از کلمات دلآویز و تحسین آمیز مہر افروز ایشاں کہ بفرط شفقت و جوشش محبت اکثر اوقات از زبان صدق سنج آں اصدق انام لبریز می نمود گمان می شد کہ شائستہ امر وز (تخت) و سلیماں قائم مقامی اغلب خلاف نمی تواند شد، بہ دراں سبب بہ تجویز خطاب سعد اللہ خاں کہ بعد سعد اللہ خاں وزیر از عہد اعلیٰ حضرت تا زمان حضرت فردوس آرام گاہ احدے بایں خطاب مستطاب امتیاز نیافتہ، سرفراز گشتہ مورد عنایات، بے غایات

قیمت مواد حاصل فرمایا ہے، امید ہے کہ موصوف اسے اپنی حد تک محدود نہ رکھیں گے

ومطمح انظار تفضلات بود. از اطلاع این حالات واستماع این مقدمات موجد عین عناد ومثبت اصل کینه و نفاق، در دل نظام الدوله می کردند و آثار و علامات تا حین حیات آصف جاه بیشتر گاه گاه از ماده به بروز می کرد. بعد رحلت ایشان بنابر استحکام اصل عداوت ثمرات بغض که البغض اشیاء است اعراض مبتلی بمعرض فعل و اشکال گشت و پرده از میان رفت، طشت از بام افتاد، و اندیشهٔ مضمرهٔ ایشان که خلاف آئین اتحاد بود، مرة بعد اولیٰ و کرة بعد اخریٰ به یقین پیوست پس بمصداق "الحزم و سوء الظن" رأی پاس ناموس و حفظ مراتب حیا اگر در آوری سامان جنگ و نگاه داشت سپاه و بکثر معالیس دفع شر، و دفع علل لازم آمد، لنظر بر الطاف الهی و اعطاف شاهنشهی در آن باب نمود، ایشان با استماع آن، با ارادهٔ باطله و نیت فاسده مع عساکر انبوه و مواد ایذا، از خجسته بنیاد متوجه کرناتک شدند، چنانچه فدوی در رفع گمانهائے بے اصل و تزییل اندیشهٔ ناصواب و اطفائے نائرهٔ پرخاش و تقدیم مراسم صلح و اصلاح، و اظهار لوازم اطاعت و متابعت بتوکید اقسام آلهی...... مساعی موفوره و جهد بلیغ بابلغ وجوه بعمل آورد و نگه داشت سررشتهٔ ادب و پاس مراتب صلهٔ رحم، هرچند کوشش ها و کوشش ها از خود بکار رفت و تصور (قصور) نشد. چون بصدق خبر خیر البشر "اذا جاء القضا اعمی البصر" هرچه تکبر و حجاب نخوت و غرور باقتضائے کریمه، "وجعلنا من بین ایدیهم سدا و من خلفهم سدا فاغشیناهم فهم لا یبصرون" درپیش گاه بصر ایشان آویزان بود، بالکل از آنها چشم پوشی کردند، و اغماض نمودند. مصرع چون غرض آمد هنر پوشیده شد۔

چون در خاطر ایشان ارادهٔ محض فساد و خواهش خلاف خیر مخطور بود، آخر الامر به تجویز تصور تلبیس و اندیشهٔ مکر، بوساطت مردم دانا و کسان معتبر عقد عهد و پیمان بتاکید ایمان و توسط قرآن فرو بستند، چون طمانیت تام حاصل شد، بقرار صلح و

مدار ابملازمت رسید ناگاه نقض عهد و مواثیق، و فسخ پیمان و ایمان که خلاصهٔ سنت الاسلام و طریقهٔ یمن و ایمان است نموده، مرتکب امر عذر و غدر و مکر غلیظ شده در صدد با نیفاه و جفا و بے حرمتی و بے مروتی آمدند، از بے باکی و نا خدا ترسی آیهٔ " و اوفوا بالعهد، ان العهد کان مسئولا . و لا تنقضوا الایمان بعد توکیدها از قلب سعادت ضمیر ایشان یکبارگی محو منسی گردید -

پس فدوی باعتقاد ان الله مع الصابرین رضا به قضا و تن بحکم خدا در داد چنانچه همه مراتب معروضه از زبان .... راست بیان ، بعرض اقدس اعلیٰ رسیده باشد . از آن جاکه خدائے قادر منتقم حقیقی و متکفل امور صابران است و مقالید قلوب خلق در ید اختیار و مابین اصبعین قدرت اوست . بحول و قوت او تعالیٰ اشانه برادر عزیز موسی دو ملیس گورند در بهادر ظفر جنگ (حین زان) نبد رکهایجری که از عیان والی فرنگ و لبیار معتبر و دانا تر ، از حضور ساطع النور سرانجام امور نادر از قدیم مامور است و آلات آتش افروزی و حربات دشمن سوزی و سامان توپ خانه و مصالحهٔ جنگ و میدان حرب افزون از حساب و بے قیاس از آن جتی وگولندازان صفوف شکن که هر یکے بافنون رزم فیلسوف چندین هزار دارد اگر باین انبوه پرشکوه و اظهار فنون دلاوری و دلیری و چستی و جابکدستی طرف ایران و توران کار افتد وافی و کافی می تواند شد و سائر سرداران عمده و غیر عمده، خصوصاً فلان به مشاهدهٔ این حال حیرت اشتمال بحد ملول و مکدر شده، در پے پاداش این عمل شنیع آمده و شرط ثبات قدم بر جادهٔ وفاداری و جان سپاری مع فدوی نمودند سر تا سر بجان و چشم شریک امر رفاقت و معاضدت گردیده‌اند، ثنا برادر عزیز ظفر جنگ مذکور با توابع و لواحق خود اعنی سائر فرق فرانسیس فرنگ که در صولت و صلابت اظهر عالم و در حکمت و شجاعت اشرافان اند، بقرار این که بالسبت هزار کس از سواد و بے قیاس از رزم سازند

سرجا و ہمہ حال رفیق لشکر اسلام باشند، قدم بر جادۂ صدق سداد افسردہ راضی بجلال بازی شدند۔ چوں معاقد مواثیق از طرفین منعقد آمد و وفائے عہد از نظام الدولہ امیداً و مطلقاً متصور نبود، بحکم کارفرمائے قضا و قدر غرۂ شہر محرم صفوف سپاہ در مصاف جدال از جانبین آراستہ شد۔ بیت ؎

چو لشکر بہ لشکر در آورد روئے　　　مبارز برون آمد از ہر دو سوئے

نخستین طنطنۂ طبل و کوس و صیت و صدائے نقارہ ہائے حربی و نوائے نوبت رزمی از قرنا و سرنا و دف و دہل وغیرہ بآغاز شد۔ یلاں بجوش آمدہ، از جا جنبیدند آتش حرب اشتعال گرفت، بوارق بارود و شہاب ثاقب، شعلہا از توپ و تفنگ در ہیکلہ و بان و بندوق از سر تا سر سر شد، گمان شد کہ قیامت آمد، و گنبد گردوں و اطباق آسمان یکسر شگافتہ از چقاق سیوف سپاہ و ترنگا ترنگ تیر و کماں و تیغ و تبر و خنجر، و نعرۂ دلاوران رزم نما، و غلغل بہادران پولاد خا، ہول حشر پدیدار بود از طراق طراق الواپ رومیں و حقبائے آتش طاقت انسانی طاق و ہوش عالم بیباق می شد، از نظارۂ نوادرۂ فنون مجاہدان مردانہ و غازیان فرزانہ ع

فلک گفت احسن، ملک گفت زہ

پیرانِ کہن سال، و کہن سالانِ فرتوت حال، ہم چوں ایں ضرب و حرب و جنگ و جدل، دریں ملک کم نشان می دہند، بلکہ ایں را نمونۂ رزم رستمی و مانند حرب صنادید عجم می نامند، عالمے از صدمات بوارق توپ و تفنگ اہل فرنگ، چوں خرمن کاہ و تودۂ علف سوختہ بر باد شدند، و عالمے از صدمات ضربات جنگ یعنی از ریزش ریاح و بارش سہام و طعن تیر و ضرب صمصام چوں دواب در مسلخ، مجروح و مذبوح گشتہ ہمچوں فرش اوراق فصل خزاں فرسنگ بر روئے زمین گستردند، سیل خوں چوں جوئے آب بر روئے خاک رواں شد، در آں اثنا آنچہ مقدر بود، بہ اقتضائے کریمہ ...

""وکان امر اللہ قدرا مقدورا" جلوۂ ظہور نمود بحول و قوت آلہی و عواطف و عنایات شاہنشہی، اقبال آصف جاہی غفران پناہی، کہ ایں خانہ زاد موروثی با بنیرہ (؟) تعلق یافت، اکنوں نظر بنوازشات و تفضلات اقدس و اعلیٰ ابعد فراغ از نظم ونسق ملک کرناٹک بحصول اطمینان، و جمعیت خاطر عنقریب انشا، اللہ تعالیٰ از راہ حیدرآباد عازم خجستہ بنیاد بہان پوری شود۔ زیادہ ادب سایۂ خاقانی ظل ظلِ سبحانی از قاف تاقاف بر مفارق ابدأ سرمداً ممدود باد۔ بحرمۃ النبی و آلہ الا مجاد۔ ص۱۱۹ تا ص۱۲۶

یہ عرضداشت پیش نظر مجموعہ میں ص۱۲۹ پہ مکرر نقل کی گئی ہے جس میں حسب ذیل عبارت اضافہ ہے باقی من وعن وہی ہے جو ہم نے اوپر درج کی۔

وسایر روسا و عمدہ ...... و تمام فرقۂ سپاہ و مینع و شریف ازاں طرف منحرف گشتند خصوصاً عبدالنبی خاں بہادر و بہادر خاں و دلیر خاں بہادر و مہاراؤ دجالوجی جسونت از بدعہدی، منادی گشتہ در صدد مکافات ایں عمل شدند۔ برادر گویندہ بہادر ظفر جنگ مزبور و اتباعش بعضے سائر فرقۂ فرانسیس از کمال صدق ثبات قدم بر جادۂ رفاقت و وفا دیک روئی عدیم المثال ..... چنانچہ باید شد[1]"

سپہ سالار ناصری کی طلبی

مظفر جنگ نے، ناصر جنگ کے سپہ سالار فوج، میر نجف علی خاں کی طلب میں عنایت نامے بھیجے، جس کو نواب شہید نے حربی تدبیر کے تحت قلعۂ چنجی کے عقبی مقامات

---

[1] تہنیت نامہ قلمی مکتوبہ ۱۱۲۷ھ ہجری۔ اس عرضی کا عنوان ہے عرضداشت ہدایت محی الدین عرف سعداللہ خاں بہ نواب نظام ناصر جنگ بہادر، دست یافتہ متصرف ملک شدند عرضداشتے متضمن حصول ظفر و تحسین خود بہ مسند نظامت ملک دکن احد شاہ بادشاہ نوشتند۔ فن انشا، فارسی قلمی ص۱۹۲ کتب خانہ آصفیہ۔ ۱۲

میں فرانسیسیوں پر حملہ کرکے ان کو ادھر اپنی طرف متوجہ رکھنے کے لئے بھیجا تھا اس لئے یہ نواب مرحوم کے قتل کے وقت ان کے ساتھ نہ تھا، بلکہ نجف گڑھ اور ترناملی میں پڑا تھا چونکہ یہ ایک چوٹی کا عہدہ دار تھا اس نے اس کو قابو میں لانا اور مطیع بنانا نواب مظفر جنگ کے لئے ضروری تھا، اس وجہ سے انھوں نے نجف علی خاں کو حکم بھیجا کہ وہ اپنی فوج سمیت ان کی خدمت میں حاضر ہوجائیں، وہ اس پر ناصر جنگ سے زیادہ الطاف وعنایات مبذول کریں گے۔ خان موصوف نے جوابی عرضداشت بھیجی کہ میں چار شرطوں پر حاضر دربار ہوسکتا ہوں۔

(۱) پہلا یہ کہ جو فوج میں نے نواب شہید کے حکم سے نوکر رکھی ہے اس کی تنخواہ پائی پائی ادا کی جائے۔

(۲) پٹھان جوکہ نواب مرحوم کے قاتل ہیں، کبھی دربار میں یا سواری میں میرے مقابل نہ ہوں، ورنہ شمشیر درمیاں رہے گی۔

(۳) میرا مکان لشکر سے ایک کوس کے فاصلہ پر رہا کرے گا۔

(۴) جب کبھی میں دربار میں حاضر ہوں گا، میرے ساتھ میرے پچاس رفقاء رہیں گے

چونکہ یہ شخص سالارِ عساکر آصفی تھا۔ جس کو ہر حیلہ اپنا وفادار بنانا ضروری تھا اس لئے مظفر جنگ نے بہ مصلحت وقت یہ سب شرائط منظور کر لئے اور اس کے پاس فرمان طلبی بھیجا۔ رام داس پنڈت نے بھی نہایت خوشامدانہ خط لکھا جس کی بناء پر نجف علی خاں، نواب صاحب کی خدمت میں پہنچنے کے لئے اپنی قیام گاہ سے نکل پڑا جب اس کا گزر نواب شہید کی قتل گاہ سے ہوا، تو ان کے ساتھ اس کو جو قلبی محبت تھی، اس کے باعث اس پر عجیب حالت درد وغم طاری ہوگئی اور اس قدر رونے لگا کہ بے ہوش ہوگیا۔ اس موقع پر ہمیں راحت افزا کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نجف علی خاں کے گزرنے تک میدان جنگ میں مقتولین کی نعشیں پڑی ہوئی

تھیں مگر مولف نے تاریخ نہیں بتلائی۔ بالآخر جب دربار میں پہنچا تو مظفر جنگ نے بڑی مہربانیاں کیں[۱]۔

محمد علی خاں کے پاس بھی فرمان طلبی بھیجا گیا تھا، جس میں اس کو مظفر جنگ نے اطاعت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن اس نے اس کا سخت باغیانہ جواب لکھ بھیجا۔

شاہ نواز خاں کی یاد

نجف علی خاں نے نواب صاحب سے اپنی حاضری میں شاہ نواز خاں کا ذکر کر کے انھیں ان کا مشتاق بنا دیا۔ چنانچہ چوں کہ یہ ناصر جنگ کے وزیر اعظم رہ چکے تھے اور سلطنت کے ملکی و انتظامی معاملات کا اس وقت ان سے زیادہ کوئی ماہر نہ تھا، اس لئے نواب مظفر جنگ نے متواتر شاہ نواز خاں کے پاس عنایت نامے بھیجے جو ناصر جنگ کے قتل کے بعد میدان جنگ سے نکل کر قلعہ چیت پیٹ میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ شاہنواز خاں تعمیل حکم میں چل پڑے، جب قریب پہنچے تو متہور خاں خویشگی کے بیٹے اور میر نجف علی خاں اور رام داس نے اپنی فوجوں کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور مظفر جنگ کی ملازمت کرائی پہلی ہی ملاقات میں نواب صاحب نے ان کو پنج ہزاری منصب اور خطاب روح اللہ خاں عطا کیا اور بہت عزت و احترام سے پیش آئے[۲]۔

دربار سے نکل کر شاہنواز خاں اپنے خیمہ کی طرف نجف علی خاں کے ہمراہ جا رہے تھے کہ راستہ میں شہر کے بعض لچوں نے ان کی شان میں ناشائستہ الفاظ کہے[۳]، جن کی نجف علی خاں نے تادیب کرا دی۔

[۱، ۲] تاریخ راحت افزا قلمی ص ۱۰۹

[۳] اس وقت عوام میں یہ بدگمانی پھیل گئی تھی کہ انھوں نے ہی ناصر جنگ کو قتل کرا دیا ہے

شاہنواز خاں کی دوپلے سے ملاقات

اس کے بعد گورنر کا خط آیا کہ شاہ نواز خاں کو ہماری ملاقات کے لئے روانہ کیا جائے چونکہ تمام باغی پٹھان پانڈیچری میں موجود تھے، اور فرانسیسی بھی شاہ نواز خاں سے بد گمانی رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے اس بارے میں نجف علی خاں سے مشورہ کیا، جس نے گورنر سے ملاقات کو مصلحت وقت بتایا، اور شاہنواز خاں کو چلنے پر آمادہ کیا، اور خود ان کی رفاقت اختیار کی۔ جس وقت روانہ ہوئے تو چند دلیر اور جنگ آزمودہ لوگوں کو بھی ساتھ رکھ لیا، جن کو ہتھیاروں سے مسلح کر کے اوپر سے دوسرے سادے کپڑے پہنائے گئے تھے، جب پانڈیچری پہنچے اور گورنر سے ملاقات کی تو اس وقت جنیدا صاحب اور ہمت خاں دونوں موجود تھے، میر نجف علیخاں اور شاہنواز خاں نے دوپلے اور دوسرے فرنگیوں سے معانقہ کیا، لیکن ہمت خاں کی طرف توجہ نہ کی، کچھ دیر کے بعد جنیدا صاحب محرک ہوا اور اس کی خواہش و اصرار کے باعث شاہ ہمت خاں سے معانقہ کرنا پڑا۔

اثنائے گفتگو میں ہمت خاں نے نجف علی خاں سے پوچھا کہ کتنی گاردی فوج آپ کے پاس ہے، نجف علی خاں نے کہا کہ جس قدر چاہیئے موجود ہے، اس سوال و جواب کو سن کر شاہ نواز خاں تلخی کو سمجھ گئے اور نجف علی خاں کو دوسری باتوں میں لگا دیا۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

شاہنواز خاں کے رہنے کیلئے ایک حویلی دی گئی اور ایک پرتکلف ضیافت (غالباً جسے خاصہ کہنا چاہیئے) بھیجی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ گورنر نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ شام میں وہ گورنری ایوان میں محفل رقص دیکھنے کے لئے ضرور تشریف لائیں۔ اس دعوت کو بھی انہوں نے قبول کر لیا۔

شاہ نواز خاں نے ڈانس دیکھا

شاہ نواز خاں اور نجف علی خاں دونوں مل کر پہنچے اور زندگی میں پہلی بار انہوں نے فرنگی مرد و زن کے رقص باہمی کا نظارہ کیا، چنانچہ اس کی نسبت مولف راحت افزا کے اصل الفاظ پڑھیئے وہ لکھتا ہے :-

"از چہار گھڑی شب گذشتہ، مجلس آراستہ، شراب و کباب در میان آمد، ذکور و اناث باہم شراب خوری کردہ چوں بدمست شدند، یک یک عورت و یک یک مرد فرنگی جوڑہ جوڑہ باہم برقص آمدند، ہرگاہ ماندہ می شدند، دیگراں نیز بہمیں نہج برمی خواستند و رقص می کردند، تا نوبت بہ گورنر (گورنر) رسید دختر وزنِ او بکمال حسن و جمال در سنِ پانزدہ سالگی بود، و چند عورات ہم سن او برخاستہ برقص آمدند۔ غرض کہ مطلق حیا و غیرت ندارد و شرم و خجالت را در خواب ندیدہ بودند کہ از ما چہ صادر می شود۔ بہر حال تا لفت شب گزشت و ہر کس بخانۂ خود معاودت نمود"[1]

فرانسیسیوں کی گستاخیاں اور دیسی فوج کا ابتر حال

مظفر جنگ جب تک پانڈیچری میں رہے، اُن کی قیام گاہ کے اطراف فرانسیسیوں اور گاردیوں کا پہرہ رہا۔ آداب دربار میں، دیوان خانۂ بادشاہی جس حصے کو قرار دیا جاتا ہے اس کی بڑی اہمیت ہو جاتی ہے اسی میں تخت شاہی بچھتا ہے پنج ہزاری و چہار ہزاری منصب رکھنے والے امراء بھی یہاں بغیر اجازت

---

[1] تاریخ راحت افزا ص۱۱۰

قدم نہیں رکھ سکتے۔

منظفر جنگ کے لئے جو دیوان خانہ بنایا گیا تھا، اور جس میں آصف جاہ کی مسند بچھائی گئی تھی، اور جس کا تمام امراء و نواب نہایت ادب و احترام کرتے تھے وہاں یہ فرانسیسی سپاہی بے روک ٹوک داخل ہو کر شراب نوشی کرنے لگے، صرف یہی نہیں بلکہ اس محترم مقام پر ان کی محفلیں جمتیں، کسی کی کیا مجال تھی کہ روک سکتا یہ بے تحاشا، اور معمولی معمولی بات پر دیسیوں کو اپنی بندوقوں کا نشانہ بنانے لگے۔ اس رنگ کے شاہی فوج بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، چنانچہ تمام لشکر میں خرابات کھلے ہوتے تھے، فاحشہ عورتیں نہایت کثرت کے ساتھ اپنے کو آراستہ کرکے بازاروں میں بیٹھنے لگیں، جس سے ساری فوج کی اخلاقی حالت بگڑ گئی۔ مورخ کہتا ہے کہ ان لوگوں کو دیکھ کر یقین ہوتا تھا کہ یہ لشکر اسلام نہیں بلکہ نصارا کا لشکر ہے۔

قرض کے معاوضہ میں ملک اور جواہرات دینے پڑے

فرانسیسی فوج پر بے دریغ خرچ کرنے سے، شاہی خزانہ خالی ہو گیا تو نواب منظفر جنگ کو دوپلے سے دو کروڑ روپے قرض لینے پڑے، جس کے عوض میں اس نے اکثر قیمتی جواہرات بہت معمولی قیمت لگا کر نواب صاحب سے حاصل کر لیے اور جو کچھ بچ رہے تھے، انہیں بھی ایک تمسک لکھا کر اپنے ہاتھ کر لیا۔ اس کے علاوہ جو ملک چندا صاحب کو دیا گیا تھا، اور اس کا جو خراج سرکار مقرر ہوا تھا، اس کو بھی تین سال کے واسطے اپنے نام لکھا لیا۔

منظفر جنگ دوپلے کے ہاتھ میں کٹ پتلی کی طرح ناچ رہے تھے، اس نے جو چاہا لکھا لیا، اور جو چاہا کرا لیا، ان تمام تفصیلات کے سننے کے بعد یہ معلوم کرنا شاید

کوئی حیرت کا باعث نہ ہو کہ انھوں نے یہ بھی حکم دے دیا تھا کہ پانڈیچری میں جو فرانسیسی سکہ رائج ہے وہی کرناٹک میں بھی جاری کیا جائے۔

باغی پٹھانوں کی شکایت اور بددلی کا آغاز

افاغنۂ سازشی نے فرانسیسی گورنر کی یہ لوٹ گھسوٹ، اور اس کے مقابلہ میں اپنی کم سرفرازی دیکھی، تو حیران رہ گئے، اور اس وقت جو حالات پیش آ رہے تھے وہ ان کے تصور سے بھی ماوراء تھے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس معرکہ میں سب سے بڑا کارنامہ ان ہی کا ہے، اور اسی وجہ سے کسی دوسرے کے مقابلہ میں یہی سب سے زیادہ انعام و اکرام کے مستحق ہیں۔ نواب صاحب ہمارے بجائے فرانسیسیوں اور دوپلے پر مہربان ہیں۔ روز بروز ان کے رنج میں اضافہ ہونے لگا۔ بالآخر کرنول، کڑاپہ اور شاہ نور کے ان نوابوں نے اپنی ایک شکایتی درخواست مظفر جنگ کے پاس پیش کی جس میں مطالبہ یہ تھا کہ:-

(۱) تین سال کا پیش کش جو ان کے ذمے واجب الادا ہے وہ معاف کر دیا جائے

(۲) دوسری خواہش یہ تھی کہ ان کے موجودہ ملک پر اور اب جو علاقے دیئے جانے والے ہیں، ان پر کسی قسم کا خراج عاید نہ کیا جائے۔

(۳) ناصر جنگ کا جس قدر مال و متاع ہے اس کا نصف حصہ انہیں دیا جائے

کہتے ہیں کہ یہ درخواست مظفر جنگ نے دوپلے کے پاس بھیج دی، اور ان سرداروں سے، اس سے ملاقات کرنے کو کہا۔ یہ لوگ اس کے پاس آئے تو اس نے نہایت نرمی کے ساتھ ان کی دلجوئی کرنی چاہی اور کہا کہ بیشک آپ نے اس معاملہ میں جو خدمات انجام دیئے ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں، مظفر جنگ آپ کے ممنون ہیں، مگر غور کیجئے کہ جس طرح ان معاملات میں آپ نے حصہ لیا ہے اسی طرح میں نے بھی خدمات بجا لائے ہیں

اگر ہر شخص حد اعتدال سے بڑھ کر نواب صاحب سے ملک و مال طلب کرے تو ان کے پاس کیا باقی رہ جائے گا اور وہ کس طرح صوبہ داریٔ دکن کے شاہانہ لوازم پورے کرسکیں گے۔ سب سے پہلے میں اپنے حقوق سے دست بردار ہوتا ہوں آپ کو چند اضلاع دیئے جاچکے ہیں کچھ اور شاہی اراضیات کم محاصل پر دینے کی تجویز ہے، ناصر جنگ کے مال و متاع سے نصف حصہ حسب درخواست منظور کرلیا گیا ہے، لیکن ان کے سارے جواہرات مظفر جنگ کے قبضے میں رہیں گے، وہ آپ لوگوں کو نہیں دیئے جاسکتے۔

دوپلے کا یہ تمالشی جواب، غدار پٹھانوں پر کیا اثر کرسکتا تھا فرانسیسوں اور اس کی ذات پر جس بے پناہ مقدار میں انعام واکرام جاری تھا وہ بھلا کس طرح راز رہ سکتا تھا، اس لئے ان نوابوں پر دوپلے کی اس تقریر کا الٹا اثر ہوا اور وہ منافقانہ طور پر اس کی ہمنوائی کرکے نکل آئے اور دل میں کینہ اور بغض لے کر اٹھے اور بدلہ لینے کا تہیہ کرلیا۔

بعض کہتے ہیں کہ دوپلے نے ان لوگوں سے ان کی رضامندی کے دستخط بھی حاصل کرلئے تھے، اور قرآن کریم پر ہاتھ رکھا کر، ان سے قسم بھی لی تھی کہ وہ مظفر جنگ کے مطیع و فرماں بردار رہیں گے۔

مظفر جنگ کی پانڈی چری سے روانگی

نواب صاحب کو جلد سے جلد دارالسلطنت پہنچنے کی تمنا تھی تاکہ تخت حکومت پر جلوس کا باضابطہ جشن منائیں، اور سارے صوبۂ دکن کو اپنے اختیار و اقتدار میں لے لیں۔ انوار نامہ میں ہے کہ دوپلے نے ان سے خواہش کی تھی کہ وہ اس تقریب کو پانڈیچری ہی میں منعقد کریں، لیکن راضی نہ ہوئے۔ کرناٹک کے ان معاملات سے جب وہ فارغ ہوئے تو روانگی کی تیاری شروع کردی، دوپلے نے

مشورہ دیا کہ ان کی حفاظت کے واسطے اور آئندہ اگر کوئی بغاوت پیش آئے تو اس کے مقابلہ کے لئے ایک فرانسیسی جمعیت ان کے ہمراہ رہنی ضروری ہے، جس کو نواب صاحب نے نہایت سادگی سے اور بخوشی منظور و قبول کرلیا اور ایک احسان ہی تصور کیا۔ اس کے نتائج آگے جو کچھ نکلے ان کی نظر اتنی گہری نہ تھی کہ وہ کچھ پیش کر سکتی۔

حاصل کلام دس ہزار کاردی، ہزار فرانسیسی اور (۱۰) توپیں ان کے ساتھ کی گئیں اس فوج کی سرکردگی کیلئے "بسے" کا انتخاب کیا گیا۔ اس کو غالباً کچھ کم صلہ ملنے کی وجہ سے رفاقت میں تامل تھا، تو چار لاکھ روپے دے کر راضی کیا گیا۔ دو اور ذیلی فرانسیسی سردار بھی اس فوج میں شامل کئے گئے جن میں سے ایک خود دوپلے کا بھتیجا کرمین، اور دوسرا اس کی بیوی کا بیٹا (کتابوں میں یہی لکھا ہے) ونسنس تھا۔ ساری سپاہ کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ عہدہ دار تک سبھوں کو تین مہینے کی پیشگی تنخواہیں دلائی گئیں، اس کے علاوہ ہر ایک کو حسب حیثیت تحفوں سے بھی سرفراز کرایا گیا۔

محمد علی بن محمد صادق مؤلف راحت افزائے فوج کی تنخواہوں کی بھی تفصیل دی ہے وہ لکھتا ہے کہ گاردیوں کی فوج میں اکثر سائیس نوکر تھے اور اس کی ترتیب اس طرح پر تھی :-

سو نفر پر ایک جمعدار، پھر ایک صوبہ دار، جس کے ساتھ دوسرے اور چار سردار سپاہی کی تنخواہ پندرہ روپے، اور اس سے بالاتر کی تیس روپے۔ صوبہ دار کی پانسو روپے تھی چار یا پانچ صوبہ دار دل پر ایک کمندان ہوا، جس کی ماہوار ہزار روپے تھے اور فرانسیسی دستہ کی تنخواہ اس کی المضاعف قرار دی گئی۔

بعض دوسری کتابیں دوپلے کے اس امدادی دستہ کی تعداد تین سو یورپین اور دو ہزار یا اٹھارہ سو دیسی سپاہی اور (۱۰) میدانی توپیں بیان کرتی ہیں۔

ان انتظامات کے ساتھ نواب مظفر جنگ پانڈی چری سے بعزم اورنگ آباد ۱۷ ار

جنوری ۱۷۵۱ء کو نکلے (ایک تاریخ ۳- جنوری ۱۷۵۱ء کہتی ہے)، دوسرے دن دوپلے نے شاہ نواز خاں اور نجف علی خاں کو رخصت کیا، ان سب میں باہمی عہد ہوا، جس کو قسم کے ذریعے مضبوط بنایا گیا۔ جب شاہ نواز خاں پھلچری سے واپس آئے، تو اس وقت مظفر جنگ کے لشکر نے کوچ کیا۔ پٹھان ساتھ نہ تھے، بلکہ وہ اپنے معاملات کی درستی کے بہانے سے پانڈیچری ہی میں رہے، غالباً تین چار دن کے بعد آکر شریک لشکر ہوئے کہا جاتا ہے کہ بعض لوگوں نے فوراً محسوس کرلیا کہ یہ کوئی باہمی مشورے کے بعد نیت فاسد کے ساتھ آئے ہیں، اسی لئے یہ رنگ دیکھکر لوگ مظفر جنگ کے اورنگ آباد پہنچنے اور تخت حکومت حاصل کرنے کی نسبت یہ سوچنے لگے کہ ؎

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

سربراہی

(یہ مضمون کتاب تحصیلداری کیلئے لکھا گیا ہے جو اس کتاب کے دوسرے اڈیشن میں شامل کردیا جائیگا)

از جناب نبی الحسن صاحب بی۔اے (عثمانیہ) تعلقدار دویمی

دنیا میں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنکو ہم سمجھتے ضرور ہیں لیکن زبان وقلم سے ان کا اظہار مناسب نہیں ہوتا۔ ہمارا موضوع "سربراہی" بھی ایک ایسا ہی معمہ ہے، پھر بھی کوشش کرونگا کہ اس کا ایک مختصر خاکہ ہدیۂ ناظرین ہوجائے۔

سربراہی سررشتہ مال کی ایک اصطلاح ہے۔ جب کوئی عہدہ دار دورہ پر تشریف لاتے ہیں اور ان کے لئے رہائش، صفائی، پانی، روشنی وغیرہ کے جو انتظامات کئے جاتے ہیں انھیں عام طور پر "سربراہی کرنا" کہا جاتا ہے۔

لفظ "سربراہی" بعض اوقات بڑے وسیع معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اعراس وجاترا کے مواقع پر جو بھی انتظامات کئے جاتے ہیں وہ سربراہی کی تعریف میں آجاتے ہیں۔ افواج شاہی جن علاقوں سے گذرتی ہیں اُن کے لئے مقامی عہدہ داروں کو جو انتظامات کرنے پڑتے ہیں یا بعض یوروپین پارٹیاں جو بغرض شکار آتی ہیں ان سب کو آرام و سائش پہنچانے کے لئے جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا نام بھی "سربراہی" ہے۔

سربراہی کرنا عہدہ داران مال کے اہم فرائض میں داخل ہے اس کے بغیر کسی عہدہ دار کی قابلیت اجاگر نہیں ہوتی اور نہ وہ اچھا انتظامی عہدہ دار سمجھا جاتا ہے خاص طور پر تحصیلداروں کے لئے یہ کام مخصوص ہے اور بڑی سربراہیوں کے وقت تحصیلداروں سے

اونچے عہدہ داروں کو ہی اس کام کو کرنا پڑتا ہے۔

وہ عہدہ دار مال جو زمرہ ملازمت میں آنے سے قبل کالجوں میں انتظامی کام کرتے رہے ہیں اور اقامت خانوں میں عرایف مکان وطعام رہ چکے ہیں یا جنھیں کالج کے بڑے بڑے جلسوں کے انتظامات کا تجربہ ہے وہ اس میدان کے ہمیشہ مرد ثابت ہوتے ہیں اور ان کی انتظامی قابلیت بہت جلد نمایاں ہونے لگتی ہے۔

عمدہ سربراہی، عہدہ دار متعلقہ کی خوش سلیقگی۔ موقع شناسی اور نفاست طبع سے تعلق رکھتی ہے جن عہدہ داروں میں یہ مادہ فطری نہیں ہوتا انھیں چاہئے کہ وہ بھی اس کے موٹے موٹے اصولوں کو پیش نظر رکھیں۔ بعض اوقات سربراہی کی عدم صلاحیت کی وجہ سے کسی عہدہ دار کی پوری کارگزاری متاثر ہو جاتی ہے سلیقہ کے ساتھ سربراہی کرنے کی ایک مثال بطور واقعہ درج ذیل کرتا ہوں۔

میں ضلع اورنگ آباد کے ایک تعلقہ پر بحیثیت تحصیلدار مامور تھا جناب صوبہ دار صاحب اورنگ آباد معائنۂ فصول کیلئے تشریف لانے والے تھے صاحب موصوف پہلے ایک متصلہ تعلقہ کے موضع میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے تحصیلدار صاحب نے انھیں دھوپ میں کافی پیدل چلایا۔ جس کھیت کا انتخاب دروفصل (Crop Experiment) کیلئے کیا گیا تھا وہ کافی فاصلہ پر تھا اور وہاں بیٹھنے کیلئے کوئی انتظام نہ تھا نہ کافی لوگ فصل کاٹنے کیلئے مقرر تھے نتیجہ یہ ہوا کہ جناب صوبہ دار صاحب ایک پتھر پر فروکش ہوتے اور کافی عرصہ تک دھوپ میں بیٹھنے کے بعد جب انھیں پیاس معلوم ہوئی تو انھیں پینے کیلئے پانی نہ ملسکا۔

یہاں سے روانہ ہو کر جب وہ میرے تعلقہ میں داخل ہوئے تو کھیتوں کے درمیان سے اندرونی موضع تک موٹر جانے کا راستہ درست کرا دیا گیا تھا ایک درخت کے نیچے ڈیرے کا ٹاپ بطور شامیانہ نصب تھا۔ جس کے نیچے ایک میز اور دو کرسیاں پہلے سے بچھی تھیں اور ایک گلاس لیمو کا شربت بلا برف موجود تھا۔ لوگ اتنے زیادہ کافی تعداد میں

فراہم کئے کہ انھوں نے (۴) گھنٹہ کی پیداوار بہت جلد کاٹ کر رکھدی اور دیکھتے دیکھتے کام ختم ہوگیا اس وقت جناب صوبہ دار صاحب کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ "ایک تحصیلدار اور دوسرے تحصیلدار میں کس قدر فرق ہوتا ہے"۔ ظاہر ہے کہ میں نے اپنے پاس سے صرف ایک گلاس شربت صرف کیا تھا لیکن دیکھا جائے تو اس کی قیمت بہت زیادہ وصول ہوئی

سربراہی کے اصولوں کو سمجھنے کیلئے عہدہ داران مال کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح کسی تقریب کے موقع پر ان کے مکان میں کوئی مہمان آتا ہے اور اس کے لئے انھیں آرام پہنچانا ضروری ہوتا ہے اور وہ مہمان کی آسائش کیلئے سوچتے ہیں کہ مہمان کو کہاں ٹہرایا جائے۔ فرش کا کہاں انتظام ہو۔ پلنگ مسہری۔ کھانے کے برتن۔ گلاس۔ سیلاب چی لوٹا۔ صابن۔ صابن دان۔ تولیہ غرض ہر چھوٹی بڑی چیز کی انھیں فکر ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی سرکاری عہدہ دار دورہ پر آجائیں تو ایسی ہی فکر سے ان کی رہائش کا انتظام ہونا چاہیئے

سربراہی کیوں کیجاتی ہے بعض تازہ کالج سے نکلے ہوئے عہدہ دار خود اعتمادی کی شان میں یہ سوچنے لگتے ہیں کہ یہ کام ان کے کرنے کے نہیں ہیں۔ وہ بھی آنے والے عہدہ دار کیطرح ملازم سرکار ہیں کسی دورہ کنندہ شخص کیلئے سربراہی کا انتظام کرنا خوشامد ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی تحصیلدار کا اس طرح خیال کرنا عین غلطی ہے۔ سربراہی کرنا خوشامد کی تعریف میں کسی طرح نہیں آتا۔ ہر دورہ کنندہ شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی رہائش و آبنوشی اور دیگر ضروریات کا انتظام مقام دورہ پر موجود رہے اور مقامی تحصیلدار کا یہ فرض ہے کہ اس کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے ہر چیز مہیا رکھے۔ ظاہر ہے کہ دورہ کنندہ عہدہ دار صاحبان اپنے مستقر سے پانی بھرنے والے یا صفائی کرنے والے لوگوں کو اپنے ہمراہ لیکر نہیں پھر سکتے۔ لہذا مقامی عہدہ داروں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ ان کے لئے وہ ضروری سہولتوں کو بہم پہنچائیں۔ جو تحصیلدار سربراہی کرنے سے گھبراتے ہیں یا اس طریقہ کو اپنے

اصول کے تحت جزاہم قرار دیتے ہیں انھیں سوچنا چاہیئے کہ وہ جب خود دورہ کرتے ہوئے کسی موضع میں جاتے ہیں تو ان کی نفسیاتی کیفیت کیا ہوتی ہے اور وہ اہلیان دیہہ (پٹیل و پٹواری) سے کیا توقع رکھتے ہیں فرض کیجئے کہ وہ ایک گاؤں میں پہنچتے ہیں جہاں کے اہلیان دیہہ اپنے موضع کی سیوادیر نقشہ دیہاتی و دیگر کاغذات دفتر دیہی کے پاس موجود رہتے ہیں، پھر گاؤں میں لے جاکر چاوڑی میں بٹھاتے ہیں جہاں پہلے سے صفائی کی ہوئی ہوتی ہے۔ کملوں کا فرش ہوتا ہے کچھ گاؤں کی بنی ہوئی کرسیاں رکھی ہوتی ہیں۔ ایک طرف دو گھڑے پانی کے بھی موجود رہتے ہیں یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد تحصیلدار صاحب پٹیل و پٹواری کی نسبت اچھی رائے قائم کرتے ہوں گے۔ لیکن اگر یہ انتظامات نہ ہوں موضع کی سیوادیر کوئی شخص تحصیلدار صاحب کا استقبال نہ کرے گاؤں میں پہنچنے کے بعد چپراسی بھیجکر پٹیل و پٹواری طلب کرنے کی ضرورت ہو کسی جگہ بیٹھنے کا انتظام نہ ہو تو اس وقت لازمی ہے کہ تحصیلدار صاحب کو غصہ آجائے سوال یہ ہے کہ یہ غصہ کیوں آتا ہے۔ غصہ کی اصل وجہ یہ احساس ہے کہ باوجو واطلاع یابی اہلیان دیہہ نے تحصیلدار صاحب کی تشریف آوری کی پروا نہیں کی اور گھر میں بیٹھے رہے

اس طرح اگر کوئی تعلقدار یا صوبہ دار کسی تحصیل کے مستقر پر پہنچے اور یہ دیکھے کہ ڈاک بنگلہ میں نہ تو فرش کیا گیا ہے نہ پانی کا انتظام ہے نہ چپراسی ہی متعین ہے تو لازمی طور پر انھیں یہ خیال ہوسکتا ہے کہ ان کی آمد کی کسی کو پروا نہیں ہے اور یہ احساس بہت ہی بدگمانیوں کا سبب بن سکتا ہے۔ اکثر عہدہ داروں نے اس چیز کو نہ سمجھ کر نقصان اٹھایا ہے جس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ جن کا اظہار اس موقع پر مناسب نہیں ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑے عہدہ داروں نے سربراہی کے انتظامات دیکھ کر اعتراض کیا اور فرمایا کہ اتنے بڑے پیمانہ پر انتظام کی ضرورت نہ سہی لیکن اگر انھیں ذرا سی بھی تکلیف دورہ پر ہو جائے اور کوئی چیز اتفاق سے وقت پر فراہم نہ ہوسکے تو یہ اپنی تکلیف کا

احساس شدت سے کرنے لگتے ہیں۔

تحصیلدار صاحبان اور انکی ذمہ داریاں | بعض بڑی سربراہیوں کے موقع پر ملک کے بڑے عہدہ دار مثلاً تعلقدار و دوم تعلقدار کیمپ افسر کی حیثیت رکھتے ہیں اور انھیں بڑی حد تک انتظامات سربراہی کا ذمہ دار ہونا پڑتا ہے لیکن ہر صورت میں زیادہ بار تحصیلدار صاحبان ہی پر پڑتا ہے اور چھوٹی سربراہیوں میں تو جملہ انتظامات ان کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ اس لئے تحصیل کے اہلکار۔ گرداور۔ پیشکار تحصیل دفعدار و چپراسیوں تک کو اس معاملہ خاص میں ٹرینڈ ہونا پڑتا ہے۔ بعض مستقر اضلاع وصوبہ کی تحصیلات ایسی ہیں کہ جہاں سال کے بارہ مہینہ تک تقریباً روزانہ کسی سرکاری مہمان کی آمد ورفت رہتی ہے ایسے مقام پر تحصیل کے گرداور و چپراسی اگر سربراہی کی اہلیت نہ رکھتے ہوں تو ایک طرف سرکاری مہمانوں کو تکلیف ہوتی اور دوسری طرف تحصیلدار تعلقہ کی کارگزاری متاثر ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ سرکار نے ایسے بڑے مقامات پر پیشکار ان سربراہی کا تقرر فرمایا ہے تاکہ تحصیل کے پیشکار کو دفتری کام چھوڑ کر اس طرف رجوع ہونے کی ضرورت نہ رہے۔ پیشکار سربراہی اپنا تمام وقت مہمانوں کو آرام پہنچانے میں صرف کرسکے۔

فرائض تحصیلدار صاحبان | تحصیلدار صاحبان ہر چھوٹی و بڑی سربراہی کے وقت ضروری ہدایات پیشکار تحصیل و گرداوروں کو دیا کریں

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ صرف ماتحتین کو زبانی ہدایات دے دینا کافی نہیں ہے بلکہ ایک دو مرتبہ خود بھی جاکر دیکھ لینا چاہئیے کہ جملہ امور کی تکمیل ہوئی یا نہیں ورنہ اندیشہ ہے کہ بہت سی ہدایات پر عمل نہیں کیا جائیگا اور عین وقت پر شرمندگی اٹھانی پڑے گی

پیشکار تحصیل کی ذمہ داری | اگر مستقر کا مقام ہو تو پیشکار تحصیل کا ڈاک بنگلہ پر

خود موجود رہ کر اپنے مواجہہ میں تحصیلداروں کی ہدایات پر عمل کرانا چاہیئے۔ اور خوب ہوگا۔ کہ وہ کسی دوسرے پر یہ کام نہ چھوڑے۔

گرداوروں و چپراسیوں کی ذمہ داریاں مستقر کا مقام نہ ہو تو زیادہ تر سربراہی کے انتظامات گرداوران کی نگرانی میں انجام پاتے ہیں یہ لوگ خوش سلیقہ ہوئے تو کیمپ کی رونق بڑھاتے ہیں اور معزز مہمانوں کو تکلیف ہونے نہیں دیتے۔ ان لوگوں کو واقف رہنا چاہیئے کہ مواضعات میں یا مستقر تحصیل پر کون سی چیز کہاں سے مل سکتی ہے۔ کرسیاں۔ پلنگ، شطرنجیاں۔ چاندنیاں، بعض ظروف گاؤتکئے وغیرہ ایسی اشیاء ہیں جنکی بسا اوقات ضرورت پیش آجاتی ہے اور وہ زمانہ سربراہی کے لئے عاریتاً مانگ لیجاتی ہیں اگر گرداور ہوشیار رہے تو وہ ادھر ادھر سے ان اشیاء کو فراہم کرکے بعد ختم انتظامات سربراہی انہیں مالک اشیاء کو بہ حفاظت تمام پہنچا دیتے ہیں اگر یہ چیزیں خراب ہوگئیں اور وقت پر نہ پہونچیں تو آئندہ انکے ملنے میں دشواری ہوتی ہے

ڈریس چپراسیاں تحصیل کے چپراسیوں کا ڈریس منظورہ سرکار نہیں ہے جس کی وجہ سے چپراسیوں کو اچھی حالت میں پیش کرنا مشکل ہوتا ہے بعض تحصیلداروں نے مقامی پارچہ فروش سے اپنی ذمہ داری پر چپراسیوں کو کپڑا قرض دلاکر ڈریس بنوا دیا۔ اور ان کی تنخواہوں سے بتدریج قیمت ادا کی گئی۔ عام طور پر تحصیلدار صاحبان ایسا کریں تو مناسب ہوگا۔ میرے ایک دوست تحصیلدار صاحب نے تو چپراسیوں کے علاوہ گاؤں کے کاولکاروں کو بھی اسی طریقہ پر ڈریس بنوا دیئے تھے۔

عام سربراہی مستقر تحصیل پر عام طور پر سال میں دو مرتبہ یا تعلقدار صاحبان ایک مرتبہ تعلقدار صاحب لازمی طور پر اور کبھی کبھی صوبہ دار صاحب و معتمد صاحبان وصدر المہام بہادران تشریف لاتے ہیں ان کے علاوہ دیگر سررشتہ جات کے عہدہ داران کی تعداد بھی کچھ کم نہیں رہتی ہے۔ عہدہ داران تعلیمات، آبکاری، کروڑگیری

بلیہ خانہ ' زراعت غرض ہر دورہ کنندہ عہدہ دار سال میں ایک دو مرتبہ ضرور تشریف لاتے ہیں اور ان کی رہائش کا انتظام تحصیل سے ہوتا ہے ۔

انتظامات عام سربراہی کے | عام سربراہی کے وقت حسب ذیل انتظامات کئے جاتے ہیں

(۱) جو اہلکار و چپراسیاں دورہ کنندہ عہدہ دار کے ہمراہ آئیں انھیں خوش رکھا جائے ۔

(۲) ڈاک بنگلہ کے کمپونڈ کی صفائی

(۳) ڈاک بنگلہ دھلوا دینے کا انتظام کرنا (یہ کام بنگلہ کا چپراسی کرلیتا ہے)

(۴) ڈاک بنگلہ کے پلنگ میں کھٹمل ہوتے ہیں انھیں نکالنے کا کام بھی ڈاک بنگلہ کا فراش کرتا ہے بشرطیکہ اس کو رہنمائی کی جائے ۔

(۵) جس بنگلہ میں پھولوں کے گملے نہ ہوں وہاں رکھوا دیئے جائیں ۔

(۶) اگر عہدہ دار کے ساتھ عملہ والے آرہے ہوں تو تحصیل کے ڈیرے لگائے جائیں

(۷) تعلقدار صاحبوں اور ان سے اوپر کے عہدہ داروں کیلئے پولیس گارڈ کا انتظام رہنا چاہیئے ۔

(۸) بنگلہ میں شطرنجی اور چاندنی کا انتظام

(۹) کھانے اور لکھنے کے میزوں کا انتظام

(۱۰) زاید کرسیوں کی فراہمی

(۱۱) اگر کسی سے بآسانی ریڈیو فراہم ہو سکے تو اس کو بھی لگایا جا سکتا ہے

(۱۲) اخبار کا انتظام

(۱۳) آبنوشی کیلئے پانی چند گھڑوں میں بھروا کر چھان کر رکھنا چاہیئے اور گھڑوں کے منہ صاف کپڑے سے بند رکھے جائیں۔

(۱۴) نہانے کا پانی گرم تیار رہے ۔

(۱۵) جلانے کی لکڑی موجود رہے۔

(۱۶) اگر مقامی طور پر ترکاری نہ ملتی ہو تو باہر سے اس کا انتظام کرلیا جائے قیمت مہمان خوشی سے ادا کردیں گے۔

(۱۷) باریک چاول۔ گیہوں کا آٹا۔ گھی اگر مقامی بنئے کے پاس نہ مل سکے تو اس کو منگوالیا جائے۔

(۱۸) اگر مہمان مواضعات پر جانا چاہیں تو درستی راستہ کا انتظام ہونا چاہئے اور جس موضع میں جائیں وہاں بنئے کا انتظام پہلے سے کردیا جائے

(۱۹) پٹرومیکس کا انتظام

(۲۰) پٹیل پٹواری اور گرداور دن کو قبل از قبل یہ بتادیا جائے کہ کوئی عہدہ دار اگر کسی موضع میں جائیں گے تو وہ کس وقت مستقر سے روانہ ہوں گے۔ کس سواری سے جائیں گے کس راستہ سے گزریں گے اور کتنی دیر قیام کریں گے۔ ان امور کا علم ہونے کے بعد ان کے بموجب عمل ہونا چاہئے۔

(۲۱) مہمان کے آنے کے وقت پیشکار تحصیل، گرداور اور چپراسیوں کو موجود رہنا چاہئے اور اگر مال کے یا کسی دوسرے سررشتہ کے کوئی بڑے عہدہ دار آرہے ہوں تو خود تحصیلدار صاحب تعلقہ کی حاضری ضروری ہے۔

(۲۲) گذشتہ زمانے میں سامان خورد و نوش کی دوکانیں کیمپ میں لگائی جاتی تھیں اب ان کے لئے مانعت ہوگئی ہے۔

(۲۳) مواضعات میں سربراہی کا کام پولیس پٹیل سے متعلق ہے۔ اسکو چاہئے کہ موضع کی چاوڑی ہر روز صاف ستھری رکھے دو گھڑے پانی کے اور چراغ کا انتظام روزانہ ہو اور جب کبھی کوئی عہدہ دار دورہ کنندہ وہاں پہنچے تو کارولکار پیشگی رقم لے کر ضروری سامان کی سربراہی کردے اور خود پٹیل بھی عہدہ دار مذکور کے ہمراہ رہے۔

تحصیل کا مستقل اسٹور | ہر تحصیل میں ایک مستقل اسٹور بنانا چاہئے جس میں پانی کے گھڑے لکڑی گھڑونچیاں۔ میخیں۔ روشنی کا سامان۔ چوکی۔ تخت اور چاندنیاں موجود رہیں۔ تاکہ اگر فوری کسی عہدہ دار کی آمد کی اطلاع ملے تو ہر چیز موجود رہے۔

بعض تحصیلدار صاحبوں نے اکثر تحصیلات میں چاندنیاں بنوا کر اسٹور میں داخل کرادیں مگر ان کے تبادلے کے بعد جب دوسرے تحصیلدار صاحب آئے وہ اپنے ہمراہ لیتے گئے یہ ایک بڑا مذموم فعل ہے ہونا یہ چاہیئے کہ تحصیل کے اسٹور میں جس قدر سامان ہو وہ ایک اسٹاک رجسٹر میں درج رہے اور کسی طرح کی چیز کو ضائع نہ ہونے دیا جائے

بڑی سربراہیاں | بڑی سربراہیوں کی نہ میں تعریف کرنا مناسب سمجھتا ہوں نہ اس کے تفصیلات کا ذکر ہی کرسکتا ہوں اس کے لئے اگر کسی عہدہ دار صاحب کو ضرورت ہو تو میں انھیں زبانی رہنمائی کرسکوں گا۔ میں ان تفصیلات سے بخوبی واقف ہوں اور مجھے مختلف حیثیتوں سے انہیں انجام دینے کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ عام ہدایات اس خصوص میں حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایک کیمپ افسر کا تقرر۔

(۲) ایک بڑے اسٹور کا قیام جس میں ضروریات کی ہر چیز ہو اور بر وقت مہیا ہو سکے انتظامات کی کامیابی کا راز ایک اچھے اسٹور ہی پر ہے

(۳) ہر شعبہ انتظام کے لئے علحدہ علحدہ معتمدین اور ان کے تحت عملہ کا تقرر۔

(۴) ہر شعبہ کے معتمد صاحب کا فرض ہے کہ قبل از قبل اپنی ممکنہ ضروریات کی اشیاء فراہم کرلیں تاکہ عین وقت پر دقت نہ ہو۔

(۵) کیمپ کی سجاوٹ کا خاص طور پر خیال رکھا جانا چاہیئے۔

(۶) بڑی سربراہیوں میں جبکہ کیمپ کے انتظامات بڑے پیمانہ پر ہوتے ہیں

اس کا لحاظ ضروری ہے کہ خیمہ جات کی تنصیب ایک دو دن قبل کی جائے۔ بعض اوقات ایک دو ہفتہ قبل ہی ڈیرے نصب کر دیئے گئے اور اتفاق سے ان میں آگ لگ گئی ہے یا آگ لگ جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا

(۷) کیمپ میں تقریباً ہر سررشتہ کے عہدہ دار موجود رہتے ہیں خاص طور پر دواخانہ کا خاص انتظام رہتا ہے بعض صورتوں میں کیمپ کا عارضی پٹہ خانہ بھی قائم ہو جانا چاہیئے۔

(۸) بلا حصول پاس کسی کو کیمپ میں آنے کی اجازت نہ رہے۔

(۹) فوج اور پولیس کے عہدہ داروں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔

(۱۰) بڑی سربراہیوں کے وقت زیادہ تر انتظامات عامرہ سے کئے جاتے ہیں اس لئے مقامی عہدہ داروں کی ذمہ داریاں کچھ کم ہو جاتی ہیں البتہ ان اشیاء کی فراہمی کی جانب پوری توجہ کی ضرورت ہے جس کی فرمائش عہدہ دار صاحبان عامرہ کریں۔

ان بڑی سربراہیوں کے وقت ہی عہدہ داروں کی خوش سلیقگی بہت زیادہ کام آتی ہے مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ہز اکسلنسی والسرائے بہادر قلعہ دولت آباد کے معائنہ کے بعد جب اسٹیشن دولت آباد پہنچے تو وہاں ٹرین کے انتظام کیلئے کچھ دیر قیام کرنا پڑا۔ اسٹیشن پر کچھ کرسیاں اور صوفے بے ترتیب پڑے تھے۔ ہز اکسلنسی کے آنے سے چند منٹ قبل ایک یورپین لیڈی صاحبہ نے ان صوفوں اور کرسیوں کو اس سلیقہ سے رکھدیا کہ پلیٹ فارم پر ایک چھوٹے سے کیمپ کی شکل بن گئی اور صرف کرسیوں کو ادھر سے ادھر رکھدینے سے ایک شان پیدا ہو گئی

اسی طرح ایک سربراہی کا ذکر ہے گرمیوں کے دن تھے اس لئے گرم پانی کا

انتظام نہ تھا عین وقت پر معلوم ہوا کہ تقریباً ۵۰ گھڑے گرم پانی کی ضرورت ہے غرض ایک دیگ اس وقت موجود تھی اس کے نیچے خوب لکڑیاں ڈالدی گئیں اور آنچ کے شعلے بلند ہونے لگے پانی کھولنے لگا ایک گھڑا گرم پانی لیا جاتا تو اس سے دس گھڑے بننے شروع ہوئے ایک طرف ٹھنڈا پانی دیگ میں ڈالا جارہا ہے۔ دوسری طرف آنچ زور کی ہورہی ہے۔ غرض چند منٹ میں جس قدر گرم پانی کی ضرورت تھی اس کی سپلائی کردی گئی۔

سربراہی کا مالی پہلو۔ میں نے اس مضمون کے شروع ہی میں عرض کردیا تھا کہ سربراہی کا موضوع ان چند مخصوص امور میں سے ایک ہے جس کے ہر پہلو پر صاف صاف گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ پھر بھی اگر بعض ضروری باتوں سے گریز کیا جائے تو اصل مضمون تشنہ رہ جائے گا۔ اکثر ناظرین اس مضمون کو پڑھتے وقت خیال کریں گے کہ انتظامات کی تفصیل تو بیان کردی گئی مگر اس امر پر روشنی نہیں ڈالی گئی کہ یہ انتظامات کہاں سے کئے جائیں اور ان کے لئے پیسہ کہاں سے آئے یہ سوال مجھ سے اکثر تحصیلدار صاحبان کرچکے ہیں اور میں ان کی تشفی زبانی کرچکا ہوں۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ جو امور میں نے زبانی عرض کئے ہیں ان سب کو تحریر میں لے آؤں پھر بھی اپنے ناظرین کے لئے کچھ نہ کچھ لکھنا ہے۔ خواہ کتنی ہی احتیاط کیوں نہ کرنی پڑے۔

واضح ہو کہ بڑی سربراہیوں میں زیادہ تر کمپیدکے انتظامات عامرہ سے متعلق ہوتے ہیں اور معزز مہمانان سرکاری کی سربراہیوں کیلئے علیحدہ رقمی منظوریات سرکار سے ہوجاتی ہیں۔ اس لئے مقامی عہدہ داروں کے لئے بڑی سربراہیوں میں رقمی امداد کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ چھوٹی سربراہیوں کا سوال زمانہ ماقبل میں (تقریباً آج سے ۲۰ سال قبل) بہت اہمیت رکھتا تھا۔ خود علاقہ عظمت مدار کے بعض مقامات

کا مجھے ذاتی علم ہے وہاں بھی بڑے بڑے عہدہ دار ڈالی قبول کرنا اور سربراہی کرانا معیوب خیال نہیں کرتے تھے یہی حالت ہمارے پاس بھی اس وقت تحصیلدار ہمارے اسی مد کے ساتھ بدیانتی شروع کر دیتے تھے ورنہ اہلیان دیہہ گرداور و عملہ تحصیل ملاکر اس قسم کے بار اٹھا لیا کرتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ رفتہ رفتہ ملک میں اصلاح ہوئی قدیم حالات نے پلٹا کھایا اور نیا دور شروع ہوا اس دور میں بجائے اس کے کہ عہدہ دار صاحبان کسی قسم کا بار تحصیل پر ڈالیں وہ کافی پیسہ اپنی ذات سے صرف کرتے ہیں اور صفائی و دیگر کام کرنے والوں کو کافی انعام دیتے ہیں۔ بحیثیت تحصیلدار مجھے ایسے تعلقدار و صوبہ دار صاحبان سے سابقہ پڑا ہے جو دورہ کرتے ہوئے میرے علاقہ میں آئے ہیں اور بجائے اس کے کہ مجھے ان کی خاطر و تواضع کرنی پڑتی خود مجھے انھوں نے اپنا مہمان کر لیا اور جتنے روز ان کا قیام رہا مجھے گھر پر کھانا کھانے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔

ایک زمانہ تھا جب کہ رعایا سربراہی کی عادی تھی مگر اس روشن زمانہ میں جبکہ آزادی اور روشن خیالی بڑھ گئی ہے رعایا پر کسی قسم کا بار ڈالنے کی جرأت کرنا بھی مشکل ہے۔ بعض محتاط تحصیلدار صاحبان کبھی پیسے دے کر بھی کوئی چیز مواضعات سے نہیں منگاتے۔ کیونکہ بسا اوقات یہ پیسے رعایا تک نہیں پہنچتے اور اگر پہنچ بھی جاتے ہیں تو رعایا کسی عہدہ دار کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنے میں تامل ہی کرتی ہے جس زمانہ میں روپیہ کا سیر بھر گھی فروخت ہوتا تھا کسی عہدہ دار کو روپیہ کا تین پاؤ دینے میں بھی رعایا تکلیف محسوس کرتی تھی اور اس کو بیگار سمجھتی تھی۔ اس لئے جب مواضعات کا دروازہ بند ہو گیا تو پیشکار تحصیل نے گرداوروں اور اہلکاروں کی امداد سے سربراہی کے بعض اخراجات پورے کرنے کی سعی کی یہ طریقہ بھی حد درجہ معیوب سمجھا گیا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے یہ لوگ رشوت لینے کو بجائے

بڑا سمجھنے کے فرض سمجھنے لگتے ہیں اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر بعض اخراجات جو سربراہی کے ضمن میں ہوتے ہیں انکی پابجائی کیسے ہو۔ پہلے اس امر کے اظہار کی ضرورت ہے کہ آخر وہ کون سے اخراجات ہیں جنھیں تحصیل والوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور وہ کیوں برداشت کرتے ہیں۔

جیسا میں عرض کرچکا ہوں کہ آجکل جملہ عہدہ داران دورہ کنندہ سربراہی کے سلسلہ میں پوری قیمتیں ادا کردیتے ہیں اور بہت کچھ انعام واکرام دیکر جاتے ہیں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے ایسے اخراجات ہیں جو اس ضمن میں ہوتے ہیں اور جنکا حساب ان کے سامنے پیش نہیں ہوسکتا اور اس کے اخراجات تحصیل کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے

(۱) عہدہ داران بالا کے چپراسیوں کو انعام دینے ہوتے ہیں

(۲) بعض اہلکاران جو ہمراہ آتے ہیں اکثر اوقات اپنے اخراجات ادا نہیں کرتے

(۳) بعض وقت کمپونڈ کی صفائی اور پٹرومیکس وغیرہ میں زیادہ صرف ہوجاتا ہے جو دورہ کنندہ عہدہ دار سے طلب کرنا مناسب نہیں ہوتا۔

(۴) بعض اوقات بعض اشیاء کی فراہمی میں دشواری ہوتی ہے مثلاً ایک بڑی سربراہی کیلئے مجھے مچھلیوں کا انتظام کرنا پڑا یہ مچھلیاں کافی فاصلہ سے لائی جاتی تھیں جب کمپ میں پہنچتی تھیں تو ان کی قیمت فی سیر کے حساب سے فوراً ادا کردی جاتی تھی لیکن فاصلہ سے لانے کی وجہ سے وہ واقعتاً اس سے کہیں زیادہ گراں پڑتی تھیں جتنی قیمت وصول ہوتی تھی۔ اسیطرح بہت سی باتیں جنھیں "میں سمجھتا ہوں مگر دنیا کو سمجھانا نہیں آتا" ناظرین فرمائیں گے کہ پھر ان چیزوں کا انسداد کیوں نہیں کیا جاتا میں عرض کروں گا کہ ایسا اعتراض کرنا عین ناتجربہ کاری ہے ہر تحصیلدار کارگذاری دکھانے عہدہ دار بالا کی خوشنودی حاصل کرنے کا فطرتاً خواہشمند رہتا ہے عہدہ

بلا بھی انسان ہوتے ہیں اگر ان کے عملہ والوں کو یا چپراسیوں کو ذرا بھی تکلیف ہوتی اور انھوں نے مختلف طرح کی شکایتیں شروع کر دیں دودھ میں جھنک ڈالکر امن کو بھاڑ دیتے ہیں۔ دیہاتوں میں دودھ ہر وقت نہیں ملتا اور اگر دودھ نہ ہونے سے چائے وقت پر نہ مل سکی تو عہدہ دار بالا کا موڈ Mood خراب ہو جاتا ہے میں نے ہمیشہ ایسا انتظام کیا کہ اگر سیر بھر دودھ کسی عہدہ دار کے باورچی کو خرچ کرنے کے لئے دیا تو ایک سیر اپنے پاس علیحدہ محفوظ کر لیا کیونکہ تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اکثر پہلا دودھ عین وقت پر پھٹ جاتا ہے۔

اب جبکہ ہم بعض اخراجات کو ناگزیر اور فطری قرار دیتے ہیں اور جن کی تفصیل سے ہم نے عمداً گریز کیا ہے اس امر پر بھی غور کرنا مناسب ہوگا کہ یہ اخراجات کہاں سے پورے کئے جائیں۔ تحصیلدار کی ذات ان اخراجات کی ایک دو مرتبہ سے زیادہ متحمل نہیں ہو سکتی۔ عملہ والوں سے چندہ کرنے کے معنے یہ ہیں کہ انھیں بددیانت بننے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ ان اخراجات کی سبیل کہاں سے ہو۔ اس خصوص میں میرے تجربات حسب ذیل ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین تھوڑے سے لکھنے کو بہت سمجھیں گے اور مجھے معاف فرمائیں گے۔

(۱) ہر تحصیل کے مستقر پر ایک کونڈواڑہ ہوتا ہے جس کا انتظام پولیس پٹیل کی نگرانی میں ہوتا ہے پولیس پٹیل جانوروں کے لئے پانی اور غذا کا کوئی خاص انتظام نہیں کرتا اور اس کی بیشتر رقم وہ خود کھا جاتا ہے۔ اگر تحصیلدار صاحبان ایسے کونڈواڑوں کا انتظام اپنی نگرانی میں لے لیں اور ایک داروغہ مقرر کر کے چارہ اور پانی کا انتظام کرائیں تو میرا تجربہ ہے کہ جملہ اخراجات اچھی طرح پورا ہونے کے باوجود مستقر ضلع کی تحصیل پر تقریباً (۵۰ ما) اور مستقر تحصیل کے کونڈواڑہ سے (۳۰ ما) ماہوار بچت ہو سکتی ہے تحصیل مستقر اورنگ آباد کی اگر ایک مثال لی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہاں کئی سو

[redacted]

روپیہ اس مد میں جمع ہیں۔ غالباً ناظرین اعتراض فرمائیں گے کہ ایک مد کی رقم دوسرے میں کیسے صرف ہوسکتی ہے اس کا جواب دینا میرے لئے مشکل ہے مال کے عہدہ داروں کیلئے دیانت کا معیار یہ ہے کہ وہ خود اپنی ذات کیلئے کسی قسم کا استفادہ نہ کریں لیکن اگر اغراض سرکاری یا رعایا کی منفعت کے لئے بعض غیر سرکاری رقوم اِدھر سے اُدھر جائیں تو انھیں گناہ نہ سمجھنا چاہئے یہ انتظامی کام ہیں اور انھیں کسی نہ کسی طرح کرنا ہی پڑتا ہے اگر کوئی عہدہ دار مال اسکو بھی ضمیر کے خلاف سمجھتا ہے تو پھر اس کو کسی دوسرے سررشتہ میں منتقل ہونے کی سعی کرنا چاہئے۔

(۲) بعض تحصلدار اجرت درخواست نویسی پر مقررہ نرخ سے ایک پیسہ زیادہ لیتے ہیں اور یہ زائد رقم ایک کردی میں علحدہ جمع رہتی ہے ایسی تحصیلات میں جہاں درخواستیں زیادہ پیش ہوتی ہیں یہ طریقہ کامیاب ثابت ہوا ہے اس طرح جمع شدہ رقم کو کسی وقت بھی ضروری کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

(۳) بعض اضلاع میں نقل نویسوں کی اُجرت بہت زیادہ جمع ہوتی ہے ہر امیدوار کو کافی رقم ماہوار دیکر بھی کچھ نہ کچھ بچ جاتا ہے۔

(۴) بعض اضلاع میں اہلیان دیہہ کو تعلیم دلانے کے لئے قبل امتحان ایک کلاس کھولا جاتا ہے تاکہ وہ بیچارے جنھیں گھر پر تعلیم کا کم موقع ملتا ہے اس کلاس میں شریک ہوکر ضروری معلومات حاصل کریں۔ نظام آباد، اورنگ آباد میں یہ طریقہ رائج تھا گلبرگہ تحصیل میں میں نے خود اس کا افتتاح کیا تھا اس طرح اس کلاس کی فیس سے بھی کچھ رقم بچ جاتی ہے جو کسی ضرورت کے وقت کام میں لائی جاسکتی ہے

(۵) اکثر تحصیلات کو درستی راستہ جات دیہی کی رقوم دی جاتی ہیں اور وہ امانی میں کام گتہ کے کام سے کہیں زیادہ کرالیتے ہیں اور اگر وہ چاہیں تو سو پچاس روپیہ بچا کر کسی دوسرے ضروری کام میں صرف کرسکتے ہیں۔

[illegible] اگر سخت تنقیدی نگاہ سے دیکھا جائے تو کسی طرح قانونی دائرے [illegible] کے گئے تحصیل کے راز ہیں اور انھیں راز ہی میں رہنے دیا جائے تو [illegible]۔ تحصیلدار صاحبان کو چاہیئے کہ اگر وہ مذکورہ بالا امور سے استفادہ کر لیتے ہیں تو وہ ایک کمیٹی بنائیں اور ان میں ان رقومات کا باضابطہ حساب جمع و خرچ رکھا جائے تاکہ ضرورت پیش آئے تو وہ ارباب عہدہ کو بتا سکیں یہ کمیٹی یا تو خود ان کے پاس رہنی چاہیئے یا پیشکار کے قلمدان میں۔ اگر تحصیلدار صاحب واقعتاً خود دیانتدار ہیں اور ان امور سے خود استفادہ نہیں کرتے تو ان پر کبھی کوئی الزام نہیں آسکتا لیکن دوسرے معاملات کی طرح اگر امور متذکرہ سے بھی انھوں نے اپنی ذات کے لئے فائدہ اٹھانا چاہا تو پھر بدنامی ان کے قدم چومنے کو تیار رہے گی۔ سب سے پہلے ان کے عملہ والے اس پر معترض ہوں گے اور پھر عہدہ داران بالا تک یہ بات پہنچے گی اور وہ نوٹس لینے پر مجبور ہوں گے اس لئے براہ کرام وہ اس مصرعہ کو نہ بھولیں

"عیب کرنے کو ہنر چاہیئے"

مواضعات میں سربراہی کا کام

جب کوئی عہدہ دار کسی موضع میں قیام کرے تو پولیس پٹیل کا فرض ہے کہ اس کے لئے ضرور سامان کی فراہمی کرے۔ میں نے بحیثیت تحصیلدار ایک رجسٹر ہر موضع میں رجسٹر سربراہی کے نام سے بنوایا تھا۔ اس رجسٹر کا مشورہ مجھے مولوی جمیل احمد صاحب ایم۔ سی۔ ایس حال ناظم انجمن امداد باہمی نے دیا تھا۔ پولیس پٹیل جس شخص سے جو چیز حاصل کرتا اس کا اندراج اس رجسٹر میں کیا جاتا اور پھر کوشش کی جاتی کہ جس شخص سے جو چیز حاصل کی گئی ہے خود اس کو طلب کر کے دے دی جائے یہ طریقہ بعض مقامات پر کامیاب ثابت ہوا ہے۔ نیز تحصیل سے ہر ماہ ایک مصدقہ نرخنامہ بھی پولیس پٹیل کے پاس رکھا جانا چاہیئے تاکہ عہدہ داران دورہ کنندہ فوراً نرخ سے آگاہ ہو جائیں۔ عہدہ دار دورہ کنندہ کو اس

بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ آجکل ہر چیز بہت گراں ہے اگر وہ قدیم نرخ سے مواضعات میں رقم ادا کریں گے تو رعایا کے حق میں زیادتی ہوگی ۔ اسی طرح کیمپ میں جو لوگ کام کرتے ہیں اگر چیکہ وہ انعام دار ہوتے ہیں اور سربراہی ان کے فرائض میں ہے لیکن وہ کافی انعام کے مستحق ہوتے ہیں کیونکہ اپنا پورا کام چھوڑ کر وہ تمام وقت کیمپ میں حاضر رہتے ہیں

پولیس پٹیل کا فرض ہے کہ وہ چھوٹے عہدہ دار مثلاً انجمن اتحادی کے انسپکٹر یا نمائندے مثلاً گزٹیڈ عہدہ دار یا چپک برار یا اسی قسم کے دوسرے ملازمین سرکار کو آرام پہنچانے کی زیادہ کوشش کریں ۔ بڑے عہدہ دار تو اپنی سربراہی تحصیل کے توسط سے کرا لیتے ہیں لیکن چھوٹے ملازمین کو اگر مواضعات میں آرام نہ ملے تو ان کے لئے بڑی دشواری ہوتی ہے ایک مرتبہ ایک موضع کے پولیس پٹیل کو اطلاع ملی کہ مہتمم صاحب آرہے ہیں وہ مہتمم پولیس سمجھا ۔ گاؤں کی شطرنجیاں لاکر بچھائیں اور دیگر ضروری انتظامات کئے ۔ عین وقت پر معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب پولیس نہیں مہتمم صاحب تعلیمات آئے ہیں پولیس پٹیل یہ کہتا ہوا کہ "اچھا یہ لڑکوں کے مہتمم ہیں" اس وقت مہتمم صاحب کی موجودگی میں شطرنجیاں اٹھا کر اپنے گھر لے گیا ۔ اس واقعہ کے راوی خود مہتمم صاحب تعلیمات ہیں ۔

تحصیل کی کارگزاری یہ ہے کہ پولیس پٹیلوں کو ایسا ٹریننڈ کریں کہ وہ ہر چھوٹے بڑے عہدہ دار کی سربراہی یکساں کرے ۔ مواضعات میں دورہ کنندہ عہدہ داروں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عام طور پر گیہوں ۔ باریک چاول ۔ ترکاری ۔ شکر ۔ چائے وغیرہ نہیں ملتی اس لئے وہ جس قدر سامان اپنے ساتھ لے جاسکیں لے جائیں صرف دودھ ۔ انڈا اور مرغی ان تین چیزوں کی سربراہی دیہات میں ممکن ہے

<u>سربراہی شکار پارٹی</u> جب صاحبان انگریز یا اُمرا شکار کی غرض سے تشریف لائیں تو عہدہ دار مقامی کا فرض ہے کہ خود ان سے ملکر ان کی ضروریات معلوم کرے

اور اگر قبل از قبل اطلاع ہو جائے تو پہلے سے ضروری سامان فراہم کرلیا جائے جو انھیں واجبی نرخ پر دیا جائے اور قیمت حاصل کر کے رسید دی جایا کرے۔

سپاہی فوج | بعض تعلقات سے افواج سرکار عالی یا سرکار عظمت مدار گذرتی رہتی ہیں یا کبھی کبھی کسی علاقہ میں ان کا کیمپ ہوتا ہے اور وہ مصنوعی جنگ یا چاند ماری کرتی ہیں۔ جس علاقہ میں یہ کیمپ ہوتا ہے وہاں کے تحصیلداروں کے فرائض بہت اہم ہو جاتے ہیں کسی زمانہ میں کسی فوج کا خیریت سے گذر جانا تحصیلداروں کے لئے بڑی کارگزاری تھی۔ آج کل یہ مسئلہ زیادہ پریشان کن نہیں ہے کیونکہ ٹرانسپورٹ کا جملہ سامان فوج کے ساتھ رہتا ہے دیگر سامان کی فراہمی کیلئے ہی گتہ دار فوج کے ہمراہ رہتے ہیں جب افواج کسی تعلقہ سے گذرتی ہیں تو ان کے ایک یا دو کیمپ اس تعلقہ میں رہتے ہیں۔ جب میں تحصیل گنگاپور میں بحیثیت تحصیلدار کارگزار تھا تو اورنگ آباد سے احمد نگر جانے کیلئے میرے تعلقہ کے دو مقامات پر دو دن افواج ٹھیرا کرتی تھیں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ زمانہ گذشتہ میں کئی سو ہنڈیاں اور اسی طرح کثیر مقدار میں دیگر سامان فراہم کرنا پڑتا تھا۔ اور اس پر بھی اکثر تحصیلداروں کی شکایت ہو جایا کرتی تھی۔ مگر مجھے کئی سال تک گنگاپور میں افواج کے انتظام کرنے پڑے اور کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔ وجہ میں نے اوپر بیان کردی ہے یعنی ٹرانسپورٹ اور گتہ دار کی موجودگی میں تحصیلداروں کے فرائض بہت آسان ہو گئے ہیں۔

فوج کی آمد سے قبل ایک ڈاکٹر مقام کیمپ پر آتا ہے اور مقامی باؤلیوں میں دوائیں ڈال جاتا ہے۔ تحصیل سے مقام کیمپ پر میدان کی صفائی کا خاص طور پر اہتمام کرنا پڑتا ہے چند سیر دودھ۔ لکڑی اور انڈے کی فرمائش ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ گذرنے والی افواج کا ایک شب قیام رہتا ہے۔ تھوڑے سلیقہ سے کام لیں تو عہدہ داران فوج خوش ہو جاتے ہیں وہ ہر چیز کی قیمت نقد ادا کرتے ہیں۔ تحصیل کے

گرداوروں اور چپراسیوں کو سرٹیفکٹ اور انعام دیئے جاتے ہیں - فوج کی سربراہی کے لئے ضرورت ہے کہ تحصیلدار خود فوج کے ہمراہ رہے اور کمانڈنگ آفیسر صاحب سے ملتا رہے تحصیلدار سے کم خدمت کا عہدہ دار اس کام کیلئے متعین نہیں ہوسکتا۔ اگر فوج کے لئے خوراک اور دیگر اشیاء کی ضرورت ہو تو آفسر کمانڈنگ کا فرض ہوجاتا ہے کہ وہ ایک ماہ قبل فہرست اشیاء تحصیلدار کے بھیجدے - اور اگر راستوں یا تاریخ مُدود میں تبدیلی ہو تو اس کی اطلاع بھی کافی مدت قبل تحصیلدار کو پہنچ جانی چاہیئے اسی طرح کسی دریا کے عبور کرنے کی ضرورت ہو تو اس کا انتظام بھی قبل از قبل ہونا ضروری ہے - کیمپ اور اطراف کیمپ میں شراب یا مہوہ فروخت نہ ہونے کا انتظام کرنا تحصیلدار کے فرائض میں ہے۔ افواج کی سربراہی کیلئے پانچسو روپے پیشگی منظور کرنے کا اختیار صوبہ دار صاحبان کو دیا گیا ہے ضرورت ہو تو تحصیلدار صاحبان اس رقم کو حاصل کر کے ان اشیاء کو فراہم کرلیا کریں جنکی ضرورت ہو - پھر قیمتیں کمانڈنگ افسر صاحب سے حاصل کر کے رسید دیا کریں - کمانڈنگ آفسر کو قیمتوں کی رسید دی جانا ضروری ہے اسی طرح تحصیلدار کو کمانڈنگ آفسر سے اسباب کا صداقت نامہ ملنا چاہیئے کہ جو اشیاء جو فراہم کی گئیں یا انتظامات جو کئے گئے تھے وہ خاطر خواہ تھے - اگر افواج کوئی بے ضابطگی کریں تو تحصیلدار اس کی اطلاع تعلقدار کو کرے گا جہاں سے مکمل تحقیقات ہوگی -

سربراہی جنگہائے مصنوعی و معاوضہ نقصان

قیام گاہ افواج اور جنگ مصنوعی اور چاندماری اور گولہ اندازی کے لئے جب زمین علاقہ سرکارعالی میں استعمال میں لائی جاتی ہے تو حسب ذیل ابواب کی نسبت معاوضہ فوج سے دلایا جاتا ہے -

(۱) بابتہ کرایہ قیام گاہ فوج (۲) بابتہ نقصان زمین و گھانس و پیداوار و درختان ثمرہ و درختان سیندھی و مکانات وغیرہ (۳) بابتہ کمی آبرسانی مقامی (۴) بابتہ مداخلت

معاوضہ ملاشی کارہائے متعلقہ زراعت ۔

کوشش اس امر کی کرنی چاہیئے کہ فوج کا قیام اسی جگہ ہو جہاں سرکاری افتادہ اراضیات زیادہ ہوں ایسی صورت میں رعایا کا نقصان بہت کم ہوتا ہے اور سرکار اپنے اراضیات افتادہ یا ذرائع آب وغیرہ کا جو نقصان ہوتا ہے اس سے دست بردار ہو جاتی ہے

اتوائی معاوضہ کے لئے ایک کمیٹی معاوضہ مقرر کر دی جاتی ہے جو معاوضہ کا تعین انہی نرخوں سے کرتی ہے بعض مقررہ سرکاری نرخ بھی مجموعہ قانون مالگزاری میں درج ہیں مگر وہ سب قدیم نرخ ہو چکے ہیں ان کی صراحت یہاں غیر ضروری ہے آجکل ہر شئے کی قیمت اور ہر مزدور کی مزدوری اس قدر زیادہ ہو گئی ہے کہ اس کا قدیم نرخوں سے تعین کرنا غیر ممکن ہے ۔ فوجی کیمپ برخاست ہو جانے کے بعد کمیٹی معاوضہ اس وقت تک موضع پر رہتی ہے جب تک تمام دعاوی پیش نہ ہوں اور جملہ رقم ادا نہ ہو جائے ۔

سربراہی سروے پارٹی آف انڈیا | گشتی معتمدی مال $\frac{2}{11}$ واقعہ ۲۳ آذر ۱۳۲۱ف کی رو سے عہدہ داران مال کو حکم دیا گیا ہے کہ کبھی یہ پارٹی اضلاع و جاگیرات کی پیمائش کے لئے آئے تو اس کی سربراہی و باربرداری کا انتظام ہو اور اشیاء مایحتاج قیمت سے فراہم کر دیئے جائیں ۔

عام ہدایات سربراہی | (۱) مواضعات میں چھوٹے بڑے جملہ عہدہ داروں کی سربراہی کا فرض پولیس پٹیل پر عاید ہوتا ہے جس قدر چھوٹے ملازمین سرکار کو مواضعات میں آرام ملیگا اسی قدر اس کی کارگزاری سمجھی جائے گی ۔

(۲) شراب گلہو وغیرہ کی سربراہی ہرگز نہ کیجائے ۔

(۳) فوج کے گھوڑوں کے لئے گھاس کا انتظام پیشتر سے کر لینا ضروری ہے ۔

(۴) سربراہی کے لئے صرف دیسی نسل کی مرغیاں حاصل کی جائیں ۔ عمدہ نسل کی مرغیاں محفوظ رکھی جائیں ۔

(۵) بڑے بڑے سربراہیوں کے لئے رعایا کے بجرات سے درخت نہ قطع کئے جائیں بلکہ ہیزم و چوب ہیزمی کے لئے تحصیلدار صاحب متعلقہ زمین جنگلات یا صحرا سے ... انتظام کرلیں۔

(۶) سربراہی کا عام اصول یہ ہونا چاہئے کہ ہر چیز کی قیمت دی جائے اور قیمت کی رسید لی جائے اور جس شخص سے جو شئے حاصل کی گئی ہے اس کو قیمت پہنچادی جائے

(۷) اجرت بیگاران و بنڈیاں سرکاری نرخ سے دی جایا کرے اور مفت میں کسی سے کام نہ لیا جائے

(۸) جو اشیاء کمیاب ہوں ان کی فرمائش نہ کی جائے تو اچھا ہے۔

<u>انتظامات اعراس و جاترا</u> ہم نے ابتدا میں اس کا اظہار کر دیا تھا کہ اعراس و جاترا کے انتظامات کو بھی سربراہی کی تعریف میں آجاتے ہیں چونکہ ایسے زمانہ میں اکثر عہدہ داران اضلاع تشریف لاتے ہیں اور دیگر مقامات کی رعایا بھی دور دراز سے آتی ہے اس لئے ان سب لوگوں کی رہائش۔ صفائی، روشنی، اور آبنوشی کیلئے انتظامات کرنے ہوتے ہیں یہ وقت عہدہ دار متعلقہ کی صلاحیت اور انتظامی قابلیت کے امتحان کا ہوتا ہے۔ جس خوبصورتی سے اعراس و جاترا کے انتظامات ہوں گے اسی قدر بعد و بعد تک اس کی شہرت ہوگی، خود سرکار اچھے انتظامات کرنے والوں کو پیش نظر رکھتی ہے اور کسی موقع سے انھیں ترقی بھی دیتی ہے۔

اعراس و جاترا کا انعقاد اس وقت ہونا چاہئے جبکہ کوئی مرض وبائی مقام جاترا یا عرس پر نہ ہو۔ نیز اطراف علاقہ کی آب ہوا بھی پاک و صاف ہو اگر کوئی مرض متعدی شدت سے پھیلا ہو تو مقامات متاثرہ سے میلوں میں آنے کے سخت تدابیر اختیار کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسٹیشنوں یا کسی موزوں مقام پر قرنطینہ قائم کر دیا جاتا ہے میلہ شروع ہونے سے قبل ہی عہدہ داران طبابت کے ہمراہ تحصیلدار متعلقہ

[illegible] انتظام شروع کر دینا چاہئے عام صفائی کے علاوہ پانی کی بارشوں کو [illegible] چاہئے

(۱) قیام بازارات (۲) کیمپ عہدہ داران سرکاری (۳) آمد و رفت کے راستے (۴) قیامگاہ زائرین (۵) قیام آبدار خانہ جات (۶) لبس اسٹانڈ۔ (۷) قیام بیت الخلاء (۸) مقام سینما و تھیٹر (۹) مقام نمائش (۱۰) جانوروں کے ٹھیرنے کی جگہ (۱۱) بنڈیاں کھڑے ہونے کی جگہ (۱۲) زرعی و انجمن ہائے امداد باہمی کے مظاہرے کے لئے علحدہ علحدہ مقامات مقرر ہونے چاہئیے۔

جائے وقوع کا ایک نقشہ بناکر یہ طے کرلینا چاہیئے کہ بازارات کا قیام کس جگہ ہوگا سرکاری عہدہ داروں کا کیمپ کہاں قائم ہوگا اسی طرح آمد و رفت کے راستوں کا تعین کیا جاسکے۔ قیام زائرین کیلئے کسی مسطح جگہ کا انتخاب ہو نیز ان مقامات کا بھی انتخاب کرلیا جائے جہاں آبدار خانے قائم ہوں گے یا موٹر و بنڈیاں ٹہرائی جائیں گی۔ بیت الخلاء کہاں بنیں گے۔ سینما، تھیٹر، نمائیش جانوران کہاں ہوگی۔ زرعی و انجمن ہائے امداد باہمی کے مظاہروں کے لئے بھی کوئی خاص جگہ مخصوص ہونا چاہیئے۔

اس انتظام کے بعد ہر شعبہ کے لئے عہدہ داران مقامی کو انچارج کردیا جانا مناسب ہے۔ ایسے وقت بھی نظر انتخاب ایسے لوگوں پر پڑنی چاہیئے جن میں انتظامی سلیقہ موجود ہو

اعراس و جاترا کے فوائد | مذہبی پہلو سے قطع نظر ایسے میلے ہمارے ملک کی معاشی ترقی میں معاون ہوتے ہیں۔ ہر سال ہندوستان میں کئی کروڑ روپیہ کا بیوپار ان میلوں میں ہوتا ہے ایسے موقع سے حکومت بھی فائدہ اٹھاتی ہے چونکہ وقت واحد میں اتنے بڑے اجتماع سوائے اعراس و جاترا کے موقعوں کے ممکن نہیں اس لئے حکومت کے وہ سررشتہ جات جنکا تعلق پروپیگنڈے سے ہے خوب کام انجام دیتے ہیں۔ حفظان صحت کیطرف سے [illegible] اور دیگر امراض وبائی پر لکچر دیئے جاتے ہیں اور سینما کے ذریعہ تصاویر بھی

دکھائی جاتی ہیں اسی طرح زراعت و انجمن ہائے امداد باہمی کیطرف سے بھی حق کے سررشتہ جات مظاہرے کرتے ہیں۔ ملکی صنعت و حرفت کی نمائش کا بھی یہی خاص موقعہ ہوتا ہے اس لئے ایسے میلوں اور اجتماع کو کبھی بیکار نہ سمجھنا چاہئیے۔ عہدہ داران متعلقہ کا فرض ہے کہ وہ حکومت کے ایسے شعبوں کو قبل از قبل اطلاع دے کر انہیں مدعو کریں اور اپنے میلوں کی رونق بڑھائے۔

ایسے مواقع پر ضروری انتظامات توجہ طلب کی نسبت حسب ذیل نوٹ پیش ہے

قیام گاہ عہدہ داران معزز مہمان جو مستقر ضلع اور دیگر مقامات سے تشریف لائیں ان کے لئے صاف اور خشک مقام دیکھ کر درختوں کے سایہ کے نیچے ڈیرے ڈالے جائیں ان کے طعام کا انتظام مشترکہ طور پر ہو سکے تو اچھا ہے۔ ورنہ سرکاری ملازمین کیلئے علیحدہ طعام خانہ کھولنا مناسب ہوگا۔ برف۔ ترکاری۔ میوہ وغیرہ ان کے لئے مہیا رکھا جائے تو بہتر ہے۔ روشنی صفائی وغیرہ کے لئے کافی لوگ کیمپ میں رہیں اور اس کیمپ کی نگرانی کیلئے بہترین منتظم کا انتخاب کیا جائے۔

قیام گاہ زائرین ایسے اشخاص جو قرب و جوار کے علاقہ میں سکونت اختیار نہ کر سکیں۔ ایک ہموار جگہ جو بلندی پر واقع ہو اور جہاں ہوا آتی ہو اور جہاں سے آبنوشی کا پانی قریب ہو منتخب کی جانی چاہئیے

کیمپ کا انتظام اس طرح ہو کہ ہر گلی کا درمیانی فصل (۴۰) فٹ سے کم نہ ہو اور بشرط گنجائش (۳۰) فٹ کے درمیانی فاصلے سے چھوٹے چھوٹے کوچے تیار کئے جائیں فرصت ہو تو عارضی جھونپڑیاں بنوا دی جائیں جہاں تک ہو سکے ایسے حصوں پر جو مختلف اقوام کی سکونت کیلئے ہوں مختلف علامات بغرض اظہار قوم قائم کی جائیں۔

صفائی کیمپ مہمانان و قیام گاہ زائرین، سڑکیں و راستہ جات کی صفائی کے لئے علیحدہ علیحدہ مزدور رکھے جائیں۔ شام و صبح دو وقت پانی چھڑکنے کا انتظام بھی ہو

بول و براز جمع کرنے کے لئے علیحدہ گڑھے تیار کئے جائیں۔ جانوروں کا لید جمع کرکے ایک جگہ رکھا جائے جس کو بعد ختم میلہ برآمد کیا جا سکتا ہے۔

بیت الخلاء | عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ بیت الخلاء بنوائے جائیں بیت الخلاء ٹٹیوں کی چاردیواری کے بنائے جائیں جس کے گڑھے ایک فٹ سے دو فٹ تک وسیع ہوں مٹی جو گڑھوں سے نکالی جائے وہ گڑھوں کے کنارے پر ہی ڈال دی جائے۔

آبدار خانے | ہندوؤں اور مسلمانوں کیلئے علیحدہ علیحدہ متعدد آبدار خانے قائم کئے جائیں۔ باولیوں میں دوائیں ڈالی جاتی رہیں۔ کوئی ندی قریب موجود ہو تو عارضی نل بھی لگائے جا سکتے ہیں۔

روشنی | جس قدر پیٹرومیکس کا زیادہ انتظام ہوگا ایسے ہی حادثات کم ہوں گے خاص طور پر اندھیری راتوں میں زیادہ روشنی کی ضرورت ہوگی۔

تقسیم آب ندی | جائے وقوع پر کوئی ندی موجود ہو تو اس ندی کا پانی اس طرح تقسیم کرنا چاہئیے کہ بلندی کا پانی پینے کیلئے مخصوص رکھا جائے اور اس کی ایک حد مقرر کردی جائے اس حد کی نگرانی پولیس کے ذمہ ہو اس جگہ کا پانی کسی دوسرے کام میں نہ آنا چاہئیے۔ اس حصہ کو چھوڑ کر بہاؤ کے نیچے کی جانب کچھ حصہ نہانے کیلئے اور آخری حصہ کپڑے و برتن وغیرہ دھونے کیلئے مخصوص کیا جائے۔ اس طرح ندی کے پانی کے مضر اثرات ظاہر نہ ہو سکیں گے پانی کا انتظام جس قدر بہتر ہوگا۔ زائرین کو اسی قدر آرام ملے گا اور امراض وبائی نہ پھیل سکیں گے۔

انتظام طبی | عام حفظان صحت کی نگرانی کے لئے ایک ڈسٹرکٹ سنٹری اسسٹنٹ انچارج رہتا ہے اور ادویہ کا کافی ذخیرہ موجود رہتا ہے اور کئی سانیٹری انسپکٹر بھی بلحاظ مجمع رکھے جاتے ہیں ان کا فرض ہے کہ روزانہ کیمپ کی صفائی کا معائنہ کریں بیت الخلاء

کی صفائی کی نگرانی بھی ان کے ذمہ ہے خدانخواستہ امراض متعدی کے شائع ہو
علم حفظان صحت کے کام کی اہمیت بہت بڑھتی جاتی ہے۔ چیچک۔ ہیضہ اور طاعون
پڑنے سے ہزاروں ٹیکے دینے کی ضرورت ہوتی ہے جس کا انتظام ہر وقت ہونا

تعین راستہ جات | جب میلوں میں ہجوم کثرت سے ہو اور آمد و رفت کا کا
ہو تو اکثر جانیں ضائع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس لئے ایسی صورت میں ا
جات میں جو انسانوں سے بھر گیا ہو وہاں کی آمد و رفت روک دینا چاہئے اور ا
کے لئے دو علیحدہ راستہ مقرر کئے جائیں۔ بنڈیوں اور موٹروں کو ایک خاص مقا
جائے جس سے آگے جانے کی ممانعت کر دی جائے۔

گمشدہ بچے | گمشدہ بچوں کی تلاش کے لئے چند اسکاؤٹ مقرر کئے جا
کبھی کوئی ایسا بچہ مل جائے جو ماں باپ سے چھوٹ گیا ہو تو اس کو کیمپ میں پہنچا
کیا جائے۔ کیمپ میں ایک ڈیرا ایسے گمشدہ بچوں کیلئے محفوظ ہوتا ہے۔

دفتر استفسار | ایک دفتر استفسار قائم کیا جائے جہاں عرس و یاترا کی آ
پروگرام نیز نمائش وغیرہ کے اوقات و مقامات کا علم عام کو ہو سکے۔

نمائش مصنوعات ملکی | نمائش مصنوعات ملکی کیلئے ایسے اجتماعات بہت موز
ہیں۔ اس کا انتظام ضروری ہے اور بہترین صناعوں کو انعامات دینے کا بھی انتظ

نمائش جانوران زراعتی | عمدہ نسل کے جانوروں کی نمائش بھی ضروری ہے اس
کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے خود سر رشتہ علاج حیوانات سے انعامات مقرر ہیں
مواقع پر دیئے جاتے ہیں

انجمن ہائے امداد باہمی زرعی وطبی مظاہرے | تحصیل کو چاہئے کہ ایسے مواقع پر سر رشتہ جات انجمن
زراعت اور طبابت کو خاص طور پر مظاہرے کرنے کا
دینے ایسے اجتماع ان مظاہروں کو کامیاب بنانے میں خاص حصہ لیتے ہیں۔

مالی [illegible] تقریباً ہر بڑی جاترا اور اعراس کے لئے سرکار سے امداد مقرر ہے نیز تیاری
[illegible] ڈسٹرکٹ بورڈ ہی امداد ملتی ہے ۔ ہر سررشتہ اپنے اپنے اخراجات
[illegible] ہے بھر دیول (مندر) یا مزار کے زائرین سے بھی آمدنی ہوتی ہے۔ بعض عہدہ دار
[illegible] کچھ چندہ بھی جمع کر لیتے ہیں جس سے مناعوں کو انعام دیئے جاتے ہیں اور مہمانوں کی
[illegible] کی جاتی ہے۔ کار ہائے جاترا و اعراس کیلئے ایک رقم موازنہ لوکل فنڈ میں شریک
ہو [illegible] کی منظوری کا اختیار صوبہ دار صاحبان کو حاصل ہے

بعض مقامات پر دوکانات پر ٹیکس بھی لیا جاتا ہے اسطرح عہدہ داران انتظام
کنندہ کو ایسے موقع پر مالی مشکلات کا سامنا کرنا نہیں پڑتا ۔ انھیں صرف انتظامات کی
طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہوئی ہے اور انتظامات کرنے کے لئے کچھ تجربہ کچھ سلیقہ
اور نفاست پسندی سے کام لینا پڑتا ہے ۔ فقط

عثمانیین اور اُن کے تالیفات و تراجم

از جناب مولوی شرف الدین صاحب بی اے (عثمانیہ) معتمد مجلس نمائش

جامعۂ عثمانیہ کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد طیلسانین عثمانیہ کا یہ نصب العین ہوا کہ ملک و مالک کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں۔ اس مفید جذبۂ عمل کے تحت آج سے چودہ پندرہ سال قبل انجمن طیلسانین عثمانیہ کی داغ بیل ڈالی گئی تاکہ اجتماعی طور پر ملک و مالک کی خدمت انجام پاسکے۔ ملک کی بڑھتی ترقی میں سعی و کوشش کی خاطر انجمن نے اپنی تنظیم سے ملحق مختلف کمیٹیاں قائم کیں جن میں جامعۂ عثمانیہ کے فارغ التحصیل طلباء کے علاوہ ملک کے دوسرے تعلیم یافتہ طبقہ کا تعاون و اشتراک عمل بھی حاصل کیا گیا تاکہ ملک کی علمی، اخلاقی، معاشی اور سماجی ترقی کے لئے کوشش کی جائے۔

طیلسانین عثمانیہ کی پہلی کانفرنس میں ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور نے "جامعۂ عثمانیہ کے فرزندوں کے اردو خدمات" کے عنوان سے ایک مفید مضمون پڑھا تھا۔ اس مضمون میں ضمیمہ کے طور پر دو حسب ذیل فہرستیں شامل کی گئی تھیں:

۱۔ عثمانیین کے اردو خدمات کی مضمون وار تفصیلی فہرست

۲۔ ان عثمانیین کی فہرست جنھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ اردو کی خدمت کی۔

یہ فہرستیں اب نظر ثانی کی محتاج ہو گئی ہیں

دسویں سالانہ کانفرنس کے موقع پر بھی عثمانیین کے تصانیف تالیفات اور تراجم کی ایک نمائش منعقد کی گئی تھی جس سے کچھ نئی کتابیں انجمن کے کتب خانہ میں جمع ہو گئیں۔ اس کانفرنس کے موقع پر ناظم الحروف نے مجلۂ طیلسانین میں ایک فہرست ان تالیفات اور تراجم کی تحریر کی تھی جو کتب خانۂ انجمن طیلسانین عثمانیہ میں محفوظ ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ کتب خانہ میں عثمانیین کے تالیفات و تراجم کا ایک اچھا خاصہ حصہ فراہم ہو گیا ہے

انجمن طیلسانیین عثمانیہ کا یوم تاسیس جو شہریور ۱۳۵۵ف کو منایا گیا۔ اس موقع پر انجمن طیلسانیین عثمانیہ نے مطالعہ گاہ عثمانیہ جلدی جماعت اور مجلس نمائش کے کتب خانوں سے عام استفادہ کا انتظام کیا گیا۔ کتب خانہ کے ساتھ ایک مطالعہ گھر بھی کھولا گیا تاکہ فرزندان جامعہ عثمانیہ کی علمی کاوشیں ایک جگہ پچھلے بیس برسوں سے ہر ضرورت مند بہ آسانی مستفید ہو سکے اور ضروری فہرستیں مکمل حالت میں مہیا رہیں۔

ساتویں نمائش مصنوعات مملکت آصفیہ کے موقع پر عثمانیین کے تالیفات و تراجم کا ایک اسٹال مجلس نمائش کے زیر اہتمام پہلی مرتبہ قائم کیا گیا تھا۔ تاکہ نمائش دیکھنے والے لاکھوں عوام کو اس سرمایۂ علم سے روشناس کیا جائے جو عثمانیین کے ذہنی کدوکاوش کا نتیجہ ہے۔ اس تعلیمی اسٹال پر حضرت سلطان العلوم جلالت الملک نے ازراہِ علم پروری قدم رنجہ فرما کر عثمانیین کے علمی کارناموں کو بہ نظر استحسان ملاحظہ فرمایا۔ لارڈ و لیڈی ویول نے بھی اس اسٹال سے کافی دلچسپی لی۔

اس تعلیمی اسٹال میں ۲۶۸ عثمانیین کے تالیفات و تراجم جمع کئے گئے تھے جن کی تعداد ۴۷۵ تھی۔ رسائل و اخبارات اس کے علاوہ تھے۔ ساتویں نمائش کے افتتاح کے موقع پر ایک کتابچہ بھی شائع کیا گیا۔ اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے عثمانیین کے نام درج کئے گئے تھے اور ہر نام کے محاذی ان کے تالیفات و تراجم کا اندراج کیا گیا تھا۔ اس کتابچہ میں 'پیش لفظ' پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی، 'تعارف' ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی، 'خوش آمدید' ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، اور 'پیام' میر اکبر علی خان صاحب بیرسٹر نے تفصیلی طور پر تحریر فرمایا تھا۔ ملک اور بیرون ملک کے اخبارات و رسائل نے اچھی رایوں کا اظہار کیا رسالہ "اردو" دہلی کے الفاظ میں:-

"ایک قلیل مدت میں جامعۂ عثمانیہ کے فاضلوں کا کام یہ کارنامہ کچھ کم قابلِ تحسین نہیں ہے ہندوستان کی کسی دوسری جامعہ کے تعلیم یافتہ حضرات نے شاید پچاس برس میں بھی اپنی زبان کی ایسی علمی خدمت انجام نہ دی ہوگی، اور یہی امر بجائے خود جامعۂ عثمانیہ کے اصولِ تعلیم کی فضیلت کا عمدہ ثبوت فراہم کر سکتا ہے۔ لکھنے والوں میں ہر مذہب و ملت کے

عثمانی طیلسانی موجود ہیں۔"

ان ہمت افزائیوں سے متاثر ہو کر ایک مکمل عثمانیین کی ڈائرکٹری کی ترتیب الطریق تاریخی کے ا
اجلاس کے موقع پر پیش نظر تھی کیونکہ مذکورہ بالا کتابچہ انھیں تالیفات اور تراجم پر مشتمل تھا جو کتب خانہ
انجمن طیلسانیین عثمانیہ اور مجلس نمائش معاشی کیٹی میں موجود ہیں۔ چنانچہ اس کے لئے عثمانیہ برادروں کے
حالات زندگی، اسناد علمی، عنوان تاریخ تالیف، مقام طباعت، ناشر اور فروشندہ وغیرہ کا مواد طلب
کیا گیا تھا تاکہ نہ صرف ان کے علمی کارناموں کا مظاہرہ کیا جائے بلکہ علمی دنیا میں ان کا صحیح مقام بھی پیدا
کیا جائے اور ایک نظر میں یہ معلوم ہو جائے کہ کن عثمانیین کے قلم سے کونسی کتابیں نکلیں اور کہاں دستیاب
ہو سکتی ہیں۔ علم کے حقیقی خدمت گزار کون ہیں اور ساتھ ساتھ تمام جواہر افکار جو مضامین، مقالے تصانیف
اور تالیفات کی صورت میں منتشر ہیں وہ بھی ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ لیکن عثمانیین نے اس جانب زیادہ
توجہ نہیں فرمائی، اور بہت کم مواد وصول ہوا۔ بعض عثمانیین نے اس کے لئے جھجک محسوس کی تو بعض
نے احساس پستی کا ثبوت دیا۔ چند عثمانیین نے صرف اپنی کتابیں روانہ کردیں تو چند نے
صرف اُن کے پتے لکھ دیئے۔

بہرحال عثمانیین کی ہمہ جہتی عملیت کے نتائج اتنے ہو گئے ہیں کہ اب ان کے رکارڈ کی
تدوین و تحفظ پر فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ اسی خیال کے پیش نظر یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ راقم الحروف
کو جس قدر معلومات حاصل ہو سکیں اُن کو مجلۂ طیلسانیین کے صفحات پر قسط وار شائع کردیا جائے
اور اس کو صاحب تصنیف کی خدمت میں روانہ کر کے جو تکمیل طلب امور یا غلطیاں رہ جائیں ان کی
تصحیح کرائی جائے، اور اس طرح جو مواد فراہم ہو جائے اُس کو آئندہ کتابی صورت میں عثمانیین
اور ان کے تالیفات و تراجم یا عثمانیین کی ڈائرکٹری کے نام سے شائع کیا جائے۔ امید کہ عثمانی
برادری اپنے اس تعاون و اشتراک عمل سے دریغ نہ فرمائے گی۔ خدا کرے کہ یہ مخلصانہ سعی [illegible]
اتحاد و ترقی کا ایک اور نیا نشان راہ ثابت ہو۔ فقط۔

ڈاکٹر میر سیادت علی خاں صاحب

ڈاکٹر میر سیادت علی خاں صاحب کا خاندان ملک کے قدیم علماء سے تعلق رکھتا ہے جس پر سلاطین آصفیہ کی خاص شفقت رہی۔ چنانچہ "خان" نسلاً نہیں بلکہ خطاباً آپ کے خاندان میں آپ کے جد اعلیٰ میر غیاث خاں شہید کے زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ آپ مولوی میر قطب الدین محمود علی صاحب کے فرزند ہیں۔ [illegible] میں بلدہ حیدرآباد میں آپ کی ولادت ہوئی۔ دارالعلوم کا امتحان مولوی فاضل کامیاب کیا۔ جامعۂ عثمانیہ کے سب سے پہلے گروہ طلبہ میں سے ہیں۔ تاریخ اسلام میں ایم۔ اے کیا۔ چنانچہ "حجاج بن یوسف اور اس کے طرز انتظام" پر مقالہ لکھا جو غیر مطبوعہ ہے۔ انجمن اتحاد طلبائے جامعۂ عثمانیہ کے صدر منتخب ہوئے، بزم تاریخ اور بزم قانون کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ جامعۂ عثمانیہ سے ایم۔ اے کے بعد ایل۔ ایل۔ بی میں شریک رہے۔ بیرونی ممتحنوں خصوصاً ڈاکٹر سید سلیمان جج ہائی کورٹ الہ آباد کی عمدہ رائے کی بنا پر سرکار عالی نے وظیفہ عطا کر کے علم اصول قانون میں تحقیقات کرنے کے لئے انگلستان روانہ کیا۔ وہاں اگرچہ داخلہ کی دشواریاں بہت سی تھیں لیکن ایک امتحان لینے کے بعد جامعۂ آکسفورڈ نے آپ کو بی۔ لٹ کے دو سالہ امتحان سے مستثنیٰ کر کے راست ڈی فل میں شریک کر لیا۔ جہاں ڈیڑھ سال میں شرع شریف کے معاملات کے بعض عنوانوں کا تقابلی مطالعہ انگریزی کمرشیل لا سے خاصکر احکام سود کے تعلق سے کر کے ایک مقالہ ڈاکٹر مارگولیت اور پروفیسر ولسن کی نگرانی میں مرتب کیا اور ڈی فل کی ڈگری حاصل کی۔ پھر آکسفورڈ کے ڈاکٹر ہونے اور لاطینی جاننے کی شرط کو لاطینی پڑھ کر پوری کرنے کی وجہ سے بی۔ سی۔ ایل میں شریک ہوگئے۔ ۱۹۲۸ء میں بی۔ سی۔ ایل میں آپ کی شرکت سے جامعۂ آکسفورڈ کے صدہا سالہ قواعد پہلی مرتبہ تبدیل کئے گئے اور اب یہ ممکن ہوگیا کہ علاوہ مسلّمہ جامعات کے درجہ اول کی آنرز ڈگری والوں کے ڈاکٹر فل کی ڈگری والے بھی بی۔ سی۔ ایل میں لاطینی جانتے ہوں تو شریک ہو سکیں۔

۱۹۲۳ء میں ایل ایل بی کی امتحان میں کامیاب ہوئے اور ساتھ ہی بیرسٹری کی سند بھی حاصل کی ۱۹۲۵ء میں حیدرآباد واپس آنے پر شعبۂ قانون کی پروفیسری جامعہ میں پانچ سو تا ایک ہزار پر تقرر عمل میں آیا۔ یہاں آپ قانون رہا، شرع شریف، قانون دادرسی، قانون لگان اور قانون شہادت کی تعلیم دیتے رہے۔ سیول سروس کلاس میں بھی چند سال تک درس دیا۔

۱۳۴۲ف میں ڈاکٹر میر سیادت علی خاں صاحب ناظم عدالت ضلع محبوب نگر مقرر ہو کر جامعہ عثمانیہ سے منتقل ہو گئے۔ ۱۳۴۹ف میں مددگار معتمدی امور عامہ پر تبادلہ ہوا۔ ۱۳۵۱ف میں ناظم اول فوجداری بلدہ بنے۔ ۱۳۵۲ف سے نائب معتمد عدالت و امور عامہ کی خدمت پر فائز تھے۔ پھر معتمد مجلس مقننہ ہوئے اب رکن مجلس عدالت العالیہ ہوئے ہیں۔ آپ پہلے عثمانیہ طیلسانی ہیں جو اس منصب اعلیٰ پر فائز ہوئے۔ چند سال تک ایل ایل ایم کی جماعتوں میں تقابلہ علم اصول قانون اور اصول وضع قوانین پر لکچر دیا۔ آپ کو تصنیف و تالیف کا بھی ذوق ہے۔ چنانچہ انگریز مؤلف بسٹ کی تالیف قانون شہادت کا جامعہ عثمانیہ کے لئے اردو ترجمہ کیا۔ قانون شہادت سرکار عالی کی ایک ضخیم شرح خود لکھی۔ اس کے علاوہ آپ کے متعدد تصانیف و تالیفات مکمل ہو چکے ہیں لیکن کاروسرکاری کی مصروفیت اور موجودہ زمانہ کی طباعت کی دقتوں کی وجہ سے منظر عام پر نہیں آ سکے۔ کل ہند قانون کانفرنس میں آپ نے نظام قانون میں فقہاء کے مقام پر ایک اچھا مضمون پڑھا جو بہت مقبول ہوا۔ کانفرنس طیلسانیین عثمانیہ کے بھی آپ ایک سال صدر رہے اور عام طور پر علمی و قومی کاموں میں امکان بھر حصہ لیتے ہیں۔

نواب ظہیر یار جنگ بہادر

نواب ظہیر یار جنگ بہادر کی ولادت ۱۹۱۰ء میں ہوئی۔ آپ نواب معین الدولہ مرحوم کے فرزند اکبر ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسۂ عالیہ میں حاصل کی ۱۹۳۲ء میں جامعۂ عثمانیہ سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ امرائے پائیگاہ میں سب سے پہلے آپ ہی نے بی۔ اے کی اعلیٰ سند حاصل کی۔

نواب ظہیر یار جنگ بہادر کی پائیگاہ کا رقبہ ۱۰۲۱ مربع میل اور آبادی دو لاکھ ۷۶ ہزار ہے۔ سالانہ مالگذاری ۲۲ لاکھ روپے وصول ہوتی ہے۔ پائیگاہ کا انتظام ایک مجلس کے ذریعہ انجام پاتا ہے

جس کے ایک میر مجلس اور دو اراکین ہیں ۔

۱۹۳۳ء میں نواب ظہیر یار جنگ بہادر نے ضلع نظام آباد میں بندوبست اور مالگذاری کی ٹریننگ حاصل کی۔ ۱۹۳۸ء میں امراؤتی ضلع برار میں بحیثیت اعزازی اسسٹنٹ کمشنر کام کیا۔

۱۹۲۷ء میں آپ کا عقد نواب ولی الدولہ مرحوم کی بڑی صاحبزادی صاحبہ سے عمل میں آیا۔

نواب صاحب بڑے اچھے شکاری ہیں، اسپورٹس سے بھی خاص دلچسپی ہے۔ آپ نے یورپ اور امریکہ کی بھی سیاحت فرمائی ہے۔ سیاحت نامہ (حالاتِ سفر یورپ و امریکہ) مرتب فرمایا جو اُردو ادب میں ایک جدید باب کا اضافہ کرتا ہے۔ یہ کتاب دار الطبع سرکار عالی میں طبع ہوئی ہے۔

آپ کے حسب ذیل خطبات صدارت بڑی دلچسپی سے دیکھے جاتے ہیں :

(۱) خطبۂ صدارت حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس۔ (۲) خطبہ یادگار اعلان خود مختاری سلطنت آصفیہ۔ (۳) خطبہ سیزدہ صد سالہ یادگار حسینی۔ (۴) خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس بمقام علی گڈھ۔

نواب ظہیر یار جنگ بہادر کو اپنے اسٹیٹ کی تنظیم سے خاص دلچسپی ہے، اور اپنی رعایا کے مفاد کے لئے بہترین اُمور انجام دے رہے ہیں۔ ..... آپ صدر المہام امور مذہبی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہکر ابھی ابھی سبکدوش ہوئے ہیں۔

مولوی محمد عبد المجید صاحب صدیقی

مولوی عبد المجید صاحب صدیقی کی ولادت بلدۂ حیدرآباد میں ۱۳۱۵ف کو ہوئی۔ موصوف کی تعلیم کا بڑا حصہ مشرقی طریقہ سے ہوا ہے۔ گھر اور مدرسہ دار العلوم میں عربی اور فارسی کی تعلیم پائی۔ ۱۳۲۶ف میں دار العلوم سے منشی عالم کا امتحان کامیاب کیا۔ اس زمانہ میں جامعۂ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ جامعہ میں شریک ہوگئے۔ جامعۂ عثمانیہ کے تمام مدارج طے کرکے ۱۳۳۴ف میں تاریخ و سیاسیات میں ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا اور اسی سال یل یل بی کی ڈگری بھی حاصل کی ایم۔ اے میں آپ کا مضمون تاریخ اسلام رہا ہے۔ عرب اور موالی کے عنوان سے مقالہ لکھا تھا

ایم۔اے کا امتحان کامیاب کرتے ہی سنہ ۱۳۳۵ف میں آپ کو شعبۂ تاریخ میں لکچراری کی خدمت پر مامور کیا گیا۔
موصوف آج اکیس سال سے جامعۂ عثمانیہ کی خدمت کر رہے ہیں۔ آپ نے کئی سال تک اقامت خانوں کی نگرانی اور رجسٹراری کی خدمات بھی انجام دیں۔ حال میں ریڈر شعبۂ تاریخ کی خدمت پر ترقی ملی ہے۔

جامعہ کی خدمت تدریس کے علاوہ مولوی عبدالمجید صاحب صدیقی نے قومی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ انجمن طیلسانین عثمانیہ کے صدر رہ چکے ہیں۔ آپ کا دورِ صدارت بہت کامیاب رہا۔ چوتھی معاشی کانفرنس کے آپ صدر استقبالیہ تھے۔ اس وقت آپ مجلس علمیہ انجمن طیلسانین عثمانیہ کے صدر ہیں۔

تصنیف و تالیف میں بھی بہت کچھ آپ نے وقت صرف کیا ہے۔ بے شمار مضامین اور کئی میر حاصل کتابیں لکھی ہیں چونکہ آپ کا خاص مضمون تاریخ دکن ہے اس لئے اکثر مضامین اور کتابیں تاریخ دکن سے متعلق ہیں۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱) تاریخ گولکنڈہ (سنہ ۱۹۳۹ء۔ مطبوعہ مکتبۂ ابراہیمیہ) (۲) مقدمہ تاریخ دکن (سنہ ۱۹۴۰ء مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس) (۳) عبدالملک اور ولید (غیر مطبوعہ) (۴) تاریخ سیاسیات (مطبوعہ) (۵) تاریخ دستور انگلستان (سنہ ۱۹۳۸ء دارالطبع جامعہ عثمانیہ) (۶) ارسطوجاہ (سنہ ۱۹۳۹ء) (۷) تاریخ دکن عہد وسطیٰ (زیر تالیف) (۸) تاریخ وزرائے حیدرآباد (زیر تالیف)

مولوی میر محمود علی صاحب

مولوی میر محمود علی صاحب اردی بہشت سنہ ۱۳۱۰ف کو بمقام بیدر پیدا ہوئے۔ خاندانی تعلق بیدر کے قدیم شرفاء کے گھرانے سے رہا ہے۔ حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ کو اسی گھرانہ سے تلمذ حاصل رہا ہے۔
میر محمود علی صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اس کے بعد مدرسۂ فوقانیہ بیدر میں شریک رہ کر عثمانیہ میٹرک کامیاب کیا۔ اسی سال اسکول فائنل کے امتحان میں بھی کامیابی حاصل کی۔

جب جامعۂ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا تو ان معدودے چند اولین طلبہ میں سے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے شرکت حاصل کی۔ پہلے امتحان بی۔اے سنہ ۱۳۳۲ف میں تاریخ معاشیات اور سیاسیات بطور مضمون اختیاری لیکر کامیابی حاصل کی۔ سارے طلبہ میں اپنے مضمون اختیاری میں جامعہ میں اول رہے

اس کے بعد جامعۂ عثمانیہ سے ہی ایم۔اے کامیاب کیا۔ آصف جاہ ثانی کے عہد حکومت پر تحقیقی مقالہ امتحان ایم۔اے کے لئے پیش کیا جس پر ڈگری عطا ہوئی۔ ۱۳۴۳ف سے سٹی کالج میں بحیثیت لکچرار تاریخ تقرر عمل میں آیا۔ اس کے ساتھ پندرہ سال تک معاشیات کا بھی درس دیتے رہے۔

طالب علمی کے زمانہ میں بعض مضامین اور کتابیں طلبہ کے مفاد کے لئے شائع کیں جن میں گلدستۂ تاریخ کو مقبولیت حاصل ہوئی۔

انجمن طیلسانیین عثمانیہ کے قیام کے زمانہ سے بحیثیت ایک سرگرم رکن وابستہ رہے اور معاشی کمیٹی کے صدارت کے فرائض کئی سال تک انجام دیتے رہے۔ ۱۳۴۹ف میں پہلی نمائش مصنوعات ملکی کی داغ بیل پڑی تو آپ اس کے صدر اولین تھے۔ تیسری معاشی کانفرنس کے آپ صدر استقبالیہ تھے۔

انڈین ہسٹری کانفرنس کے شعبۂ تاریخ دکن کے معتمدی کے فرائض ۱۹۳۹ء میں انجام دئیے۔ ۱۹۴۵ء میں دکن ہسٹری کانفرنس کے معتمد عہد وسطیٰ کی حیثیت سے فرائض انجام دئیے

اس وقت آپ جامعۂ عثمانیہ کے شعبۂ تاریخ میں ریڈر ہیں۔

مولوی محمد عزیز الرحمن صاحب

مولوی محمد عزیز الرحمن صاحب کے والد مولوی محی الدین احمد صاحب مرحوم سابق ناظم ضلع تھے۔ آپ کے ایک بڑے بھائی مولوی حبیب الرحمن صاحب ناظم صنعت و حرفت سرکار عالی ہیں۔ شہر پور ۱۳۱۲ف میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم سے منشی کا امتحان کامیاب کیا۔ عزیز الرحمن صاحب نے جامعۂ عثمانیہ کے سب سے پہلے امتحان بی۔اے بابتہ ۱۳۳۲ف میں طیلسان حاصل کیا۔ جامعہ کی جانب سے بہ عطائے پوسٹ گراجویٹ اسکالرشپ ڈھاکہ یونیورسٹی کو ایم۔ایس سی کی تعلیم کے لئے روانہ کیا گیا۔ جہاں آپ نے ۱۹۲۵ء میں ایم۔ایس۔سی کی ڈگری حاصل کی۔ ایم۔ایس سی میں خاص مضمون طبعیات رہا ہے ۱۳۳۵ف میں اورنگ آباد کالج کے طبقۂ فوقانیہ میں عثمانیہ میٹرک کی جماعتوں کو اعلیٰ ریاضی اور سائنس کی درس تدریس پر تعیناتی ہوئی۔

۱۳۳۷ف میں اورنگ آباد کالج میں لکچرار طبعیات کی ماہانہ مواجبی دو سو پچاس تا چار سو پر ہوئی

ہوئی۔ انتہائی گریڈ کی تکمیل ہوکر آٹھ سال سے زائد عرصہ ہوچکا ہے۔ جملہ مدت ملازمت اکیس سال ہے اس طویل عرصہ کی محنت اور قابلیت کے باوجود ترقی نہ ملنا طیلسانیین عثمانیہ کے مفاد کو نظرانداز کرنے کے مترادف ہے۔ آپ کو قومی و ملکی کاموں سے بھی دلچسپی ہے۔ طیلسانیین عثمانیہ کی ساتویں سالانہ کانفرنس کے آپ صدر استقبالیہ تھے۔ یہ کانفرنس بہت ہی اعلیٰ پیمانہ پر اورنگ آباد میں منعقد کی گئی تھی۔ نشرگاہ اورنگ آباد سے بھی متعدد تقریریں اپنے فن سے متعلق نشر فرماتے ہیں۔ آپ کے مختلف مضامین مثلاً کرۂ ہوائی، مصنوعی نوی، مارکونی، ذرائع خبر رسانی، طبعیات کی تعلیم سے متعلق چند عملی تجاویز، سائینس بنی نوع انسان کے لئے مفید ہے یا مضر، وغیرہ رسالہ نورس، اور رسالہ سائینس میں شائع ہوئے ہیں۔

مولوی محمد عزیز الرحمٰن صاحب کے تراجم حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مساحت حصہ اول (۱۹۲۹ء مطبوعہ دارالطبع جامعۂ عثمانیہ)

(۲) مساحت حصہ دوم و سوم (۱۹۲۹ء مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ)

جہاں بانو بیگم

جہاں بانو بیگم کے والد مولوی ابو رضا صاحب مرحوم ناظم فوجداری تھے۔ آپ کے نانا دولت یار جنگ مشاہیر ایران سے تھے۔ حیدرآباد میں ناظم دارالضرب مقرر ہوئے تھے اور حضرت غفران مکان کے اتالیق بھی تھے۔ اس طرح جہاں بانو بیگم ایک مشہور علمی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ ۱۹۰۹ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ نامپلی کے زنانہ ہائی اسکول میں ابتدائی تعلیم ہوئی مسٹر نقوی مددگار ناظم تعلیمات سے شادی کے بعد بی اے اور ایم۔ اے کے امتحانات جامعۂ عثمانیہ سے کامیاب کئے۔

جہاں بانو بیگم نے اولاً سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی میں ملازمت اختیار کی۔ گوشہ محل مڈل اسکول کی صدارت کے بعد محبوبیہ گرلز اسکول میں منتقل ہوئیں۔ وہاں سے کلیۂ اناث جامعۂ عثمانیہ میں لکچراری پر ترقی ملی۔ اس وقت اسی خدمت پر مامور ہیں۔ اردو اور اخلاقیات کی تعلیم آپ سے ہی متعلق ہے۔

اُردو کی خدمت گذاری آپ کا عزیز مشغلہ ہے۔ شاعری اور نثر نگاری دونوں میں دخل ہے اگرچہ کہ شاعری کی جانب زیادہ توجہ نہیں ہے۔ نثر نگاری کی مختلف شاخیں جہاں بانو بیگم کی قلم کی جولان گاہ بنی ہوئی ہیں۔ افسانہ نگاری، ادب لطیف، تنقیدی مضامین، اخلاقی اور اصلاحی مضامین خطوط نویسی میں آپ کو بڑی اچھی مہارت حاصل ہے۔ انگریزی سے ترجمہ کی خاص مشق ہے۔

ادارۂ ادبیاتِ اُردو کے شعبۂ نسواں کی آپ رکن ہیں اور اپنے مفوضہ خدمات کو خوش اسلوبی سے انجام دیتی ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ انگلستان بھی تشریف لے گئی تھیں مگر آب و ہوا کی ناموافقت کے باعث وہاں قیام ممکن نہ ہوسکا۔

جہاں بانو بیگم کے حسب ذیل تصانیف ہیں:

(۱) محمد حسین آزاد (۱۹۴۰ء مطبوعہ مکتبۂ ابراہیمیہ) (۲) ولی کا فنِ شاعری۔ (۳) عرب اور عربستان (۱۹۴۲ء۔ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس) (۴) رفتارِ خیال (۱۹۴۵ء مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس) (۵) بربطِ ناہید (۶) اُمورِ خانہ داری (۷) فتراک (۱۹۴۵ء مطبوعہ حیدرآباد انجینرنگ گزٹ)

سلسلہ مطبوعات انجمن طیلسانئین عثمانیہ

نام کتاب	مصنف	قیمت
۱- عہد ابراہیم عادل شاہ ثانی کے متولیان ریاست	سید علی محسن ایم اے (عثمانیہ)	دو روپے
۲- سلطان احمد شاہ بہمنی	ظہیر الدین ایم-اے (”)	دو روپے
۳- امام غزالی کے کلامی خصوصیات	محمد غوث (محبوب نگری) ایم اے (”)	ایکروپیہ آٹھ آنہ
۴- موضع دوپلی کی معاشی تحقیق	محمد ناصر علی ایم-اے (”)	دو روپے
۵- دربار اودھ کا اثر لکھنؤ کی شاعری پر	محمد اعظم ایم-اے (”)	ایکروپیہ
۶- معاشیات کی الف بے	محمد ناصر علی ایم-اے (”)	آٹھ آنے
۷- عہد معاونت اور حیدر آباد	میر مخدوم علیخاں ایم اے (”)	دو روپے
۸- بلدہ سے قصبہ تک	محمد فاروق بی اے (عثمانیہ) ایچ-سی-ایس	۴/
۹- پاور الکوحل	نظیر حسین انندی ام-ایس سی (عثمانیہ)	۴/
۱۰- مقامی محاصل اُنکے اقسام اور نوعیت	محمد فاروق بی-اے (عثمانیہ)-ایچ-سی-ایس	۴/
۱۱- اسلام کے معاشی نظریے	محمد یوسف الدین ایم اے- (عثمانیہ)	ایکروپیہ آٹھ آنہ
۱۲- پریم چند اور اُن کی افسانہ نگاری	محمد اکبر الدین صدیقی ایم اے (عثمانیہ)	دو روپے
۱۳- ہندوستانی معاشیات کے مبادی	شرف الدین بی-اے (”)	دو روپے
۱۴- دیسی ریاستیں اور تنظیم مابعد جنگ	سید محمد تقی ہاشمی ام اے (”)	۸/
۱۵- موجودہ جنگ کے اثرات قانون بین الممالک پر	سید صدیق حسین بی اے-ال ال ام (عثمانیہ)	ایکروپیہ
۱۶- دکن میں تعلیم (عہد آصفجاہ اول و آصفجاہ ثانی)	سید علی محسن ام-اے (عثمانیہ)	زیر طبع
۱۷- منشور اقوام متحدہ	ڈاکٹر محمد حمید اللہ ام اے (عثمانیہ) پی-ایچ-ڈی	
۱۸- انتخاب اور رائے دہی	محمد نور اللہ بی-ایس-سی (عثمانیہ)	ایکروپیہ

---

(۱) رہبر نمایش	خواجہ حمید احمد بی-اے	۴ روپے
(۲) تحریک ترقی مملکت آصفیہ	”	تین روپے
(۳) دنیائے نمایش	مرتبہ مجلس نمایش کمیٹی	۸/
(۴) تحفۂ نمایش	” ” ”	۴/

انجمن طیلسانیین عثمانیہ کا سہ ماہی علمی رسالہ

مجلۂ طیلسانیین

حصۂ

معاشیات

(مدیر)

محمد غوث۔ ام۔ اے۔ ال ال بی۔ (عثمانیہ)

(نائب مدیر)

محمد اکبر الدین صدیقی ام۔ اے

(مہتمم)

محمد نور اللہ بی یس سی

سالانہ چندہ پانچ روپیے۔ علاوہ محصول ڈاک۔ قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

دفتر: مجلۂ طیلسانیین۔ نمایش گاہ مکرم جاہی روڈ۔ حیدرآباد دکن

ٹیلیفون نمبر ۲۵۵۳

مطبوعۂ انتظامی پریس حیدرآباد

مجلۂ طیلسانئین

حصۂ معاشیات

جلد ۱۰ شمارہ ۱ و ۲	فہرست مضامین	بہمن سنہ ۱۳۵۵ف اردی بہشت سنہ ۵۵ف

چھٹا باب

ابواب اخراجات

حکومتیں اخراجات کے سلسلے میں جو مسلک اختیار کرتی ہیں ان سے عوام کی مادی اور معاشی فلاح و بہبود قریبی طور پر وابستہ ہوتی ہے چنانچہ اس باب میں ہم حکومت حیدرآباد کے اہم ابواب اخراجات کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ کن مدات پر اخراجات روبہ ترقی رہے ہیں اور کن زوال پذیر تاکہ ہمیں صحیح طور پر اس کا اندازہ ہو سکے کہ حیدرآباد کے مالی مسلک کے رجحانات کیا رہے ہیں[1]

زیادہ صحیح اور معتبر نتائج اخذ کرنے کی غرض سے ہم نے بجائے سالانہ اعداد کے ہر پنج سالہ مدت کے اوسط اعداد کو پیش نظر رکھا ہے ان اوسط اعداد کی ابتدا ہم نے ۱۸۸۳ء یعنی نواب سالار جنگ کے دور کے خاتمے سے کی ہے۔ ۱۸۵۵ء تا ۱۸۸۲ء کے دور میں فقط ایک ایک انفرادی سال کے اعداد پر اکتفا کی گئی ہے۔

تعلیمات اس ضمن میں سب سے پہلے تعلیمات کی باری آتی ہے۔ حسب ذیل جدول میں تعلیم پر اخراجات کے اعداد درج کئے گئے ہیں:

---

[1] اس باب میں ابواب اخراجات کے رجحانات کا تجزیہ ۱۸۵۵ء سے موجودہ جنگ کی ابتدا تک یعنی گذشتہ ۸۵ برس کے دوران میں کیا گیا ہے۔ موجودہ جنگ نے مختلف مدات اخراجات کو کس طرح متاثر کیا ہے اور ان میں کس قسم کے رجحانات پیدا کر دئے ہیں اس موضوع پر آٹھویں باب میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اوسط سالانہ اخراجات

سال	(لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	ر۰۰۰۱۹۶	۔
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۲ر۳۵	ر۸
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۵ر۰۵	۱ر۶
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۵ر۵۷	۱ر۵
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۷ر۹۵	۲ر۲
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۷ر۰۵	۱ر۷
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۸ر۶۶	ر۸
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۱۲ر۵۱	ر۳
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۳۰ر۱۰	۴ر۹
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۹۰ر۲۰	۸
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۷۳ر۸۱	۸ر۹
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۱۰۲ر۹۹	۱۲ر۴
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۹۶ر۵	۱۱ر۶

مندرجہ بالا جدول سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ تعلیمات پر رفتہ رفتہ اخراجات نہایت تیز رفتار سے بڑھے ہیں۔ گذشتہ جنگ عظیم تک اخراجات کی اس مد کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی لیکن اس کے بعد سے حکومت حیدرآباد کے مالی مسلک کا ایک نہایت درخشاں پہلو یہ رہا ہے کہ اس اہم تعمیری مد پر اخراجات میں نہایت تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ سنہ ۱۸۵۴ء میں اس مد پر صرف ۲۵ روپیہ سالانہ اور سنہ ۱۹۰۱ء میں ۷ لاکھ روپیہ صرف ہوتے تھے لیکن موجودہ جنگ کی ابتدا سے قبل تعلیم پر تقریباً ایک کروڑ روپے سالانہ خرچ کئے جارہے تھے۔

فوج | تعلیمات کے بعد اخراجات کی مد کی حیثیت سے مالیات حیدرآباد میں فوج کو اہمیت حاصل ہے چنانچہ مندرجہ ذیل جدول سے اس کا رجحان واضح ہوتا ہے۔

اوسط سالانہ اخراجات

سال	(لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	۱۵٫۷۱	۲۰٫۲
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۵۰٫۰۰	۲۱٫۷
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۶۷٫۹۰	۲۰٫۶
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۶۸٫۹۴	۱۹٫۱
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۶۷٫۰۷	۱۹٫۱
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۶۴٫۰۱	۱۵٫۶
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۵۶٫۴۹	۱۱٫۸
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۵۳٫۲۳	۹٫۸
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۵۵٫۶۳	۹٫۳
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۶۱٫۱۳	۸٫۱
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۶۶٫۶۲	۸٫۰
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۸۱٫۸۰	۹٫۹
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۸۳٫۵۰	۱۰٫۰

مندرجہ بالا جدول پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب سالار جنگ کے دور کے نتائج سے گذشتہ جنگ عظیم کی ابتدا تک فوج کے مجموعی اخراجات رو بہ تخفیف رہے لیکن اس کے بعد سے ان میں اضافہ کا رجحان پیدا ہوگیا جو کم و بیش موجودہ جنگ کی ابتدا تک جاری رہا ہے اس کا اندازہ اس سے ممکن ہے کہ ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۱ء افواج پر ۵۵٫۶۳ روپے صرف ہوئے

[redacted]

لیکن سنہ ۱۹۳۷ء تا سنہ ۱۹۳۹ء ان کی مجموعی مقدار ۸۳،۵۰ ہوگئی۔ اس کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ افواج کو اخراجات کی ایک مد کی حیثیت سے مالیات حیدرآباد میں جو اہمیت حاصل تھی وہ مسلسل روبہ تخفیف رہی ہے یعنی آج سے ۹۰ برس قبل مجموعی اخراجات کا ۲۰ فیصد حصہ اس کی نذر ہو جاتا تھا لیکن موجودہ جنگ کی ابتداء کے وقت فوج پر مجموعی اخراجات کا فقط ۱۰ فیصد حصہ صرف کیا جا رہا تھا۔

پولیس اخراجات کے سلسلے میں افواج کے بعد پولیس کی باری آتی ہے اس کا رجحان حسب ذیل رہا ہے۔

اوسط سالانہ اخراجات

سال	(لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	،۰۰۰۶۵۷	۰
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۲۳،۱۰	۷،۱
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۲۴،۳۶	۷،۴
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۲۳،۳۳	۹،۴
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۲۵،۹۳	۷،۳
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۲۵،۳۱	۶،۱
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۲۸،۸۸	۶،۰
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۳۳،۵۹	۶،۱
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۲ء	۴۶،۲۳	۷،۷
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۵۶،۳۲	۷،۴
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۶۰،۲۳	۷،۲
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۷۶،۳۹	۸،۱

۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۷۳٫۲۲	۸٫۸

مندرجہ بالا جدول سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ پولیس پر اخراجات مسلسل روبہ ترقی رہے ہیں۔ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد سے اس مد پر اخراجات میں اضافہ کی رفتار نمایاں طور پر تیز ہوگئی اس کا اندازہ اس امر سے ممکن ہے کہ بیسویں صدی کی ابتدا میں اس مد پر تقریباً ۲۰٫۶ لاکھ روپے سالانہ اور گذشتہ جنگ عظیم سے قبل تقریباً ۳۴ لاکھ روپے صرف کئے جارہے تھے لیکن ۱۹۳۹ء میں پولیس کے اخراجات تقریباً ۴۰ لاکھ روپے سالانہ یعنی مجموعی اخراجات کے ۸٫۸ حصہ تک پہنچ چکے تھے۔

عمارات وحمل ونقل | مالیات حیدرآباد میں پولیس کے بعد عمارات وحمل ونقل کے اخراجات کو اہمیت حاصل ہے چنانچہ اس پر ماضی میں جو اخراجات ہوئے ہیں انھیں مندرجہ ذیل جدول میں پیش کیا گیا ہے۔

سال	اوسط سالانہ اخراجات (لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	۰٫۸	
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۱۶٫۴۱	۵٫۱
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۱۶٫۴۹	۵
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۱۳٫۹۰	۴
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۱۵٫۶۶	۴٫۲
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۱۵٫۷۱	۳٫۱
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۲۷٫۵۰	۷٫۸
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۳۵٫۴۶	۶٫۵
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۴۸٫۱۴	۸

۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۵۳٫۹۰	۷٫۱
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۸۷٫۴۲	۱۰٫۵
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۹۷٫۹۲	۸٫۳
۱۹۳۷ تا ۱۹۴۱ء	۹۰٫۲۷	۷٫۲

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۶ء تک اس مد پر اخراجات کم و بیش یکساں رہے لیکن اس کے بعد سے اس میں اضافہ ہونا شروع ہوا اور جنگ عظیم کے بعد سے اضافے کی رفتار کافی تیز ہو گئی جس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۲ء تا سنہ ۱۹۱۶ء اس مد پر ۳۵٫۴۶ لاکھ روپے صرف ہوئے لیکن سنہ ۱۹۲۷ء تا سنہ ۱۹۳۱ء یہ اخراجات بڑھ کر ۸۷٫۴۲ لاکھ سالانہ ہو گئے۔ سنہ ۱۹۳۲ء کے بعد سے موجودہ جنگ کی ابتدا تک عمارات و حمل و نقل پر مجموعی مصارف میں خفیف سی کمی ہو گئی۔

اوسط سالانہ اخراجات

سال	(لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	٫۰۲	٫۰
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۲٫۹۷	٫۹
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۲٫۶۲	٫۸
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۳٫۵	۱
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۷٫۳۰	۲٫۱
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۱۲٫۶۶	۳٫۱
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۱۳٫۰۴	۲٫۷
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۷٫۳۰	۱٫۳
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۹٫۲۷	۱٫۶

١٩٢٢ تا ١٩٢٦ء	١٨٫٠٣	٢٫٤
١٩٢٧ تا ١٩٣١ء	٢٣٫٣٤	٢٫٨
١٩٣٢ تا ١٩٣٦ء	٥٠٫٤٨	٦٫٢
١٩٣٧ تا ١٩٣٩ء	٤٧٫٩٣	٥٫٨

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب سالار جنگ کے بعد سے سنہ ١٨٩١ء تک سود کے اخراجات کم و بیش یکساں رہے لیکن بیسویں صدی کی ابتداء کے بعد سے ان میں نمایاں اضافہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ممکن ہے کہ سنہ ١٨٩٢ء تا سنہ ١٨٩٦ء ٥٫٣١ لاکھ روپیہ اس مد پر صرف کئے گئے لیکن سنہ ١٩٠٦ء تا سنہ ١٩١١ء میں سود کی مد پر اخراجات ١٣ لاکھ روپیہ سالانہ ہو گئے اس کے بعد سنہ ١٩٢٢ء تک سود کے مصارف کم رہے لیکن اس کے بعد ان میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے اور موجودہ جنگ کی ابتداء سے قبل ان کی مجموعی مقدار ٤٨ لاکھ کے قریب تھی۔

عام نظم و نسق ابواب اخراجات کے سلسلہ میں عام نظم و نسق کے مصارف کو بھی نمایاں حیثیت حاصل ہے چنانچہ ان کا رجحان حسب ذیل رہا ہے۔

اوسط سالانہ اخراجات

سال	(لاکھ روپے میں)	فیصد
١٨٥٤ء	١٫٧٦	٢٫٤
١٨٨٢ تا ١٨٨٦ء	١٣٫٨٦	٤٫٢
١٨٨٧ تا ١٨٩١ء	١٦٫٢٩	٥٫٠
١٨٩٢ تا ١٨٩٦ء	١٧٫١٧	٣٫٧
١٨٩٧ تا ١٩٠١ء	١٧٫٦٥	٥٫٠
١٩٠٢ تا ١٩٠٦ء	١٤٫٨٨	٣٫٦
١٩٠٧ تا ١٩١١ء	١٨٫١١	٣٫٨

۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۲۱٫۱۱	۳٫۸
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۲۵٫۳۲	۴٫۲
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۳۱٫۷۶	۴٫۲
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۳۷٫۲۴	۴٫۵
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۴۱٫۲۷	۵٫۰
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۴۲٫۹۰	۵٫۱

مندرجہ بالا جدول سے واضح ہوتا ہے کہ اس مد پر مجموعی مصارف مسلسل طور پر روبہ ترقی رہے ہیں اور حکومت حیدرآباد اس پر مجموعی اخراجات کا تقریباً ۴ یا ۵ فیصد صرف کرتی رہی ہے۔

طبابت

سال	اوسط سالانہ اخراجات (لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	۰٫۰۶	
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۲٫۰۷	۰٫۶
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۳٫۳۵	۱
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۳٫۵۱	۱٫۳
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۵٫۶۳	۱٫۶
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۶٫۰۴	۱٫۵
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۶٫۴۸	۱٫۴
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۸٫۷۲	۱٫۶
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۱۴٫۲۲	۲٫۳
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۱۵٫۸۸	۲٫۱
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۲۰٫۲۵	۲٫۴
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۲۸٫۵۰	۳٫۴

۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء ۲۹/۸۰ ۳/۵

مندرجہ بالا اعداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ طبابت کی مد پر مجموعی اخراجات برابر بڑھتے رہے ہیں اور بلاشبہ یہ حکومت حیدرآباد کے مالی مسلک کی ایک نہایت تشفی بخش اور سودمند خصوصیت ہے۔

عدالت

سال	اوسط سالانہ اخراجات (لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۳ء	/۳۷	
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۶/۲۰	۱/۹
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۶/۵۱	۲/۰
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۷/۱۹	۲/۰
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۷/۵۶	۲/۲
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۷/۲۰	۱/۸
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۷/۷۲	۱/۶
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۹/۳۶	۱/۸
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۱۱/۵۰	۱/۹
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۱۸/۳۸	۲/۴
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۲۰/۵۴	۲/۸
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۲۲/۸۵	۲/۹
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۲۴/۹۰	۲/۹

مندرجہ بالا جدول سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ عدالتوں پر اخراجات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے اس کا اندازہ اس امر سے ممکن ہے کہ سنہ ۱۹۱۷ تا سنہ ۱۹۲۱ء میں اس مد پر ۱۱/۵۰ لاکھ

روپے کی رقم صرف ہوتی تھی لیکن موجودہ جنگ کی ابتدا سے قبل عدالتوں کے اخراجات بڑھکر تقریباً ۲۵ لاکھ ہوگئے تھے۔

زراعت اخراجات کی تعمیری مدات میں زراعت کے مصارف کو خاص اہمیت حاصل ہے چنانچہ ضروری ہے کہ ہم اس مد پر اخراجات کا بھی مطالعہ کریں۔

اوسط سالانہ اخراجات

سال		فیصد
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء[لہ]	ر۶۲	ر۱
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	ر۷۴	ر۱
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۱ر۳۱	ر۲
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۵ر۲۲	ر۶
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء		
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۱۷ر۹۵	۲ر۲

مندرجہ بالا جدول سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ ۱۹۲۲ء تک اخراجات کی اس مد کی جانب سے بے توجہی برتی گئی لیکن اس کے بعد سے اس پر اخراجات میں مسلسل اور تیز رفتار سے اضافہ ہوا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمہ تک زراعت پر تقریباً ۶۰ ہزار روپیہ سالانہ صرف ہوتے تھے لیکن موجودہ جنگ کی ابتدا سے قبل یہ اخراجات ۷۱ لاکھ سالانہ سے بھی متجاوز ہوچکے تھے

طبابت و صفائی

اوسط سالانہ اخراجات

سال	(لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۳ر۹۸	۱ر۲

لہ ۱۹۱۶ء سے قبل کے موازنوں میں زراعت کے اخراجات کے لئے کوئی علحدہ مد قائم نہیں کیجاتی تھی۔

۱۸۸۸ تا ۱۸۹۱ء	۲/۳	۱/۱
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۶/۵۶	۱/۹
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۶/۶۸	۱/۸
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۵/۳۰	۱/۲
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۵/۶۸	۱/۲
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۱۵/۹۶	۲/۹
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۴۰/۱۳	۶/۷
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۲۹/۱۳	۳/۹
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۳۶/۸۷	۴/۴
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء		
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء		

مندرجہ بالا جدول سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۱ء تک اس مد پر اخراجات بہت قلیل تھے لیکن اس کے بعد سے ان میں نمایاں اضافہ ہوا یہاں تک کہ سنہ ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۱ء میں ۴۰ لاکھ سالانہ کی رقم اس مد پر صرف کی گئی۔ سنہ ۱۹۲۲ تا سنہ ۱۹۲۶ء پھر اس مد پر اخراجات روبہ تخفیف رہے لیکن اس کے بعد ان میں نمایاں اضافہ ہوا۔

آبپاشی

سال	اوسط سالانہ اخراجات (لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۰/۶۸	۰/۲
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۳/۰۶	۱/۰
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۶/۰۹	۱/۷
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۱۰/۴۶	۲/۹

[redacted]

۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۲۲٫۰۷	۵٫۴
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۱۷٫۹۵	۳٫۷
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۲۵٫۷۲	۴٫۷
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۲۸٫۴۸	۴٫۷
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۲۶٫۸۰	۳٫۶
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۱۷٫۹۴	۲٫۱
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء		
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۷٫۵۴	۹

مندرجہ بالا جدول سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ نواب سالار جنگ کے دور کے اختتام سے سنہ ۱۹۰۶ء تک آبپاشی پر مجموعی اخراجات میں نمایاں اضافہ ہوتا رہا اس کا اندازہ اس امر سے ممکن ہے کہ سنہ ۱۸۸۲ء تا سنہ ۱۸۸۶ء اس مد پر صرف ۸ء۱۶ لاکھ روپے صرف ہوئے لیکن سنہ ۱۹۰۲ تا سنہ ۱۹۰۶ء یہ اخراجات بڑھ کر ۲۲ لاکھ سالانہ سے بھی متجاوز ہوگئے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۶ء تک حکومت حیدرآباد آبپاشی پر تقریباً ۲۵ لاکھ روپے سالانہ صرف کرتی تھی لیکن سنہ ۱۹۳۷ تا سنہ ۱۹۳۹ء اس مد پر اخراجات میں نمایاں تخفیف ہوئی اور حکومت نے اوسطاً ساڑھے سات لاکھ روپے سالانہ آبپاشی پر صرف کئے۔

اس باب میں ہم نے اہم ابواب اخراجات کے رجحانات کی وضاحت کرتے ہوئے حیدرآباد کے مالی مسلک پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی آئندہ باب میں ہم حیدرآباد کے سرکاری قرضے کے موضوع پر بحث کریں گے[1]

---

[1] ہم نے اس باب میں محض ایسی مدات کو پیش نظر رکھا ہے جنہیں خالص ابواب اخراجات کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لیے مالگزاری آبکاری کروڑگیری وغیرہ کے اخراجات کو نظر انداز کردیا گیا ہے جو فی الحقیقت آمدنی کے مدات ہیں لیکن جن پر حکومت کو خاص مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

ساتواں باب

حیدرآباد کا سرکاری قرضہ

مالیات حیدرآباد کا مطالعہ اس وقت تک مکمل نہیں تصور کیا جاسکتا تاوقتیکہ ہم حیدرآباد کے سرکاری قرضے پر بھی نظر نہ دوڑالیں۔ چنانچہ اس باب میں ہم حیدرآباد کے سرکاری قرضے کی مختصر تاریخ پیش کرتے ہوئے اس پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں واضح کرچکے ہیں انیسویں صدی کا نصف سے زاید حصہ یعنی نواب سالار جنگ کے تقرر سے قبل کا زمانہ مالیات حیدرآباد کی تاریخ میں انتہائی پرآشوب دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عرصے میں حکومت حیدرآباد کے مالی مسلک کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ مجموعی اخراجات ہمیشہ مجموعی آمدنی سے زائد ہوئے اور بجائے اس کے کہ اخراجات میں تخفیف یا آمدنی میں حقیقی اضافے کی کوشش کیجاتی من مانے قرض حاصل کرکے فوری دشواریوں پر قابو پانے کی کوشش کی جاتی۔ دوسرے الفاظ میں سرکاری قرض کو مالیات حیدرآباد میں ایسے تریاق کی حیثیت دی جاتی جس کی مدد سے شدید ترین مالی پیچیدگیاں بھی حل کرلی جاتیں اور ان مضرت رساں اثرات کو قطعی طور پر نظرانداز کردیا جاتا جو مالیات حیدرآباد پر بالآخر مترتب ہوتے۔ غرض یہ سراسر غلط تصور کہ قرض ہی حکومت کے موازنے کو متوازن بنانے کا واحد اور موثر ترین ذریعہ ہے حیدرآباد کے سرکاری قرضے میں مسلسل اضافہ کا موجب بنا۔ ستم ظریفی یہ کہ قرض کے حصول میں تو نہایت جلد بازی کیجاتی ہے لیکن سرکاری قرض

کی ادائی کی جانب کوئی توجہ نہیں ہوئی ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلسل غیر پیداآور قرضوں کے باعث ایکطرف تو حکومت کی ساکھ گرتی جاتی اور دوسری جانب ان قرضوں کے سلسلے میں جو علاقے رہن کئے جاتے ان کی آمدنی سے حکومت محروم ہو جاتی تیسرے قرض دینے والے اپنے قرضوں کے صلے میں غیر معمولی مراعات کے طالب ہوتے جن کے باعث حکومت کی مالی حالت پر مزید بار پڑتا ۔

سنہ ۱۸۴۲ء میں صرف برطانوی افواج کے اخراجات کے سلسلے میں تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپے کا قرض موجود تھا ۔ چنانچہ اس قرضہ کی ادائی کی جب کوئی صورت بن نہ پڑی تو نہرائنس نے خود اپنی جیب سے ایک کروڑ بیس لاکھ روپے ادا کئے اس کے بعد بھی قرض کے مجموعی بار میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اور راجہ چندو لال کے زمانہ وزارت کے اختتام پر اس کی مجموعی مقدار دو کروڑ ستر لاکھ تھی ۔

ادائی قرض کی جانب سے کس درجہ تساہل اور استغنا برتا جاتا اس کے ثبوت میں اس واقعہ کا اعادہ بیجا نہ ہوگا کہ سرکاری قرضہ کا بار بہت شدید ہو گیا اور حکومت نے اس کی ادائیگی کی جانب ذرا بھی توجہ نہ کی تو برطانوی رزیڈنٹ سر چارلس مٹکاف نے بسبیل تذکرہ راجہ چندو لال سے دریافت کیا کہ " آخر آپ نے اس بھاری قرض کی ادائی کے بارے میں کیا سوچ رکھا ہے " ؟ راجہ چندو لال نے مسکراتے ہوئے نہایت اطمینان سے جواب دیا " ادائیگی کیسی ۔ ادائیگی کا تو میرا ارادہ ہی نہیں ہے اس لئے کہ قرضخواہوں کو کافی سود دیا جا چکا ہے اور اب انہیں ایک دمڑی بھی ادا نہ کرونگا " ۔

انیسویں صدی کے دوران میں حکومت حیدرآباد کی ساکھ اس قدر گر گئی تھی کہ اس کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ ساہوکار حکومت کو اس وقت تک قرض دینے پر رضامند نہ ہوتے تا وقتیکہ وہ جمعداروں کی ضمانت نہ پیش کرتی اور اس کے بعد بھی حکومت کو قرض اس شرح سود کی نسبت دوگنی اور تگنی شرح پر دیا جاتا جو بالعموم بازار میں رائج ہوتی

اگر حکومت قرض کے سلسلہ میں سہولتیں بہم پہنچانے کی غرض سے راست طور پر جمعداروں سے معاملہ کرنے کی کوشش کرتی تو اسے اور زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس لئے ہر لاکھ روپیے کے معاوضہ میں جو جمعدار قرض دیتے وہ ایسی حالت میں جب کہ ہر سپاہی کی تنخواہ ۱۵ روپے ماہوار ہوتی اس کے طلبگار ہوتے کہ حکومت ان کے دستے میں دو چار سو سپاہیوں کا اضافہ کرے۔ ستم ظریفی یہ کہ سپاہیوں کو شاذ و نادر ہی ملازم رکھا جاتا بلکہ بیشتر اوقات ان کا محض فرضی نام رجسٹر میں لکھ کر حکومت سے انکی تنخواہ کا مطالبہ کیا جاتا اور اس طرح حکومت کو قرض اور سود کے علاوہ تنخواہوں کی رقم بھی ادا کرنی پڑتی۔

جیسے جیسے حکومت کی ساکھ گرتی گئی یہ لازمی ہوتا گیا کہ ان قرضوں کی ضمانت کے طور پر بعض اضلاع کی مالگزاری کو ساہوکاروں کے پاس رہن کر دیا گیا۔ طرفہ یہ کہ بعض اوقات ان اضلاع کے نظم و نسق اور انتظامی امور کو بھی ان ہی ساہوکاروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا اور یہ ساہوکار جب ایک دفعہ کسی ضلع پر قابض ہو جاتے تو حساب کتاب میں پیچیدگیوں اور سود در سود کے دعووں کے ذریعہ اپنے قبضہ کو حتی الامکان برقرار رکھنے کی کوشش کرتے۔ بعض اوقات سرکاری ملازمین سے یہ خواہش کیجاتی کہ وہ حکومت کی ناگفتہ بہ مالی حالت کی اصلاح کے لئے قرض دیں لیکن یہ اس پر محض ایسی حالت میں رضامند ہوتے جب کہ حکومت ان کے ساتھ خصوصی مراعات ملحوظ رکھتی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ حکومت کے آئندہ اخراجات کا بار اور زیادہ شدید ہو جاتا اور اسے مزید قرضہ کی حاجت ہوتی۔

سنہ ۱۸۴۳ء میں مسٹر ڈیٹن اور بعض مقامی ساہوکاروں نے ایک بینک کے قیام کی تجویز پیش کی تجویز یہ تھی کہ اس بنک کا مجموعی سرمایہ ۵۰ لاکھ روپے مقرر کیا جائے جس میں نصف حکومت فراہم کرے۔ ۱۰ لاکھ حیدرآباد کے ساہوکاروں کا ہو اور بقیہ ۱۵ لاکھ بمبئی کے شہریوں کا لیکن بالآخر اس تجویز کو عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔

نواب سالار جنگ کے تقرر کے وقت حیدرآباد کے سرکاری قرضے کی مقدار تین کروڑ

لے لی تھی۔ نواب سالار جنگ نے نظامت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد نسبتاً زیادہ معقول شرح پر از سر نو قرضے لئے اور ان سے سابقہ سرکاری قرضے ادا کئے اس کے باعث جیسے جیسے حکومت کی ساکھ بڑھتی گئی نئے قرضوں کے حصول اور سابقہ قرضوں کی ادائیگی کا کام سہل ہوتا گیا۔ اس طرح نہ صرف سود کا مجموعی بار گھٹ گیا بلکہ قرضوں کی ادائیگی کی صورت بھی پیدا ہوگئی۔

نواب سالار جنگ کے انتقال کے بعد حکومت حیدرآباد پر جو ذمہ داریاں قرض کے سلسلے میں عائد ہوتی تھیں ان کے تعین تحقیقات و تصفیے کی غرض سے ایک قرض کمیشن مقرر کیا گیا اس کے دائرہ تحقیق میں نہ صرف ایسے قرضے تھے جو نہ صرف نواب سالار جنگ کے تقرر سے قبل سے لئے گئے تھے بلکہ اس میں وہ قرض بھی شامل تھے جو نواب سالار جنگ نے حکومت کی ضروریات کے لئے وقتاً فوقتاً حاصل کئے تھے۔ اس قرض کمیشن کے روبرو صرف ۵۴ دعوے پیش ہوئے جن کی مجموعی مالیت ۶۲۷ر۹۲ لاکھ روپے تھی جس میں سے ۲۰۳ر۲۱ لاکھ روپے کا مطالبہ سود کے سلسلہ میں کیا گیا تھا۔ مجموعی دعووں کا ۸۴ فیصد حصہ (یعنی ۵۲۸ر۵۹ لاکھ روپے کے دعوے) نواب سالار جنگ کے تقرر سے قبل کے زمانہ سے متعلق تھا۔ نیز اس قرض کمیشن کے سامنے جو دعوے پیش کئے گئے تھے ان میں سے ۵۹۹ر۹۰ لاکھ روپے شخصی یا ذاتی ضمانت پر حاصل کئے گئے تھے اور ۲۸ر۰۲ لاکھ روپے سرکاری ضمانت پر حاصل کئے ہوئے قرض میں شمار ہوتے تھے اس کمیشن نے تحقیقات اور غور و فکر کے بعد صرف ۸ر۸۴ لاکھ روپے کی مالیت کے دعووں کو حق بجانب قرار دیا۔ اور باقی ماندہ رقوم یعنی (۶۱۹ر۱) لاکھ روپے کے دعووں کو خارج کر دیا۔

سنہ ۱۹ء کے زبردست قحط نے مالیات حیدرآباد کو شدید صدمہ پہنچایا اور سرکاری موازنے میں ۴۷ر۴۳ لاکھ روپے کا خسارہ پیدا ہوگیا۔ اس کی تلافی کے لئے حکومت حیدرآباد نے حکومت ہند سے دو کروڑ روپے کلدار قرض لئے۔ اس قرض پر ۴ فیصد سالانہ سود

قرار پایا نیز اس قرض کی سالانہ ادائیگی کے لئے سالانہ قسط بشمول سود ۱۱ لاکھ روپے طے ہوئی جس وقت یہ قرض حاصل کیا گیا تھا اس وقت کی شرح مبادلہ کے لحاظ سے ۲ کروڑ روپئے سکۂ کلدار کے تقریباً ڈھائی کروڑ روپے سکہ حالی ہوتے تھے اس ڈھائی کروڑ روپے سکۂ حالی کے قرض کو مندرجہ ذیل امور پر صرف کیا گیا۔

غرض	رقم (لاکھ روپے حالی)
موازنے میں خسارے کی تلافی کے لئے	۱۰۹/۹۶
دیگر متفرق ادا شدنی قرضوں کی ادائی کیلئے	۵۹/۹۰
سرکاری خزانہ کی سلک میں اضافہ کے لئے	۸۰/۱۴
میزان	۲۵۰/۰۰

حیدرآباد کے سرکاری قرضے کی ابتدا حقیقی معنوں میں سنہ ۱۸۹۹ء ہی ہوئی کیونکہ اس سے قبل حکومت حیدرآباد کے لئے جو قرضے حاصل کئے جاتے وہ اول تو شخصی ضمانت پر لئے جاتے دوسرے ان کے لئے نہ کسی خاص مدت کا تعین ہوتا نہ کوئی خاص شرح سود قرار پاتی۔ قرضے کا مقصد یہ تھا کہ حکومت حیدرآباد پر جو سابقہ قرضے کا بار تھا اس میں تخفیف کیجائے اس قرضے کی مجموعی مقدار ۲۹۹۶۴۰۰ روپے تھی جس پر شرح سود ۴ فیصد معین کیگئی اس کی وجہ یہ تھی کہ خود حکومت ہند اپنے قرضوں پر ۴ فیصد سے زاید شرح سود ادا کر رہی تھی۔ یہ قرضہ ستمبر سنہ ۱۹۱۷ء میں قابل ادائیگی قرار دیا گیا۔ اس قرضے کو ۲۸ نومبر سنہ ۱۹۲۴ء کو محکمہ فینانس کی گشتی نمبر (۱۳) مورخہ ۱۹ اگسٹ سنہ ۱۹۳۳ء کے تحت ادا کیا گیا لیکن گذشتہ سال کے خاتمہ پر ۱۱۷۰۰ روپے کی رقم بقایا کی حیثیت سے موجود تھی۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں حکومت حیدرآباد نے ۸۴۳۵۳۰۰ روپے بطور قرض کے حاصل کئے۔ اس قرضہ پر شرح سود ۶ فیصد مقرر کیگئی۔ اس قرضے کو دراصل دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

(۱) ۱۲۹۰۶۵۰ روپے کا قلیل المدت قرضہ جو سنہ ۱۳۳۰ ف میں قابل ادائی قرار دیا گیا تھا۔

(۲) ۷۰۴۶۵۰ روپے کا طویل المدت قرضہ جو سنہ ۱۹۲۹ء ۔ سنہ ۱۹۳۱ء قابل ادائی قرار دیا گیا۔ اس قرضے کے حصول کا مقصد بہت بڑی حد تک ریاست میں ریلوں کی تعمیر تھا۔

مندرجہ بالا دونوں قرضے اپنی معینہ تاریخوں میں ادا کر دئے گئے اور گذشتہ سال کے اختتام پر ان دونوں قرضوں کے تحت علی الترتیب ۱۱۵۸۰۰ اور ۵۳۲۰۰ روپے بطور بقایا کے موجود تھے۔

حکومت حیدرآباد نے سنہ ۱۹۲۱ء میں بھی سرکاری قرضہ حاصل کیا اس قرضے کی مجموعی مقدار ۱۰۲۰۸۸۰۰ روپے تھی اور اس قرضہ کا مقصد زیادہ تر ایسے اخراجات کی تکمیل تھا جن سے حکومت کو مزید آمدنی حاصل ہو سکے مثل ریلوں کی تعمیر اس قرضے پر سود ۶ فیصد کی شرح سے معین ہوا اور اسے ۴ر دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء کے بعد قابل ادائیگی قرار دیا گیا۔ چنانچہ حکومت حیدرآباد نے حسب وعدہ ۴ر دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء کو یہ قرض ادا کر دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس قرضہ کا بیشتر حصہ بشکل ۱۹۵۰ء ۔ سنہ ۱۹۶۰ء کے قرضہ کی شکل میں سنہ ۱۹۴۰ء میں منتقل کر دیا گیا۔ اسلئے اس طرح حکومت کو بجائے ۶ فیصد کے صرف ۳ فیصد کی شرح سے اس قرضہ پر سود ادا کرنا پڑا۔ ۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء میں اس قرضے کے تحت ۳۷۷۶۰۰ روپے کی رقم بطور بقایا کے موجود تھی۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں حکومت حیدرآباد نے ۶ فیصد کی شرح سے مزید قرضہ حاصل کیا جو ۸ار دسمبر سنہ ۱۹۵۱ء کے بعد قابل ادائیگی قرار دیا گیا۔ لیکن اس قرض کو حاصل کرتے وقت حکومت حیدرآباد نے اس امر کی صراحت کر دی کہ ۸ار دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء کے بعد ۳ مہینے کی نوٹس کے ذریعے وہ اس قرضہ کو مکمل یا جزوی طور پر ادا کرنے کی مجاز ہوگی۔ اس قرضے کا

مقصد اول تو ایسے اخراجات کی تکمیل تھا جن سے حکومت کو مزید آمدنی کی توقع تھی۔ دوسرے اس قرض کی مدد سے ان قرضوں کو ادا کرنا بھی مقصود تھا جو حکومت حیدرآباد نے بنکوں سے حاصل کیے تھے۔ اس قرضہ کے اعلان کے بعد بحیثیت مجموعی ۰۰ ۱۲۰؛ ۶۳،۲ روپے کی رقم وصول ہوئی۔ اس قرضہ کے بیشتر حصہ کو بھی سنہ ۱۹۴۰ء میں ۳ فیصد کے قرضہ کی شکل میں منتقل کر دیا گیا۔ حکومت حیدرآباد نے اس قرضے کو اپنے وعدہ کے مطابق ۱۰ ر دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء کو ادا کر دیا لیکن اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء میں اس کے تحت ۰۰ ، ۲۲۱ روپے کا بقایا موجود تھا۔

سنہ ۱۹۳۳ء میں حکومت حیدرآباد نے ۵½ فیصد کی شرح سے قرضہ حاصل کیا۔ حکومت نے اس امر کی صراحت کر دی کہ ۶ ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء کے بعد وہ اس کی مجاز ہوگی کہ تین ماہ کا نوٹس دینے کے بعد اس قرضہ کو کلی یا جزوی طور پر ادا کر دے۔ اس قرضہ کے تحت حکومت نے ۰۰ ۲۴۴ ۴۹۸ روپے کی رقم حاصل کی تھی۔ اس قرضے کی حقیقی غایت یہ تھی کہ ایسے مصارف کی تکمیل کی جائے جن سے حکومت حیدرآباد کو مزید آمدنی کی توقع تھی نیز تجارتی اور نیم تجارتی مدات مثلاً ریلوے، کاروبار، عمارات وغیرہ پر اخراجات ہوں۔ اس قرضے کو ۶ ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء کو ادا کیا گیا۔ اور اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء میں اس کے تحت ۰۰ ۶ ، ۱۰۱ روپے کی رقم موجود تھی۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں بازار زر کے حالات اور زیادہ سہولت بخش تھے چنانچہ حکومت حیدرآباد نے ان سے استفادہ کرتے ہوئے نسبتاً ارزاں شرح پر قرضہ حاصل کیا۔ اس قرضہ پر شرح سود ۳½ فیصد قرار پائی۔ بازار زر کے حالات کس قدر سازگار تھے اس کا اندازہ اس امر سے ممکن ہے کہ ۲۰ منٹ کے اندر اندر حکومت کو ۰۰ ۱۱۴ ۴۳۲ روپے بطور قرض کے وصول ہو گئے۔ اس قرضہ کی غرض بھی ایسی مدات پر اخراجات میں اضافہ تھا جن سے حکومت کو مزید آمدنی حاصل ہو سکے۔

سنہ ۱۹۴۱ء میں باوجود جنگ کے غیر معمولی حالات کے حکومت حیدرآباد کو ۳ فیصد کی شرح سے قرضہ حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی یہ قرضہ ۱ ر اگست سنہ ۱۹۶۰ء کو قابل ادائیگی قرار

دیا گیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکومت حیدرآباد نے اس امر کی صراحت کردی کہ ، اگست ۱۹۵۰ء کو یا اس کے بعد وہ اس کی مجاز ہوگی کہ اس قرضے کو تین مہینے کی نوٹس کے بعد جزوی یا کلی طور پر بے باق کردے ۔ اس قرضہ کو حیدرآباد کا پہلا قرضہ منتقلی بھی کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے سابقہ تین قرضوں کو جو علی الترتیب ۶ فیصد ۶ فیصد اور ۵½ فیصد کی شرح پر حاصل کئے گئے تھے ۔ ۳ فیصد شرح پر منتقل کرلئے گئے یعنی ان تینوں قرضوں کی مجموعی تعداد جو اس وقت ۵،۶۸۳۳۰۰ روپے تھی جس میں سے (۵۶۰۶۶۴۰۰) روپے کی رقم ۳ فیصد کی شرح سے منتقل کردی گئی ۔ اس منتقلی کے باعث حکومت کو تقریباً ۳ فیصد سالانہ یا ۲½ لاکھ روپے سالانہ کی بچت ہوئی ۔ اس قرضے کی مجموعی مقدار منتقلیوں کو شمار کرتے ہوئے ۶،۸۸۳۰۰۰ روپے تھی ۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں حکومت حیدرآباد نے مزید قرضہ حاصل کیا جسے ۱۹۶۳ء میں قابل ادائیگی قرار دیا گیا ۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی وضاحت کردی گئی کہ اکتوبر ۱۹۵۳ء کے بعد ۳ مہینے کی نوٹس کے ذریعے سے اس قرضہ کی جزوی یا کلی ادائیگی کیا سکیگی ۔ اس قرضہ کا حقیقی مقصد اول تو یہ تھا کہ افراط زر کی روک تھام کے لئے دوسرے یہ کہ سڑکوں اور بندوں وغیرہ کے متعلق اخراجات کی ابتدا ہوسکے ۔ اس قرضہ کے تحت ۶۱۸۶۰۰۰ روپے کی رقم حاصل کی گئی ۔

اکتوبر ۱۹۴۴ء کو حکومت حیدرآباد نے ۲½ فیصد کی شرح سے ترقیات کے مقاصد کے پیش نظر قرضہ حاصل کیا جسے اکتوبر ۱۹۶۰ء میں قابل ادائیگی قرار دیا گیا ۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس امر کی صراحت کردی گئی کہ حکومت اس کی مجاز ہوگی کہ ۱۹۵۵ء کے بعد ۳ مہینے کی نوٹس دے کر اس قرضے کو مکمل یا جزوی طور پر ادا کرے ۔ اس قرض کا مقصد تعمیر نو اور تنظیم مابعد جنگ کے اس لائحہ عمل کو عملی جامہ پہنانا ہے جو حیدرآباد کے لئے زراعت آبپاشی برقابی ۔ صنعتوں ۔ نقل و حمل ، صحت عامہ اور تعلیم وغیرہ کے سلسلہ میں تشکیل دیا گیا ہے ۔

اس سال سے قبل اضلاع کے خزانوں میں بہتری رقوم محض اس خیال سے بیکار پڑی رہتی

کہ سال کے دوران میں وقتاً فوقتاً ان کی ضرورت محسوس کیجاتی - دوسری جانب ملک کے بینکوں میں بہت سی رقوم بے مصرف پڑی رہتیں - چنانچہ ضرورت اس کی تھی کہ ان دونوں میں تعلق پیدا کیا جائے - غرض اس مقصد کے پیش نظر حیدرآباد میں بھی ٹریژری بلز یا خزانے کی ہنڈیوں کا طریقہ اختیار کیا گیا جس کا مقصد یہ ہے کہ جیسے جیسے حکومت کو روپے کی ضرورت ہو وہ بہت ارزاں شرح سود پر بازار زر سے قرض حاصل کرے اور ان قرضوں کو حکومت کی آمدنی کی وصولی پر ادا کر دیا جائے - اس طرح حکومت حیدرآباد کو تین اہم فوائد حاصل ہوئے اول تو اب خزانہ کی کمترین سلک پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے دوسرے قلیل مدت کے لئے نہایت ارزاں شرح سود پر قرض لئے جاتے ہیں تیسرے جو رقوم بیکار پڑی رہتی تھیں انہیں تمسکات کی خریداری پر صرف کیا جا سکتا ہے جس سے حکومت کو معتدبہ آمدنی حاصل ہوتی ہے -

اس وقت حکومت حیدرآباد پر مندرجہ ذیل چار قرضوں کا بار موجود ہے -

۳½ فیصد کا قرضہ	۱۹۴۴ - ۱۹۵۴	۱۴۳۰۱۱۰۰ روپے
۳ فیصد کا قرضہ	۱۹۵۰ - ۱۹۶۰	۷۶۸۸۳۰۰۰ روپے
۳½ فیصد کا قرضہ	۱۹۵۳ - ۱۹۶۳	۶۲۸۱۶۰۰۰ روپے
۲½ فیصد کا قرضہ	۱۹۵۸ - ۱۹۶۰	۲۵۵۰۰۰۰۰ روپے
		۱۷۹۵۰۰۰۰۰ روپے

حکومت حیدرآباد نے وقتاً فوقتاً جو قرضے حاصل کئے ہیں ان کے سلسلہ میں جن مقاصد کی تشریح اوپر کیجا چکی ہے اس کے بعد اس امر کے اعادہ کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی کہ سرکاری قرض کے سلسلے میں حکومت حیدرآباد کے پیش نظر ہمیشہ پیداآور اور ایسے مقاصد رہے ہیں جو حکومت کیلئے بالآخر مزید آمدنی کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوں - چنانچہ یہ حیدرآباد کے سرکاری قرضے کی ایک نہایت تشفی بخش اور قابل توجہ خصوصیت ہے -

آٹھواں باب

مالیات حیدرآباد موجودہ جنگ کے دوران میں

موجودہ جنگ کو بجا طور پر معاشی و مالی وسائل کی جنگ کا لقب دیا گیا اس لئے کہ اس نے جہاں ملک کے مختلف معاشی شعبوں کو متاثر کیا ہے وہاں یہ مالیات حیدرآباد پر بھی اثر انداز رہی ہے۔ جنگ کے اثرات سے قطع نظر گذشتہ تین سال بالخصوص آنریبل مسٹر غلام محمد کے تقرر کے بعد کا زمانہ حیدرآباد کی مالیہ کے لئے نہایت اہم اور نتیجہ خیز ثابت ہوا ہے چنانچہ اس باب میں ہم موجودہ جنگ کے دوران میں مالیات حیدرآباد کی تصویر پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

سنہ ۱۳۴۹ف تا سنہ ۱۹۴۰ء کے لئے جب موازنے کو ترتیب دیا گیا اس وقت جنگ کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ جنگ سے پہلے سال مجموعی آمدنی کا اندازہ ۸۰۰٫۴۴ لاکھ روپے کیا گیا تھا۔ لیکن حقیقی اعداد کی رو سے اس میں تقریباً چالیس لاکھ کا اضافہ ہوا۔ اس اضافہ کا بڑا سبب یہ تھا کہ کروڑگیری کی آمدنی میں تقریباً ۲۹ لاکھ کی بیشی ہوئی جس کی وجہ بڑھتی ہوئی برآمد اور مونگ پھلی اور روئی کی روزافزوں قیمتیں تھیں۔ اس طرح بقایوں کی وصولی کے باعث مالگذاری اور سیندھی کے درختوں پر محصول کے باعث آبکاری کی آمدنی بڑھ گئی جنگ کے غیر معمولی حالات کے باعث ریلوں کی مجموعی آمدنی میں بھی تقریباً آٹھ لاکھ کا اضافہ ہوگیا۔ اس سال اخراجات کا تخمینہ ۹۱٫۹۰۰ لاکھ کیا گیا تھا۔ لیکن حقیقی اعداد کی رو سے

اس میں پانچ لاکھ کے قریب تخفیف ہوئی۔ ان معمولی اخراجات سے قطع نظر سابقہ بچتوں سے ۱۹ر۰۸ لاکھ کی رقم صرف ہوئی جس کا بہت بڑا سبب جنگ سے متعلق اخراجات تھے سنہ ۱۹۴۰ء سنہ ۱۹۴۱ء کے لئے آمدنی کا تخمینہ ۹۲۶/۵۱ لاکھ روپئے کیا گیا تھا جو سابقہ سال کی نسبت خاصہ زیادہ تھا لیکن حقیقی اعداد کی رو سے حکومت حیدرآباد کو اس سال مجموعی آمدنی ۹۸۵٫۰۲۱ لاکھ روپئے حاصل ہوئی آمدنی میں اس نمایاں اضافہ کا سبب اول تو یہ تھا کہ مالگزاری سے آمدنی میں بیس لاکھ روپئے سے زیادہ اضافہ ہوا۔ دوسرے جوار مونگ۔ پھلی وغیرہ کے زائد مقدار میں برآمد ہونے کے باعث نیز اشیائے درآمد کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے کروڑگیری کی مجموعی آمدنی دس لاکھ کے قریب بڑھ گئی ریلوں اور آبکاری کی آمدنی میں بھی تخمینے کے مقابلے میں علی الترتیب ۹۰ر۶ لاکھ اور ۴ر۱۲ لاکھ کا اضافہ ہوا

اس سال مجموعی اخراجات کا تخمینہ ۹۰۳ر۷۷ لاکھ روپئے کیا گیا تھا لیکن حقیقی اعداد کی رو سے اس میں بیس لاکھ روپے کے قریب تخفیف ہوئی اس طرح گویا ۸۰ر۲۰۸ لاکھ روپئے کی بچت ہوئی

سنہ ۱۳۵۱ف جنگ کا تیسرا سال

سنہ ۱۹۴۱ء تا سنہ ۱۹۴۲ء کے لئے آمدنی کا تخمینہ ۹۰۵ر۷۳ لاکھ کیا گیا تھا جو سابقہ سال کے مقابلہ میں کم تھا لیکن حقیقی اعداد کی رو سے حکومت کو اس سال مجموعی آمدنی ۹۵۴ر۸۰ لاکھ روپے حاصل ہوئی۔ آمدنی میں اس اضافہ کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ آبکاری کی مد سے ۸۰ر۲۴ لاکھ روپے تخمینے سے زاید حاصل ہوئے، جس کا سبب یہ تھا کہ جنگ کے باعث اجرتوں میں جو اضافہ ہوا تھا اس کے ساتھ ساتھ منشیات کا استعمال بھی ترقی کر گیا تھا دوسرے ریلوں کی آمدنی میں اندازہ کے مقابلہ میں ۸۶ر۲۳ لاکھ روپے کا اضافہ ہوا جس کا سبب ایک تو یہ تھا کہ مسافروں کی تعداد میں اضافہ ہوا تھا دوسرے کرایہ اور سامان کے نقل و حمل کے نرخ بڑھا دئے گئے تھے تیسرے جنگلات کی آمدنی میں ۸۴ر۶ لاکھ روپے کا اضافہ اس لئے ہوا تھا کہ جنگی ضروریات کے لئے لکڑی کی برآمد بڑھ گئی تھی جہاں ان ابواب سے آمدنی میں اضافہ ہوا وہاں بعض مدات ایسی بھی تھیں جن کی آمدنی میں خاصی تخفیف ہوئی مثلاً کروڑگیری کی آمدنی میں نقل و حمل اور دوسری دشواریوں کے باعث

۹،۳۷ لاکھ روپیہ کی کمی ہوگئی اس طرح محصول دیا سلائی سے جس قدر آمدنی کی توقع تھی اس سے ۴،۸۳ لاکھ روپے کم وصول ہوئے جس کا سبب یہ تھا کہ دیا سلائی کی قیمتوں میں اضافہ کے باعث ان کے مجموعی صرف میں کمی ہوگئی تھی۔

اس سال مجموعی اخراجات کا اندازہ ۹۱۳،۷۷ لاکھ کیا گیا تھا لیکن حقیقی اعداد کی رو سے اخراجات ۸۹۵،۹۵ لاکھ ہوئے یعنی ان میں ۱۷،۸۲ لاکھ روپے کی تخفیف ہوئی۔ لیکن ان غیر معمولی اور جنگی مصارف کو شمار کرتے ہوئے جن کی پابجائی سابقہ بچوال وسدات محفوظہ سے ہوئی اس سال مجموعی اخراجات ۱۰۵۲،۳۵ لاکھ روپے ہوئے۔

آنریبل مسٹر غلام محمد کا تقرر اور ان کی مالی اصلاحات

آنریبل مسٹر غلام محمد کو جائزہ لینے کے فوراً بعد ہی ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۳ء کا موازنہ مرتب کرنا پڑا اس سال کے لئے آمدنی کا تخمینہ ۹،۳۴ کروڑ اور اخراجات کا اندازہ ۹،۳۸ کروڑ کیا گیا تھا اس معمولی آمدنی و خرچ کے سبب سے ۴ لاکھ روپیہ کا خسارہ پیدا ہوگیا تھا اس سے قطع نظر جنگ کے سلسلہ میں حکومت حیدرآباد کو بہت سے غیر معمولی اخراجات بھی برداشت کرنے تھے جن کے باعث خیال کیا جاتا تھا کہ خسارے کی مجموعی مقدار ۴۸ لاکھ روپے کے قریب ہوگی لیکن حقیقی اعداد کی رو سے یہ اندیشہ غلط ثابت ہوئے اور آمدنی میں تقریباً دو کروڑ پینسٹھ لاکھ روپے کا اضافہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صرف کروڑگیری کی آمدنی میں تخمینے کے مقابلہ میں تقریباً چوالیس لاکھ کا اضافہ ہوا جس کا سبب یہ تھا کہ گو تجارتی کاروبار کم ہوگئے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ درآمد شدہ اشیاء کی قیمتیں بہت زیادہ بڑھ گئی تھیں جس کے باعث کروڑگیری کی مجموعی آمدنی میں نمایاں ترقی ہوئی۔ دوسرے آبکاری کی آمدنی میں ستر لاکھ سے زیادہ اضافہ ہوا جس کی وجہ یہ تھی کہ حیثیت مجموعی اجرتوں میں نمایاں ترقی ہوگئی تھی اور اس لئے منشیات وغیرہ کا استعمال روبہ ترقی تھا اسی طرح ریلوں کی آمدنی میں اس سال تقریباً ۲ لاکھ کا اضافہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو آمد و رفت میں نمایاں بیشی ہوئی تو دوسری طرف ٹکٹوں کے علاوہ بار برداری کی نرخوں میں اضافہ کر دیا گیا اس سال حکومت کی مجموعی آمدنی میں اضافہ کا سبب یہ تھا کہ جنگلات سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی

وہ ۲۲ لاکھ کے قریب بڑھ گئی۔ علاوہ ازیں سکہ قرطاس محصول دیاسلائی۔ دارالضرب اور
ٹکسال کی آمدنی بھی روبہ اضافہ رہی۔

اخراجات کا اندازہ اس سال ۱۱۴۷٫۵۲ لاکھ کیا گیا تھا یعنی موازنے میں خسارے کا اندیشہ تھا لیکن یہ اندیشہ غلط ثابت ہوا اور حقیقی اعداد کی رو سے اخراجات مجموعی طور پر ۱۰۲۹٫۱۱ لاکھ ہوئے اس طرح ۱۵۹٫۸۸ لاکھ کی بچت ہوئی۔

ایک برس کی قلیل مدت کے اندر اندر مسٹر غلام محمد نے فی الحقیقت کمال کی مالی قابلیت کا مظاہرہ کیا یعنی دوسرے سال ہی جو موازنہ پیش کیا اس میں مجموعی آمدنی کا اندازہ ۱۳ کروڑ ۲ لاکھ کیا گیا تھا قطع نظر اس امر سے کہ آمدنی کا یہ اندازہ حیدرآباد کی تاریخ مالیات میں بیشترین تھا۔ گذشتہ سال کے مقابلہ میں حکومت حیدرآباد کی آمدنی نمایاں طور پر بڑھ گئی تھی۔ اخراجات کا تخمینہ ۱۲٫۹۳ لاکھ کیا گیا تھا اس طرح تقریباً ۹ لاکھ کی بچت کی توقع تھی سنہ ۱۹۴۳ء سنہ ۱۹۴۴ء کی مجموعی آمدنی کا تخمینہ ۱۳۰۲٫۰۹ لاکھ کیا گیا تھا لیکن مزید اعداد کی رو سے توقع کی جاتی ہے کہ آمدنی ۱۵۳۲٫۵۹ لاکھ ہو گی۔ گویا اس طرح تقریباً دو سو تیس لاکھ کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ سال کا اندازہ اس مفروضہ پر کیا گیا تھا کہ تمام ملک میں جو قیمتوں پر نگرانی کی مساعی ہو رہی تھیں وہ موثر ثابت ہونگی یعنی اس طرح مختلف اشیاء بالخصوص پارچہ کی قیمتوں پر نمایاں تخفیف ہوگی نیز اشیائے صرف کی قلت کے باعث تجارت کی مجموعی مقدار میں تخفیف ہوگی لیکن حالات کا رخ تبدیل ہوگیا اور آمدنی میں نمایاں اضافہ ہوا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آبکاری کی آمدنی میں حیرت انگیز ترقی ہوئی اس لئے کہ ایک طرف تو اوسط کاشتکار فصول کی بڑھتی ہوئی قیمتوں سے مستفید ہو رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ مزدوروں کی اجرتیں نمایاں طور پر بڑھ گئی تھیں۔ جنگلات کی مجموعی آمدنی میں اضافے کا سبب یہ تھا کہ اول تو لکڑی کی رسد میں اضافہ ہوا دوسرے لکڑی کی قیمت خاصی بڑھ گئی۔ علاوہ ازیں ریلوں اور سکہ قرطاس کی آمدنی بڑھ گئی

طریق موازنہ میں تبدیلی

معمول کے مطابق سنہ ۱۹۴۴ء سے محکمہ واری سبیل بندی مالیہ کے طریقے کے تحت ایک نئی مدت کا آغاز ہونا چاہیے تھا۔ محکمہ واری سبیل بندی مالیہ کا طریقہ گذشتہ

۲۰ برس سے مسلسل رائج تھا۔ اس سے مالیات حیدرآباد کو بے انتہا استحکام حاصل ہوا تھا۔ ایک طرف مختلف مدات محفوظ میں کافی سرمایہ موجود تھا دوسرے مالیات حیدرآباد نے اس کی بدولت کساد بازاری اور موجودہ جنگ کے ابتدائی سالوں کا مقابلہ تشفی بخش طور پر کیا تھا نیز بغیر محاصل میں اضافہ کے تعمیری سرگرمیوں پر روز افزوں رقوم صرف کی جاتی رہی تھیں لیکن گذشتہ بیس برس کے تجربے سے یہ ظاہر ہوا کہ باوجود اس کے کہ محکمہ داری سبیل بندی مالیہ کا طریقہ بالخصوص ایسے محکموں کے لئے جنہیں طویل مدت کے پیش نظر اپنی جد و جہد اور سرگرمیوں کے لائحہ عمل تشکیل دینے ہوتے تھے نہایت منفعت بخش ثابت ہوا تھا۔ محکمے عام طور سے محکمہ واری نقطۂ نظر سے کام کرنے کے عادی ہو گئے تھے اور اس طرح حکومت کے مجموعی مفاد کو زیادہ اہمیت نہ دی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں اس طریقہ کا ایک نقص یہ تھا کہ محکمہ حسابات کو ہر محکمے کی بچتوں کا حساب تین برس کی طویل مدت کے لئے علیحدہ علیحدہ رکھنا ہوتا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ محکمہ فینانس اور مختلف محکموں کے مابین مسلسل مناقشات رہتے جن کے باعث رقم کی ادائیگی میں بے انتہا تاخیر ہوتی۔ محکمے یہ تصور کرتے کہ جو گنجائش ان کے لئے فراہم کی گئی ہے وہ فقط اس کی ملک ہے جسے وہ من مانے طور پر صرف کر سکتے ہیں۔ اگر فینانس کی جانب سے کوئی اعتراض ہوتا تو وہ اس پر برافروختہ ہوتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ محکمہ فینانس کا قابو زوال پذیر تھا۔ درجائے اس کے کہ بچتوں کو صحیح طور پر استعمال کیا جاتا مختلف محکمے کسی طرح اپنی گنجائش سے استفادہ کرنے کے لئے بیش قیمت فرنیچر کی خریداری اور ذاتی الونس میں اجرائی کی کوشش کرتے۔ بعض اوقات فضول جائدادیں قائم کی جاتیں۔ ذاتی رعایتیں ہوتیں یا قیمتی ساز و سامان خریدا جاتا۔ اس کے علاوہ ایک نہایت قابل اعتراض بات یہ پیدا ہوگئی تھی کہ بچتوں کی محض توقع پر زائد اخراجات برداشت کئے جاتے اس طرح سبیل بندی مالیہ کا مقصد فوت ہوا جا رہا تھا۔

موجودہ جنگ کی ابتداء سے کچھ ہی قبل بندگان عالی نے دستوری اصلاحات کا اعلان کیا تھا جس کی غرض یہ تھی کہ حکومت کے معاملات سے عوام کو بھی رابطہ قائم رکھنے کا موقع دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ مشاورتی کمیٹی مالیہ مجلس قانون سازی درائے عامہ کو کبھی اس وقت تک حکومت ...

الی معاملات پر موثر قابو نہیں حاصل کر سکتے تھے تا وقتیکہ یہ سالانہ مدت کا طریقہ قائم رہتا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسٹر غلام محمد نے سالانہ طریق موازنہ کے نفاذ کے ذریعہ عوام کے نمائندوں کے لئے اظہار رائے کا بہتر موقع فراہم کر دیا غرض محکمہ واری تبلیل بندی مالیہ کے تحت جو سہ سالہ رقوم کا طریقہ تھا اسے تبدیل کرنے کی ضرورت اس لئے بھی تھی دستوری اصلاحات کے بعد یہ طریقہ زیادہ موزوں نہ رہا تھا۔ دستوری کمیٹیاں اور خود مقننہ سالانہ موازنوں کے طریقہ کی صورت میں مالیات پر زیادہ موثر قابو برقرار رکھ سکتی تھی۔

غرض ان جملہ امور کے پیش نظر صدر المہام فینانس آنریبل مسٹر غلام محمد نے گذشتہ سال بجائے محکمہ واری سبیل بندی مالیہ کے تحت نئی مدت کا آغاز کرنے کے ایک جدید طریقہ اختیار کیا جس کے تحت ایک طرف تو سالانہ گنجائش فراہم کرنے کا رواج ہو گیا تو دوسری طرف محکمہ واری سبیل بندی مالیہ کی نمایاں ترین خصوصیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی یعنی تعمیری اور بعض صورتوں میں تجارتی محکموں کے لئے اس کی گنجائش رکھی گئی کہ وہ اپنے مسلک کو طویل مدتی نقطہ نظر سے تشکیل دے سکیں۔ نئے طریقے کے تحت بعض محکموں کو معین مدت کے لئے ناقابل سوخت گنجائش دی جاتی ہے اس طرح نہ صرف محکمہ واری سبیل بندی مالیہ کی حقیقی خوبی برقرار رہی بلکہ محکموں کے لئے اس کا بھی موقع ہو گیا کہ وہ تین سال سے بھی زیادہ کی گنجائش سے استفادہ کر سکتے ہیں اگر فی الحقیقت اس کی ضرورت ہے۔ اس اسکیم کے نفاذ کے ساتھ ساتھ ایک فہرست بھی ترتیب دی گئی جس میں مختلف محکموں کو قابل سوخت اور ناقابل سوخت حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

محکمہ واری سبیل بندی مالیہ کے تحت جدید اسکیموں کے اخراجات خود ان متعلقہ محکموں کو برداشت کرنے پڑتے تھے لیکن موجودہ طریقے کے تحت ان کی تکمیل محکمہ فینانس کرتا ہے۔ محکمہ فینانس اس کا مجاز ہے کہ اگر وہ یہ محسوس کرے کہ کسی محکمے کی گنجائش زائد از ضرورت ہے اور کسی کی بہت کم تو وہ اسی سال کے دوران میں ایک محکمے کو رقم سے محروم کر کے دوسرے کے لئے گنجائش فراہم کر سکتا ہے۔

غرض اس جدید طریق مالیہ کی حقیقی غایت یہ ہے کہ بجائے مختلف محکموں کو جدا جدا طرز پر پیش نظر رکھنے کے تمام محکموں کو یکساں طور پر مالی اغراض کے لئے مجتمع کرنے کی کوشش کی جائے۔

[illegible] طریقے کی رو سے ایک اہم تبدیلی یہ بھی کی گئی کہ مختلف انتظامی محکموں کو ان کی آمدنی سے

استفادہ کا جو موقع دیا جاتا تھا اس سے انہیں محروم کر دیا گیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ محکمے حکومت کی مختلف شاخیں ہیں اور ان محکموں کی آمدنی حکومت کی آمدنی ہے۔ افسروں کو اس بات سے باز رکھنے کے لئے کہ وہ ساری رقم کو اپنے مصارف پر صرف کر لیں۔ سفر خرچ کی گنجائش کو تمام محکموں کے لئے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ایک عملہ کے لئے دوسرے عہدہ داروں کے لئے۔ مختلف محکموں کے تحت مدات اور محفوظ کا طریقہ جس کے باعث ذاتی مراعات ہوتی تھیں ترک کر دیا گیا اس کے بجائے محکمہ فینانس کے تحت تمام محکموں کے لئے ایک عام ذخیرہ قائم کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ مختلف محکمہ واری مدات محفوظ کا خاتمہ کر دیا گیا۔ لیکن اس کی بجائے محفوظ استقامت موازنے کے قیام نے اس کی تلافی کر دی۔

چونکہ مختلف محکموں کی بچتوں کو حکومت نے مالی سال کے اختتام پر نئے طریقے کے تحت اپنے پاس منتقل کر لیا اس لئے ان سے خواہش کی گئی کہ وہ اپنے جملہ بقایا جات کے بل محکمہ فینانس کے پاس روانہ کر دیں تاکہ ان پر کسی قسم کی رقمی ذمہ داری باقی نہ رہے۔

محکمہ واری بچتوں کے حسابات رکھنے کا طریقہ ترک کر دیا گیا اور اس کے بجائے ان محکموں کی حد تک جنہیں ناقابل سوخت گنجائش فراہم کی جاتی ہے جو رقم صرف نہیں ہوتی ایسے ابواب غیر سرکاری کے تحت جمع کر لیا جاتا ہے اور آئندہ سال اسے اخراجات میں شمار کر لیا جاتا ہے۔

اس طریقے کو اختیار کئے سال بھر ہو چکا ہے اور اس عرصہ میں جو تجربہ ہوا ہے اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ سابقہ طریقے کے تمام روشن پہلوؤں کو برقرار رکھتے ہوئے اس جدید طریقے کے نفاذ کے ذریعہ مالیات حیدرآباد کو جدید ترین بنیادوں پہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مختصر یہ کہ مسٹر غلام محمد نے سالانہ طریق موازنہ کے طریقہ کو اختیار کر کے سابقہ اسکیم کی منفعت بخش اور امتیازی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے مالیات حیدرآباد میں ایک درخشاں باب کا اضافہ کیا۔

ضمیمہ (الف)

فہرست غیر سوختہ شدنی رقوم

شمار سلسلہ	صدر مد	ابواب	مدت	رقم
۱	۲۔ جنگلات	کنسرونسی و کارڈ	۳ سال	۵ر
۲	۹۔ معدنیات	اخراجات پیمائش	۱۱ "	۰۲ر
۳	۱۴۔ انتظام مملکت	دیہات سدھار ٹرسٹ فنڈ	۵ "	۵۰ر
۴	۱۵۔ اخراجات سیاسی	تجدید موٹر کار، خیام فرنیچر اور سامان بجنٹ و غیرہ	۵ "	۰۸ر
۵	۲۳۔ تعلیمات	بلاک گرانٹ جامعہ عثمانیہ	کسی معینہ مدت سے تابع نہیں ہے۔	۱۰ر۰۰
۶	"	وظائف تعلیمی	۳ سال	۰۶ر
۷	"	امداد	۵ "	۰۳ر
۸	"	محفوظ برائے عام توسیع تعلیم	۳ "	۳ر۰۰
۹	"	محفوظ برائے پست اقوام	۵ "	۵۰ر
۱۰	"	محفوظ برائے توسیع تعلیم ابتدائی	۷ "	۱ر۰۰
۱۱	۲۴۔ طبابت و صحت عامہ	ابواب مختصہ شفاخانہ جات و دواخانہ جات	۳ "	۱۷۵
۱۲	"	امداد	۵ "	۲۵ر
۱۳	۲۶۔ زراعت	نظام ساگر اسکیم	۵ "	

ل خانہ (۵) میں جو رقوم درج ہیں وہ غیر سوختہ شدنی گنجائشوں کی وہ سکت ہیں جو ۱۳۵۴ ف کے ختم پر متعلق سررشتہ جات جمع ہونگی۔

۱۴	زراعت	اسکیم ترقی کپاس ورنگل	۵ سال	
۱۵	"	توسیع تحقیقات کپاس	۵ "	۱۵۵
۱۶	"	امداد خانگی مزرعہ جات	۳ "	
۱۷	"	متوالی گنجایش برائے تحقیقات زرعی تحت تنگبھدرا پراجکٹ	۵ "	
۱۸	۲۷۔ علاج حیوانات	امداد	۵ "	۱۲۵
۱۹	"	وظائف تعلیمی	۳ "	۱۰ر
۲۰	"	یکمشت رقم برائے اسکیم تحقیقات علاج حیوانات	۵ "	۰۶ر
۲۱	"	انعام برائے افزایش نسل	۳ "	۰۳ر
۲۲	۲۸۔ امداد باہمی	گنجایش برائے توسیع میلہ اتحادی	۳ "	۰۲ر
۲۳	۳۰۔ صفائی آرایش عامہ	آلائش بلدہ	۳ "	۱ر۰۰
۲۴	۳۱۔ اکمنہ و شوارع	کارہائے ابتدائی (الف) اکمنہ (ب) شوارع	۳ "	۱۵ر۰۰
۲۵	۳۲۔ آبپاشی	کارہائے ابتدائی (الف) از محاصل (ب) محسوب شدنی در حسابات سرمایہ	۳ " / " "	۲۱۳۰۰ / ۳ر۰۰
۲۶	۳۸۔ صنعت و حرفت	خریدی اشیائے خام و ضروریات بافندگان و مشتری (مرکز تعلیم صنعت دیہی)	۳ "	ر۱۵
۲۷	"	الواب مختصہ (محکمہ فروخت اشیاء)	۳ "	
۲۸	"	تجاریب صنعتی	۳ "	

نوٹ :۔ نمارر ستہ تعمیرات کو کارہائے ابتدائی کے لئے اگر خاص گنجایشیں دیجائیں تو وہ بھی غیر منسوخ شدنی ہونگی

ضمیمہ (ب)

قواعد ترتیب موازنہ و منتقلی گنجایش ۱۳۵۳ف

ذریعہ فرمان واجب الاذعان مورخہ ۲۷ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ از بارگاہ خسروی سے موجودہ قواعد متعلقہ ترتیب تجاویز موازنہ و منتقلی گنجایش میں بعض ترمیمات کی منظوری شرف صدور پاگئی ہے اس لئے حسب ذیل قواعد جملہ سررشتہ جات سرکاری کی ہدایت کے لئے جاری کئے جاتے ہیں۔

ان قواعد کا نفاذ یکم آذر ۱۳۵۳ف (یعنی موجودہ تہدسہ سال کے اختتام کے بعد) سے ہوگا اور یہ قواعد "قواعد ترتیب موازنہ و منتقلی گنجایش ۱۳۵۳ف" کے نام سے موسوم ہونگے۔ موجود الوقت قواعد و ضوابط جو ان قواعد کے مغائر ہوں تاریخ مذکور سے منسوخ متصور ہوں گے۔

ان قواعد کا حصہ اول ترتیب تجاویز موازنہ سے متعلق ہے اور حصہ دوم کا اطلاق منتقلی گنجایش کے اقتدارات پر ہوگا۔

حصہ اول

(۱) باستثنائے مقدمات متذکرہ قاعدہ (۲) مابعد ہر سررشتہ کے لئے جو گنجایشیں رکھی جائینگی وہ ایک سال کے لئے مقرر ہونگی اور ان گنجایشوں کے غیر منصرفہ حصے اگر کوئی ہوں تو ختم سال پر بحق سرکار جمع ہونگے۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ اگر کوئی نامساعد حالات (مثلاً قحط یا شدید گرانی) رونما ہوں تو یہ لائق تخفیف ہونگی۔

(۲) ایسی مدات خرچ سے متعلق جن کے لئے طویل المدت مسالک کے پیش نظر طویل المدت گنجایشوں کی ضرورت ہو نیز ایسی مدات کی صورت میں جو سررشتہ جات تعمیر قومی کے مخصص پروگرام سے تعلق رکھتی ہوں ان مدات کی بابت رقم اور مدت کا تعین قبل از قبل سررشتہ جات متعلقہ کے مشورہ سے کرنے کے بعد زائد از ایک سال کی مدت کے لئے گنجایشیں مقرر کی جائیں گی اور میعاد مقررہ میں جو بچتیں برآمد ہونگی وہ مدات متعلقہ کے حسابات میں ابواب غیر سرکاری کے تحت جمع رہیں گی۔ ان گنجایشوں کو "غیر سوخت شدنی گنجایشوں" کے نام سے موسوم کیا جائے گا اور سررشتہ جات متعلقہ کو اس کا اختیار ہوگا کہ ان کے تحت برآمد شدہ بچتوں سے ان اغراض کے لئے جن کے واسطے یہ گنجایشیں دی جائینگی۔

[redacted]

دوران میعاد مقررہ میں استفادہ کریں۔ میعاد مقررہ کے اختتام پر سررشتہ فینانس ہر ایک مد کی غیر مصرفہ بجٹ اور آئندہ ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے ان گنجائشوں کے متعلق آئندہ طریقہ کار کا تصفیہ کرے گا۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ اگر حالات اس کے متقاضی ہوں کہ میعاد مقررہ کے اندر ہی ایسی ایک یا تمام گنجائشوں پر نظر ثانی کیجائے اور رقوم یا مدتوں میں کسی قسم کا تغیر ضروری معلوم ہو تو صیغۂ فینانس سرکار کو اس کا اختیار حاصل رہیگا۔

نوٹ ۱۔ اس قسم کی چند گنجائشوں کی ایک فہرست بطور ضمیمہ (الف) کیفیت موازنہ کے ساتھ منسلک ہے سررشتہ فینانس اس فہرست میں وقتاً فوقتاً ترمیم کرکے اسے مکمل رکھیگا۔

(۳) باستثنائے سررشتہ جات تجارتی و مثل تجارتی مصرحہ فقرہ (۵) ذیل کسی سررشتہ کو اس کا اختیار نہ ہوگا کہ مصارف کے لئے کسی آمدنی سے خواہ وہ کسی طرح حاصل ہو استفادہ کرے۔ ایسی تمام آمدنی بحق سرکار جمع ہوگی۔

(۴) تجارتی و مثل تجارتی سررشتہ جات مصرحہ فقرہ (۵) ذیل میں سے ہر ایک سررشتہ کے اختیار میں مندرجہ ذیل رقوم رہیں گی۔

(الف) خالص رقم مندرجہ موازنہ بابت سررشتہ متعلقہ اگر کوئی مقرر ہوئی ہو۔

(ب) اور آمدنی محصلہ سررشتہ متعلقہ جس سے اس کو

(۱) کل اخراجات کاروبار کی بابجائی کرنی ہوگی۔

(۲) فرسودگی کی بابت مناسب رقم مہیا کرنی ہوگی۔

(۳) سرکار کو بشرح مقررہ جس کا تعین وقتاً فوقتاً سرکار کی جانب سے ہوگا۔ کل سرمایہ پر سود ادا کرنا ہوگا باقی رقم میں سے سررشتہ اتنا نفع داخل سرکار کرے گا جو حالات سررشتہ کے لحاظ سے سرکار مقرر کرے۔

(۵) سررشتہ جات مندرجہ ذیل تجارتی و مثل تجارتی سررشتہ جات متصور ہوں گے۔

(۱) طباعت (۲) برقی

(۳) ٹیلیفون (۴) صنعتی کاروبار

(۵) صنائع مکابس (۶) اسٹیشنری ڈپو

(۷) ورکشاپ (۸) ٹپہ

(۹) دیگر سررشتہ جات جنہیں تجارتی یا مثل تجارتی قرار دیا جائے۔

(۶) بپابندی مستثنیات مندرجہ ذیل سنہ ۱۳۵۵ف کے ختم پر آمد شدنی تمام سررشتہ واری بچتیں بحق سرکار جمع ہونگی اور سررشتہ واری بچتوں کے آئندہ کوئی حسابات نہ رکھے جائیں گے۔

استثنار۔ خرچ کی ایسی موجود الوقت مدات کی صورت میں جنہیں غیر سوخت شدنی قرار دیا جائے بچتیں ان مدات کے حسابات میں ابواب غیر سرکاری کے تحت جمع ہونگی۔

(۷) جو اخراجات بطور فیصدی ۱۰ اسکیل کی آمدنی محصلہ حسب قواعد ادا کئے جاتے ہیں وہ اور نیز وصولات زائد کی واپسی و وضعات اور معافیات گنجائش موازنہ کے تابع نہ ہوں گے۔

(۸) جو مصارف سرمایہ کسی سررشتہ کے لئے منظور ہو چکے ہیں اس میں زائد مصارف سرمایہ کی درخواست اگر سررشتہ مذکور کرے تو سررشتہ مذکور کو کل مصارف سرمایہ بشمول قدیم وجدید مصارف سرمایہ جس کی درخواست کیگئی ہے شرح سود جس کی سرکار وقتاً فوقتاً تعین کرے ادا کرنے کی گنجائش بھی اپنی رقم معینہ کے اندر یعنی اپنی آمدنی سے مہیا کرنی ہوگی۔ یہ سررشتہ کی خام آمدنی پر پہلا بار ہوگا۔

(۹) اخراجات متعلقہ مشاہرہ و الونس صادر اور ابواب مختصہ نافذ الوقت قانون و قواعد اور اسکیلوں کے تابع رہیں گے۔

(۱۰) کسی سررشتہ کو کوئی رقم بطور محفوظہ نہ دیجائے گی البتہ تمام سررشتوں کی غیر متوقعہ اور موقتی ضروریات کے لئے ایک "عام محفوظہ" رہے گا۔ جس میں سے سررشتہ فینانس کی منظوری سے رقم صرف کیجا سکے گی موجود الوقت محفوظات کی بچتیں بحق سرکار جمع ہو جائیں گی۔

(۱۱) بپابندی مستثنیات مندرجہ ذیل سررشتہ واری عمارات کی تعمیر مرمت اور نگہداشت کی گنجائشیں سررشتہ تعمیرات کے تحت دکھائی جائیں گی اور ان گنجائشوں سے جو صرفہ عاید ہوگا وہ بھی اسی سررشتہ کے

تحت محسوب کیا جائے گا۔

مستثنیات (۱) تجارتی سررشتہ جات کی صورت میں خود سررشتہ متعلقہ کے تحت عمارات کی گنجائش مہیا کرنے کا طریقہ برقرار رہیگا۔

(۲) سررشتہ جنگلات کی عمارت کی گنجائشیں سررشتہ مال کے زیر اقتدار رہیں گی۔

(۱۲) مصارف وظیفہ جواب مختلف مدات کے تحت مہیا اور محسوب کئے جاتے ہیں بپابندی مستثنیات ذیل صرف صدر مد (۱۶) کے تحت دکھلائے جائیں گے۔ یہ مد سررشتہ فینانس کے زیر اقتدار رہے گی اور ان مصارف کے لئے سررشتہ جات کو اپنے موازنہ سے فرعی گنجائش کی ضرورت نہ ہوگی۔

استثناء۔ تجارتی و مثل تجارتی سررشتہ جات کی صورت میں موجودہ عملدرآمد برقرار رہے گا۔

(۱۳) وسائل کا موازنہ جس میں قرضہ۔ امانت۔ مبادلہ۔ مصارف سرمایہ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ عام سالانہ موازنہ سے علحدہ تیار اور شائع کیا جائیگا۔ عام سالانہ موازنہ میں ریلوے کی آمدنی خرچ۔ مصارف۔ سرمایہ و نیز حکومت کو ادا شدنی سود سرمایہ اور زائد منافع کے حصہ کا گوشوارہ بھی شامل رہیگا۔

توضیح:۔ ریلوے کا مالیاتی سال اپریل سے شروع ہو کر مارچ میں ختم ہوتا ہے اور حکومت سرکار عالی کا مالیاتی سال آذر تا آبان ہوتا ہے۔ اعداد میں کسی قسم کے التباس سے بچنے کے لئے سنہ ۵۳ف کے موازنہ میں ریلوے کے سنہ ۴۳-۱۹۴۲ء سنہ ۱۹۴۲ء مالیاتی تختے شریک کئے جائیں گے اور یہی عمل آئندہ جاری رہے گا۔

(۱۴) سررشتہ جات اپنی تجاویز موازنہ دو حصوں میں تیار کریں گے۔

(الف) موازنہ قائمہ جو آمدنی و خرچ کے تمام منظورہ و مسلمہ ابواب پر مشتمل ہوگا۔

(ب) جدید ابواب یعنی ایسے ابواب، جو موازنۂ قائمہ میں شامل نہ ہوں۔

نوٹ:۔ جدید ابواب سے حسب ذیل مراد ہوں گے۔

(۱) ایسے ابواب جو پہلے سے منظورہ اور اس لئے (الف) بالا میں شامل نہیں ہیں

(۲) موجود الوقت گنجائشوں میں مجوزہ تغیرات مگر شرط یہ ہوگی کہ مشاہرہ وغیرہ کے سالانہ اضافے یعنی ایسے اضافے جو تحت قواعد و ضوابط لازمی ہوں "تغیرات" میں شمار نہ ہوں گے۔

(۳) آمدنی کے کسی موجود الوقت ذریعہ سے دستبرداری۔

حصہ دوم

(۱) کسی ملازم سرکار کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنے شخصی سرکاری اغراض کے لئے یا اپنے شخصی دفتر کے اغراض کے لئے ایسی گنجائشوں کو بعمل منتقلی استعمال کرسکے جو اس کے ماتحت دفاتر کے لئے منظور کی گئی ہوں۔ اس کے لئے صدر المہام متعلقہ کی منظوری درکار ہوگی۔ خود صدر المہام اگر ایسا کرنا چاہیں تو سررشتہ فینانس کا اتفاق رائے لازم ہوگا۔ صدر المہام فینانس اپنے یا اپنے دفتر پیشی کے لئے اس طرح سے رقم منتقل کرنا چاہیں تو سرکار کی منظوری درکار ہوگی۔

(۲) کسی سوخت شدنی گنجائش سے کسی غیر سوخت شدنی گنجائش میں یا اس کے بالعکس اور دو غیر سوخت شدنی گنجائشوں میں باہمدگر منتقلی رقوم کی اجازت نہ ہوگی۔

(۳) حسب ذیل گنجائشیں کسی دوسرے اغراض کے لئے منتقل نہ کیجاسکیں گی۔

(الف) جو اخراجات بطور فیصدی اور اسکیل کے آمدنی محصلہ پر ادا کئے جاتے ہیں۔

(ب) مشاہرہ و الونس۔

(ج) رسوم یومیہ جات سالیانہ۔ معاوضہ جات و دیگر مقررہ ادائیاں

(۴) بپابندی قاعدہ (۳) و (۶) کسی ایک صدر مد کے تحت ایک تفصیلی حساب سے دوسرے تفصیلی حساب میں سوخت شدنی گنجائشوں کی باہمدگر منتقلی باجازت صدر المہام علاقہ ہوسکیگی۔

(۵) کسی ایک ہی تفصیلی حساب کے تحت ایک سوخت شدنی گنجائش میں سے دوسری میں رقم کی منتقلی کے لئے صدر المہام علاقہ کی منظوری درکار ہوگی۔ بجز اس صورت کے کہ صدر المہام علاقہ نے اقتدار باطلاع سررشتہ فینانس معتمد متعلقہ یا اعلیٰ افسر سررشتہ کو تفویض کردیا ہو۔ یہ اقتدار قواعد (۳) و (۶) کے قیود کا پابند ہوگا۔

(۶) ابواب صادر کی ایک نوع سے دوسری نوع میں (جن کی تعریف فٹ نوٹ میں دی گئی ہے) منتقلی رقوم کا اختیار صدر المہام علاقہ کو ہوگا۔ لیکن حسب ذیل گنجائشوں کے لئے سررشتہ فینانس کی منظوری لازم ہوگی۔

(۱) سروس ٹکٹ
(۲) روشنی و برقی
} شریک تحت صادر پابند معاہدہ

(۳) فیس ٹیلیفون (شریک تحت صادر پابند اکیل)

(۴) طبع و جلد بندی (شریک تحت صادر پابند توثیق)

(۵) گنجائش برائے ادائی بہ محکمۂ صادر

(۶) سپلائیز و سرو سز (برائے یکساں۔ تجربہ کی روشنی میں آئندہ نظر ثانی کیجائے گی)

(۷) کرایہ مکان و محصول نل و ٹیکس (شریک تحت صادر غیر معمولی)

(۷) گنجائش سفر خرچ برائے (۱) عہدہ داران (۲) عملہ میں باہمدگر منتقلی رقم صدر المہام علاقہ کی منظوری سے ہو سکیگی۔

(۸) جنگلات۔ عمارات و شوارع اور ترقی عامہ کے تحت تعمیرات کی گنجائش بغیر قبل از قبل منظوری سررشتہ فینانس کے کسی اور غرض کے لئے منتقل نہ کیجا سکے گی۔

(۹) گنجائش ہائے سفر خرچ و صادر میں باہمدگر اور ان گنجائشوں میں سے کسی اور نوعیت کے خرچ کے لئے رقم کی منتقلی کے لئے سررشتہ فینانس کی قبل از قبل منظوری درکار ہوگی۔

فٹ نوٹ :۔ ابواب صادر (بشمول ابواب مختصہ) کی تقسیم آئندہ سے حسب ذیل اقسام میں ہوگی

(۱) ابواب صادر پابند معاہدہ

یعنی ایسا خرچ جس کی پابجائی ایسی یکمشت گنجائش سے کی جائے جو کسی عہدہ دار صرف کنندہ کے زیر اقتدار رکھی جائے اور اسے اپنی صوابدید سے خاص معینہ اغراض کے لئے خرچ کرنے کا اختیا

ہو مثلاً۔

(۱) سامان نوشت وخواند و دیگر اشیائے صادر۔

(۲) روشنی بہتی وغیرہ

(۳) مرمت فرنیچر و خیام وغیرہ

(۴) سروس ٹکٹ۔

(۵) متفرق مثلاً مصارف گرما وغیرہ

(۲) ابواب صادر پابند اسکیل۔

یعنی ایسے ابواب صادر جو بالاتر عہدہ دار کے مقرر کردہ اسکیل کے پابند ہوں مثلاً

(۱) خریدی فرنیچر سائیکل ٹائپ رائٹر

(۲) ڈریس چپراسیاں

(۳) فیس ٹیلیفون

(۳) ابواب صادر پابند توثیق

یعنی ایسے ابواب صادر جن پر گو کہ بغیر خاص منظوری کے صرفہ عاید کیا جا سکے مگر قبل اس کے کہ محاصل آ پر انہیں جائز بار تسلیم کر لیا جائے اعلیٰ عہدہ دار کی توثیقی دستخط اور منظوری لازمی ہو مطالبہ صیغۂ تنقیح پر پیش ہونے سے پہلے ہی افسر مقتدر نگرانی کی توثیقی دستخط ثبت ہونا لازم ہوگا اور افسر مقتدر روہی ہوگا جو بر آورد آمد سفر خرچ کے لئے اس کا مجاز ہے حسب ذیل ابواب اس کے تحت شامل ہوں گے۔

(۱) طباعت و جلد بندی۔

(۲) ابواب مختصہ متعلقہ مختلف سررشتہ جات جس طرح اب شریک موازنہ ہوتے ہیں۔

(۴) ابواب صادر غیر معمولی

یعنی ایسے ابواب صادر جن کا ذکر ضمیمہ (۷) ضابطۂ فینانس و حسابات میں کیا گیا ہے نیز کرایہ مکانات و محصول نل و ٹیکس۔

محصول زائد منافع حیدرآباد کی حکومت نے قیمتوں کی تیز رفتار منافع کی بڑھتی ہوئی مقدار سے متعلق طبقے کے شدید مصائب کے پیش نظر قانون منافع زائد کے نفاذ کو ضروری سمجھا۔ چنانچہ ۱۶ر جون ۱۹۴۳ء کے جریدۂ غیر معمولی میں قانون زائد نفع اندوزی کا اعلان کر دیا گیا جس کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) یہ محصول ایسے منافع پر جو محض جنگ کے پیدا کردہ حالات کے باعث حاصل ہو رہا ہے عاید کیا گیا یعنی اس کی صراحت کر دی گئی کہ اس محصول کا مقصد تجارت اور صنعت و حرفت کو اس کے جائز اور معمولی منافع سے محروم کرنا ہرگز نہیں۔

(۲) جاگیردار، زمیندار، وکیل، ڈاکٹر اور سرکاری ملازمین وغیرہ کی آمدنی اس محصول سے مستثنیٰ قرار دی گئی۔

(۳) یہ محصول اس منافع پر عاید کیا گیا جس کی مجموعی مقدار چوبیس ہزار سے زاید ہے۔

(۴) اگر کسی کاروبار کا منافع زمانۂ ماقبل جنگ میں چوبیس ہزار سے زائد ہوتا تھا تو اس کے لئے استثنائی حد میں توسیع کر دی جاتی ہے۔

(۵) محصول ادا کرنے والے کو اختیار ہے کہ سنہ ۱۳۴۶ف - ۱۳۴۷ف یا ۱۳۴۸ف میں کوئی ایک سال جس میں اسے بیشترین منافع حاصل ہو معیاری منافع کے تعین کے لئے منتخب کر لے۔

(۶) جدید کاروباروں کے معیاری منافع کے تعین کی متبادل صورت پیش کی گئی کہ ان کے مجموعی سرمایہ کے تناسب سے ایک خاص شرح مقرر کر دی جائے۔ یہ شرح

(۱) کمپنیوں کے لئے ۱۰ فیصدی

(۲) دوسرے کاروباروں کے لئے ۲ فیصدی قرار پائی۔

(۸) زائد منافع کا

(۱) ۴۰ فیصدی محصول کے طور سے وصول ہوتا ہے اور

(۲) ۲۰ فیصدی بطور لازمی امانت کے۔

(۹) لازمی امانت موجودہ جنگ کے خاتمے کے تین برس کے اندر کسی وقت بھی ۲۰ فیصدی

سود کے ساتھ واپس کی جا سکیگی۔

(۱۰) محصول زائد نفع اندوزی کے ضوابط اس طرح ترتیب دئے گئے ہیں کہ اس کا نفاذ محصول آمدنی کی عدم موجودگی میں بھی ہو سکے۔

(۱۱) یہ محصول اس منافع پر عاید کیا جاتا ہے جو یکم خورداد سنہ ۱۳۵۰ ف کے بعد حاصل ہوا ہو۔

(۱۲) اس محصول سے تقریباً پچاس لاکھ سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔

(۱۳) اس آمدنی سے غریب اور مفلوک الحال طبقہ کی امداد کی جاتی ہے جس پر جنگ کے شدائد سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

(۱۴) اس محصول کے سلسلے میں ایک علیحدہ محکمہ قائم کیا گیا ہے۔

(۱۵) اگر محصول کی رقم کے سلسلے میں اداکنندے کو اعتراض ہو تو وہ نائب ناظم کے پاس مرافعہ کر سکتا ہے۔

(۱۶) اگر اس سے بھی وہ مطمئن نہ ہو سکے تو ناظم کے روبرو اپیل کرے۔

(۱۷) اگر اس کے باوجود بھی اس کی تشفی نہ ہو سکے تو چاہیئے کہ ناظم سے درخواست کرے کہ اس کے معاملہ کو عدالت العالیہ میں پیش کرے اور اگر وہ انکار کرے تو راست عدالت العالیہ میں درخواست کرنے کی اجازت ہے۔ اس کا مرافعہ جوڈیشل کمیٹی میں بھی پیش ہو سکتا ہے۔

اگر برطانوی ہند کے قانون محصول زائد نفع اندوزی کی روشنی میں حیدرآباد کے اس قانون پر نظر ڈالی جائے تو اس کے بعض پہلو بطور خاص نمایاں معلوم ہونگے۔ اول تو یہ کہ حیدرآباد میں شرح محصول نسبتاً کم ہے۔ دوسرے لازمی امانت کے سلسلے میں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اختتام جنگ کے بعد تین برس کے عرصہ میں حسب خواہش امانت واپس لیجا سکتی ہے۔ برخلاف اس کے برطانوی ہند کے قانون کی رو سے یہ رقم جنگ کے خاتمے کے بارہ ماہ کے اندر واپس لے لی جانا چاہیئے۔ حیدرآباد میں معیاری منافع کی شرح ۱۰ فیصدی اور ۱۲ فیصدی مقرر کی گئی اس کے مقابلہ میں یہ شرح برطانوی ہند میں علی الترتیب ۸ فیصد اور ۱۰ فیصد ہے۔

محصول زاید نفع اندوزی کے سلسلہ میں ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہماری صنعتوں کو اس کا موقع ملنا چاہیئے کہ ماضی میں انہیں جو نقصانات برداشت کرنے پڑے تھے وہ ان کی تلافی جنگ کے دوران میں زیادہ منافع حاصل کر کے کر لیں لیکن یہ دلیل اس لئے صحیح نہیں کہ حیدرآباد کی صنعتی ترقی جدید حیثیت رکھتی ہے اور یہاں کے بیشتر کارخانوں نے کساد بازاری کا دور دیکھا ہی نہیں۔ غرض بادی النظر میں کوئی وجہ نہیں کہ حیدرآباد میں محصول منافع زاید عاید کر کے ایک ایسے ذریعہ سے استفادہ نہ کیا جاتا جو جنگ کے باعث ظہور میں آیا ہے اور جس کی بدولت اعلیٰ منافعوں کو ضائع کرنے سے روکا جا سکتا۔

برطانوی ہند میں اس محصول سے جو آمدنی ہوگی اس کا ایک حصہ صنعتوں کی مابعد جنگ تنظیم پر صرف ہوگا۔ اس کے برعکس حیدرآباد میں محصول زائد نفع اندوزی کا مقصد ہی یہ ظاہر کیا گیا کہ ملک کے مصیبت زدہ طبقات کی دستگیری کی جائے بطور خاص ضروریات زندگی کے سلسلہ میں۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کی افادیت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا لیکن اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس محصول کے ذریعہ ایک طبقہ کو اس منافع سے محروم کر کے جسے وہ صنعتی استحکام کے لئے استعمال کرتا ایک دوسرے طبقے کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

حیدرآباد میں اس محصول کے اخلاقی پہلو کو غیر معمولی اہمیت دیگئی ہے اور اس کا بار بار اعادہ ہوا ہے کہ صنعت گروں کا اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ عوام کے مفاد کی خاطر ایثار سے دریغ نہ کریں۔ اس محصول پر اعتراض یہ ہوا ہے کہ اس کے نفاذ کے وقت مقامی حالات کو قطعاً نظرانداز کر دیا گیا چنانچہ مسٹر لائق علی نے اپنے پمفلٹ میں طویل بحث کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ چند سال قبل صنعتی میدان میں حیدرآباد کی حیثیت نہایت کمتر تھی اور ہر صنعتی جدوجہد بیرونی سرمایہ اور تنظیم کی محتاج تھی مختصر یہ کہ حیدرآباد کی صنعتی و کاروباری ترقی جدید حیثیت رکھتی ہے۔ مسٹر لائق علی نے برطانوی ہند اور حیدرآباد کی بعض کمپنیوں کے سرمایہ اور مد محفوظ کے متعلق اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حیدرآباد کی صنعتوں کی حالت غیر اطمینان بخش اور غیر مستحکم ہے اس لئے یہ مفروضہ کہ ہمارے کاروباری اور صنعتی طبقے نے گذشتہ تین برس میں حیرت انگیز منافع کمایا ہے

سراسر غلط ہے۔ غرض حیدرآباد کے صنعتی اور تجارتی اداروں کی حقیقی حالت ایسی نہیں جیسی کہ تصور کی جاتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ کس قسم کے محصول زائد نفع اندوزی کی غیر موجودگی میں بھی ان اداروں میں بیرونی حریفوں سے مسابقت کی سکت نہیں۔ اس لئے اگر ان کی آمدنی کا بڑا حصہ محصول کی شکل میں حاصل کر لیا گیا تو انہیں مجبوراً مختصر سی مدمحفوظ پر اکتفا کرنا پڑے گی اور ظاہر ہے کہ نتیجتاً یہ کاروبار کسی شمار میں نہ ہونگے۔ ان کاروباروں اور صنعتوں کی بقا کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ ہے کہ دوران جنگ میں ان میں جو زائد منافع حاصل ہو اس سے انھیں مستحکم بننے کا موقع دیا جائے مسٹر لائق علی کے ان دلائل کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ اول تو انھوں نے جن صنعتوں اور کاروبار کا تذکرہ کیا ہے ان میں مصلحتاً ایسے کارخانے منتخب کئے ہیں جن کی حالت زیادہ تشفی بخش نہ ہو دوسرے یہ کہ اعداد و شمار ۱۹۴۲ء سے متعلق ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد ان کمپنیوں کی حالت بہت کچھ سنبھل گئی ہے۔ اس کے علاوہ مسٹر لائق علی نے اسے پیش نظر نہیں رکھا کہ طازوی کمپنیاں دراصل کتنے عرصے سے قائم ہیں حالانکہ مدمحفوظ کا انحصار کاروبار یا کمپنی کی عمر پر ہوتا ہے اس طرح اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مصلحتاً برطانوی ہند کے چند مستحکم اور خوشحال کارخانوں کا مقابلہ حیدرآباد کی چند ناقص اور کمزور کمپنیوں سے کیا گیا ہے علاوہ ازیں خود یہ حقیقت کہ باوجود اس قدر زائد نفع اندوزی کے برطانوی ہند کی صنعتیں تیزی سے ترقی کر رہی ہیں اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ یہ محصول صنعتوں کو زیادہ متاثر نہیں کرتا۔

دوسرا اعتراض صنعتوں پر محصول زائد نفع اندوزی کے سلسلے میں یہ ہوتا ہے کہ جس بنیادی مقصد کے پیش نظر اس محصول کا نفاذ عمل میں آیا ہے اس کی تشفی بخش تکمیل اس کے ذریعہ نہیں ہو سکتی۔ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ اس کے توسط سے قیمتوں میں تخفیف کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اس محصول کے مخالفین اس کے مقابلہ میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قیمتوں میں حیرت انگیز اضافے کا سبب زائد منافع سے کہیں زیادہ ایسے دوسرے اسباب ہیں جن پر اس قانون کے ذریعہ دسترس نہیں حاصل کی جا سکتی۔ پھر بھلا قیمتوں میں کیونکر اس کے ذریعہ تخفیف ممکن ہے اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

برطانوی ہند میں تو یہ قانون جنگ کے آغاز کے فوراً بعد سے نافذ کیا گیا ہے۔ لیکن کیا اس کے ذریعے قیمتوں میں تخفیف ہوسکتی ہے؟ مسٹر لائق علی نے اپنے پمفلٹ میں مفصل بحث کے بعد بتایا کہ حیدرآباد میں افراط زر کے جو اسباب کار فرما ہیں ان کی نوعیت برطانوی ہند سے ایک حد تک مختلف ہے اول تو برطانوی ہند میں انتشار کے باعث حیدرآبادیوں نے اپنے سرمائے کو حیدرآباد میں منتقل کر لیا ہے۔ دوسرے برما کے بعض متمول تخلیہ کنندوں کے باعث زر کی مجموعی مقدار بڑھ گئی ہے۔ سونے اور اشیاء کی برآمد کے باعث زر کی مقدار میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ فوجوں کے قیام اور ان کے مصارف کے باعث بھی افراط زر کا رجحان پیدا ہوگیا ہے۔ مختصر یہ کہ افراط زر کے حقیقی و بنیادی اسباب کو دور کرنا چاہئیے۔ صرف قانون محصول زائد نفع اندوزی کے ذریعے پچاس لاکھ روپے کی وصولی سے کوئی خاص نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے اس کا اظہار کبھی نہیں ہوا ہے کہ وہ سارے نقائص کے ازالہ کے لئے محصول زائد نفع اندوزی کو کافی تصور کرتی ہے۔ حکومت نے اس کے علاوہ متعدد تدابیر اختیار کی ہیں یا کرنے والی ہے۔

اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حکومت کا اولین فریضہ ہے کہ تجارت اور صنعت و حرفت کے مفاد کو ترجیح دے کیونکہ حیدرآباد کی صنعت و حرفت اپنی پسماندگی کے باعث نیا ضابطہ اماد کی مستحق ہے۔ سرکاری ملازمین سے کہیں زائد افراد صنعتی و تجارتی کاروبار سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ اگر صنعت اور تجارت کی طرف بطور خاص توجہ نہ کی گئی تو ان وسائل کا خاتمہ ہو جائے گا جن پر حیدرآباد کے کثیر طبقے کی روزی کا انحصار ہے سرکاری حلقے اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ملکی صنعتوں میں حکومت کا بہت کافی سرمایہ لگا ہوا ہے۔ یعنی حکومت نے قرض اور کفالتی اعانت کے علاوہ یا کمپنیوں میں ۲،۷۱ لاکھ ۱۵ ہزار کی رقم لگا رکھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی ایسی اہم صنعتی کمپنی موجود نہیں جس میں حکومت کا کچھ نہ کچھ حصہ نہ ہو۔ ان حالات میں حکومت اپنے مسلک میں توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتی ہے یعنی ایک طرف وہ صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے مساعی عمل میں لاتی ہے تو دوسری جانب غریب اور مفلوک الحال طبقے کی امداد کے لئے تدابیر اختیار کرتی ہے۔ برطانوی ہند

یہاں محصول آمدنی تقریباً پچاس برس سے اور سپر ٹیکس و کارپوریشن ٹیکس تقریباً پچیس برس سے رائج ہے اس کے علاوہ محصول زائد نفع اندوزی کا بار بھی ہماری ریاست کی نسبت زیادہ ہے ہمارے یہاں اول الذکر دونوں محاصل مفقود اور محصول زائد نفع اندوزی کی شرح نسبتاً کم ہے اگر اس کے باوجود بھی محصول زائد نفع اندوزی سے صنعتوں کی تباہی کا اندیشہ ہے تو یقیناً یہ امر ہماری قابلیت صنعتی کارکردگی اور بلند حوصلگی کے خلاف دلالت کرتا ہے۔

محصول اندازی کا ابتدائی اصول یہ ہے کہ محاصل بتدریج عاید کئے جائیں اس لئے محصول زائد نفع اندوزی سے دوسرے بلاواسطہ محصول کی عدم موجودگی میں عدم توازن پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے علاوہ ازیں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ برطانوی ہند میں تو ابتدائی منافع کی ۳۶۰۰۰ ہزار مقرر ہوئی ہے لیکن ہماری حکومت نے اسے ۲۴ ہزار قرار دیا ہے۔ اس کی توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ اول تو حیدرآباد میں محصول آمدنی موجود نہیں دوسرے برطانوی ہند کی نسبت یہاں کاروبار چھوٹے پیمانے پر ہیں۔

حیدرآباد کے ایوان تجارت نے اس امر پر زور دیا تھا کہ یہ محصول یکم آذر سنہ ۱۳۵۲ ف سے قبل کے منافع پر نہ وصول کیا جائے اس کا سبب یہ بتایا گیا کہ برطانوی ہند میں چونکہ اس محصول کا اعلان جنگ کی ابتدار کے تھوڑے عرصے بعد ہوا اس لئے کاروباری طبقے نے اپنے کاروبار میں اس محصول کے بار کو پیش نظر رکھا بر خلاف اس کے ہمارے یہاں گذشتہ چار برس میں جو کاروبار ہوا ہے اس میں غیر معمولی خطرات برداشت کئے گئے ایسی صورت میں گذشتہ منافع پر یہ محصول وصول کرنا زیادتی ہے اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ محصول اندازی کا ایک عام اصول ہے کہ جب محصول عاید کیا جاتا ہے تو وہ ماسبق کی آمدنی پر مبنی ہوتا ہے ایسی صورت میں جب اس محصول کی ابتدار سنہ ۱۳۵۲ ف سے ہوئی ہے تو لازماً سنہ ۱۳۵۱ ف کے منافع پر یہ وصول کیا جائے گا اس لئے کہ اگر یکم آذر سنہ ۱۳۵۲ ف کے قبل کے منافعوں کو اس محصول سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تو محصول کی رقم قبل از قبل آئندہ سال وصول ہو سکیگی! اور ظاہر ہے کہ اس طرح محصول کا حقیقی مقصد فوت ہو جائے گا

ایک اہم اعتراض قانون زائد نفع اندوزی پر یہ ہوتا ہے کہ یہ ہمارے ترقی پسند رجحانات

کے منافی ہے ۔ اس کا مقصد ہمارے یہاں غریب طبقے کی اعانت قرار دیا گیا ہے چنانچہ کہا یہ جاتا ہے کہ خیرات یا تقسیم کا کوئی نظام خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو یقیناً اخلاق کی پستی کی جانب مائل ہوتا ہے لیکن یہ اعتراض اس لئے زیادہ قابل توجہ نہیں کہ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو حکومت کے سارے افادی اور اصلاحی کام ناجائز اور مضر ثابت ہو سکتے ہیں ۔

یہ دلیل بھی اس قانون کی مخالفت میں پیش کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں شدید قانونی دشواریاں پیش آئیں گی اور بھاری مصارف برداشت کرنے پڑیں گے لیکن یہ اعتراض بھی کچھ اہمیت نہیں رکھتا اگر حکومت کفایت کے اصول کو پیش نظر رکھے ۔

حیدرآباد کی کمیٹی ساہوکاران نے اپنی یادداشت میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ ہر محصول اسی وقت جائز قرار دیا جا سکتا ہے جب کہ وہ ضرورت پر مبنی ہو مثلاً غیر معمولی اخراجات کی تکمیل موازنے میں خسارہ یا افراط زر کا انسداد ۔ حیدرآباد میں ان تینوں اسباب میں سے کوئی بھی زیادہ نمایاں نہیں ۔ معمولی اخراجات کے تحت کافی رقم محفوظ کر دی گئی ہے اس طرح حکومت کی مجموعی آمدنی میں اضافہ ہوا ہے ۔ رہا افراط زر کا مسئلہ اس کے بھی کوئی خاص اثرات حیدرآباد میں نمایاں نہیں جیسا کہ حکومت نے اپنے اعلامیہ میں تسلیم کر لیا ہے مختصر یہ کہ برطانوی ہند میں محصول زائد نفع اندوزی کے مقاصد جداگانہ ہیں ۔ اس کے علاوہ یہ تصور کہ ہماری صنعتیں بے شمار منافع حاصل کر رہی ہیں اس لئے ان سے محصول وصول کیا جائے اس لئے درست نہیں کہ اگر ہماری صنعتوں کی گذشتہ حالت پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوگا کہ جنگ سے قبل منافع کی تقسیم کجا مطالبات فرسودگی کی تکمیل بھی نہیں ہو سکتی تھی موجودہ جنگ کے دوران میں اگر یہ صنعتیں سرمایہ جمع کر لیں تو ممکن ہے کہ بیرونی حریفوں سے مقابلہ کی سکت ان میں پیدا ہو چنانچہ اگر انہیں اس کا موقعہ نہیں دیا گیا تو ان کی تباہی یقینی ہے لیکن اس کے خلاف یہ دلیل پیش کی جا سکتی ہے کہ محصول زائد نفع اندوزی کی موجودگی میں بھی معمولی منافع کے علاوہ زائد منافع کے ۴۰ فیصدی سے کارو بار مستفید ہو سکیں گے کیونکہ محصول زائد نفع اندوزی کی صورت میں ۶۰ فیصد وصول کیا جائے گا ۔ رہیں ۲۰ فیصدی لازمی امانتیں وہ جنگ کے خاتمے کے بعد واپس ہو جائیں گی اس کے علاوہ اگر ہماری صنعتوں

کے لئے اس قدر منافع کافی نہیں تو یقیناً اس سے کچھ زائد بھی کافی نہ ہو سکیگا۔

اس مسئلہ پر بھی کافی اظہار خیال ہو چکا ہے کہ محصول زائد نفع اندوزی کس حد تک اخلاقی بنیاد وں پر مبنی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ محصول ایسے منافع کو جائز قرار دیتا ہے جو بغیر کسی محنت اور قابلیت کے حاصل ہوتا ہے۔ بہرحال ہمیں پروفیسر پگو کے اس خیال کے باوجود کہ "معاشیات اخلاقیات کی خادم ہے" محصول زائد نفع اندوزی کے اخلاقی پہلو سے سروکار نہیں۔ یہ محصول ایسے طبقہ سے وصول کیا جاتا ہے جو اپنی محنت کے ذریعہ نہیں بلکہ محض غیر معمولی حالات کے باعث زیادہ منافع حاصل کرتا ہے اور معاشی نقطۂ نظر سے یہ طریقہ مبنی بر انصاف ہے۔

یہ اعتراض البتہ کافی اہم ہے کہ اس طرح محصول کا بار ایک خاص طبقے پر ڈال دیا گیا ہے۔ نظام محاصل میں توسیع کے وقت سارے طبقات کی استطاعت اور قوت ادائی کو پیش نظر رکھنا چاہیئے اگر اس محصول کی موجودگی میں سپر ٹیکس یا محصول آمدنی جیسا کوئی تدریجی محصول ہوتا تو کسی طبقے کو شکایت کا موقع نہ ملتا۔

بعض اوقات اس اندیشہ کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ صنعت گروں اور کاروباریوں کے لئے اس کا موقع ہے کہ قیمتوں میں اضافے کے ذریعے وہ محصول زائد نفع اندوزی کے بار کو صارفین پر منتقل کر دیں لیکن مسٹر ٹی۔ بیس۔ ایڈمس نے اپنی تصنیف "اصول محصول زائد نفع اندوزی" میں ثابت کیا ہے کہ پیداکنندے اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

یہ امر نہایت ضروری ہے کہ برطانوی ہند کی طرح ممالک محروسہ سرکار عالی کے لئے ایک مصالحتی ادارے کا قیام عمل میں آئے جس میں کاروباری طبقے کو بھی نمایندگی حاصل ہو تاکہ وہ اپنے مفاد کی خاطر خواہ حفاظت کر سکے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ محصول زائد نفع اندوزی سے ہماری صنعتیں کچھ نہ کچھ متاثر ہونگی اور ایک حد تک ان کی ترقی میں رکاوٹ پڑے گی۔ چنانچہ مسٹر ہنیری مارگن جو انگلستان کی مجلس محصول زائد نفع اندوزی کے صدر ہیں برطانوی وزیر مالیہ کے نام ایک خط میں ان مضر اثرات کو تسلیم کرتے ہیں جو

اس محصول کے باعث برطانیہ کی صنعت اور کاروبار پر بحیثیت مجموعی مترتب ہوئے ہیں ۔

غرض ہماری حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ اس کے متعلق اپنے مسلک کو ہمہ گیر بنائے اور اس کے پہلو بہ پہلو ایسی متبادل تدابیر بھی اختیار کرے جن کے باعث ایک طرف اس محصول کے حاصلِ آمد میں سہولت ہو تو دوسری جانب بحیثیت مجموعی ملک کے تمام طبقات کو فائدہ پہنچے ۔

محصول آبکاری اس سال نشیات پر محصول میں ۵۰ فیصد اضافہ کردیا گیا ظاہر ہے کہ معاشی و اخلاقی دونوں نقاط نظر سے یہ امر مستحسن ہے کہ نشیات کے استعمال کو زیادہ سے زیادہ گراں بنایا جائے ۔

تمباکو پر محصول یہ محصول بلحاظ نوعیت مرکزی محاصل آبکاری میں شمار ہوتا ہے ۔ اول تو پیدا کنندے کو اپنے ذاتی استعمال کے لئے تمباکو کی جو مقدار درکار ہوتی ہے اسے اس محصول سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ۔ دوسرے محصول کے بار کی تقسیم میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا یعنی اس محصول کا بار سب سے زیادہ غریب حقہ پینے والوں پر پڑتا ہے اور نسبتاً زیادہ سگریٹ پینے والوں پر ۔

بناسپتی گھی پر محصول گھی ہندوستان کی حد تک زندگی کی ضروریات میں شمار ہوتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں غذا کو متوازن کرنا محال ہے ۔ خالص گھی کی قیمتوں میں شدید اضافے نے بیشتر افراد کو بناسپتی گھی کے استعمال کرنے پر مجبور کردیا ہے ۔ ایسی حالت میں اس محصول کو مستحسن نہیں قرار دیا جاسکتا ہمارے یہاں یہ سوال پوچھا جاسکتا ہے کہ جب حکومت حیدرآباد پر اس قسم کی کوئی آئینی پابندی موجود نہ تھی تو پھر آخر اس مضرت رساں محصول کو عائد کرنے کی کیا وجہ تھی اس کا جواب یہ ہے کہ ہم برطانوی ہند سے بہت سا بناسپتی گھی درآمد کرتے ہیں اور اس گھی پر تیاری کے فوراً بعد محصول عاید کردیا جاتا ہے اس طرح ہمارے صارفین پر اس محصول کا بار پڑتا ہے لیکن ہماری حکومت کو اس سے کچھ نہیں ملتا لیکن اگر ہم اپنے یہاں سے بناسپتی گھی برآمد کرتے ہیں تو برطانوی حکومت اس پر محصول وصول کرلیتی ہے اس لئے ضروری تھا کہ ہماری ریاست میں بھی اس قسم کا محصول عاید کیا جائے تاکہ حکومت کو اس سے استفادہ کا موقع ملے ۔

محفوظ برائے استقامت موازنہ

آنریبل مسٹر غلام محمد نے محفوظ استقامت موازنہ کے قیام کے ذریعہ جو قدم بڑھایا وہ بلاشک نہ صرف ماہرین مالیات بلکہ نظری معاشین کے غور و فکر کا مستحق ہے۔

مالیات کا فرسودہ اور دقیانوسی نظریہ یہ تھا کہ حکومت کی مجموعی آمدنی سے کسی حالت میں مجموعی اخراجات کو تجاوز نہ کرنے دیا جائے اور دوسری جانب مجموعی اخراجات سے مجموعی آمدنی زیادہ نہ بڑھنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اگر سرکاری آمدنی میں اضافے کا رجحان پیدا ہو جاتا تو محاصل کے بار میں تخفیف کر دی جاتی اس قسم کا مالی مسلک خاص طور سے کساد بازاری کے دوران میں حکومتوں کے لئے وبال جان ہو جاتا۔ اور ان کے لئے کوئی دوسری جائے مفرنہ ہوتی بجز اس کے کہ اپنے مجموعی مصارف میں شدید تخفیف کر کے موازنہ کو متوازن کریں۔ انگلستان کے نامور ماہر معاشیات لارڈ کینز نے اس طریقہ کار کے خلاف نعرہ احتجاج بلند کیا اور کساد بازاری کے دوران میں غیر متوازن موازنوں کی اہمیت کو سراہا۔

ظاہر ہے کہ غیر متوازن موازنوں کے اصول پر عمل کساد بازاری کے زمانہ میں محض اس صورت میں ممکن ہے جب کہ خوشحالی کے دور میں حکومت نے اثاثے جمع کر لئے ہوں اور ایسا جب ہی کیا جا سکتا ہے جب کہ خوشحالی کے دور میں محاصل کے بار میں کمی نہ کی جائے۔ انہیں امور کے پیش نظر مسٹر غلام محمد نے محفوظ استقامت موازنہ قائم کیا جس کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

(۱) ان غیر معمولی اور نا گہانی جنگی مصارف کی پا بجائی کے لئے جو کسی سال کی معمولی آمدنی سے پورے پورے نہ کئے جا سکیں۔

(۲) موازنے کے خسارہ کی تلافی کے لئے۔

(۳) اس نازک صورت حال کے مقابلہ کے لئے جو جنگ کے خاتمے کے بعد پیدا ہو جائے گی جب کہ حکومت کی آمدنی میں شدید کمی ہو جائے گی۔ لیکن مجموعی مصارف میں اس رفتار سے تخفیف نہ کی جا سکے گی۔

محفوظ ترقیات مابعد جنگ

آنریبل مسٹر غلام محمد نے محفوظ ترقیات مابعد جنگ کے قیام کے ذریعہ نہایت دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ ظاہر ہے کہ معاشی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بہت زیادہ

مالی وسائل کی ضرورت ہے اور اگر ان کا سامان ابھی سے نہ کر لیا جاتا تو جنگ کے بعد جب یہ امر طلب ہے کہ حکومت کی مجموعی آمدنی میں نمایاں تخفیف ہوگی اس کا تشفی بخش انتظام نہ ہو سکتا تھا۔ محفوظ ترقیات مابعد جنگ کے قیام کی ضرورت اور مقاصد کی وضاحت صدر المہام بہادر مالیات کے مندرجہ ذیل فقروں سے بخوبی ممکن ہے۔

"یہ محفوظ تعلیم صحت عامہ طبی امداد اور صنعتی ترقی جیسی قومی تعمیری سرگرمیوں کے اخراجات پیدا کرنے کے لئے مخصوص کر دیا جائے جب حالات جنگ کی وجہ سے آمدنی میں جو اضافہ ہوا ہے وہ صلح ہو جانے کے بعد قائم نہیں رہے گا اور جنگ کی وجہ سے پیدا شدہ مصنوعی حالات ناپید ہو جائینگے تو قومی تعمیری سرگرمی پر اخراجات کی ضرورت اور سماجی خدمات کی توسیع کے لئے دباؤ بڑھ جانا یقینی ہے آجکل کئی سررشتے ترقیات مابعد جنگ کے لئے اسکیمیں تیار کر رہے ہیں اس معاملہ میں سررشتۂ تعلیمات تو پہلے ہی آگے بڑھ چکا ہے حتیٰ کہ وہ بعض اسکیموں پر دوران جنگ ہی میں عمل شروع کرنے کے لئے تیار ہے۔ حالات جنگ کے اثر سے جو رقوم اس محفوظ میں جمع ہوں ان کا مصرف اس سے بہتر نہیں سمجھا کہ انہیں مستحکم کیا جائے اور جب قومی تعمیری سرگرمیوں کے لئے ضرورت ہو صرف کیا جائے تاکہ زمانۂ مابعد جنگ میں ہمارے موازنے پر جو بار پڑے وہ ہلکا ہو جائے خاصکر ایسے وقت جب کہ آمدنی میں موجودہ لچک باقی نہ رہے گی اور توسیع کا مطالبہ حقیقی اور شدید ہو جائے گا۔"

اس جنگ نے مالیات کے قدیم اور رائج تصورات کو بھی غیر متاثر نہ رہنے دیا۔ چنانچہ سخت گیر فنی مالیات کا قدیم قلعہ اپنی پُر از احتیاط نگرانیوں کے ساتھ تیزی سے منہدم ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے پیدا آور و قوم ساز اسکیموں کی جانچ پڑتال بڑی سختی اور کسی قدر تنگ نقطۂ نظر سے کیجاتی تھی اور توقع کی جاتی تھی کہ یہ اسکیمیں سودا اور غیر سودگی کے مصارف کو فوراً پورا کرنے کے قابل ہو جائیں لیکن اب یہ صورت بدل رہی ہے اور ترقیات کی اسکیموں کو جانچنے کا ایک ترقی یافتہ اور زیادہ معقول معیار اختیار کیا جا رہا ہے جو یہ ہے کہ ان اسکیموں سے باشندگان ملک کو بالواسطہ یا بلا واسطہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض اسکیمیں سود اور غیر سودگی کے مصارف ادا کرنے کے لئے کافی آمدنی پیدا کرنے کے لحاظ سے فوری طور پر نفع بخش نہ

ہوں لیکن ان سے شہریوں کو ایسے فوائد پہنچ سکتے ہوں جن کی معاشی اور معاشرتی اہمیت بمقابل اس نقصان کے کہیں زیادہ ہو جو مالی نقطۂ نظر سے ان اسکیموں کے مصارف پورا کرنے میں لاحق ہو۔ مقصود یہ ہے کہ اس فنڈ کو اس وقت تک ایسے نقصانات کا اولین صدمہ اٹھانے کے قابل ہونا چاہیئے جب تک کہ یہ اسکیمیں مالیات کے رائج نقطۂ خیال سے بھی خود مکتفی نہ ہو جائیں۔ مالیات کے نصب العین میں اس تبدیلی کی وجہ سے ترقیات عامہ کے کاموں اور ایسے مفید اسکیموں کے نفاذ میں مدد ملنی چاہیئے جن کی تشکیل خیال آفرینی دور بینی اور شہریوں کی انتہائی بھلائی پر مبنی ہونے والی دور رس پالیسی سے ہوئی ہو۔ متوازن میزانوں کے ساتھ اب تک جو ایک طرح کا تقدس وابستہ رہتا تھا وہ حالات جنگ کے دباؤ کے تحت غائب ہو گیا ہے۔ جنگ نے یہ اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ تعلیم دیہی و صنعتی ترقی اور صحت عامہ جیسی مفید سرگرمیوں پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کا بالواسطہ طور پر یوں معاوضہ مل جاتا ہے کہ اس کی بدولت افراد کی . . . . . . عام کارکردگی کی سطح بلند ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کی کمانے کی اہلیت بڑھ جاتی ہے اور یہ صورت کسی نہ کسی شکل میں خود مملکت کے لئے اضافہ آمدنی کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی زائد آمدنی مالیات کے قدیم اصول کے مطابق اسکیموں کے نفع اور نوعیت کی علامت نہیں سمجھی جاتی جو اسکیمیں قدیم شرائط کو پورا نہیں کرتیں لیکن ان بالواسطہ فوائد کے مدنظر جو ان کی بدولت شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں پسندیدہ خیال کی جاتی ہیں انہیں اس فنڈ سے مدد ملنی چاہیئے۔

منشا یہ ہے کہ دوران جنگ میں جہاں تک ممکن ہو اس فنڈ کے اخراجات کو صرف اس کے حاصل کردہ سود کی مقدار تک محدود رکھا جائے پھر بھی جہاں ضرورت ہو اختتام جنگ سے پہلے بھی اس فنڈ کی اصل رقم سے امداد عطا کرنے کی سہولت حاصل رہنی چاہیئے۔

طے یہ پایا کہ محفوظ برائے استقامت سکہ کو تین کروڑ سے متجاوز کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس طرح جو فاضل رقم بچے معہ منافع سکہ سازی وغیرہ کے ایک خاص محفوظ میں جمع کر دیا جائے جو محفوظ برائے ترقیات مابعد جنگ کہلائے چنانچہ اسی وقت ۴۶، ۱۱۱ لاکھ کی رقم اس میں محفوظ کر دی گئی سنہ ۱۳۴۲ف تا ۱۳۵۲ف میں اس میں ۵۳، ۴، ۱۱ لاکھ روپے جمع شدنی ہیں اور ۱۳۵۳ف تا ۱۳۵۵ف میں ۳۲، ۱۶۵ لاکھ روپے کی توقع ہے۔ مزید برآں تین کروڑ روپے

محفوظ استحکام موازنہ سے اس میں منتقل کر دینے کی تجویز ہے امید ہے کہ موجودہ سال کے ختم پر اس میں ۱۵۱۰،۱۵،۱۵ لاکھ روپے کی رقم ہوگی۔

محفوظ برائے تحفظ قیمت تمسکات | نوٹوں کے اجرائی کے سلسلہ میں جو تمسکات خریدے جاتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ وہ محفوظ سکہ قرطاس کے مساوی محسوب ہوتے ہیں لیکن ان تمسکات کی بازاری قیمتوں میں کمی بیشی کے باعث نقصان کا اندیشہ رہتا تھا۔ چنانچہ اس اندیشے کو دور کرنے کے لئے ایک علیحدہ محفوظ قائم کیا گیا جو محفوظ برائے تحفظ تمسکات کہلاتا ہے۔

توقع ہے کہ موجودہ سال کے اختتام پر اس میں ۲۴۲،۴۹ لاکھ روپے کی رقم موجود ہوگی۔

موجودہ سال کے لئے جو موازنہ پیش کیا گیا ہے اس میں آمدنی کا اندازہ ۱۶۶۴،۰۰ لاکھ روپے اور مجموعی اخراجات کا اندازہ ۱۴۰۰،۲۵ لاکھ روپے کیا گیا ہے۔ گویا اس طرح تقریباً دو کروڑ ۱۱ لاکھ روپے کی بچت کی توقع ظاہر کیگئی ہے۔

اس موازنے میں جدید محاصل کے عاید کرنے یا موجودہ محاصل میں کمی زیادتی کی کوئی تجاویز نہیں ہیں البتہ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ محصول منافع زائد حسب سابق جاری رہے گا معمولی نظم و نسق سے متعلق جملہ اخراجات کی فراہمی کے علاوہ اس موازنے میں جنگ کے بعد رونما ہونے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔

جنگ نے جو مالی دشواریاں پیدا کر دی ہیں ان کے باوجود حکومت نے قومی و تعمیری امور کی ترقی کی رفتار کو نہ صرف برقرار بلکہ بڑھانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا ہے تعلیمات اور صحت عامہ پر معمولی اخراجات کے علاوہ اس موازنے میں ایسے امور کے لئے بھی رقوم فراہم کیگئی ہیں جو ملک کی معاشی و صنعتی ترقی میں مدد و معاون ثابت ہوں گے۔ ایک مرکزی تحقیقاتی تجربہ خانے کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے جس کے مصارف غیر متوالی پندرہ لاکھ اور مصارف متوالی دو لاکھ سالانہ ہوں گے۔ علاوہ ازیں جامعہ عثمانیہ میں علم طبقات الارض اور معدنیات انجنیئرنگ کے لئے رقوم فراہم کیگئی ہیں۔

زراعت کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے ایک عرصے سے زرعی کالج کی ضرورت کو محسوس کیا جا رہا تھا

چنانچہ اس سال اس کے قیام کے لئے پندرہ لاکھ کی رقم مہیا کی گئی ہے

سنگارینی کے کوئلہ کی معدنوں کی خریداری حکومت سرکار عالی نے سنگارینی کے کوئلے کی معدنوں کے سارے مقبوضہ حصص و ڈبنچرس کو جو ایک بیرونی کمپنی کے ہاتھ میں ایک مدت سے تھے خود خرید لیا اس میں شک نہیں کہ یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جسے حیدرآباد کی معاشی ترقی میں زرین حروف سے لکھا جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ حیدرآباد کی معاشی وصنعتی ترقی کا انحصار بڑی حد تک کوئلہ کی رسد پر منحصر ہے۔

ایک اور کارنامہ جو بلاشبہ دوررس اہمیت کا حامل ہے یہ ہے کہ حکومت سرکار عالی نے حکومت مدراس کے ساتھ دریائے تنگبھدرا کے پانی کی حصہ داری تقسیم کا معاہدہ کرلیا ہے۔ لازمی طور پر اس کے باعث آبپاشی اور برقابی کے نمایاں مواقع پیدا ہوگئے ہیں۔

اس موازنے میں یہ تحریک بھی پیش کیگئی ہے کہ دس لاکھ روپے کی رقم ان افراد کی امداد کے لئے مختص کردی جائے جو جنگ سے واپس ہوں تاکہ یہ معمولی پیشوں کو اختیار کرسکیں۔

علاوہ ازیں اس سال کے موازنے میں کلیہ اناث کی موزوں عمارت کے لئے بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔

اسکیم لازمی پس اندازی افراط زر کی مصیبت کو دور کرنے کے لئے منجملہ دوسری تدابیر کے اس سال ایک دستور العمل نافذ کردیا گیا جس کی رو سے ایسے اشخاص کو جن کی آمدنی چھ ہزار روپے سالانہ سے زائد ہے پابند کیا گیا کہ وہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ لازمی طور پر پس انداز کریں۔ اس پس اندازی کی شرح چار فیصد سے ساڑھے بارہ فیصد ہے۔ ان لازمی بچتوں پر دو فی صد سود ادا کیا جائیگا اور انہیں اختتام جنگ کے دو برس بعد یا تاریخ نفاذ دستورالعمل سے پانچ سال بعد ان دونوں مدتوں میں سے جو پہلے واقع ہو اس کے اختتام پر واپس کردیا جائیگا۔

لازمی بچتوں کے سلسلے میں ہر قسم کے جنگی قرضوں مثلاً حکومت ہند کے دفاعی قرضوں سیونگ سرٹیفکٹ وغیرہ کو مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ اس اسکیم کی حقیقی غایت یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں جبکہ قیمتیں بہت زائد اور جنگی ضروریات کے لئے ذرائع کی شدید ضرورت ہے لوگوں کو اپنی طلب پر

تحدید مایہ کرنی چاہیے۔ جنگ کے بعد ظاہر ہے کہ قیمتوں میں تخفیف ہوگی اور ملک کی معیشت پر تفریطی اثرات نمودار ہوں گے۔ اگر اس زمانہ میں لوگ اپنی بچتوں سے استفادہ کریں گے تو انھیں خود بھی فائدہ ہوگا اور معاشی اعتبار سے بھی خوشحالی پیدا ہوسکیگی۔

مجموعی آمدنی | اب ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ موجودہ جنگ کے دوران میں ہماری مجموعی آمدنی پر کیا اثر پڑا ہے۔

سال	آمدنی
۱۹۳۸ تا ۱۹۳۹ء	۹۱۴٫۶۲
۱۹۳۹ تا ۱۹۴۰ء	۹۳۶٫۲۶
۱۹۴۰ تا ۱۹۴۱ء	۹۸۵٫۰۳
۱۹۴۱ تا ۱۹۴۲ء	۹۵۳٫۸۶
۱۹۴۲ تا ۱۹۴۳ء	۱۱۹۸٫۹۹
۱۹۴۳ تا ۱۹۴۴ء	۱۵۳۲٫۵۹
۱۹۴۴ تا ۱۹۴۵ء	۱۶۶۴٫۰۰

مندرجہ بالا جدول سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت کی مجموعی آمدنی میں جنگ کے دوران میں مسلسل نہایت تیز رفتاری سے اضافہ ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ جنگ سے قبل سنہ ۱۹۳۹ء میں ۶۲ء ۹۱۴ روپے کے مقابلہ میں موجودہ سال کے لئے سولہ کروڑ چونسٹھ لاکھ روپے کا تخمینہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح جنگ کے باعث مجموعی آمدنی میں تقریباً بیاسی فیصد اضافہ ہوچکا ہے۔

لیکن یہاں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ آمدنی کا یہ اضافہ صرف مالیات حیدرآباد کے لئے مخصوص نہیں بلکہ یہ عارضی اثر کم و بیش تمام ریاستوں و یونین کے مالیات پر رونما ہوا ہے یہاں تک کہ بعض ریاستوں کی آمدنی دوگنی ہوگئی۔ لیکن ظاہر ہے یہ اضافہ محض عارضی شے ہے۔

مجموعی اخراجات | موجودہ جنگ نے حکومت حیدرآباد کے مجموعی اخراجات کو کیسا کردیا

کیا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل جدول سے ممکن ہے۔

سال	اخراجات
۱۹۳۸ تا ۱۹۳۹ء	۹۱۳٫۷۶
۱۹۳۹ تا ۱۹۴۰ء	۸۶۹٫۷۱
۱۹۴۰ تا ۱۹۴۱ء	۹۰۴٫۷۵
۱۹۴۱ تا ۱۹۴۲ء	۸۹۰٫۶۳
۱۹۴۲ تا ۱۹۴۳ء	۱۰۹۷٫۷۵
۱۹۴۳ تا ۱۹۴۴ء	۱۲۸۳٫۲۳
۱۹۴۴ تا ۱۹۴۵ء	۱۴۰۰٫۲۵

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آمدنی کے ساتھ ساتھ جنگ کے دوران میں مجموعی اخراجات بھی ترقی پذیر رہے ہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ آمدنی جس رفتار سے بڑھتی ہے اس کے مقابلہ میں اخراجات میں اضافے کی رفتار سست رہی ہے یعنی آمدنی میں تقریباً بیاسی فیصد اضافہ ہوا ہے لیکن اخراجات میں صرف ۵۰ فیصد کے قریب ترقی ہوئی۔

جنگ کے ابتدائی سالوں میں مجموعی اخراجات میں زیادہ نمایاں اضافہ نہ ہو سکا لیکن سنہ ۴۳ء کے بعد سے اضافے کی رفتار خاصی تیز ہوگئی۔

مالگزاری

سال	آمدنی	فیصد
سنہ ۱۹۳۹ء	۲۹۵٫۳۴	۳۲٫۳
سنہ ۱۹۴۰ء	۲۹۶٫۱۹	۳۲
سنہ ۱۹۴۱ء	۳۳۰٫۱۸۰	۳۳٫۵
سنہ ۱۹۴۲ء	۲۷۴٫۹۰	۲۸٫۹
سنہ ۱۹۴۳ء	۳۲۶٫۲۱	۲۷٫۲

سنہ ۱۹۴۴ء	۳۱۳۵٫۰۰	۲۰
سنہ ۱۹۴۵ء	۳۱۵٫۰۰	۱۸٫۹

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ جنگ کے دوران میں مالگزاری کی آمدنی قریباً یکساں رہتی ہے اور باوجود اس کے کہ حکومت کی آمدنی کے دوسرے ابواب میں نمایاں اضافہ ہوگیا ہے مالگزاری کی مجموعی آمدنی میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا ہے۔ اس کی بدیہی وجہ یہی ہے کہ مالگزاری کی آمدنی بلحاظ نوعیت لچکدار نہیں ہوتی اور موجودہ جنگ بھی اس میں کوئی نمایاں تبدیلی کرنے میں ناکام رہی ہے۔

یہ امر البتہ دلچسپی سے خالی نہیں کہ مالیات حیدرآباد میں مالگزاری کی آمدنی کو جو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی وہ موجودہ جنگ کے دوران میں مسلسل روبہ انحطاط رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے ممکن ہے کہ جنگ کی ابتداء سے قبل مالگزاری کے ذریعے سے حکومت حیدرآباد کی مجموعی آمدنی کا تقریباً بتیس فیصد حصہ وصول ہوتا تھا۔ لیکن موجودہ سال کے لئے جو تخمینہ پیش کیا گیا ہے اس کی رو سے مالگزاری کی مد سے حکومت کی مجموعی آمدنی کا صرف ۱۸٫۹ فیصد حصہ وصول ہوگا۔

آبکاری

سال	آمدنی	فیصد
سنہ ۱۹۳۹ء	۱۶۸٫۹۲	۱۸٫۱
سنہ ۱۹۴۰ء	۱۷۷٫۸۶	۱۹٫۲
سنہ ۱۹۴۱ء	۱۸۰٫۹۰	۱۸٫۳
سنہ ۱۹۴۲ء	۱۹۵٫۲۸	۲۰٫۴
سنہ ۱۹۴۳ء	۲۴۵٫۲۸	۲۰٫۵
سنہ ۱۹۴۴ء	۲۹۰٫۰۰	۱۹٫۵
سنہ ۱۹۴۵ء	۴۲۴٫۰۰	۲۵٫۵

شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جنگ کے دوران میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اضافہ آبکاری کی آمدنی میں

ہولہے۔ موجودہ سال کے لئے آبکاری کی آمدنی کا جو تخمینہ پیش کیا گیا ہے وہ سنہ ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں ۸۰ر ۲۵۵ لاکھ روپے زاید ہے۔ گویا اس طرح آبکاری سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی اس میں جنگ کے دوران میں ڈیڑھ سو فیصد سے زائد اضافہ ہوا ہے۔

اس غیر معمولی اضافہ کا سبب یہ ہے کہ اول تو کاشتکاروں اور زرعی مزدوروں کی آمدنی میں بڑھتی ہوئی قیمتوں کے باعث اضافہ ہوا ہے دوسرے عام مزدوروں کی اجرتوں میں نمایاں ترقی ہوئی ہے جس کے باعث منشیات کا استعمال بڑھ گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ آبکاری کی آمدنی بھی مالگزاری کے بالکل برعکس آبکاری کو بحیثیت آمدنی کے ایک ذریعہ کے مالیات حیدرآباد میں جو اہمیت حاصل ہے اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ موجودہ سال کے لئے جو اندازہ پیش کیا گیا ہے اس کی رو سے حکومت کی مجموعی آمدنی کا تقریباً ایک چوتھائی سے زائد حصہ آبکاری کے ذریعہ سے حاصل ہوگا۔ اس طرح موجودہ جنگ کے دوران میں آبکاری نے مالگزاری کو بھی پس پشت ڈالدیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آبکاری کی آمدنی کی ترقی کے باعث حکومت حیدرآباد کی مجموعی آمدنی میں جو اضافہ ہوا ہے اس کا بار اس مفلوک الحال طبقے پر پڑ رہا ہے جو منشیات کے استعمال کا عادی ہے۔

کروڑگیری موجودہ جنگ کے دوران میں کروڑگری کی آمدنی کو مندرجہ ذیل جدول میں پیش کیا گیا ہے:

سال	آمدنی	فیصد
سنہ ۱۹۳۸ تا سنہ ۱۹۳۹ء	۱۱۱٫۲۶	۲۱٫۱
سنہ ۱۹۳۹ تا سنہ ۱۹۴۰ء	۱۲۸٫۵۵	۱۳٫۸
سنہ ۱۹۴۰ تا سنہ ۱۹۴۱ء	۱۳۰٫۳۷	۱۳٫۲
سنہ ۱۹۴۱ تا سنہ ۱۹۴۲ء	۱۱۰٫۹۳	۱۱٫۶
سنہ ۱۹۴۲ تا سنہ ۱۹۴۳ء	۱۴۳٫۳۶	۱۲
سنہ ۱۹۴۳ تا سنہ ۱۹۴۴ء	۲۴۲٫۰۰	۱۵٫۸

سنہ ۱۹۴۴ تا سنہ ۱۹۴۵ء	۲۱۰٫۰۰	۱۲٫۶

اس سے واضح ہوتا ہے کہ کروڑگیری کی آمدنی میں معتدبہ اضافہ ہوا ہے یہ اضافہ سنہ ۱۹۴۲ء تک بہت زیادہ نمایاں نہ تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ کے غیر معمولی حالات کے باعث مقدار تجارت میں کمی ہوگئی تھی لیکن سنہ ۱۹۴۲ء کے بعد سے درآمد ہونے والے مال کی قیمت میں نمایاں اضافے کے باعث اس کی آمدنی میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے سنہ ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں سنہ ۱۹۴۴ء کی آمدنی ۱۳۷٫۴ لاکھ روپے سے زیادہ ہے یعنی تقریباً ۱۱۶ فیصد کا اضافہ ہوا موجودہ سال کے لئے جو اندازہ پیش کیا گیا ہے وہ سابقہ سال کی نسبت اس لئے کم ہے کہ گرانی قیمت کی کوشش جاری ہے۔

ریلیں | موجودہ جنگ سے جہاں دوسری مدات آمدنی متاثر ہوئی ہیں ریلوں پر بھی اس کے نمایاں اثرات ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

سال	آمدنی	فیصد
سنہ ۱۹۳۸ تا سنہ ۱۹۳۹ء	۱۴۱٫۲۲	۱۵٫۴
سنہ ۱۹۳۹ تا سنہ ۱۹۴۰ء	۱۴۴٫۲۵	۱۵٫۳
سنہ ۱۹۴۰ء تا سنہ ۱۹۴۱ء	۱۴۷٫۶۴	۱۵٫۹
سنہ ۱۹۴۱ تا سنہ ۱۹۴۲ء	۱۵۸٫۸۳	۱۶٫۸
سنہ ۱۹۴۲ تا سنہ ۱۹۴۳ء	۱۷۳٫۳۳	۱۵٫۳
سنہ ۱۹۴۳ تا سنہ ۱۹۴۴ء	۲۶۵٫۹	۱۷٫۴
سنہ ۱۹۴۴ تا سنہ ۱۹۴۵ء	۲۳۷٫۳۷	۱۴٫۳

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کے دوران میں ریلوے کی آمدنی مسلسل طور پر ترقی پذیر رہی ہے سنہ ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں سنہ ۱۹۴۴ء میں ریلوے سے جو آمدنی حاصل ہوئی وہ تقریباً سوا کروڑ روپے سے زیادہ ہے۔ اس طرح ریلوں سے آمدنی میں جنگ کے دوران میں تقریباً ۸۸ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اس اضافے کا سبب اول تو مسافروں کی تعداد میں اضافہ دوسرے محصول

اور شرح باربرداری میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

سود

سال	آمدنی	فیصد
۱۹۳۸ء تا ۱۹۳۹ء	۰۰/۵۴	۳/۳
۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۰ء	۳۰/۵۸	۳/۳
۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۱ء	۲۸/۴۵	۲/۸
۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۲ء	۲۸/۸۰	۳
۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۳ء	۳۷/۴۲	۳/۹
۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۴ء	۳۷/۴۲	۲/۴
۱۹۴۴ء تا ۱۹۴۵ء	۵۶/۸۱	۳/۲

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ سود کی آمدنی میں جنگ کے دوران میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے چنانچہ ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں موجودہ سال کے لئے جو اندازہ پیش کیا گیا ہے اس میں سود کی آمدنی چھبیس لاکھ کے قریب بڑھ گئی ہے اس طرح تقریباً چھیاسی فی صد اضافہ ہو چکا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک آئینی طور پر ذخیرہ زر کاغذی کے سلسلہ میں یہ شرط عاید تھی کہ اس کا ۲/۳ حصہ چاندی اور سکوں اور ۱/۳ حصہ تمسکات کی شکل میں رکھا جائے لیکن یہ تناسب اب پلٹ دیا گیا یعنی ۲/۳ حصہ تمسکات میں مشغول کیا گیا اور ۱/۳ حصہ دھاتوں اور سکوں کی شکل میں رکھا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محفوظ سکہ قرطاس میں سے مزید ۲۴ کروڑ روپیے کی رقم حکومت ہند کے تمسکات میں مشغول کر دی گئی۔

پچھلے صفحات میں ہم نے آمدنی پر جنگ کے اثرات کو واضح کرنے کی کوشش کی اب ہم اخراجات کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔

تعلیمات | جنگ کے دوران میں تعلیمات پر جو رقم صرف کی گئی ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سال	اخراجات
سنہ ۱۹۳۸ تا سنہ ۱۹۳۹ء	۹۳/۰۸
سنہ ۱۹۳۹ تا سنہ ۱۹۴۰ء	۱۰۶/۳۴
سنہ ۱۹۴۰ تا سنہ ۱۹۴۱ء	
سنہ ۱۹۴۱ تا سنہ ۱۹۴۲ء	۱۱۰/۱۸
سنہ ۱۹۴۲ تا سنہ ۱۹۴۳ء	۱۰۱/۹۷
سنہ ۱۹۴۳ تا سنہ ۱۹۴۴ء	۱۲۰/۶۰
سنہ ۱۹۴۴ء تا سنہ ۱۹۴۵ء	۱۴۵/۸۷

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیمات پر اخراجات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے سنہ ۱۹۳۹ء کے مقابلے میں موجودہ سال کے موازنہ میں اس مد پر تقریباً پچاس لاکھ زیادہ رقم صرف ہوگی ۔ اس طرح تقریباً ۵۲ فیصد اضافہ ہوگیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کے باعث تعمیری سرگرمیوں میں رخنہ نہیں پڑا ہے تعلیمات کے مد پر مجموعی اخراجات میں سنہ ۱۹۴۳ء تا سنہ ۱۹۴۴ء یعنی آنریبل مسٹر غلام محمد کے تقرر کے بعد سے نمایاں اضافہ ہوا ہے۔

افواج

سال	اخراجات
سنہ ۱۹۳۸ تا سنہ ۱۹۳۹ء	۸۹/۲۱
سنہ ۱۹۳۹ تا سنہ ۱۹۴۰ء	۸۷/۵۴
سنہ ۱۹۴۰ تا سنہ ۱۹۴۱ء	
سنہ ۱۹۴۱ تا سنہ ۱۹۴۲ء	۷۱/۶۴
سنہ ۱۹۴۲ تا سنہ ۱۹۴۳ء	۵۸/۰۶
سنہ ۱۹۴۳ تا سنہ ۱۹۴۴ء	۶۰/۵۰
سنہ ۱۹۴۴ تا سنہ ۱۹۴۵ء	۶۳/۶۴

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کے سلسلے میں جو غیر معمولی مصارف حکومت حیدرآباد کو برداشت کرنے پڑ رہے ہیں۔ ان کی تلافی ایک حد تک معمولی فوجی اخراجات میں تخفیف کے ذریعہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے چنانچہ بیانات اخراجات، کم و بیش تخفیف کی جانب مائل رہے ہیں سنہ ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں سنہ ۱۹۴۲ء میں اس مد پر تقریباً ۲۹ لاکھ کم اخراجات ہوئے گویا اس طرح تقریباً ۲۱ فیصد تخفیف ہوئی ہے۔ افواج پر مجموعی سالانہ اخراجات میں سنہ ۱۹۴۲ تا سنہ ۱۹۴۳ء سے یعنی آنریبل مسٹر غلام محمد کے تقرر کے بعد سے نمایاں تخفیف ہوئی ہے اور فوجی اخراجات میں اس تخفیف کو نیز تعلیمات اور دوسری تعمیری امدادات پر اخراجات میں اضافے کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اس کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ آنریبل مسٹر غلام محمد کا دور مالیات حیدرآباد میں کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔

طبابت

سال	اخراجات
سنہ ۱۹۳۸ تا سنہ ۱۹۳۹ء	۳۰٫۷۶
سنہ ۱۹۳۹ تا سنہ ۱۹۴۰ء	۳۱٫۵۹
سنہ ۱۹۴۰ تا سنہ ۱۹۴۱ء	۳۴٫۶۴
سنہ ۱۹۴۱ تا سنہ ۱۹۴۲ء	۳۴٫۲۲
سنہ ۱۹۴۲ تا سنہ ۱۹۴۳ء	۳۵٫۹۹
سنہ ۱۹۴۳ تا سنہ ۱۹۴۴ء	۴۴٫۴۸
سنہ ۱۹۴۴ تا سنہ ۱۹۴۵ء	۵۳٫۵۲

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کے دوران میں طبابت پر سالانہ اخراجات برابر روبہ ترقی رہے ہیں اور بالخصوص گذشتہ سال سے اس میں اضافہ کی رفتار نمایاں طور پر بہتر ہوگئی ہے۔ یہ امر بلاشبہ نہایت اطمینان بخش ہے کہ اس اہم تعمیری مد پر اخراجات میں دوران جنگ میں بجائے تخفیف کے نمایاں اضافہ ہوا ہے۔

کوتوالی

سال	اخراجات
سنہ ۱۹۳۹ء	۶۴،۱۰
سنہ ۱۹۴۰ء	۶۴،۷۹
سنہ ۱۹۴۱ء	۶۶،۷۴
سنہ ۱۹۴۲ء	۷۰،۴۵
سنہ ۱۹۴۳ء	۶۰،۹۰
سنہ ۱۹۴۴ء	۶۳،۶۴
سنہ ۱۹۴۵ء	۶۶،۶۰

پولیس بھی اخراجات کی ایک اہم مد ہے لیکن جنگ نے اسے برائے نام متاثر کیا ہے اور اس پر کم و بیش یکساں اخراجات برداشت کئے جا رہے ہیں ۔

امور عامہ

سال	اخراجات
سنہ ۱۹۳۹ء	۵۰،۷۵
سنہ ۱۹۴۰ء	۵۶،۳۶
سنہ ۱۹۴۱ء	۱۴،۳۱
سنہ ۱۹۴۲ء	۵۸،۶۸
سنہ ۱۹۴۳ء	۸۱،۰۷
سنہ ۱۹۴۴ء	۸۳،۱۸
سنہ ۱۹۴۵ء	۹۶،۴۸

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ امور عامہ وغیرہ پر جنگ کے دوران میں اخراجات مسلسل ترقی پذیر رہے ہیں جس کی وجہ غالباً تعمیری اشیاء کی بڑھتی ہوئی قیمتیں ہیں ۔ سنہ ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں موجودہ سال اس مد پر تقریباً ۴۶ لاکھ زیادہ صرف کئے جائیں گے

اس طرح دوران جنگ اس پر تقریباً ۹۰ فیصد اخراجات بڑھ گئے۔

سود

سال	اخراجات
سنہ ۱۹۳۹ء	۴۸٫۴۶
سنہ ۱۹۴۰ء	۴۸٫۲۱
سنہ ۱۹۴۱ء	۵۰٫۲۱
سنہ ۱۹۴۲ء	۴۷٫۴۳
سنہ ۱۹۴۳ء	۴۵٫۴۵
سنہ ۱۹۴۴ء	۵۷٫۷۵
سنہ ۱۹۴۵ء	۵۹٫۴۲

جنگ کے دوران میں سود کے سلسلہ میں جو سالانہ اخراجات لاحق ہوتے ہیں وہ پہلے چار برس تو کم و بیش یکساں رہے لیکن اس کے بعد سے نئے قرضوں کے باعث ان میں تقریباً ۱۴ لاکھ سالانہ یعنی ۲۱ فیصد کے قریب اضافہ ہوگیا ہے۔

زراعت

سال	اخراجات
سنہ ۱۹۳۸ تا ۱۹۳۹ء	۷٫۵۵
سنہ ۱۹۳۹ تا سنہ ۱۹۴۰ء	۸٫۳۷
سنہ ۱۹۴۰ تا سنہ ۱۹۴۱ء	۹٫۲۳
سنہ ۱۹۴۱ تا سنہ ۱۹۴۲ء	۸٫۴۰
سنہ ۱۹۴۲ تا ۱۹۴۳ء	۹٫۵۷
سنہ ۱۹۴۳ تا سنہ ۱۹۴۴ء	۱۱٫۵۰
سنہ ۱۹۴۴ تا سنہ ۱۹۴۵ء	۱۳٫۹۲

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ جنگ کے دوران میں زراعت پر اخراجات

مسلسل بڑھتے رہے ہیں چنانچہ ۱۹۳۹ء کی نسبت ان میں ۱۴۸ فیصد سے زائد کا اضافہ ہوگیا ہے۔

آبپاشی

سال	اخراجات
سنہ ۱۹۳۸ء تا ۱۹۳۹ء	۱۴٫۶۵
سنہ ۱۹۳۹ء تا سنہ ۱۹۴۰ء	۱۴٫۱۴
سنہ ۱۹۴۰ء تا سنہ ۱۹۴۱ء	۱۳٫۲۴
سنہ ۱۹۴۱ء تا سنہ ۱۹۴۲ء	۱۲٫۰۳
سنہ ۱۹۴۲ء تا سنہ ۱۹۴۳ء	۱۳٫۵۴
سنہ ۱۹۴۳ء تا سنہ ۱۹۴۴ء	۲۳٫۷۰
سنہ ۱۹۴۴ء تا سنہ ۱۹۴۵ء	۲۸٫۷۸

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ آبپاشی کے اخراجات میں دوران جنگ خاصا اضافہ ہوا ہے چنانچہ موجودہ سال آبپاشی کے اخراجات کے لئے جو گنجائش رکھی گئی ہے وہ سنہ ۱۹۳۹ء کی نسبت تقریباً دگنی ہے۔

یہاں اس امر کا اظہار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موجودہ جنگ کے دوران میں بالخصوص آنریبل مسٹر غلام محمد کے تقرر کے بعد سے حکومت حیدرآباد کے مالی مسلک کی ایک نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ مالیات سے متعلق مسائل کے سلسلہ میں ذمہ دار رائے عامہ کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی جائے۔ چنانچہ اس ضمن میں نہ صرف تخفیف مصارف کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کی اکثریت غیر سرکاری ارکان پر مشتمل تھی بلکہ ایک آئینی مشاورتی کمیٹی مالیات کا قیام بھی عمل میں آیا جس میں غیر سرکاری اور سرکاری اراکین شامل تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں مختصر طور پر ان اخراجات کی تفصیل پیش کردیں جو حکومت حیدرآباد کو جنگ کے سلسلہ میں ابتداء سے موجودہ سال کے آغاز تک برداشت کرنے پڑے ہیں۔

(۱) بلاواسطہ مصارف جنگ	لاکھ روپے میں
ماہانہ امداد (۱۰٫۵۰ لاکھ)	۱۰۵٫۰۰
ممالک محروسہ سے باہر بھیجی ہوئی یونٹوں پر اخراجات	۶۵٫۱۳
ان کی جگہ دوسری یونٹوں کے مصارف	۸۵٫۷۹
فنی تربیتی اسکیم	۱۳٫۵۰
معاوضہ اراضی فوجی ریلوے پولیس وغیرہ	۱٫۸۹
میزان	۲۷۱٫۳۱
(۲) بالواسطہ مصارف جنگ	
علاوہ فاتر اور خدمات جنگ میں شریک ہونے والے افسروں کی تنخواہوں کا تفاوت	۲۲٫۰۹
داخلی تحفظ کی اسکیم	۱۵٫۴۰
سررشتہ جات رسد۔ نگرانی قیمت وراتب بندی	۲۵٫۹۳
اے۔آر۔پی	۹۶٫۵۷
گرانی الونس	۱۷۰٫۴۶
متفرق زائد اخراجات	۱٫۰۶
میزان	۳۰۱٫۲۱
صدر میزان	۵۷۲٫۵۲ لاکھ

اس کے علاوہ حکومت حیدرآباد نے ۱۴٫۲۵ لاکھ روپے بطور امداد مختلف اداروں کو دئے۔

آنریبل مسٹر غلام محمد کا یہ ایک نمایاں کارنامہ تھا کہ ایک سال کی قلیل مدت کے اندر جنگی قرضوں میں ۲۴ کروڑ روپیہ کی رقم مشغول کی گئی۔ اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حکومت حیدرآباد نے برطانوی ہند کے قرضوں میں جو رقم مشغول کی تھی اس کی مقدار ستمبر ۱۹۴۳ء میں صرف ۲۰ کروڑ تھی اور اب ۴۴ کروڑ ہے

[redacted]

بھی تجاوز کر چکی ہے۔

مزید براں ہماری حکومت نے مختلف امدادی فنڈوں کو ۵،۰۰ لاکھ روپے کے جنگی چندے دئے ہندوستانی انجمن صلیب احمر کو ۵ء۴۴ لاکھ روپیہ انگلستان کی وزارت بحریہ کو ۲۰ء۰۳ لاکھ روپیہ اور انگلستان کی وزارت ہوائیہ کو ۱ لاکھ روپیہ اور وائسرائے کے جنگی فنڈ میں ۱۱ لاکھ روپے دئے گئے۔

اس قسم کے مصارف کو برداشت کرنے کے سوا بعض اوقات دوسری طرح سے بھی امداد کی گئی مثلاً فوجی ضروریات مثلاً ایروڈروم کی تعمیر کے لئے جو سامان درآمد ہوا اسے کروڑگیری سے مستثنیٰ قرار دیا گیا اس قسم کی مراعات سے مالیات پر جو بار پڑا اس کا اندازہ ساٹھ لاکھ کیا جاتا ہے۔

بہرکیف باوجود اس کے کہ موجودہ جنگ کے باعث مالیات حیدرآباد پر نمایاں بار پڑا ہے یہ امر یقیناً طمانیت بخش ہے کہ اس بار کو مالیات حیدرآباد نے نہایت آسانی سے برداشت کیا ہے نہ صرف جنگ سے متعلق اخراجات کی تکمیل ہوئی ہے بلکہ جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں قومی و تعمیری سرگرمیوں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس طرح حیدرآباد کی مالی حالت جنگ کے چھٹے برس کی ابتداء میں جس قدر مستحکم ہے وہ اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ حیدرآباد مابعد جنگ معاشی ترقی کے وسیع منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی بڑی حد تک مقدرت رکھتا ہے۔

نواں باب

مالیات حیدرآباد کا مقابلہ اہم ریاستوں و بعض برطانوی صوبوں سے

قبل اس کے کہ ہم مالیات حیدرآباد اور برطانوی صوبوں اور ریاستوں کی مالیات کا مقابلہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہم امور کا تذکرہ کردیا جائے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام صوبوں و بالخصوص ریاستوں کے متعلق تازہ اور تفصیلی اعداد و شمار نہیں ملتے اور اگر ملتے بھی ہیں تو ان میں یکسانیت مفقود ہوتی ہے اس لئے کہ مختلف ریاستیں مختلف انداز میں آمدنی اور اخراجات کی مدات قائم کرتی ہیں اور ایسی صورت میں قطعیت کے ساتھ مقابلہ میں دشواری پیش آتی ہے۔

دوسرے اس سلسلہ میں صرف سات ریاستوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

۱۔ میسور
۲۔ ٹراونکور
۳۔ جموں و کشمیر
۴۔ بڑودہ
۵۔ اندور
۶۔ کوچین

۷. بیکانیر

تیسرے مقابلہ کے لئے ہم نے جنگ سے قبل کا سال یعنی ۳۸-۱۹۳۸ء تا ۱۹۳۹ء منتخب کیا ہے تاکہ صحیح معنوں میں معمولی حالات کا اندازہ ہو جائے۔ دوسرے الفاظ میں جنگ کے باعث جو مالی حالات پیدا ہو گئے وہ چونکہ عارضی ہیں اس لئے انہیں زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے۔

چوتھے یہ کہ ایسی ریاستوں کے سلسلے میں جن کے حقیقی اعداد و شمار نہیں موجود ہیں مرسمہ تخمینوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ چونکہ اس قسم کے تخمینوں اور حقیقی اعداد و شمار میں بالعموم زیادہ نمایاں فرق نہیں ہوتا ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس کے باعث ہمارے نتائج پر کوئی خاص اثر پڑے۔

اس سلسلے میں جو اعداد و شمار پیش کئے گئے ہیں وہ سوائے حیدرآباد اور ٹراونکور کے برطانوی سکوں میں ہیں۔ ٹراونکور میں سرکار، سکہ چلتا ہے جو کم و بیش ۱۵ ۳/۴ آنے کلدار کے مساوی ہوتا ہے۔

سہولت کی خاطر ہم نے آمدنی و اخراجات کے طریق اندراج میں بھی تھوڑی سی ترمیم کر دی ہے مثلاً بعض ریاستوں کے موازنے میں خام یا مجموعی آمدنی کو آمدنی کے تحت درج کیا جاتا ہے اور ان پر جو اخراجات ہوتے ہیں انہیں اخراجات کے تحت شمار کیا جاتا ہے۔ اس طریقے سے سوائے اس کے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کہ موازنے کے اعداد میں جھوٹا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہم نے حتی الامکان آمدنی اور اخراجات کے حقیقی اعداد کو پیش نظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

صوبوں سے مالیات حیدرآباد کا مقابلہ کرتے وقت ہم نے بجائے تمام صوبوں کے صوبہ متوسط، صوبہ متحدہ، مدراس، بمبئی اور بنگال کو پیش نظر رکھا ہے۔

مالیات حیدرآباد دوسری ریاستوں سے اس حد تک بہت ہی زیادہ مشابہ ہے کہ حکومت کی آمدنی کے سلسلے میں مالگزاری کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ حیدرآباد میں آمدنی کا تقریباً ۴۳ فیصد حصہ اسی ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ بڑودہ اور اندور میں علی الترتیب ۳۶ فیصد اور ۴۹ فیصد آمدنی مالگزاری سے حاصل ہوتی ہے۔ مالیات حیدرآباد کے مقابلہ میں مالگزاری کا تناسب بعض صوبہ واری موازنوں میں کم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مدراس میں ۳۰ فیصد بمبئی میں ۲۷ فیصد اور بنگال میں ۲۵ فیصد آمدنی

ادا کرنے والوں کو اس کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

ظاہر ہے کہ مالگزاری سے استثناء کے سلسلہ میں کسی اقل ترین حد تک تعین قطعیت کے ساتھ دشوار ہے۔ لیکن اس ضمن میں ہمارے پیش نظر دو اصول ہونے چاہئیں۔ اول تو یہ کہ حد ایسی معین کیا جائے جس کے باعث چھوٹے مالکان اراضی پر مالگزاری کے بار میں تخفیف ہو جائے دوسرے یہ کہ اس استثنا کے باعث مالیات حیدرآباد پر بہت زیادہ بار نہ پڑے بلکہ اس طرح جو خسارہ ہو اس کی تلافی آمدنی کے دوسرے ذرائع سے کیجا سکے۔ ان دونوں امور کے پیش نظر ہماری تجویز ہے کہ تمام ایسے مالکان اراضی کو جو دس روپے سالانہ یا اس سے کم مالگزاری ادا کرتے ہیں مالگزاری کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور ان مالکان اراضی کی حد تک جو دس روپے سے زائد مالگزاری ادا کرتے ہیں پہلے دس روپے مالگزاری کی سے مستثنیٰ قرار دئے جائیں۔ یعنی کوئی مالک اراضی اگر اس وقت ۱۵ روپے سالانہ بطور مالگزاری ادا کرتا ہو تو اس سے صرف ۵ روپے سالانہ وصول کئے جائیں۔ ممکن ہے کہ اس رعایت سے استفادے کی لالچ میں تقسیم وانتشار اراضی کا رجحان شدت اختیار کر جائے۔ لیکن اس کی روک تھام کے لئے یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ ایک خاص مدت کے بعد جو رقبہ اراضی ایک معینہ حد سے کم ہو اسے سزا کے طور پر مالگزاری سے استثنیٰ کے سلسلہ میں تسلیم ہی نہ کیا جائے۔

ہماری اس تجویز کو روبعمل لانے سے مالیات حیدرآباد پر کتنا بار پڑے گا اس کا قطعی اندازہ دشوار ہے لیکن اگر ہم مسٹر بھروچہ کی اس رپورٹ کو پیش نظر رکھیں جو انہوں نے زرعی مقروضیت کے متعلق پیش کی تو ظاہر ہوتا ہے کہ جن (۲ ۲۶) دیہاتوں کی معاشی تحقیق انہوں نے کی ان سے منجملہ ۸ لاکھ روپے بطور مالگزاری کے وصول ہوئے تھے اور مسٹر بھروچہ نے جو اعداد و شمار پیش کئے ہیں ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بحیثیت مجموعی صرف ۲ لاکھ روپے کی رقم یعنی ان دیہاتوں کی مجموعی مالگزاری کا ۱/۴ حصہ جن کی معاشی تحقیق مسٹر بھروچہ نے انجام دی ان مالکان اراضی سے وصول ہوتا تھا جو دس روپے سالانہ سے کم مالگزاری ادا کر رہے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مالگزاری کے سلسلہ میں مجموعی آمدنی کا تقریباً ۱/۴ حصہ ان مالکان اراضی سے وصول کیا جاتا ہے جو ۱۰ روپے سالانہ

اس سے کم رقم بطور مالگزاری کے ادا کرتے ہیں۔ مالگزاری سے اوسطاً حکومت حیدرآباد کو تقریباً ۴ کروڑ روپیے سالانہ کی آمدنی حاصل ہوتی ہے اور اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اگر ہماری تجویز کو عملی جامہ پہنایا جائے تو مالیات حیدرآباد پر تقریباً ۵۰ لاکھ سالانہ کا بار پڑے گا اور اگر دوسرے کاشتکاروں کو بھی دس روپے کی حد تک رعایت دی جائے تو مالیات حیدرآباد پر تقریباً ایک کروڑ روپے سالانہ کا بار پڑے گا۔ چنانچہ اس خسارے کی تلافی کسی دوسرے طریقے سے کی جا سکتی ہے۔ ہم نے مالگزاری سے استثنار کے سلسلہ میں جس حد کے تعین کی تجویز پیش کی ہے وہ قطعی یا اٹل نہیں ہے۔ اس کا حقیقی مقصد تو محض یہ ہے کہ مالگزاری کے بار کی تقسیم اس طرح ہو کہ چھوٹے مالکان اراضی پر سے مالگزاری کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

اس طریقے کے متعدد عملی اور نظری فوائد ہیں۔ اول تو اس کے باعث ملک کے موجودہ نظام مالیات میں کوئی نمایاں تغیر نہ ہوگا۔ دوسرے اس طرح چھوٹے مالکان اراضی پر سے مالگزاری کا بار کم ہو جائے گا۔ تیسرے مالگزاری میں اس تخفیف کی تلافی جب آمدنی کے دوسرے ذرائع سے کی جائے گی تو مالکان اراضی اور اس طبقے کے درمیان جو غیر زرعی ذرائع سے آمدنی حاصل کرتا ہے محصول کے بار کی منصفانہ تقسیم ہو سکے گی۔

ممکن ہے کہ ہم نے مالگزاری کے لئے جو استثنائی حد تجویز کی ہے اسے محدود خیال کیا جائے اور اس پر یہ اعتراض ہو کہ مالگزاری کی استثنائی حد اس قدر ادنیٰ تجویز کی گئی ہے کہ اس سے مفلوک الحال کاشتکاروں کے ایک نہایت ہی محدود طبقے کو استفادہ کا موقع ملے گا۔ لیکن گذشتہ تجربہ اس کا شاہد ہے کہ جاہل اور تاریک خیال کاشتکار کو اگر بہت زیادہ قوت خرید کا مالک بنا دیا جائے تو اس سے خاطر خواہ نتائج نہیں حاصل ہو سکتے۔ اس لئے مالگزاری میں شدید تخفیف کی بجائے یہ تجویز یقیناً بہتر ہے کہ مفلوک الحال کاشتکار کی فلاح و بہبودی کے لئے حکومت زیادہ اخراجات برداشت کرے اس لئے کہ اس قسم کا صرف اس صرف سے بلاشبہ زیادہ منفعت بخش ہوگا جو کاشتکار زائد قوت خرید کے باعث اپنے طور پر کرے گا۔

غرض ضرورت اس کی ہے کہ حیدرآباد کے نظام مالگزاری پر نظر ثانی کی جائے۔ ہماری حکومت

حکومت نے آبپاشی، زراعت، زرعی تحقیقات اور تحریک امداد باہمی کے سلسلے میں جس دلچسپی کا اظہار کیا ہے اس نے زرعی طبقے میں عام طور سے حکومت کے فرائض کے متعلق ایک جدید زاویہ خیال پیدا کر دیا ہے اور ایسی صورت میں کوئی وجہ نہیں کہ حکومت ایسا مسلک نہ اختیار کرے جس کے باعث مالگزاری کے بار کی بہتر تقسیم ہو سکے۔ اس لئے کہ جب تک اس میدان میں کافی اصلاحی اقدام نہ کیا جائے زرعی ترقیات کے کسی منصوبے کو شرمندۂ عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اس اصلاح کے ذریعہ حکومت اس الزام سے نجات حاصل کر سکتی ہے کہ حیدرآباد کا نظام مالگزاری چھوٹے کاشتکاروں اور مالکان اراضی کے حق میں نہایت مضرت رساں ہے۔ ہم یہاں اس کی صراحت کر دیں کہ سابقہ صفحات میں ہم نے جن امور پر زور دیا ہے ان سے ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا ہرگز نہیں کہ مالگزاری کا مجموعی بار حیدرآباد کے لئے کسی طرح زائد ہے۔ بلکہ یہ بار حاصل بہ صورت کم و بیش ہندوستان کی تمام دوسری ریاستوں اور صوبوں میں موجود ہے بلکہ ہماری حقیقی غایت تو یہ واضح کرنا ہے کہ ہمارے یہاں مالگزاری کے بار کی تقسیم نہایت غیر متناسب انداز میں ہوئی ہے اور فی الحقیقت یہی ہمارے نظام مالگزاری کی اساسی خرابی ہے۔

زرعی اور جاگیری آمدنیوں پر محصول

قبل اس کے کہ ہم زرعی آمدنیوں پر محصول کے بارے میں اضافے کی تجویز پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کے ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کر دیں جسے شاذ و نادر ہی توجہ کا مستحق تصور کیا جاتا ہے۔ جاگیری علاقوں کے حالات کے تجربے سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ کاشتکار کی زبوں حالی کا سبب ایک حد تک لگان کی وصولی کے متعلق جاگیرداروں کی زیادتی اور چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی پر شدید مظالم ہیں۔

ہمارے جاگیردار ایک عرصے سے کاشتکار سے بے تعلق ہو گئے ہیں اس بے تعلقی کے باعث ایک وسیع درمیانی طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو غریب کاشتکاروں کے خون کا آخری قطرہ تک چوسنے کی کوشش کرتا ہے مالگزاری کے پٹہ کے اختتام پر نذرانوں کا لامتناہی سلسلہ کاشتکار کے لئے مستقل عذاب ثابت ہوتا ہے۔ اس قسم کی غیر قانونی وصولیاں زدہ حال کاشتکاروں پر مالگزاری یا لگان کے حقیقی بار میں بے انتہا اضافہ کر دیتی ہیں۔

دولتمند مالکان اراضی اور جاگیرداروں پر مالگزاری کے بارمیں اضافہ کرنے کی نہایت اشد ضرورت ہے نیز زرعی آمدنیوں پر بھی یقیناً محصول وصول ہونا چاہیے۔ زرعی آمدنیوں کو محصول سے مستثنیٰ کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کیجاتی رہی ہے کہ چونکہ اراضی پر مالگزاری کا بار پہلے سے موجود ہے اس لئے اگر زرعی آمدنیوں پر بھی محصول عائد کردیا جائے تو دوہرے محاصل ہوجائیں گے لیکن یہ دلیل اس لئے محض لایعنی قرار دی جاسکتی ہے کہ اکثر ممالک میں زمینات پر چار مختلف محاصل عائد ہیں۔

(۱) سالانہ پیداوار پر یکساں شرح سے محصول۔

(۲) زرعی آمدنیوں پر محصول آمدنی۔

(۳) محصول اموات

(۴) مقامی محاصل۔

حیدرآباد میں زمینات پر محض مالگزاری کا بار ہے اور یہاں ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے برخلاف مقامی محاصل بھی مفقود ہیں۔

زرعی اور جاگیری آمدنیوں پر محصول عاید کرنے کی موافقت میں فی الحقیقت نہایت معقول دلائل پیش کیجا سکتی ہیں محاصل اندازی کا جدید ترین اصول یہ ہے کہ کسی شخص کی محصول ادا کرنے کی سکت کا اندازہ کرنے کے لئے اس ایثار سے زائد اہمیت جو کہ محصول دہندے کو ایک خاص رقم دینے کے سلسلے میں کرنا پڑتا ہے اس امر کو دیجانی چاہیے کہ محصول دہندے کو آمدنی کے حاصل کرنے میں کتنی مشقت برداشت کرنی پڑی اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جتنی سہولت یعنی نسبتاً کم مشقت سے کوئی آمدنی حاصل کرے اسی کے تناسب سے اس کی محصول ادا کرنے کی قابلیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ہر شخص کو حصول آمدنی کے سلسلہ میں جو کاوش اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے اس کا انحصار ہوتا ہے مختلف مواقع اور حالات پر اور ایسی صورت میں اگر کسی شخص کو آمدنی کے حاصل کرنے میں مقابلتہً کم دردسری کرنی پڑی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے زیادہ شرح سے محصول ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ ایسی حالت میں یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ محنت مزدوری کے ذریعہ پیدا شدہ

سالانہ کی آمدنی جو حاصل ہوئی ہے اس کے مقابلہ میں ہزار روپے کی اس آمدنی پر جو کہ زمین یا سرمایہ سے حاصل ہوئی ہے زیادہ شرح سے محصول وصول کیا جانا چاہئیے پھر کیا وجہ ہے کہ کمائی ہوئی اور نہ کمائی ہوئی آمدنیوں میں امتیاز نہ قائم کیا جائے جاگیروں سے آمدنی کسی کی شخصی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ اس کی حیثیت ایسی آمدنی کی ہے جو نسلاً بعد نسل جاری رہتی ہے۔ غرض نظری طور پر زرعی آمدنیوں اور بالخصوص جاگیری آمدنیوں پر محصول عائد کرنا یقیناً ہر طرح حق بجانب ہے۔ حیدرآباد میں برخلاف اس کے کہ زرعی آمدنیوں پر نسبتاً زیادہ شرح سے محصول عاید کیا جائے انہیں ہر قسم کے محصول سے کامل طور پر مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے اور غالباً اس کے اسباب معاشی سے زیادہ سیاسی اور روایاتی ہیں۔ جاگیرداروں کا طبقہ غیر معمولی اقتدار کا مالک ہے اور یہ امر مسلمہ ہے کہ زرعی آمدنیوں پر محصول عاید کرنے کی کسی تجویز کو آسانی سے قبول نہ کرے گا۔

زرعی اور جاگیری آمدنیوں پر محصول کی کسی شرح کا تعین فی الواقعی نہایت دشوار گذار امر ہے لیکن ہماری رائے میں سو روپے سے زائد مالگزاری پر یہ محصول وصول کیا جائے جس کی شرح ایک آنہ فی روپیہ سے، آنہ فی روپیہ تک ہو سکتی ہے۔

حیدرآباد میں زرعی اراضی کا تقریباً اتالیس فیصد حصہ جاگیری رقبے میں ہے اور اس اعتبار سے اگر جاگیروں سے بندوبست کی شرحوں پر چار آنے فی روپیہ کے حساب سے محصول وصول کیا جائے تو تقریباً تیس لاکھ کی آمدنی ہو سکیگی۔ یہاں اس امر کی صراحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ گو کہ جاگیردار مالگزاری ادا نہیں کرتے لیکن ان سے یہ محصول بندوبست کی بنیاد پر وصول کیا جائیگا۔ دیوانی کے علاقوں میں اگر دو آنے فی روپیہ مالگزاری کے حساب سے زرعی آمدنیوں پر محصول وصول کیا گیا تو اس طرح بتیس لاکھ سے زائد آمدنی حاصل ہوگی یعنی ان ادنیٰ شرحوں کے باوجود جن کی تجویز ہم نے پیش کی ہے زرعی آمدنی پر محصول عاید کرکے پچاس لاکھ روپیے سالانہ سے زائد آمدنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ زرعی آمدنیوں پر محصول عاید کرکے نمایاں فواید حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اس کے ذریعہ سے موجودہ نظام مالگزاری میں جو بے قاعدگیاں ...

اور بڑے مالکان اراضی کے درمیان محاصل کے سلسلے میں جو شدید عدم مساوات پیدا ہو گئی ہے اسے دور کیا جاسکتا ہے دوسرے اس محصول کے باعث مالیات حیدرآباد کو کافی تقویت پہنچ سکتی ہے۔

آبکاری ہماری حکومت کی آمدنی کا ایک نہایت اہم ذریعہ آبکاری ہے لیکن بظاہر آمدنی کے ایک ذریعہ کی حیثیت سے اس کا مستقبل تاریک معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اخلاقی وجوہ کی بناء پر اس کے متعلق نقطۂ نظر تبدیل ہو گیا ہے آبکاری کے محصول کا تمام تر بار ملک کے ادنی اور مفلوک الحال طبقہ پر ہے۔ آبکاری کی آمدنی کو حیدرآباد کی حد تک سہولت کی خاطر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اول شکر اور دیاسلائی پر محصول جن کا مقصد بیشتر یہ ہے کہ حکومت کو آمدنی حاصل ہو۔ دوسری منشیات پر محاصل جن کی حقیقی غایت یہ ہے کہ ان مخرب اخلاق اور مضر صحت اشیاء کے استعمال کو کم کیا جائے لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کے محاصل سے بھی حکومت کو بہت کثیر آمدنی حاصل ہوتی ہے۔

کسی ملک کے مسئلہ آبکاری پر نظر دوڑاتے وقت عام طور سے دو نقاط نظر کو پیش کیا جاسکتا ہے اول تو یہ کہ حکومت ایسا مسلک اختیار کرے کہ جس سے منشیات کا استعمال قطعی طور پر بند ہو جائے دوسرے یہ کہ حکومت اس قسم کا طریق کار اختیار کرے جس سے منشیات کا استعمال قطعی طور پر ممنوع تو نہ قرار دیا جائے لیکن حتی الامکان اس کی روک تھام ہو موخر الذکر مسلک کے حامی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر حکومت نے قطعی طور پر ترک مسکرات کی پالیسی پر عمل کیا تو اس میں حکومت کو کامیابی نہ ہوگی لیکن منشیات کا استعمال پوشیدہ طور پر بہت بڑھ جائے گا اکثر ممالک بالخصوص امریکہ کے تجربہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ترک مسکرات کا مسلک محض ایسی صورت میں موثر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس کی تائید میں رائے عامہ ہو۔

ایسی حالت میں آبکاری کے سلسلہ میں بہترین مسلک ہماری حکومت کے لئے یہ ہے کہ منشیات پر محصول میں زیادہ اضافہ نہ کیا جائے یعنی اسے حسب سابق رہنے دیا جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ رائے عامہ کو منشیات کے استعمال کے خلاف کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس ضمن میں مندرجہ ذیل تجاویز یقیناً سودمند ثابت ہوں گی۔

(١) منشیات کی دوکانوں یعنی سیندھی خانوں وغیرہ کی تعداد میں تخفیف کیجائے۔

(٢) سیندھی خانوں کے کھلے رہنے کے اوقات میں تخفیف کیجائے۔

(٣) منشیات کی فروخت پر مختلف پابندیاں عاید کیجائیں

(٤) زیادہ تیز قسم کی منشیات پر شرح محصول میں معتدبہ اضافہ کردیا جائے۔

(٥) سیندھی خانوں میں جو دلچسپی کے دوسرے سامان ہوتے ہیں ان ... کمی کیجائے

(٦) منشیات کے استعمال سے جو مضرت رساں نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کی تشہیر کرکے ان کے استعمال سے باز رہنے کی تلقین کیجائے

(٧) کارخانوں کے قرب وجوار میں سیندھی کی دکانوں کے قیام کی اجازت نہ دیجائے اور کارخانوں سے نزدیک جو سیندھی خانے اس وقت موجود ہیں انکو بند کردیا جائے کیونکہ اس طرح مزدور کو سیندھی پینے کی ترغیب ہوتی رہتی ہے۔ اور مزدور اپنا مشقت طلب کام ختم کرنے کے بعد اسی آستانہ پر آ جھکتا ہے اور قربت اس کے لئے سہولت کا باعث ہوتی ہے۔

حیدرآباد کے عوام بالخصوص ادنیٰ طبقے میں سیندھی بازی کی عادت اس قدر مضبوط جڑیں پکڑ چکی ہے کہ اس کی بیخ کنی کے لئے حکومت کے مساعی سے زائد کامیابی کا توقع سماجی سرگرمیوں اور تعلیم وغیرہ کو حاصل ہے دوسرے ممالک کا تجربہ بھی اس امر کا شاہد ہے کہ اگر خود حکومت حیدرآباد نے قانونی طور پر ترک مسکرات کی تحریک کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تو سوائے اس کے کوئی نتیجہ نہ ہوگا کہ حکومت کو اس مد سے جو کثیر آمدنی حاصل ہوتی ہے اس میں تو نمایاں تخفیف ہوجائے گی لیکن چھپے چوری منشیات کا استعمال جاری رہے گا۔

ہماری حکومت پر عام طور سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ گذشتہ سالوں میں آبکاری کی آمدنی مستقل طور پر روبہ ترقی رہی ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت نے دانستہ طور پر منشیات کے استعمال میں اضافہ کی کوشش کی ہے تاکہ حصول آمدنی کے ایک زریں موقع سے استفادہ کیا جائے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ اعتراض صحیح نہیں ہے اس لئے کہ محصول آبکاری میں ہماری حکومت نے خا

اضافہ کر دیا ہو جس سے اصولی طور پر بجائے منشیات کے استعمال کی ترغیب ہونے کے لوگوں کو انہیں ترک کرنے کی تحریک ہونی چاہیئے ۔

بہر کیف اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اخلاقی و معاشی نقطۂ نظر سے آبکاری کو آمدنی کی ایک مد کی حیثیت سے زوال پذیر رہنا چاہیئے لیکن ظاہر ہے کہ فی زمانہ آبکاری کو مالیات حیدرآباد میں جو اہمیت حاصل ہے اس کے پیش نظر یہ توقع صحیح نہیں کہ اس بارے میں جلدی کوئی نمایاں تبدیلی ہو سکیگی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہماری حکومت کے مالی مسلک کا نصب العین یہ ہونا چاہیئے کہ آبکاری کو آمدنی کی ایک مد کی حیثیت سے کم سے کم اہمیت دی جائے ۔

کروڑگیری مالیات حیدرآباد میں جہاں تک کروڑگیری کا تعلق ہے ۔ ہمارا خیال ہے کہ فی الوقت اس میں کسی خاص تغیر کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اول تو یہ ایک ایسا محصول ہے جس کا بار کم و بیش ملک کے تمام طبقات پر پڑتا ہے دوسرے یہ کہ اس محصول کے باعث ہمارے ملک کی صنعتوں کو تامین کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور اس طرح یہ محصول ایک محدود حد تک صنعتی ترقی میں معاونت کرتا ہے ۔

جنگلات حکومت حیدرآباد کو جنگلات کی مد سے جو فیصد آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ اکثر برطانوی صوبوں اور ریاستوں کے مقابلہ میں قلیل ہے ۔

عام طور سے خیال یہ کیا جاتا ہے کہ جنگلات ایک تجارتی مد کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن فی الحقیقت جنگلات کو محض تجارتی نقطۂ نظر سے دیکھنا درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ عوام کے لئے بحیثیت مجموعی بہت سے فرائض انجام دیتے ہیں ملک کی آب و ہوا اور بارش پر ان کے کافی اثرات پڑتے ہیں ۔ ندیوں کے بہاؤ پر بھی جنگلات اثرانداز ہوتے ہیں تیسرے زمین کے کٹاؤ اور زمین بنجر کی تخفیف میں بھی مانع ہوتے ہیں ۔

مالیات حیدرآباد کی حد تک دراصل جنگلات کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہیئے ۔

ا۔ تجارتی جنگلات

(۲) افادی جنگلات

تمام تر جنگلات سے اتنی آمدنی حاصل ہونی چاہیئے کہ ان کی مجموعی اخراجات کی تکمیل کے بعد خاصی بچت ہو۔

افادی جنگلات کی حد تک حکومت کو چاہیئے کہ آمدنی کے نقطۂ نظر کو زیادہ اہمیت نہ دے۔

جنگلات سے مجموعی آمدنی میں اضافہ کی نمایاں گنجائش ہے اگر حکومت قلیل المدت نتائج پر طویل المدت اثرات کو ترجیح دے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے مالی مسلک کو اختیار کرنے کے باعث مالیات حیدرآباد پر تھوڑا بہت وزنی بار پڑے گا لیکن جنگلات معاشی اعتبار سے جو اہمیت رکھتے ہیں ان کے پیش نظر ان اخراجات سے کئی گنے زائد فوائد ہوں گے اور جنگلات کی آمدنی بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

آدم اسمتھ کا قول ہے کہ حکومت کسی فن میں اس قدر جلدی طاق نہیں ہوتی جس قدر کہ عوام کی جیبوں سے روپیہ نکالنے میں لیکن اگر مالیات حیدرآباد پر اس مقولہ کا انطباق کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ جنگ کی ابتدا تک ہماری حکومت نے آمدنی کے کوئی جدید ذرائع استعمال نہیں کئے بلکہ سابقہ ذرائع پر قناعت کی لیکن تنظیم مابعد جنگ کے بلند منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حکومت کے روز افزوں فرائض کی تکمیل نیز حیدرآباد کے نظام محاصل کے بار کی منصفانہ تقسیم کے سلسلہ میں حکومت کی آمدنی میں جو تخفیف ہوگی اس کی تلافی کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ ذرائع آمدنی میں اضافہ کیا جائے۔

محصول آمدنی | مالیات حیدرآباد پر نظر دوڑانے سے ایک نمایاں نقص یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں تقریباً تمام ترقی یافتہ ممالک کے برخلاف محصول آمدنی وصول نہیں کیا جاتا۔ محصول آمدنی ایک ایسا راست محصول ہے جس کے بار کی تقسیم نہایت منصفانہ طور پر ہو سکتی ہے اور جو بلحاظ نوعیت لچکدار ہوتا ہے محصول آمدنی سے ہمارے ملک کے ان طبقات پر بار پڑے گا جنہیں کہ فی الحقیقت محاصل کا زیادہ بار برداشت کرنا چاہیئے ایسی حالت میں ہم سمجھتے ہیں کہ محصول آمدنی کا عاید کرنا حیدرآباد کی حد تک اشد ضروری ہے برطانوی صوبوں میں یہ محصول آمدنی کا کس قدر اہم ذریعہ بنا ہوا ہے اس کا اندازہ اسی سے

ممکن ہے کہ سنہ ۴۳-۱۹۴۲ء تا سنہ ۴۴-۱۹۴۳ء برطانوی ہند میں صوبہ واری آمدنی کو شمار کرتے ہوئے ۴۰ کروڑ روپے میں سے ۹ کروڑ روپے محصول آمدنی سے وصول ہوئے۔ آبادی کی حد تک ہم برطانوی ہند کا ۵ فیصد ہیں اور اس لحاظ سے ہمارے یہاں اس محصول کے ذریعہ سے چار کروڑ روپے سے زائد رقم وصول ہونی چاہئے۔

اس امر کے پیش نظر کہ برطانوی محاصل کروڑگیری کے علاوہ ہمارے یہاں بھی ۵ فیصد کا محصول کروڑگیری موجود ہے ہماری یہ تجویز ہے کہ برطانوی ہند کے مقابلہ میں حیدرآباد میں محصول آمدنی کی شرحیں نصف رکھی جائیں۔ اس طرح محصول آمدنی کی اقل ترین حد جو برطانوی ہند میں دو ہزار روپے سالانہ ہے۔ حیدرآباد کی حد تک ۳ ہزار روپے تک قرار دی جائے۔ اس طرح اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی کہ صنعتی اور کاروباری اعتبار سے ہم برطانوی صوبوں سے کافی پیچھے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ محصول آمدنی کے ذریعے سے ۲ کروڑ روپے سالانہ کی رقم وصول نہ کیجا سکے۔ محصول آمدنی کے بارے میں ہمارا یہ تخمینہ محض ابتدائی زمانے کے لئے ہے اور ظاہر ہے کہ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ آمدنی کی اس مد میں نمایاں اضافے کی گنجائش موجود ہے اس لئے کہ اول تو جیسے جیسے لوگ اس محصول کے عادی ہوتے جائیں گے انہیں نسبتاً کم گراں گذرے گا۔ دوسرے رفتہ رفتہ اس محصول کی شرح میں بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

محصول فروخت حیدرآباد میں ایک عام محصول فروخت عائد کرنے کا مسئلہ بھی نمایاں اہمیت رکھتا ہے اور اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کے دونوں پہلوؤں پر نظر ڈالیں۔ امریکہ اور یورپ کے اکثر ممالک میں یہ محصول عائد کیا جاچکا ہے اور بیشتر صورتوں میں اس سے جو آمدنی حاصل ہوئی ہے وہ محاصل آبکاری اور محصول آمدنی سے کہیں زیادہ ہے۔

ایک عام محصول فروخت کو عائد کرنا اس لئے بھی مناسب ہے کہ اس کے ذریعے سے تمام طبقات میں محصول کا بار تقسیم کیا جاسکتا ہے یہ محصول آمدنی کا ایک لچکدار ذریعہ ثابت ہوتا ہے اور حالات اور ضروریات کے اعتبار سے اس میں کمی بیشی کیجا سکتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ پیش نظر

رکھنا چاہیئے کہ حیدرآباد کی حد تک اس محصول سے آمدنی کا اس قدر زیادہ حصہ حاصل نہیں کیا جاسکتا جتنا کہ یورپی ممالک میں اس لئے کہ ہماری معیشت بہرکیف زرعی ہے۔

موجودہ حالات محصول فروخت کے عائد کرنے کے لئے سازگار ہیں اور اگر اس محصول کی شرح بہت بھاری نہ ہو تو اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا بار بیشتر بیں تعداد پر کمتر بیں طور پر پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد مختلف ممالک کے مالیاتی مسلک کا رجحان یہی رہا ہے کہ اس محصول کو اختیار کرلیا جائے

محصول فروخت کی موافقت میں ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ حکومت حیدرآباد نے معاشی ترقی کے لئے جو لائحہ عمل تیار کیا ہے اس سے عوام کی حقیقی آمدنی میں بلاشبہ اضافہ ہوگا اور ایسی صورت میں یقیناً یہ حق بجانب ہوگا کہ حکومت ان اخراجات کی پابجائی کے لئے جو اسے معاشی منصوبوں کو روبعمل لانے کے سلسلے میں برداشت کرنے پڑیں گے محصول فروخت وصول کرے۔

کوئی وجہ نہیں ہے کہ جب اکثر ممالک میں آمدنی کا یہ ایک خاصا اہم ذریعہ بنا ہوا ہے اور حیدرآباد کے باشندے پانچ فیصد محصول کرو ڑگیری سے مانوس ہوچکے ہیں تو حکومت حیدرآباد اس سے استفادہ نہ کرے مختلف ممالک میں آمدنی کا یہ کیسا اہم ذریعہ بنا ہوا ہے اس کا اندازہ حسب ذیل جدول سے ممکن ہے

سنہ ۱۹۳۵ تا سنہ ۱۹۳۷ء

ملک	مجموعی آمدنی کا فیصد جو محصول فروخت سے حاصل ہوتا ہے
آسٹریلیا	۱۴٫۶
کینیڈا	۳۶٫۹
بلجیم	۲۵
فرانس	۱۷٫۶
جرمنی	۲۰٫۸
اطالیہ	۹٫۹
روس	۶۲٫۶

ترکی	۱۰،۵
کیلیفورنیا	۲۱،۷
ہندوستان	۱۳

حیدرآباد میں محصول فروخت کو اختیار کرنے کے سلسلے میں مدراس کے تجربات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ مدراس میں محصول فروخت نہایت کامیاب اور بارآور ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ گذشتہ ۶ برس کے دوران میں اس محصول سے جو آمدنی حاصل ہوئی ہے اسے مندرجہ ذیل جدول میں پیش کیا گیا ہے۔

سال	آمدنی لاکھ روپیوں میں
سنہ ۱۹۳۹ تا سنہ ۱۹۴۰ء	۳۳،۹۹
سنہ ۱۹۴۰ء تا سنہ ۱۹۴۱ء	۶۱،۶۸
سنہ ۱۹۴۱ تا سنہ ۱۹۴۲ء	۹۵،۱۴
سنہ ۱۹۴۲ تا سنہ ۱۹۴۳ء	۸۹،۰۳
سنہ ۱۹۴۳ تا سنہ ۱۹۴۴ء	۲۲۰،۰۰ [۱]
سنہ ۱۹۴۴ تا سنہ ۱۹۴۵ء	۳۶۴،۸۰ [۲]

لیکن محصول فروخت کی آمدنی میں اس حیرت انگیز اضافہ سے ہمیں مغالطے میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس کا حقیقی سبب قیمتوں کا غیر معمولی اضافہ ہے۔ دوسرے اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء کے بعد سے محصول فروخت کی شرح میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب جنگ کے بعد قیمتوں میں کمی ہوگی تو محصول فروخت کی آمدنی بھی گھٹ جائے گی۔

مدراس کے تجربہ سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ محصول فروخت کے عاید کرنے میں ایسی شدید انتظامی دشواریاں درحقیقت موجود نہیں ہیں جس قدر کہ ابتدا میں تصور کی گئی تھیں۔

حیدرآباد میں اگر یہ محصول اختیار کیا جائے تو انتظامی دشواریوں سے بچنے کے لئے اول تو چھوٹے بیوپاریوں کو جن کا لین دین دس ہزار روپئے سالانہ سے کم ہو مستثنیٰ قرار دینا چاہئے نیز محصول فروخت کی شرح کم کی جائے تاکہ

[۱] ترمیم تخمینہ برائے سنہ ۱۹۴۳ تا سنہ ۱۹۴۴ء [۲] تخمینہ برائے سنہ ۱۹۴۴ تا سنہ ۱۹۴۵ء

لوگ اس محصول سے بچنے کے لئے بڑے بڑے کاروباروں کو چھوٹے کاروباروں میں تقسیم نہ کریں۔

مدراس کے تجربے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ محصول فروخت پیدا کنندوں اور تجار کے حق میں ایسا سم قاتل نہیں ہے جیسا کہ اسے عام طور سے خیال کیا جاتا تھا۔ حیدرآباد میں محصول فروخت کی مخالفت میں مندرجۂ ذیل دلائل پیش کیجا سکتی ہیں۔

(۱) محصول فروخت کو صارفین پر منتقل کرنا اگر ناممکن نہیں تو نہایت دشوار ضرور ہے۔ دوسرے الفاظ میں محصول فروخت کا بار پیدا کنندے پر پڑے گا جس کے باعث ملک کی صنعتی سرگرمیاں متاثر ہونگی۔

(۲) ایسے خام مال پر جسے پیدا کنندے تک پہنچنے میں متعدد منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں مثلاً روئی چونکہ ہر منزل میں محصول فروخت وصول کیا جائے گا اس لئے ہماری ریاست کی تجارت برآمد کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۳) کاروبار ہمسایہ علاقوں میں منتقل ہونے لگیں گے۔

(۴) محصول فروخت سے بچنے کے لئے درمیانی افراد کی تعداد کو کم سے کم کرنے کی کوشش کیجائے گی اور اس طرح ایک بڑا طبقہ بے روزگار ہو جائے گا۔

لیکن مدراس کے تجربات نے ان تمام اندیشوں کو سراسر غلط ثابت کیا ہے۔ یہ محصول مدراس میں حد درجہ پیداآور ثابت ہوا ہے نہ اس کی وصولی کے باعث مصارف پیدایش میں اضافہ ہوا ہے اور نہ اس کے کاروبار پر مضر اثرات رونما ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کے بار کو صارفین پر کامیابی سے منتقل کردیا گیا ہے۔

غرض مدراس کے تجربات اس امر کی کافی ضمانت ہیں کہ مالیات حیدرآباد میں بھی محصول فروخت آمدنی کا ایک اہم اور ایک نہایت نفع بخش ذریعہ بن سکتا ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں ہم تصویر کے دوسرے رُخ کو بھی پیش کردیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مدراس میں اس محصول کے بار کو صارفین پر منتقل کرنے میں اس لئے کامیابی ہوئی ہے کہ جنگ کے غیر معمولی حالات کے باعث اشیاء کی طلب بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ بین الاقوامی اور بین صوبجاتی مسابقت کا تو خیر وجود ہی نہیں بلکہ عام صارفین اور حکومت میں اشیاء کی خریداری کے سلسلہ میں خود مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محصول فروخت کے بار کو اس قدر سہولت

سے صارفین پر منتقل کردیا گیا ہے لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد یعنی معمولی حالات میں اگر حیدرآباد میں محصول فروخت کو اختیار کیا گیا تو اس کے بار کو صارفین پر منتقل کرنا بہت دشوار ہوگا۔ دوسرے جب حیدرآباد کی صنعتوں کو بیرونی مسابقت کا سامنا کرنا پڑیگا تو ظاہر ہے کہ یہ محصول ان پر اثر انداز ہوگا ممکن ہے کہ اس محصول کے باعث موجودہ کاروبار ریاست سے باہر نہ جائیں لیکن اس میں شک نہیں کہ جدید کاروباروں کے قیام کی راہ میں یہ محصول ضرور مزاحم ہوگا

مزید براں ایسی اشیاء جو باہر سے برآمد کی جائیں گی انہیں تو یہ محصول صرف ایک مرتبہ ادا کرنا پڑے گا لیکن وہ اشیاء جو کہ اندرون ملک تیار کی جائیں گی انہیں ہر ہر منزل پر اس محصول کا بار برداشت کرنا پڑے گا مصارف پیدائش میں بھی اس محصول کے باعث اضافہ ہوگا اس لئے کہ مزدوروں کے مصارف زندگی اشیاء کی قیمتوں کے اضافے کے ساتھ ساتھ بڑھیں گے اور آجروں کو زیادہ اجرت ادا کرنی پڑے گی اس کے باعث ہماری ریاست کی صنعتی ترقی میں رخنہ پڑے گا اور قرب وجوار کے خطوں میں صنعتی ترقی کی رفتار بڑھ جائیگی۔

حیدرآباد میں عام محصول فروخت پر یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ بعض کاروباروں پر یہ زیادہ شدت سے اور بعض پر کم شدت سے اثر انداز ہوگا۔ مثال کے طور پر دو کارخانے سالانہ مساوی منافع کماتے ہیں لیکن ایک کا مال ۱۲ منزلوں سے گزرتا ہے اور دوسرے کا صرف دو منازل سے تو آمدنی کی مساوات کے باوجود ایک پر محصول فروخت کا بار بہت زیادہ اور دوسرے پر بہت کم ہوگا۔

صارفین کے نقطہ نظر سے بھی یہ محصول زیادہ پسندیدہ نہیں ہے اس لئے کہ زائد آمدنی والوں پر جو اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ جمع کرتے ہیں اس کا بار کم اور ادنیٰ آمدنی والوں پر جو اپنی ساری آمدنی صرف کردیتے ہیں اس کا بار بہت زیادہ ہوگا۔ اس طرح اندیشہ ہے کہ اگر عام محصول فروخت عاید کردیا جائے تو حیدرآباد کا نظام محاصل جس کے بار کی تقسیم پہلے ہی سے غیر منصفانہ ہے اور زیادہ قابل اعتراض ہوجائیگا۔

مندرجہ بالا دلائل کی بناء پر ہماری رائے یہ ہے کہ عام محصول فروخت کا موجودہ جنگ کے فوراً بعد حیدرآباد میں عاید کرنا قبل از وقت ہے۔ البتہ خصوصی محاصل فروخت کو جن کا بار خاص طور سے تعیشات زندگی پر ہو عاید کرنا بلاشبہ حق بجانب ہے دوسرے حیدرآباد میں جب بھی عام محصول فروخت کو اختیار

کیا جائے تو اس کی شرح[1] ابتدا میں بہت کم مقرر کی جائے۔ تیسرے ہماری رائے میں محصول فروخت سے غذائی اشیاء ضروریات زندگی اور سبزی کا دیرہ وغیرہ کو مستثنیٰ قرار دینا چاہیے۔

محصول جانشینی اس محصول کو عاید کرنا ہر طرح مبنی بر انصاف ہے لیکن ضرورت اس کی ہے کہ اس سلسلہ میں صرف اراضی کی شکل میں جائداد کو پیش نظر نہ رکھا جائے بلکہ ہر قسم کی جائداد کو اس کے دائرہ میں شریک کرلیا جائے۔

موٹروں پر محصول حیدرآباد کی حد تک اس محصول سے آمدنی میں اضافہ کی خاصی گنجائش موجود ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس میں موٹروں کی قوت اسپ کے اعتبار سے اضافہ کردیا جائے اور اس محصول سے جو آمدنی ہو اسے سڑکوں کی تعمیر کے لئے مخصوص کردیا جائے۔

پیشوں پر محصول بنگال اور صوبۂ متوسط کی حکومتوں نے یہ محصول عرصہ ہوا عاید کیا اور یقیناً حیدرآباد میں بھی اس کی کافی گنجائش موجود ہے۔

ہماری حکومت اس کی کوشش کرے کہ آمدنی کے قدیم ترین ذرائع یعنی مالگزاری اور آبکاری کی اہمیت کم ہوتی جائے اور ان کے بجائے محصول بلا واسطہ مثلاً محصول آمدنی وغیرہ سے استفادہ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی کوئی تبدیلی چشم زدن میں ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے خاصہ عرصہ درکار ہوگا۔

اخراجات اگر ہم ابواب اخراجات کو تعمیری مدات اور تحفظی[2] مدات کے تحت تقسیم کرکے مالیات حیدرآباد

---

[1] منسلکہ ذیل جدول میں محصول فروخت کی وہ ابتدائی شرحیں درج کی گئی ہیں جو مختلف ممالک نے اپنے یہاں اختیار کی ہیں۔

ممالک	فیصد شرح	ممالک	فیصد شرح
جرمنی	٥ر	فرانس	١ر١
بلجیم	١	زیکوسلواکیا	١
آسٹریا	١	کینیڈا	١
ہنگری	١ر٥		

[2] اول الذکر کے تحت عام نظم و نسق افواج پولیس عدالتوں اور جیلخانوں کو شامل کیا جاسکتا ہے اور موخر الذکر کے تحت تعلیم طبابت، صحت عامہ، زراعت، صنعت و حرفت، امداد باہمی اور علاج حیوانات کو شمار کیا جاسکتا ہے۔

پر نظر دوڑائیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت حیدرآباد تحفظی خدمات پر تعمیری خدمات کے مقابلہ میں زائد مصارف برداشت کرتی ہے۔ لیکن اس بنا پر اس پر یہ الزام عاید نہیں کیا جا سکتا کہ تعمیری مدات کی جانب سے بے توجہی برتی گئی ہے اس لئے کہ تعمیری خدمات بذات خود بڑی حد تک تحفظی خدمات پر منحصر ہوتی ہیں لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ تعمیری مدات پر اخراجات میں نمایاں اضافے کی ضرورت ہے۔

طبابت اور صحت عامہ پر اخراجات میں ترقی کے ذریعہ سے قومی آمدنی اور پیدائش دولت میں نمایاں اضافہ کیا جا سکتا ہے نیز اس کے ذریعہ سے عوام کے محصول دینے کی قابلیت میں اضافہ ہو سکتا ہے

زراعت پر اخراجات میں اضافہ کی بالخصوص اس لئے بھی ضرورت ہے کہ حیدرآباد کی حد تک مالگزاری آمدنی کی اہم ترین مد ہے اور اس میں اضافہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ زراعت کی اصلاح اور غریب کاشتکار کی امداد نہ کیجائے

خیال یہ کیا جاتا ہے کہ حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ مالیات کے توسط سے آمدنیوں کی عدم مساوات کو دور کرے اور حیدرآباد کی حد تک حکومت کو اس میں بعض اس وقت کامیابی حاصل ہو سکتی ہے جب کہ امیروں سے زائد محصول وصول کر کے عوام کو تعلیم طبابت و صحت عامہ زراعت صنعت و حرفت اور دوسری مدات کے تحت واپس کیا جائے۔

حکومت حیدرآباد تعلیمات پر جو رقوم صرف کرتی ہے یقیناً وہ بہت کافی ہے اور حکومت حیدرآباد کے مالی مسلک کا ایک نہایت درخشاں پہلو یہ رہا ہے کہ تعلیمات پر اخراجات میں نہایت تیزی سے اضافہ ہوا ہے لیکن اس کے باوجود بعض برطانوی صوبوں اور ریاستوں کے مقابلے میں حکومت حیدرآباد اس اہم تعمیری مد پر جو فیصد رقم صرف کرتی ہے وہ نسبتاً کم ہے

افواج پر اخراجات کا جہاں تک تعلق ہے گو کہ اس کے فیصد اخراجات رفتہ رفتہ زوال پذیر رہے ہیں لیکن باوجود اس کے اب بھی حکومت اپنے مجموعی اخراجات کا ۱۰ فیصد حصہ اس غیر پیداآور مد پر صرف کرتی ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس میں رفتہ رفتہ کمی کیجائے۔

فیصد فوجی اخراجات کا جہاں تک تعلق ہے ان میں تخفیف ہوتی رہتی ہے لیکن ضرورت اس

کی ہے کہ ان میں مزید تخفیف ہو اس لئے کہ حیدرآباد کی حد تک کوئی راست خطرہ موجود نہیں ہے بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ برطانوی حکومت نے ریاست کے تحفظ کی ضمانت لے رکھی ہے۔

صحت عامہ و طبابت پر بھی حیدرآباد کے سالانہ اخراجات میں اضافہ کی نمایاں گنجائش موجود ہے۔

کم و بیش یہی کیفیت زراعت امداد باہمی اور صنعتوں کی ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم تک زراعت کی جانب سے کس قدر بے توجہی برتی گئی اس کا اندازہ اس امر سے ممکن ہے کہ اس کے لئے حکومت کے سالانہ موازنوں میں کوئی علحدہ مد بھی قائم نہیں کی جاتی تھی۔

اس میں شک نہیں ہے کہ حالیہ سالوں میں ان اہم تعمیری مدات پر اخراجات میں نمایاں اضافہ ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اب بھی کافی اضافے کی گنجائش موجود ہے۔

ان تمام امور سے قطع نظر مالیات حیدرآباد کے مدات اخراجات میں جو رجحانات کارفرما ہیں وہ یقیناً ہر طرح تشفی بخش اور امید افزا ہیں۔

گذشتہ بیس برس میں حکومت حیدرآباد نے اخراجات کے سلسلے میں جو مالی مسلک اختیار کیا ہے اس کی نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ تعمیری اور معاشی نقطۂ نگاہ سے مفید ابواب پر اخراجات میں نمایاں اضافہ کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو غیر پیدا آور اخراجات سے احتراز کیا جائے۔

غرض حکومت حیدرآباد کے اخراجات پر نظر دوڑانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ صرف وہ اپنے سابقہ فرائض کو زیادہ تشفی بخش انداز میں انجام دے رہی ہے بلکہ رفتہ رفتہ اس کے فرائض کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے عام طور سے ملک کی معاشی ترقی اور بالخصوص صنعتی ترقی کے سلسلے میں ہماری حکومت نے جس گرم جوشی کا اظہار کیا ہے وہ یقیناً نہایت امید افزا ہے۔

فی الحقیقت حیدرآباد کے نظام مالیات کو عمدہ اور معقول بنیادوں پر صرف اس صورت میں قائم کیا جا سکتا ہے جب کہ محاصل کے متعلق عوام کا مطمح نظر تبدیل ہو جائے ہمیں چاہیئے کہ محاصل کو ایک ایسا بار تصور نہ کریں جو کہ حکومت کے مصارف کی تکمیل کے لئے ہم برداشت کرنے پر مجبور ہیں بلکہ انہیں ایک ایسی امداد سمجھیں جو حکومت کے لئے بے نہایت اہم سماجی معاشی اخلاقی اور سیاسی

فرائض انجام پاتے ہیں موجب سہولت ہے۔ حیدرآباد کے مالی وسائل سے صرف اس حالت میں کمل طور پر استفادہ ہو سکتا ہے جب کہ حکومت اور محصول دہندوں یعنی عوام کے درمیان کامل [illegible] عمل ہو اور کسی انفرادی جماعت کے مفاد کو خواہ وہ جماعت تجارت پیشہ ہو خواہ جاگیردار، ملک کے مجموعی مفادات پر ترجیح نہ دی جائے۔ فقط

دوران جنگ میں صنعتی ترقی

اور

فنی تعلیم کی مابعد جنگ ضروریات

(از جناب پی نرسیا صاحب بی، ای)

زمانۂ حاضر کی بڑی بڑی صنعتی اور تجارتی مہمات کے ضمن میں عنوان بالا پر ماہرین صنعت کے علاوہ حکومت کی توجہ بھی مرکوز ہے کیونکہ آخر الذکر ہی صنعتی ترقی کو سرعت کے ساتھ روبہ عمل لانے کی ذمہ دار ہے۔

بالعموم ماہرین صنعت کو تامینی حکمت علی کے تعلق سے اشتباہ ہے کہ ملکی صنعت کے لئے کسی نہ کسی صورت میں سرکاری امداد اور اختتام جنگ کے بعد غیر ملکی صنعت کی مسابقت میں اول الذکر کی حفاظت کی ضرورت کو حکومت تسلیم بھی کریگی یا نہیں لیکن اس امر کا یقین دلایا جا سکتا ہے کہ اگر غیر ملکی اشیاء کی درآمد کا دوبارہ آغاز ہو تو زوال پذیری کے اس خطرہ سے بچانے کیلئے جو غیر ملکی صنعت کی مسابقت سے تمام غیر ملکی صنعتوں کو لاحق ہوگی حکومت کو تدابیر اختیار کرنے کی جانب مائل ہے۔ تنظیم مابعد جنگ کی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں حکومت نے جو معقول تدبیر اختیار کی ہے وہ تمام جدید صنعتوں کے فنی افراد کی فراہمی ہے یعنی زمانۂ امن کے پرسکون ماحول میں جدید قائم شدہ صنعتوں کو باحسن الوجوہ برقرار رکھنے نیز انتظام نگرانی اور فنی کام انجام دینے کی غرض سے عہدہ دار اور معمولی فنی کام انجام دینے والے افراد حکومت کی جانب سے مہیا ہوں گے۔

گذشتہ چند قرنوں کے دوران میں صنعتی ترقی اٹھارہویں صدی کے وسط میں برطانیہ میں

صنعتی انقلاب رونما ہوا اس نے ایک یا دو ہی نسلوں کے بعد ملک کی ہیئت بدل ڈالی یہی انقلاب ہندوستان میں تقریباً ایک صدی بعد شروع ہوا۔ ہندوستان کی معاشی زندگی میں زرعی صنعتی کی بہتات نے اہل ہند کی توجہ کو زراعت ہی کی جانب مائل رکھا اور آگے چلکر یہ بات بے اطمینانی پیدا کرنے لگی۔ قدیم صنعتوں کے احیاء، جدید صنعتوں کی ترویج اور ذرائع معیشت میں عام طور پر تنوع پیدا کرنے کی سالہا سال تک ترغیب دیجاتی رہی تاہم مرض کی تشخیص کے باوجود فقدان علاج کے باعث مرض بدستور قائم رہا۔

وسائل کی قلت اس تعطل کا سبب نہ تھی۔ اس زمانہ میں بھی ہندوستان زرعی دولت اور معدنی ذخائر کے اعتبار سے دولت مند تھا۔ دور دراز ممالک سے بڑی حد تک اشیاء کی درآمد کیلئے اندرون ملک بہت بڑا میدان پایا جاتا تھا البتہ ضرور محرکات یعنی مشینوں، ہنرمند مزدوروں، سرمایہ اور مہم پسندی کی کمی تھی کہ ان کے ذریعہ ہی قابل حصول وسائل سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

دنیا کی دو بڑی جنگوں کی دہشت آفرینی اور مصائب کی داستانیں تو بہت کچھ بیان کی جاسکتی ہیں۔ ماہرین سائنس، محققین اور موجدوں کو الزام دیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے زمانۂ جنگ میں سائنسی تحقیقات اور ایجادوں کو روبکار لانے میں عجلت کی لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ان ہی دو جنگوں کے باعث صنعتی نشوونما میں ایک انقلاب بپا ہوا ہے۔ ان جنگوں کی وجہ سے ثقافت، تمدن اور انسانی وجود کو جو خطرات لاحق ہوئے ہیں ان کو نظرانداز تو نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر جنگ کے اختتام پر صنعتی ترقی کے ایک جدید دور کا آغاز ہوا ہے۔

گذشتہ جنگ عظیم کے موقع پر ہندوستان کی صنعتی حیثیت کچھ زیادہ بہتر نہ تھی پارچہ بافی اور انجینری کے چند کارخانے، ریلوے ورکشاپ، چاول، تیل، آٹے اور کاغذ کی چند ملیں اس زمانہ کی کل صنعتی کائنات تھی۔ لوہے کی صنعت کو قدم جمانے کے لئے ابھی عرصہ درکار تھا فولادی

کارخانوں کے قیام میں مشکلات حائل تھیں۔ برقی قوت محرکہ بہت کم استعمال کی جا رہی تھی گذشتہ جنگ عظیم کے ابتدائی دو سالوں کے دوران میں حالات کی افراتفری نے ہندوستان پر صنعتی ترقی کی ضرورت واضح کر دی۔ بعد کے سالوں میں فوجی اور غیر فوجی ضروریات نے اس ملک کے صنعتی نظام کو مزید افزوں ترقی کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ گذشتہ جنگ عظیم سے قبل حکومت ہند کی یہ پالیسی کہ صوبہ داری حکومتوں کی ہر ترقی پسند اسکیم کا فوری خاتمہ کر دیا جائے فی الحقیقت لارڈ مارلے کی قوت فکر کی مرہون منت تھی۔ لیکن جنگ کے حالات نے اب حکومت کے رویہ میں بھی تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ نہ صرف یہ کہ صنعتی اور فنی مدارس کارکنوں کی اسکیمیں انجینئرنگ کالج اور خصوصی ادارے بڑی حد تک مہیا کئے گئے ہیں نہ صرف یہ کہ تحقیقاتی ادارے قائم کئے گئے ہیں جن میں ہندوستان کے مختلف وسائل و ذرائع کی وسعت و ترقی کے بارے میں تحقیقات عمل میں لائی جا رہی ہے نہ صرف یہ کہ امداد اور اطلاعیں بہم پہنچانے کی غرض سے خبر رسانی کے ادارے اور تجارتی تشہیری دفاتر قائم کئے جا رہے ہیں۔ بلکہ ہندوستانی صنعتوں کو رعایتی تحفظ اور سرپرستی کے ذریعہ سے بھی بلا واسطہ ترقی دی گئی ہے۔

حالیہ صدی کے آخری ربع حصہ میں جہاں تک صنعتی جدوجہد کا تعلق ہے نمایاں ترقی ہو رہی ہے متعدد جدید صنعتیں وجود میں آئیں اور اکثر قدیم صنعتوں کو قابل لحاظ حد تک وسیع کیا گیا۔ سوتی پارچہ بافی کی صنعت نے تو سب سے زیادہ سرعت کے ساتھ ترقی کی ہے چنانچہ تیار شدہ پارچہ کی مقدار اب اس منزل پر پہنچ گئی ہے کہ دیگر ممالک کے ساتھ ہندوستان کی احتیاج کا بڑی حد تک خاتمہ ہو چکا ہے۔ (۶۶) کروڑ روپیہ مالیتی کپڑے کی درآمد گھٹ کر اب صرف (۱۳) کروڑ روپیہ مالیت تک پہنچ چکی ہے۔ ان ناموافق حالات و اسباب کے پیش نظر جو ملکی صنعت کی راہ ترقی میں حائل تھے یہ کوئی معمولی ترقی نہیں ہے پیمانۂ کبیر کی کسی صنعت کو چلانے میں اہل ہند کی صلاحیت کا اس سے ایک واضح ثبوت فراہم ہوتا ہے صنعت آہن سازی کشش کے مرحلوں سے گذرنے کے بعد لوہے اور فولاد کی صنعتیں اب اسود جہ

تک پہنچ چکی ہیں کہ ملکی ضروریات کی بڑی حد تک تکمیل ہونے لگی ہے ۔ سب سے زیادہ نمایاں ترقی صنعت شکر سازی کی غیر معمولی نشوونما ہے جو حکومت کی جانب سے عطا کردہ معین تامینی سہولتوں کا نتیجہ ہے ۔ جہاں تک سمنٹ سازی کی صنعت کا تعلق ہے اس کی تیاری نے دوسرے ممالک کی درآمد کو نہ صرف روک دیا ہے بلکہ اگر ذرائع حمل ونقل مہیا ہوسکتے تو غیر ملکی ضروریات کی بھی اس سے تکمیل کی جاسکتی تھی ۔

دیگر متفرق صنعتوں کے منجملہ دیاسلائی، صابون سازی، عطرسازی اور بعض انواع کی کیمیائی صنعتوں نے قابل لحاظ ترقی کی ہے ۔ ربر کے ٹائر، کاغذ، بیاٹریاں اور خشک برقی خانے غیر محدود تعداد میں تیار ہورہے ہیں ۔ اہم اور ضروری بھاری کیمیادی اجزاء مثلاً سوڈا اور پٹاس کے مرکبات تیار کرنے کی غرض سے حال ہی میں دو بڑی کیمیکل کمپنیاں قائم ہوئی ہیں ۔ اطمینان و تشفی کے لئے یہ کوئی معمولی حقیقت نہیں ہے کہ (۲۵) سال قبل جہاں صرف چند ہی شہروں میں ان کا اپنا برقی نظام قائم تھا، آج ملک کے تقریباً تمام بڑے مراکز میں کوئلہ اور دوسری قسم کے ایندھن کی بجائے بوحرکی قوت کے طور پر مستعمل تھے برقی قوت استعمال کی جارہی ہے ۔ صنعتی ترقی کا یہ وہ مرقع ہے جو بجائے خود موثر اور مسرت بخش ہونے کے علاوہ مستقبل کے لئے نہایت امید افزا ہے ۔ لیکن یہ دعویٰ کرنے سے قبل کہ ہم نے ملک کے وسیع مادی اور معدنی وسائل سے پوری طرح استفادہ کرلیا ہے یہ ظاہر ہے کہ ہم کو بڑی کاوش اور جانفشانی سے کام انجام دینے کی ضرورت ہے ۔ مزید ترقی کی خاطر ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ یہ کہ ملک کے تمام ممکنہ وسائل سے خاطر خواہ استفادہ کیلئے جدید سائنسی علوم سے اس طرح کام لیا جائے کہ کلیدی صنعتوں کے قیام کے لئے سرمایہ لگایا جاسکے ۔

ہندوستان میں صنعتی تحقیقات کے لئے جنگ جو ابھی ختم ہوئی ہے بہت مشتعل تحریک ثابت ہوئی ۔ ممالک غیر سے اہم اشیاء کی رسد کی تحدید یا مسدودی کی بنا پر چند مسائل

پیدا ہو گئے ہیں ان کو سلجھانے کی غرض سے محققین کے لئے ضروری وسائل مجتمع ہو چکے ہیں۔ آغاز جنگ کے ساتھ بعد حکومت ہند نے محکمہ پیمائش ارضیات کے ناظم اور اس کے جملہ عہدہ داروں سے خواہش کی تھی کہ معدنی پیداوار کی چھان بین کی طرف توجہ مرکوز کر دی جائے۔ غیر فوجی صنعت کی ضروریات کا بھی اندازہ کیا گیا نیز ایسی صنعتوں کی بھی تحقیق کی گئی جن کو دوران جنگ میں بدل کے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہو تاکہ حکومت اشیائے الحتاج کی قیمتوں پر نگرانی قائم کرے یا اشیائے بدل کو معیاری بنائے اور ان کو وسیع پیمانہ پر استعمال کر سکے۔ ڈھلوان لوہے ہوجینہ اور دیگر ضروری اشیاء کے لئے گودام تعمیر کرنے کے سلسلہ میں ضروری تدابیر اختیار کی جا چکی ہیں

اپریل ۱۹۴۰ء میں حکومت ہند نے سائنسی اور صنعتی تحقیقات کی ایک مجلس تشکیل دی تاکہ ملک میں ان ہر دو شعبوں کی تحقیقاتی جد و جہد کو باہم مربوط کیا جا سکے اور حکومت کو اس امر کی نسبت مشورہ دے کہ جنگی تحقیقاتی کام کس اصول پر انجام پانا چاہئے اس کے قیام کے بعد اس کے ناظم ڈاکٹر بھٹناگر نے تحقیقاتی کام انجام دینے والے ان تمام افراد سے ربط پیدا کیا جو تحقیقاتی اداروں، جامعات اور غیر سرکاری صنعتی اداروں میں اس مقصد کے لئے مامور و متعین کئے گئے تھے ذیل کی تفصیلات سے اس تحقیقاتی کام کی نسبت معلومات حاصل ہو سکتی ہیں جو ہندوستان میں صنعت کے مختلف شعبہ جات میں انجام دیا گیا ہے۔

سوتی پارچہ بافی کی صنعت سن کی قلت کے باعث جس کا تین چوتھائی حصہ بہ زمانۂ امن روس سے درآمد کیا جاتا ہے۔ ملک میں جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہندوستان میں سوت اور جوٹ کو ملا کر ایک نہایت عمدہ بدل تیار کیا گیا۔ ہوائی حملہ سے بچاؤ کے سلسلہ میں آتش فرو نلکیاں تیار کرنے کے علاوہ اس کو مختلف کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس ملک میں سن کی کاشت

نے ہندوستان کی دو امتیازی اجناس کی نکاسی کی راہ نکالی ہے جنگی رسد کی مجلس کی ہدایات پر پارچہ بافوں سے خاکی پارچہ کی تیاری کی فرمائش کی گئی تھی نباتاتی رنگوں کو فوجی ارباب اقتدار نے پہلے ہی پسند کر لیا تھا۔ جاپان کے غیر یقینی طرز عمل کی بنا پر جو ہندوستانی روئی کا خصوصی خریدار ہے جنگ کے پہلے سال کے دوران میں مقامی ضروریات کی تکمیل کے بعد روئی کے بچے ہوئے (۸) لاکھ گٹھوں کی کھپت کا مسئلہ نہایت نازک ہو چکا تھا اس مشکل کا احساس کر کے مرکزی ہندوستانی کاٹن کمیٹی اس کھپت کے نئے ذرائع اختیار کرنے میں معروف ہے جن کے منجملہ سڑکوں کی تعمیر سوتی تسمون، تاروں، شکر کے تھیلوں اور جراحی سامان کی تیاری میں بھی اس کے استعمال کا مسئلہ شامل ہے۔

یہی کمیٹی لکڑی کے گودے، سوتی کتان اور نقلی ریشمی دھاگے کی تیاری پر تحقیقات کر چکی اور اس امر کے امکانات پر مزید غور کر رہی ہے کہ نقلی ریشم سازی کی صنعت "Rayon" کی محتاج نہ رہے جس پر سالانہ دو کروڑ کا خرچ عائد ہوتا ہے

فولاد کی بھرت مختلف النوع فولادی اشیاء کی تیاری میں سرعت پیدا کرنے کی منصوبہ بندی ایک خصوصی تحقیقاتی مجلس کے قیام کا باعث ہوئی ہے تاکہ خام دھات کی صفائی کے ذرائع اختیار کئے جائیں۔ وسیع پیمانہ پر اسلحہ کی تیاری میں یہ مجلس بہت ممد و معاون ثابت ہوئی ہے سائنسی تحقیقاتی مجلس کی تجویز کی بنا پر حکومت ہند نے سائنسی آلات کی تیاری کے سلسلہ میں تحقیقات کی غرض سے رقمی امداد بھی عطا کی ہے۔

مفرد و مرکب ادویات ممالک غیر سے مفرد اور مرکب ادویات کی درآمد میں خلل واقع ہونے کی وجہ سے جن کا کثیر حصہ جرمنی سے درآمد ہوا کرتا تھا ملک کو مقامی وسائل کی طرف متوجہ ہونا پڑا تاکہ مماثل ادویات یا ان کا بدل تیار کیا جائے اس کے نتیجے کے طور پر اب ملک میں مختلف قسم کی مفرد ادویات، مرہم اور جراحی آلات

تیار کئے جا رہے ہیں۔

راب کا استعمال یو۔پی کی حکومت کی جانب سے صنعتی پیمانہ پر راب سے الکوہل کی تیاری کی اسکیم کو روبہ کار لایا گیا ہے۔ پٹرول کے ساتھ الکوہل کو مخلوط کرنے کے ضمن میں تیل کی کمپنیوں سے جو گفتگو جاری تھی وہ کامیابی پر منتج ہوئی ہے اور اب مخلوط پٹرول بازار میں دستیاب ہونے لگا ہے۔

مرکزی حکومت کے صنعتی محکمہ کی طرف سے "راب" پر تحقیقاتی کام انجام دیا گیا ہے تاکہ (Lime SurKAi) اور چونے سمنٹ جیسے گارے کی طاقت پر اس کے اثر کا تعین کیا جا سکے نتیجۃً "راب" کی تجارت کا ایک نیا بازار وجود میں آیا ہے۔ تحقیق کے نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعمیر میں راب کے استعمال سے گارے کے جمنے میں پہلے جو وقت درکار ہوتا تھا اس کے دوران میں قابل لحاظ کمی اور راب کے تناؤ میں اضافہ عمل میں آیا ہے۔ صنعتی محکمہ کی تحقیق کے مطابق راب کا ایک نمایاں فیصد تناسب گارے میں پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اول الذکر کی طاقت میں اضافہ وقت کے ساتھ متناسب یعنی ۱۰ سے ۱۵ فیصد کے درمیان ہوا کرتا ہے لیکن اگر راب کی مقدار اس مقررہ تناسب سے زیادہ شامل کر دی جائے تو پھر گارے میں شق پیدا ہو جاتی ہے اور بعد ازاں نہایت ہی غیر مستقل نتائج ظہور میں آتے ہیں۔

روغنیات کا جدید استعمال روغنی بیجوں کے لئے سمندر پار غیر ملکی بازار باقی نہ رہنے کی وجہ سے اب دس ہزار ٹن روغنی بیجوں کی نکاسی کا مسئلہ زیر غور ہے اس سے نمٹنے کے لئے حکومت ان کے استعمال کے جدید طریقے دریافت کرنے میں مصروف ہے۔ نباتی روغنیات کو "روغن" کے طور پر استعمال کرنے کے سلسلہ میں صنعتی تحقیقاتی محکمہ نے کچھ تجربات کئے ہیں۔ اسی کام کے سلسلہ میں اس محکمہ نے بعض روغنی مرکبات بھی تیار کئے ہیں لہذا ان کو عملاً انجنوں میں استعمال بھی کیا ہے۔ نتائج سے ظاہر ہوتا ہے

کو جزوی طور پر معدنی روغنیات کی بجائے نباتی روغنیات سے کام لیا جا سکتا ہے جو عرصہ دراز سے بعض انجنوں میں خصوصی "ذہن" کے طور پر مستعمل تھے۔ ریلوے انجنوں میں ذہن کے طور پر ارنڈی کا تیل ہندوستان میں بکثرت استعمال کیا جاتا ہے لیکن چونکہ آکسیجن کے ساتھ ترکیب کھانے کی اسمیں صلاحیت موجود ہے اس لئے انجن کے پرزوں میں اس کے استعمال سے دبازت پیدا ہوتی ہے جس سے بار بار اُن کو بدلنے کی ضرورت لاحق ہوتی رہتی ہے سائنسی تحقیقاتی مجلس نے ریلوے بورڈ کو بالاصرار توجہ دلائی ہے کہ "ذہن" کے طور پر نباتی روغنیات کا بکثرت استعمال کیا جائے۔

اسی طرح گندھک، شیشہ، ایندھن، رنگ، وارنش، اشیائے رنگ سازی کاغذ سازی اور ہوائی جہاز کے لئے اسپرٹ وغیرہ کی تیاری کے سلسلہ میں بھی تحقیق عمل میں لائی جا رہی ہے۔

اس سارے تحقیقاتی کام کو جو ہندوستان میں ہو رہا ہے اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں حاصل ہوگی۔ تا وقتیکہ سائنسداں اور ماہران سائنس صنعت کے مابین جو گہرا ربط ہے اس کو درجہ کمال تک فروغ نہ دیا جائے یہ ربط پیمانۂ کبیر کی پیداوار کے لئے نہایت ضروری ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ برطانیہ نے اپنی ہنرمندی اور اختراعی خصوصیات کی بدولت سائنسی تحقیقات کے سلسلہ میں غیر معمولی ترقی کی ہے لیکن اس کا نقص یہ ہے کہ خالص تحقیقاتی کاموں کی وسعت کے ساتھ ساتھ صنعت کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع نہیں ہے یہاں اس امر کا آزادی کے ساتھ اظہار کیا جا سکتا ہے کہ "پینی سلین" جیسی اکثر ایجادوں کی داغ بیل تو انگلستان میں پڑی لیکن اس کی تیاری کے لئے برطانوی سائنس دانوں کو امریکہ جانا پڑا۔

دورِ حاضر میں ہندوستان کی صنعت

جدید صنعتوں کی یہ نمایاں ترقی جو صنعتی ہندوستان کے عالم وجود میں آنے کی نوید ہے دراصل ان ہی تحقیقات کی مرہون منت ہے جن کے باعث جنگ کے ابتدائی چند سالوں

میں ہندوستان کے معاشی حالات میں تبدیلیاں پیدا ہوگئیں اب حدود ہندوستان کے اندر موٹر، ہوائی اور بڑے بڑے بحری جہاز کے سوا تقریباً تمام جنگی ضروریات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ طیارہ سازی کی بھی ابتدا ہو چکی ہے۔ وزیگاپٹم میں جہاز سازی کے کارخانہ کا پہلے ہی سے قیام عمل میں آچکا ہے۔ بمبئی میں آٹوموبائل کمپنی حال ہی میں قائم ہوئی ہے اور حکومت کی جانب سے بنگلور میں طیارہ سازی اور اس کی ترمیم وغیرہ کا کارخانہ گذشتہ تین سال سے کام کر رہا ہے۔

جنگی اشیاء کی فراہمی کے سلسلہ میں برطانوی مملکت کے گیارہ ممالک سے اب تک فرمائشیں وصول ہو چکی ہیں جن میں ایسی اشیاء بھی شامل ہیں جو ہندوستان میں کبھی تیار نہیں ہوئی تھیں۔ ان میں مختلف النوع اشیاء مثلاً خاکی قمیص، رکابیاں، اسپرٹ کالونیں کوئلہ فولادی ڈبے، خیمے، آلات جرثقیل، فن انجنیری اور فوجی شفاخانوں کے ساز و سامان بیاٹریاں، برقی خانے، ترشے اور کیمیائی اشیاء شامل ہیں۔

ملکی مصنوعات کی طلب میں اندرون ملک ہی اضافہ پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ کیونکہ جنگ کے طویل دوران میں کسان کو تو اس کی پیداوار کا مناسب معاوضہ ملنے کا یقین ہو سکتا ہے۔

متعدد صنعتوں کے منجملہ صرف فولادی صنعت کا یہاں ذکر کیا جائے گا جس کی افادیت معمولاً گھریلو ضروریات تک محدود نہیں رہی ہے اور جنگ کے باعث اس کو بہت کچھ اہمیت حاصل ہو چکی ہے۔ مصنوعی فولادی اشیاء کی فراہمی کی فرمائشیں حاصل کرنے کی غرض سے تقریباً (۵۰) کارخانے ایک دوسرے سے مسابقت کر رہے تھے جنکی گھریلو کھاسی معمولاً ایک لاکھ ٹن کے قریب ہے دیگر متعلقہ صنعتوں میں قلعی کی صنعت اس درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ اس سے ملک کی ضروریات کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ تار اور تار کے کیلوں کی صنعت کی سالانہ پیداوار (۱۲،۰۰۰) ٹن ہے جو مقامی کھپت کی ایک تہائی مقدار ہے۔

جیسا کہ متذکرہ صدر تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے موجودہ جنگ ہمارے ملک میں صنعتی نظام کے قیام کی موجب ثابت ہوئی ہے۔ ہندوستانی سرمایہ دار صنعتی نظام کی ترقی کیلئے صرف پیسہ لگانے پر آمادہ ہیں۔ موجودہ حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گذشتہ تین، چار سال کے دوران میں متعدد چھوٹی صنعتیں قائم ہو چکی ہیں اور وہ سب کی سب ترقی پذیر ہیں۔ لیکن یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ یہ صنعتیں مستحکم بنیادوں پر قائم ہیں۔ زمانہ جنگ میں درآمد عملاً بند ہو چکی تھی اور مصنوعات کی طلب رسد سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھی مگر یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتی۔ اب جبکہ جنگ کے بادل چھٹ چکے ہیں مختلف مقامات سے ہمارے ملک میں بکثرت درآمد کا سلسلہ شروع ہوجائیگا اس لئے اب قابل غور امر یہ ہے کہ نوعیت اور قیمت کے اعتبار سے ہماری مصنوعات، درآمد شدہ اشیاء کا کس طرح مقابلہ کرسکیں گی۔

آئندہ توسیع کی گنجائش ملک کے زبردست معدنی اور مادی وسائل اس کی ترقی پذیر آبادی، مغربی مادی تمدن کے ساتھ بڑھتے ہوئے ربط و ضبط کے باعث عوام کے معیار زندگی میں تدریجی ترقی کے پیش نظر ملکی مصنوعات میں توسیع کی غیر محدود گنجائش موجود ہے۔ اس ساری ترقی کے باوجود جو گذشتہ صدی کے وسط سے ہندوستان نے صنعتی میدان میں کی ہے۔ اس کی قومی دولت دنیا کے دوسرے ممتاز ممالک کے مقابلہ میں نہیں بڑھ سکتی۔ اگر ان اعداد و شمار پر جو اس خصوص میں اب تک جمع کئے گئے ہیں اعتماد کیا جائے تو اس ملک کی صنعتی پیداوار کی قیمت جاپان کے (۱۶۷) اور متحدہ مملکت برطانیہ کے (۳۹۴) کے مقابلہ میں (۱۲) روپیہ فی کس ہے یہ اعداد بیک وقت ہماری موجودہ حیثیت اور اس فاصلہ کا صحیح تعین کرتے ہیں جسے طے کرنا ضروری ہے۔

غلط فہمی صنعت بہ پیمانہ کثیر کی ترقی اور نشو و نما کیلئے ملک میں عام طور پر یہ غلط خیال ہے کہ

۱ - زراعت اور صنعت کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے

(۲) ہندوستان میں برقی قوت کے ذریعہ صنعت کی ترویج معاشرتی زندگی کے لئے موجب خطرہ کا باعث ہے -

زراعت اور صنعت میں جو قریبی تعلق ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اہمیت کا کما حقہ اندازہ نہیں کیا گیا ہے - ہندوستانی معاشیات کی بلا شبہ یہ ایک بنیادی حقیقت ہے کہ اس کی کثیر آبادی کی روزی کا انحصار زراعت پر ہے زراعت کے عروج کے لئے خواہ کوئی طریقہ کار اختیار کیا جائے معیشت کی فراہمی میں جو وسیع اور مختلف فوائد پیمانۂ کثیر کے صنعتی نظام کی بدولت حاصل ہوں گے ان کو ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ کس طرح دیہی معاشیات کے مفاد کو صنعت کی ترقی سے تقویت پہنچتی ہے مثلاً شکر سازی کی صنعت کو سرعت کے ساتھ ترقی دینے کی وجہ سے نیشکر کی کاشت میں بڑی وسعت ہوئی اور حکومت کے ہمدردانہ عمل سے اس امر کا یقین پیدا ہو گیا ہے کہ مالی حیثیت سے کاشتکار کو اس کا مناسب معاوضہ مل جائے گا - اس طرح ملوں کے ذریعہ پارچہ بافی کی صنعت میں وسعت کی بنا پر روئی کے کاشتکاروں کی بگڑی بن گئی ہے روئی کے فروخت کے سلسلہ میں اب یہ غیر ممالک کی امداد کے دست نگر نہیں رہے -

جہاں تک دوسری غلط فہمی کا تعلق ہے حال ہی میں ملکی مصنوعات کی ترقی کے بارہ میں بہت کچھ کہا گیا ہے - ملک میں اکثر ایسے افراد ہیں جن کا نقطۂ نظر خالص معاشی نہ ہونے کی وجہ سے برقی قوت کے ذریعہ ہندوستان میں صنعت کی ترویج کو اس کی معاشرتی زندگی کے لئے خطرہ تصور کرتے ہیں - اگر ان کی تحقیقات کو عملی جامہ پہنایا جائے تو ہندوستان پھر زوال کی اس حالت پر عود کر آئے گا جبکی پستی سے گذشتہ ایک صدی کے دوران میں اس نے ابھرنے کی کوشش آغاز کی تھی - ملکی مصنوعات کی ترقی پر اب کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے - البتہ اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ زمانۂ گذشتہ میں بہترین

معاشیات و سیاسیات دونوں نے یکساں طور پر اس مسئلہ کو فراموش کر دیا تھا لیکن جو تحریک اس وقت پیش نظر ہے وہ وسعت و ترقی کی کوئی ایسی انتہاء درجہ اسکیم نہیں جس کو روبہ عمل لانے کیلئے ملک پر کثیر مالی بار عائد ہو۔ ہندوستان میں پارچہ بافی کی صنعت میں ترقی و وسعت کی غرض سے ملوں کے قیام کے ساتھ ساتھ دستی کرگھے بھی برابر باقی ہیں۔ بہر حال اس مسئلہ پر غیر معین خیالات کی بھرمار ہے۔ جو ملکی صنعتیں باقی رہ گئی ہیں نہ صرف ان کے تحفظ کی خاطر بلکہ دوسری مصنوعات کی جن کی ترقی کے اس وسیع ملک میں امکانات موجود ہیں باقاعدہ تنظیم کیلئے کامل تحقیقات کی سخت ضرورت ہے۔ چونکہ اس ملک میں حمل و نقل کے مصارف گراں ہیں اس لئے یہ صورت حال خود چھوٹی چھوٹی ملکی مصنوعات کی جن کی اندرون ملک کھپت ہو سکتی ہے تامین کا باعث ہے۔ بہر صورت صنعتی ترقی کیلئے کاشتکاروں کی بگڑی ہوئی حالت کا ارتفاع ایک بنیادی شرط ہے۔ یہ ایک نہایت ہی وسیع مسئلہ ہے جس کے صرف ایک جزوی حصہ سے بحث کی گئی ہے اس لئے ملک کے بہترین دماغوں کو اس کے لئے وقف ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمارے پاس کثیر تعداد میں افراد و وسائل اور ایک محدود مقدار میں سرمایہ بھی ہے جس کو کام میں لانے کی ضرورت ہے ان کے ذریعہ ہم ایک زبردست صنعتی نظام قائم کر سکتے ہیں جس سے چالیس کروڑ انسانوں کی ضروریات وابستہ ہو سکینگی وسائل معاش کو دانشمندانہ طریقہ سے مجتمع کرنے کے بعد ہم ایک ایسی جدید تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈال سکتے ہیں جسکی بدولت اقوام عالم کی صف میں ہمیں ممتاز مقام حاصل ہو سکتا ہے۔

حیدر آباد میں صنعتی ترقی جنگ کی وجہ سے ساری دنیا میں علی العموم اور ہندوستان میں علی الخصوص صنعتی بیداری رونما ہوئی تو حیدر آباد کو بھی اس سے بہرہ وافر ملا۔ جدید صنعتیں یعنی حکومت کی برن گن فیکٹری اور غیر سرکاری کارخانے منظر عام پر آئے

ٹیل ورکس، اشارچ فیکٹری، بھاری کیمیائی سلفیورک ایسڈ اور اس کے ضمنی حاصل شدہ کارخانے ادویاتی اور بایوکیمیکل ورکس کا قیام مملکت حیدرآباد کی آئندہ صنعتی ترقی کا نشان راہ ہے۔ بیمانہ کبیر و صغیر کی اکثر صنعتیں سرکاری و خانگی طور پر قائم کی جا رہی ہیں حکومت کی برقابی اسکیم، وائر پراڈکٹس لمیٹڈ، پراگو اسٹول ٹولس کارپوریشن اور جدید تمباکو فیکٹری بڑے بڑے صنعتی ادارے ہیں۔ پراسس پراڈکٹس، ووڈ اینڈ الکٹرو ڈکس اور کارڈ بورڈ انڈسٹری، چھوٹی صنعتیں ہیں۔

اس امر کا ذکر یہاں باعث دلچسپی ہوگا کہ جن صنعتوں کے قیام کا منصوبہ مرتب کیا گیا ہے ان کے انتخاب میں انتہائی احتیاط برتی گئی ہے اس لئے یہ صنعتیں نہ صرف دوران جنگ میں مفید ثابت ہونگی بلکہ اختتام جنگ کے بعد بھی ان کے ذریعہ معتد بہ منافع حاصل ہو سکتا ہے ان میں سے اکثر ایسی بھی ہیں جن کو مستعملہ پلانٹ یا تیار شدہ مصنوعات میں تھوڑی سی تبدیلی کے بعد زمانۂ امن کی ضروریات کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ اس طرح حیدرآباد میں ایک وسیع صنعتی نظام کے فوری قیام کی توقع کی جا سکتی ہے اور یہی وقت ہے جبکہ منظم طریقہ پر اس کی ترقی کے ذرائع اختیار کئے جائیں۔ اس خصوص میں مختلف حیثیتوں سے سرکاری اعانت ضروری ہے۔ صنعتی اداروں کے قیام میں مناسب نگرانی رکھنی ہوگی ورنہ ممکن ہے کہ ان گنت چھوٹی چھوٹی صنعتیں وبائی کیڑوں کی طرح سارے ملک میں پھیل جائیں جن سے ملکی صنعتی ترقی کو نفع کے مقابلہ میں نقصان کا زیادہ اندیشہ ہے ملک کے اندر غیر ملکی صنعتی اداروں کے قیام کا بھی خوف ہے جن میں ملکی مفاد کا کوئی لحاظ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حکومت کو چاہیئے کہ اس قسم کے احتمالات سے ملکی صنعت کے تحفظ کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے۔

مملکت کی آئندہ صنعتی توسیع کے بارے میں حکومت کی دلچسپی کا حال حسب ذیل اطلاعنامہ سے واضح ہو سکتا ہے جو محکمۂ اطلاعات کی جانب سے حیدرآباد کی اسکیم کے

میں ایک کروڑ روپیہ کی منظوری کے موقع پر شائع ہوا تھا۔

"حکومت سرکار عالی نے ایک اسکیم منظور کی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ملک میں صنعت کو فروغ دیا جائے۔ اس منصوبہ کی ترتیب کا باعث اگرچہ وہ حالات ہیں جو جنگ کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں لیکن ریاست کی آئندہ صنعتی توسیع کے سلسلہ میں یہ مفید ثابت ہوگی۔ زیر بحث اسکیم کی رو سے قانون حیدرآباد کمپنی کے تحت تجارتی ادارے سے اور ایسی صنعتوں کا قیام مقصود ہے جو ابتداءً چھوٹے پیمانہ کی صنعتیں مثلاً کیمیائی اشیاء اور شیشہ کے سامان، گلوکوز، نشاستہ، پینٹ لچکدار اشیاء ہونگی۔ جیسا کہ عوام آگاہ ہیں، جنگ کی وجہ سے پیدا شدہ فوری ضروریات بیش از بیش فائدہ حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ غرض ان صنعتوں کو مملکت آصفیہ کے صنعتی امکانات کے ساتھ مربوط کیا جا رہا ہے تاکہ جنگی ضروریات کی تکمیل میں حیدرآباد بھی اپنا معقول حصہ لے اور اس طرح ملک کی پیداآور کی جد و جہد میں اضافہ ہو سکے۔"

"یہ امر بالکل واضح ہے کہ ایک ایسا ادارہ جس میں مختلف قسم کی صنعتیں تیار کی جائیں جن کے منجملہ بعض تو پہلی دفعہ معرض وجود میں آئی ہوں، جب تک ناموافق مسابقت سے ان کے تحفظ کا واجبی یقین نہ دلایا جائے کامیابی کی بہت کم توقع کی جا سکتی ہے۔ حکومت سرمایہ کی حفاظت اور ایک مجوزہ صنعتی توسیع کی ضروریات کے پیش نظر رسد کی تنظیم اور ناموافق مسابقت سے تحفظ کی خاطر اس امر کا وعدہ کیا گیا ہے کہ اختتام جنگ سے دس سال بعد تک کسی غیر ملکی جماعت کو سیلیفیک لمیٹڈ اور اس کے ضمنی حاصل تیار کرنے کی غرض سے اندرون ملک کسی کارخانہ کے قیام کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

صنعتوں کے قیام کے سلسلہ میں تحقیقات عمل میں لانے کے لئے محکمہ تجارت و حرفت نے حال ہی میں ایک مجلس تحقیقات قائم کی ہے۔ مختلف کمیٹیاں جن میں سے ہر ایک تین سے چار ارکان پر مشتمل ہے ان صنعتوں کی جانچ پڑتال کریں گی جن کو فروغ دینا حکومت

بھی پڑے میں مرکزی ہے۔ مجلس اپنی تشکیل اور نوعیت کے لحاظ سے حکومت ہند کی مجلس تحقیقات سے مشابہ ہوگی۔ اس کی مستقل حیثیت ہوگی اور حکومت ہند سے اپنا ربط قائم کرے گی۔ ملکی مصنوعات کی ترقی کے لئے ایسی مجلس کا قیام بلاشبہ ایک مرکزی اقدام ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ مجلس تجارتی مشکلات پر غور کرکے اُن کو حل کرنے کی کوشش کے علاوہ ان تمام منصوبوں کی جانچ پڑتال کرے گی جو ماہرین صنعت کی جانب سے پیش ہوں اور اس خصوص میں ان کو ہر ممکن مدد بہم پہنچائے گی۔

کیمیائی تعلیم و تحقیقات کی شدید ضرورت پر سرکار عالی کے وزیر مالیہ نے جن الفاظ میں زور دیا ہے یہاں ان کا اعادہ بے محل نہ ہوگا۔ ان کی رائے ہے کہ ہندوستان کی روزانہ زندگی کے مسائل خصوصاً زراعتی اور صنعتی امور میں سائنس کے انطباق کے بغیر ترقی قطعاً ناممکن ہے۔ انھوں نے اس کا بھی انکشاف کیا کہ حیدرآباد میں ایک صنعتی تحقیقاتی ادارہ کے قیام کی غرض سے اعلیٰحضرت بندگانعالی نے پندرہ لاکھ روپیہ کی رقم منظور فرمائی ہے۔

فنی تعلیم کی ضرورت۔ جیسا کہ اگلے صفحات میں وضاحت کی گئی ہے ہندوستان میں صنعت کی ترقی اور وسعت کا جہاں تک تعلق ہے مستقبل نہایت روشن ہے ملک کے طول و عرض میں مختلف قسم کی صنعتیں قائم ہو رہی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مابعد جنگ تنظیم کی منصوبہ بندی نے اس قسم کے رجحانات پیدا کئے ہیں وہ تمام عناصر جو صنعتی فروغ کے لئے لازمی ہیں مثلاً خام پیداوار، سرمایہ، انسانی قوت وغیرہ اس ملک میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ان صنعتوں کی ابتدا کرنے کے لئے جنگ کے مابعد مشینری کسی مشکل کے بغیر دستیاب ہو سکتی ہے۔ سیاسی حالات جو اب تک صنعت کی ترقی و فروغ میں رکاوٹ بلکہ بعض صورتوں میں بالکلیہ تعطل کا باعث بنے ہوئے تھے، امید ہے کہ اب جبکہ جنگ ختم ہو چکی ہے اُن کا یہ اثر قائم نہ رہ سکیگا۔

لیکن ایک اہم مسئلہ جس کی جانب کماحقہ توجہ مبذول نہیں کی گئی ہے فنی تربیت یافتہ افراد کی افسوسناک قلت ہے۔ امکانات اور تعداد کے اعتبار سے تربیت کی سہولتیں بھی مملکت میں افسوسناک حد تک محدود ہیں۔

حکومت ہند نے ۱۹۴۳ء میں ایک فنی تعلیمی کمیٹی قائم کی ہے جس کی رپورٹیں شائع ہو چکی ہیں کمیٹی نے سپینس کی رپورٹ اور اس رپورٹ کو بھی پیش نظر رکھا ہے جو ہندوستان میں فنی تعلیم کے بارہ میں مسٹر ایبٹ نے ترتیب دی ہے اس سلسلہ کی ایک حالیہ رپورٹ بہت جامع ہے جس میں فنی تعلیم کا مفہوم، ہندوستان میں اس کے امکانات سننگ کے بعد فنی تعلیم کے اغراض و مقاصد، نصاب اور تربیت کی نوعیت نیز اس کی تکمیل کے سلسلہ میں آئندہ کی سہولتوں پر بحث کی گئی ہے۔

حال ہی میں انجمن اتحاد نظام کالج میں اپنے افتتاحی خطبہ کے دوران میں مسٹر غلام محمد سابق صدر المہام فینانس حکومت سرکار عالی نے طلبہ کو یاد دلاتے ہوئے کہ "عظیم تر حیدرآباد" کے معمار کی حیثیت سے انھیں کیا فرائض انجام دینے ہیں یہ ارشاد فرمایا تھا:-

"اگر میرا بس چلے تو آئندہ دس سال کے لئے میں کلیات فنون کو مسدود کردوں" اپنے اس خیال کی تشریح کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ مسدود کردینے سے یہ مطلب نہیں کہ اعلیٰ ثقافتی اقدار کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ خام، غیر مکمل تعلیم یافتہ اور غیر موزوں نوجوانوں کی انھیں ضرورت نہیں ہے جو صرف ملازمت اور ذریعہ معاش کے لئے ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ پر چکر لگاتے ہوں مگر محض ثقافت اور تہذیب کا نقاب اوڑھے اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہوئے شرماتے ہوں۔ انھیں جو چیز مطلوب ہے وہ یہ کہ مملکت کے قدرتی وسائل کی تسخیر کی جائے۔ سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے فاضل خطیب نے فرمایا "فطرت

خدا نے حیدرآباد کو انواع و اقسام کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ تم کو زمین کے اندر سے وہ تمام نعمتیں حاصل کرنی چاہئیں جو تمہارا حصہ ہیں۔ حیدرآباد کی معاشی حالت کی بہبود کیلئے تمہیں ان وسائل کو استعمال میں لانا چاہئے وہ تمام بہترین اشیاء جن کے حصول میں جدید تعلیم تمہاری مدد کرے۔"

حیدرآباد کے اہم مراکز اور ہر ضلع میں فنی تعلیم کی سہولتیں جب نوجوانوں کے لئے حاصل ہونے لگیں گی تو مسٹر غلام محمد کی یہ تمام توقعات حقائق میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔

فنی تعلیم کی اقسام حسب ضرورت مختلف قسم کے فنکاروں کو موزوں تعلیم و تربیت

اداروں کا نصاب مہیا کرنے کے لئے فنی اداروں کی حسب ذیل اقسام ہونی چاہئیں :-

۱ - ادنیٰ فنی، صنعتی یا تجارتی مدارس

۲ - فنی مدارس فوقانیہ

۳ - اعلیٰ فنی ادارے

موجودہ حالت میں ہمارے طلباء انفرادی نوعیت کے پیشوں اور فنون میں استعداد رکھتے ہیں اس لئے تکمیل نصاب کے بعد وہ ان ہی مخصوص فنی کاموں میں جذب کئے جا سکتے ہیں۔ ایسے مضامین کی تعلیم کا انتظام نہیں ہونا چاہئے جو ان صنعتوں سے مطابقت نہیں رکھتے ہوں جو مملکت میں پائی جاتی ہیں۔ نیز تعلیم کا معیار مقامی آبادی کی ضروریات کے مطابق ہونا چاہئیے۔ جامعہ کا فرض یہ ہے کہ وہ ایسے افراد مہیا کرے جو نظم و نسق اور عالمانہ خدمات کے لئے اعلیٰ علمی استعداد کے حامل ہوں۔ ایک فنی ادارہ کو چاہئے کہ وہ اس مضمون کی اصولی نظری تعلیم کے ساتھ جو کسی طالب علم نے اپنی تعلیم کے لئے منتخب کیا ہو مکمل عملی انسان پیدا کرے۔ الغرض ہماری جانب سے رسد کبھی طلب سے متجاوز نہیں ہونی چاہئے۔

ہندوستان کی موجودہ فنی تعلیم کی اہم خصوصیت اس کے مقررہ نصاب میں اصول کی شدت ہے لیکن مستقبل کا پیشہ ورانہ نصاب زیادہ سے زیادہ تخصیص کی جانب مائل ہے یہ بھی لازمی ہوگا کہ فنی ادارہ اور کارخانہ میں اشتراک عمل قائم کیا جائے جس کا مقصد یہ ہو گا کہ طلبہ اپنی تعلیمی میعاد کا کچھ حصہ تو ادارہ میں اور کچھ حصہ کارخانہ میں گزاریں۔ جزوقتی دن کی تعلیم یا "سینڈوچ نظام" جو کم و بیش اول الذکر طریقہ کی کسی جدید منصوبہ بندی کا اہم ترین عنصر ہے۔ ان طریقوں کے فوائد کو ذیل میں مجملاً یوں بیان کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) طلبہ کو کم سے کم تکان برداشت کرنی پڑتی ہے۔

(۲) طلبہ کے تنقیدی رجحان کے ساتھ جو جدید صنعتی ضروریات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں تعلیم کی افادیت بڑھتی جاتی ہے۔

(۳) آجرین کو ان طریقوں سے راست دلچسپی پیدا ہونے لگتی ہے حتیٰ کہ اگر ان کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے تو توقع ہے کہ وہ اپنے ملازمین کی تعلیم کی غرض سے مصارف برداشت کریں اور اس ایثار کی بدولت ممکن ہے کہ آجرین خود کوئی عملی فائدہ حاصل کریں۔

اس قسم کا نظام تعلیم اگر اختیار کیا جائے تو یقین ہے کہ ہندوستان میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہوگی کیونکہ موجودہ کثیر النوع فنی نصابات میں ضرورت سے زیادہ علمی رجحانات کا ازالہ ہو سکے کیونکہ ایسے نصاب کی تعلیم کے حصول میں طالب علم ممکن ہے کہ کئی سال صرف کر دے لیکن کارخانہ کے حالات کا اسکو کوئی براہ راست تجربہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہز اکسلنسی نواب صاحب چھتاری صدر اعظم مملکت آصفیہ کے خطبہ کا ایک اجمالی اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو آپ نے جامعہ پنجاب کے تقسیم اسناد بابتہ ۱۹۴۵ء کے موقع پہ ارشاد فرمایا تھا:۔

"اگر میں یہ کہوں کہ ہندوستان کے نہ صرف جامعاتی بلکہ پورے نظام تعلیم کے مقصد کی اس وقت بہتر طریقہ پہ تکمیل ہو سکتی ہے جب کہ وہ ملک کی ضروریات کے مطابق ہو تو

گویا میں صرف اس حقیقت کا اعادہ کر رہا ہوں جو ہم عرصہ سے مختلف گوشوں اور مختلف مکاتیب خیال سے تعلق رکھنے والے اشخاص کی زبان سے سنتے آئے ہیں "

ان صفحات پر ہندوستان میں صنعت کی سرعت کے ساتھ ترقی اور اس کے مستقبل کا ذکر کیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی علی العموم اور حیدرآباد کی علی الخصوص مابعد جنگ فنی تعلیمی ضروریات کی نسبت چند تجاویز پیش کی گئی ہیں ۔

ان فنی اداروں کے نظام، ان کے محل وقوع اور نظم و نسق کی تفصیلات سے بحث کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ ہمارے سامنے ہندوستان کی مابعد جنگ تعلیمی ترقی کے بارہ میں سارجنٹ رپورٹ اور عثمانیہ ٹکنیکل کالج کی سالانہ رپورٹ موجود ہے جسمیں مسٹر مہدی جعفری نے بہت سی تجاویز پیش کی ہیں ۔ اس کے علاوہ مسٹر سی ڈی ۔ برسٹن ایم ۔ بی ۔ ای اور لفٹننٹ یو ۔ ای ' جے بیچنگ کی مابعد جنگ تعلیمی و تربیتی اسکیم بھی موجود ہے جو اس وقت حکومت کے زیر غور ہے

یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ ہماری حکومت نے اورنگ آباد اور ورنگل میں ایک فنی مدرسہ فوقانیہ قائم کر کے اسکیم کو تجربۃً روبہ کار لانے کی کارروائی آغاز کر دی ہے فقط ۔

صنعت کاغذسازی

کے متعلق عالمگیری اور آصفی احکام

(از مدیر محبانہ)

مجلہ کے گذشتہ شمارے میں اس موضوع پر دو تین قدیم احکام طبع کئے گئے تھے۔ اس دوران میں شہاب الدین صاحب کاغذساز دولت آباد نے مزید احکام کی نقلیں بھیجی ہیں ان کی اشاعت بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔

واضح ہو کہ اس اشاعت میں جو کاغذات شائع کئے جا رہے ہیں ان کے منجملہ پہلے فرمان کا خلاصہ گذشتہ اشاعت میں طبع ہو چکا ہے لیکن اس اشاعت میں مکمل نقل شائع کی جا رہی ہے تاکہ اس زمانہ کی حکم نویسی کا اندازہ ہو سکے۔ یوں اس زمانہ کی طرز کا رروائی اور اصطلاحات کی توضیح علحدہ مضمون کی متقاضی ہے۔

بہر حال توقع ہے کہ یہ کاغذات دلچسپی کا موجب ہوں گے۔ ابتدا میں ایک تختہ شامل کر دیا گیا ہے جس سے ضروری امور کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

تختہ فرامین و اسناد وغیرہ متعلق امداد و اعانت کاغذسازی کاغذ پورہ علاقہ خلد آباد ضلع و صوبہ اورنگ آباد عطا شدہ بہ اجداد حاجی محمد شہاب الدین مالک کارخانہ کاغذ کاغذ پورہ

سلسلہ نشان	نام کاغذ	نام معطی	نام معطی الیہ	تاریخ	رشتہ حاضر حال	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	فرمان	حضرت عالمگیر خلد مکان علیہ الرحمۃ	عبد الحسینی	۱۶ رجادی الثانی سنہ ۲۴ جلوس	لبلبنہ ششم حاجی محمد شہاب الدین	

۲	سند	حضرت نواب آصفجاه نظام الملک بهادر	محمد شاه	۵ ذیقعده	بنام حاجی محمد شهاب الدین
۳	قول نامه	مهاراجه چندو لعل متوفی	محمد اکبر ثانی	۲۰ رمضان	حقیقی سوم " " "

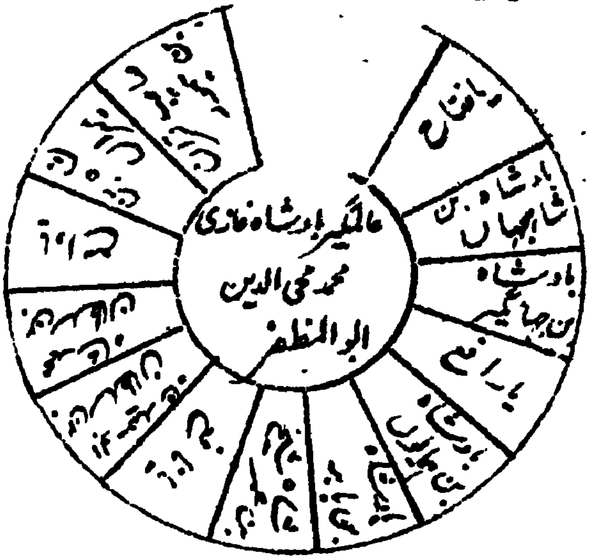
نقل فرمان

اطیعوا اللہ

واطیعوا الرسول

واولی الامر منکم

یا ایہا الذین امنوا



چون بعرض مقدس معلی رسید که بموجب فرمان عالیشان پادشاه غفران پناه خلد آرامگاه
علیین مکان حضرت جل الجنته مثواه
مبلغ یکهزار و یکصد و چهارده تنکه مرادی و ده عدد لاری بطریق سالیانه
بجهت خرچ مساجد و فقرا کاغذیواڑه دولت آباد صوبه اورنگ آباد خجسته بنیاد در
محصول شاه بازار کاغذیواڑه مزبور مقرر است و حارس قلعه دولت آباد از ابتدائے عمل
خود مبلغ مذکور را تنخواه نکرده و در حوض قلعه که جائے شستن خمیر کاغذ است کاغذسازان
را نمی گذارد که خمیر را در آن بشویند و آنها از فضل و کرم پادشاهی امیدوارند حکم جهان

مطلع واجب الاتباع صادر شد که مبلغ مسطور از حاصل شاه باز ۲ مرقوم برائے خرج مساه
و نقرا بدستور سابق حسب الضمن مقرر و محصول کاغذ سازان و کاغذ فروشان کاغذ اوارد
دولت آباد و اورنگ آباد لشرط ساختن کاغذ عالمگیری معاف باشد باید که حکام و متصدیان
مهمات حال و استقبال مبلغ مرقوم را موافق ضابطه و معمول بمصارف مزبور میرسانید و اشتند
و در ابواب دیگر نیز بآئین پیشین عمل نمائند. درین ماده هر سال سند مجدد طلب ننمایند تحریر
فی التاریخ شانزدهم شهر جمادی الثانی سال سی و پنجم جلوس موافق ۱۰۹۳ هجری

شرح یادداشت واقعه بتاریخ روز چهارشنبه مطابق اسفندار شهر سی سال نواب قدسی
القاب عالم تاب بلند جناب غره ناصیه قره باصره ملک و ملت بهین دوحه ابهت و اقبال گزین
ثمره شجره عظمت و جلال شاهزاده نامدار عالی نسب والا تبار منظور نظر حضرت آفریدگار
درة التاج سلطنت عظمی واسطة العقد خلافت کبری مهبط انظار عنایت الهی مطلع انوار
مرحمت ظل جلیل القدر منیع الشان عظیم المنزلة رفیع المکان فروغ دودمان مجد و کرم
پادشاهزاده و بمعرفت موتمن الدوله العلیه معتمد السلطنة البهیه عمده وزرائے رفیع الشان
زبدة خوانین بلند مکان شالیسته الواع عنایت سزاوار اضاف مرحمت خان شجاعت
نشان جملة الملک مدار المهام اسد خان دیوان

دلنوشت واقعه نویسی کمترین بندگان درگاه خلایق پناه حاجی محمد اسماعیل بهین میگیرد
که چون بعرض مقدس معلی رسید که بموجب فرمان پادشاه غفران پناه خلد آرامگاه علیین
مکان حضرت ذلیشان نواب قدسی القاب عالم تاب بلند جناب غره ناصیه دین و دولت قره
باصره ملک و ملت بهین دوحه حدیقه ابهت و اقبال گزین ثمره شجره عظمت و جلال پادشاهزاده
نامدار کامگار منظور نظر حضرت آفریدگار درة التاج سلطنت عظمی واسطة العقد خلافت
گزین مهبط انظار عنایت مطلع انوار مرحمت ظل جلیل القدر منیع الشان عظیم المنزلة رفیع
المکان فروغ دودمان مجد و کرم و اسناد رکن السلطنت عظمی امیر الامرا عمدة الملک خان

جہان بہادر ظفر جنگ کوکلتاش ناظمان صوبجات دکن دیوانیان آنجا مبلغ یکہزار و یکصد و
پنجاہ و دو تنگہ مرادی و دو عدد لاری بطریق سالیانہ بجہت خرچ مساجد و فقرا کاغذیواڑہ
واقعہ دولت آباد کہ از محصول شاہ بازار عرف کاغذیواڑہ مقرر است بنز دستاویز مزبورہ
مندرج است کہ کاغذیان خمیر کاغذ در حوض قتلو شستہ باشند دگر حوض زنیغد و غیرہ
موضعہا ئے کاغذیواڑہ احدے کاہ چرائی و کاہ بری و زراعت نکند تا آب خراب نشود -
چون والا حارس قلعہ دولت آباد از ابتدائے عمل خود سالیانہ مقرری خرچ مساجد و فقرا
نمی دہد و حوض قتلو کہ جائے شستن خمیر کاغذ است بیدخل ساختہ در بہا ب پریشانی
فقرا مساجد و ویرانی کاغذسازان است حکم جہان مطاع آفتاب شعاع شرف صدور یافت
کہ مبلغ مقرری سالیانہ بجہت خرچ مساجد و فقرا بابواب دیگر بدستور سابق در ینولا
بشرط ساختن کاغذ بنام نامی با محصول کاغذ سازان و کاغذ فروشان کاغذیواڑہ دولت آباد
اورنگ آباد خجستہ بنیاد دیدہ و دانستہ معاف فرمودیم و من بعد احدے بر کنارہ حوض
زنیغد زراعت نمی کند تا آب صاف بماند دریباب فرمان عالیشان بہ سند موجب تصدیق
یادداشت قلمی شد -

شرح خط شجاعت و شہامت پناہ خانہ زاد لائق عنایت والاحسان ہنرمند خان
آنکہ بعرض مکرر رسانید -

شرح خط خانہ زاد سزاوار عنایت والاحسان قابل المرحمت والامتنان لطف اللہ
خان آنکہ پنجم ربیع الاول سنہ ۲۵ جلوس میمنت مانوس مکرر بعرض مقدس رسید -

شرح خط شجاعت و شہامت پناہ خانہ زاد لائق العنایت والاحسان ہنرمند خان
آنکہ فرمان عالیشان قلمی نمایند -

مہر

بموجب ہمداستانی بہر سید علیخان داروغہ کتاب خانہ

عبدالرحیم عالمگیر شاہی

رسالہ نواب قدسی القاب عالم آب لبذجناب عزو ناصیہ دین و دولت قرہ باصرہ ملک و ملت
میوہ دوحہ حدیقہ بہجت و اقبال گزین ثمرہ شجرہ عظمی و جلال شاہزادہ کامگار عالی نسب
والا تبار منظور نظر حضرت آفریدگار درۃ التاج سلطنت عظمیٰ واسطہ العقد خلافت کبریٰ
مہبط الطاف عنایت آلہی مطلع انوار رحمت ظل الٰہی جلیل القدر منیع الشان عظیم المنزلۃ
رفیع المکان فروغ دودمان مجد و کرم پادشاہزادہ شاہ عالم۔
بموجب یادداشت واقعہ فرمان والاشان قلمی شد۔

اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ (۱۱۱۴ھ) تک سالانہ کاغذ کا
دارڑہ دولت آباد کے مساجد اور فقراء کے لئے کاغذی واڑہ کے شاہ بازار کے محصول
سے مقرر تھے۔ قلعہ دار دولت آباد نے اپنے ابتدائی عمل سے یہ رقم جاری نہیں کی اور
نیز حوض قتلو میں کاغذ سازوں کو خمیر دہونے سے منع کر دیا ہے حالانکہ حوض قتلو میں ہی
کاغذ کی خمیر دہوا کرتے تھے۔ حکم صادر ہوا کہ شاہ بازار کا محصول پہلے کے موافق مساجد
اور فقراء کیلئے صرف ہوا کرے اور کاغذی واڑہ دولت آباد اور اورنگ آباد کے کاغذ
سازوں اور کاغذ فروشوں کا محصول اس شرط سے معاف کر دیا جائے کہ وہ لوگ عالمگیری
کاغذ بنائیں۔

۶۸۶
۴۹۲

نقل سند

خلد مکاں

محمد

محمد شاہ بہادر
فدوی
آصفجاہ نظام الملک
فتح جنگ سپہ سالار

بر افر الاعتماد حق طلب خاں نوشتہ میشود

محمد شریف وغیرہ کاغذ سازاں ساکن کاغذ واڑہ سرکار دولت آباد صوبہ خجستہ بنیاد
در عدالت استغاثہ نمودند کہ از مدت بموجب فرمان حضرت

محصول کاغذ انجا معاف است در ینولا کساں آں والا فر الاعتماد محصول میخواہند
و لا میہ مسجد انجا راہند ساختہ ساکنان آنجا را بانواع تصدیع میرسانند۔ لہذا نگارش
میرود کہ بر تقدیر صدق و انمودہ دست از مزاحمت بر داشتہ بموجب فرمان مذکور
بعمل آرد کہ مکرر نالشی ایں معنی بمیان نیاید تحریر بتاریخ بست و پنجم شہر ذیقعدہ ۱۱۳۹ھ ہجری

اس کا مطلب یہ ہے کہ کاغذی واڑہ کے رہنے والے محمد شریف وغیرہ نے
عدالت میں یہ استغاثہ کیا ہے کہ عرصہ سے کاغذ کا محصول بموجب فرمان عالمگیری معاف
ہے لیکن اب وہاں محصول طلب کیا جا رہا ہے مسجد کا لومیہ بند کر دیا گیا ہے اور مختلف طریقہ
سے وہاں کے لوگوں کو دق کیا جا رہا ہے۔ بعد تحقیق عالمگیری فرمان کے بموجب عمل کیا جائے
مکرر اس قسم کی نالش کی نوبت نہ آنی چاہیئے ۔

[redacted]

نقل

۲۰۶
مہر

آصفجاه نظام الملک بهادر
فدوی
راجه چندو لعل مهاراجه

قول ——————— نامه

بنام محمد امیر الدین پسر محمد لعیم الدین مقدم موضع کاغذلواڑه پرگنہ ویلی دولت آباد سرکار مذکور بحمیت خاطر

آنکه مقدمی موضع مذکور مع معافی محصول شاه بازار و صابون وغیره درآمد و برآمد کاغذ

داڑ در وجہ مصارف مساجد و فقرا بموجب فرامین و اسناد پیش به الیشان مقرر و جاریست
باید که خاطر جمع تمام در آبادی و تردد و اکناسعی فراوان بکار برده اخراجات مساجد و فقرا ء
وغیره با شراکت غیر بدیانت و امانت مینموده باشند کسی از تعلقداران سرکار و نائب
ناظم و قلعدار دولت آباد نائب حلد آباد بعلت محصول و قضایائے کاغذلواڑه وغیره
بهیچ وجه مزاحم و متعرض نخواهد شد درین باب قول معتبر شمارند تحریر فی التاریخ سلخ رمضان ۱۲۴۳

اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے زمانہ سے محصول شاہ بازار و محصول صابون وغیرہ مصارف مساجد و
فقراء کے لئے مختص ہے۔ اس کے مطابق عمل ہوا کرے۔

قواعد زرعی کمیٹی ممالک محروسہ سرکار عالی

نام | دفعہ ۱ ۔ اس کمیٹی کا نام "زرعی کمیٹی ممالک محروسہ سرکار عالی" ہوگا۔

اغراض و مقاصد | دفعہ ۲ ۔ اس کمیٹی کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہوں گے :۔

(الف) ملک کی زرعی ترقی کے لئے جدوجہد کرنا۔

(ب) زراعت پیشہ طبقہ کے فلاح و بہبود کی کوشش کرنا۔ اور اُن کے مشکلات کو رفع کرنے میں مدد دینا۔

رکنیت | دفعہ ۳ ۔ اس کمیٹی میں ہر وہ شخص شریک ہو سکے گا جو کمیٹی کے اغراض و مقاصد سے متفق ہو، اور جس کی رکنیت کو کمیٹی کی مجلس عاملہ منظور کرے۔

ذرائع آمدنی | دفعہ ۴ ۔ (الف) چندہ رکنیت کمیٹی کی رکنیت کا چندہ ۔ (۱) روپیہ سالانہ ہوگا اور اگر کوئی رکن (۲۰) روپیہ یکمشت ادا کرے تو وہ رکن دوامی متصور ہوگا ۔ اور اس سے سالانہ چندہ نہیں لیا جائیگا۔

(ب) عطیات ۔ زرعی کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ علاوہ زر رکنیت کے زائد عطیات کی وصولی کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرے۔

اقرار پابندی قواعد | دفعہ ۵ ۔ کوئی شخص اُس وقت تک اس کمیٹی کا رکن متصور نہ ہوگا اور نہ اس کی کسی کارروائی میں حصہ لے سکے گا ۔ جب تک کہ اُس نے اقرارنامہ منسلک ہذا پر اپنے دستخط ثبت نہ کردیے ہوں۔

عہدہ داران کمیٹی | دفعہ ۶ ۔ اس کمیٹی کے حسب ذیل عہدہ دار ہوں گے۔

۱۔ صدر۔ ۲۔ نائب صدر۔ ۳۔ معتمد۔ ۴۔ شریک معتمد ۵۔ خازن۔

انتخاب عہدہ داران | دفعہ ۷ ۔ ان عہدہ داروں کا انتخاب ہر سال بماہ امرداد کمیٹی کے جلسۂ عام میں ہوگا۔

مجلس عاملہ | دفعہ ۸ ۔ اس کمیٹی کی مجلس عاملہ علاوہ عہدہ داران مندرجۂ (دفعہ ۶) حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہوگی :۔

(الف) چار ارکان جن کا سالانہ انتخاب علاوہ عہدہ داران مندرجہ دفعہ (۶) کے

کمیٹی کے جلسۂ عام میں ماہ امرداد میں ہوگا۔

(ب) چار ارکان جنھیں مجلس عاملہ معاشی کمیٹی نامزد کرے گی۔

قواعد انتخاب | **دفعہ ۹** (الف) جملہ عہدہ داران کمیٹی اور حسب دفعہ (۸) قسم (الف) چار ارکان مجلس عاملہ کا انتخاب خفیہ رائے دہی کے ذریعہ جلسۂ عام منعقدہ ماہ امرداد میں ہوا کرے گا جس کے ضروری انتظامات مجلس عاملہ انجام دیگی اور جس کے انعقاد، تاریخ وقت اور مقام کی اطلاع معتمد کمیٹی کم از کم پندرہ روز پیشتر ارکان کمیٹی کو دے گا۔

(ب) کوئی شخص اس وقت تک انتخاب میں امیدوار ہو سکے گا اور نہ رائے دے سکے گا تاوقتیکہ اس نے اپنے ذمہ کے جملہ مطالبات ادا نہ کردیئے ہوں۔

فرائض و اختیارات عہدہ داران | **دفعہ ۱۰**۔ صدر کمیٹی کا اعلیٰ عہدہ دار ہوگا اور اس کے فرائض حسب ذیل ہونگے:

الف۔ کمیٹی کے عام مفاد کی نگرانی رکھے گا۔

ب۔ جملہ اجلاس ہائے مجلس عاملہ و جلسۂ عام کی عموماً صدارت کرے گا۔

ج۔ ہر جلسہ میں اسی نوع کے جلسۂ ماقبل کی روئداد کو سن کر حسب صواب دید ارکانِ حاضر اس کی توثیق کرے گا۔

د۔ جن جلسوں میں وہ صدر ہو اُن کی ترتیب و تنظیم کی پوری نگرانی رکھے گا اور قواعد کی توجیہ و تاویل کا مجاز ہوگا۔

ھ۔ بصورت تساوی آرا اس کو فیصلہ کن رائے بھی دینے کا اختیار ہوگا۔

و۔ کمیٹی کے معاملات کی کارفرمائی میں قواعد کمیٹی کے بموجب مختلف عہدہ داران و ارکان کمیٹی کو ضروری ہدایت دے گا۔

دفعہ ۱۱۔ صدر کے غیاب میں نائب صدر اس کے فرائض انجام دے گا اور صدر کو اس کے مفوضہ امور میں مدد دے گا۔

دفعہ ۱۲۔ معتمد کے فرائض حسب ذیل ہوں گے:

الف: وہ کمیٹی کے تمام مملوکات رجسٹرات روئداد کاروائی تنظیم اور دیگر امور متعلقہ کا نگران و ذمہ دار ہوگا۔

ب۔ صدر کے مشورہ سے جلسہ ہائے مجلس عاملہ منعقد کرے گا اور ان کی اطلاع حسب ضابطہ ارکانِ متعلقہ کو دے گا۔

ج۔ معتمد کی رائے سے ایسے ملازمین کا تقرر کرے گا جن کی تنخواہ (۱۵) روپیہ سے زائد نہ ہو لیکن مجلس عاملہ کا کوئی رکن اس کا مجاز ہوگا کہ اس تقرر کے خلاف احتجاج کرے۔ اور اکثریت ارکان مجلس عاملہ اس تقرر کے خلاف ہو تو ملازم مقررشدہ برخواست سمجھا جائیگا۔

د۔ اُمیدواران رکنیت کمیٹی کے نام بغرض منظوری مجلس عاملہ کے سامنے پیش کریگا

ھ۔ انتخابات عہدہ داران کے لئے کم ازکم پندرہ روز قبل اعلان کریگا اور انتخابات کے جملہ انتظامات بہ منظوری مجلس عاملہ کریگا۔

و۔ رجسٹر ارکان کمیٹی کو صحیح درست حالت میں رکھے گا۔

دفعہ ۱۳۔ شریک معتمد۔ معتمد کمیٹی کا شریک کار اور معاون ہوگا اور معتمد کی عدم موجودگی میں اس کے جملہ فرائض ادا کرے گا۔ مجلس عاملہ معتمد کے بعض فرائض شریک معتمد کے سپرد کرسکے گی۔

دفعہ ۱۴۔ خازن۔ کے فرائض حسب ذیل ہونگے۔

الف۔ اراکین کمیٹی سے چندہ وصول کرے گا۔

ب۔ جملہ حسابات کا ذمہ دار ہوگا۔

ج۔ ہر ششماہی پر اپنے تمام حسابات کی تنقیح تنقیح ساز ان مقررکردہ مجلس عاملہ سے کرائے گا۔ اور اس کی بابتہ مجلس عاملہ کے سامنے رپورٹ پیش کریگا۔

دفعہ ۱۵۔ مجلس عاملہ کے فرائض واختیارات حسب ذیل ہونگے:۔

الف۔ مجلس عاملہ حسب دفعہ (۱۶) ضمن (الف) ہرسال موازنہ مرتبہ کو اپنی رائے سے کمیٹی کے جلسۂ عام میں پیش کرے گی۔

ب۔ وہ ان ارکان کمیٹی کے شرکت کی منظوری دیگی جن کے نام حسب دفعہ (۳) شرکت کے لئے پیش ہوں۔

ج۔ مختلف اضلاع میں کمیٹی کی شاخیں قائم کرے گی اور ان شاخوں کے عہدہ داروں کا تقرر کرے گی حسب دفعہ (۲۲)

د۔ کمیٹی کے اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے طریقہ ہائے کار سوچیں گی اور انھیں بروئے کار لائے گی۔

ھ۔ ملازمین کمیٹی کی عام نگرانی کرے گی اور بصورت عدم کارگذاری ان کے تنزل یا برطرفی کی مجاز ہوگی۔

و - حسابات کمیٹی کی تنقیح کے لئے ہر ششماہی پر تنقیح سازوں کا تقرر کریگی۔
ز - کاروباری جلسوں اور جلسہ ہائے عام کے انعقاد کی تاریخ مقرر کرے گی اور
ان کی بابتہ جملہ انتظامات کی معتمد کو ہدایت دیگی۔
ح - اغراض و مقاصد کمیٹی کی تکمیل کے لئے مختلف اصحاب سے عطیہ وصول
کر سکے گی۔
ط - اگر مجلس عاملہ کا کوئی عہدہ دار یا رکن بلا اطلاع تحریری مجلس عاملہ کے مسلسل
تین جلسوں میں غیر حاضر رہے تو ایسا شخص عہدہ دار یا رکن باقی نہیں رہیگا
اور اس کی جگہ مجلس عاملہ باقی مدت کے لئے دوسرے رکن کا انتخاب کریگی
ی - استعفا یا کسی اور وجہ سے رکنیت خالی ہو تو مجلس عاملہ باقی مدت
کے لئے دوسرے رکن کا انتخاب کرے گی۔
ک - حسب ضرورت مجلس عاملہ بہ منظوری جلسۂ عام ذیلی قواعد بنا سکے گی۔

مالیات | دفعہ ۱۶ - کمیٹی کے مالیات کا انتظام حسب ذیل اصول پر ہوگا۔

الف - ہر سال انتخاب عہدہ داران کے بعد خازن بہ مشورۂ صدر و معتمد آمدنی اور
خرچ کا ایک موازنہ تیار کرکے مجلس عاملہ میں پیش کرے گا۔ یہ موازنہ مجلس عاملہ کی
منظوری کے بعد آخری منظوری کے لئے کمیٹی کے جلسۂ عام میں پیش ہوگا۔
ب - اس موازنہ کے اندر خرچ رقوم کا اختیار معتمد کو بہ منظوری مجلس عاملہ حاصل ہو
ج - خازن کو رقم مملوکہ کمیٹی میں سے صرف پچیس روپیئے بہ یک وقت اپنے پاس
رکھنے کا اختیار ہوگا۔ باقی جملہ رقم کسی بنک میں جس کی منظوری مجلس عاملہ نے
دی ہو رکھی جائے گی۔ اور اس کی داد و ستد صدر کی دستخط سے ہوگی۔

جلسہ ہائے عام | دفعہ ۱۷ - مجلس عاملہ اگر چاہے تو علاوہ انتخاب سالانہ اور موازنہ
کے کسی ضروری امر کے لئے بھی غیر معمولی جلسۂ عام طلب کر سکتی ہے۔ نیز
اگر کمیٹی کے پندرہ ارکان معتمد سے کسی خاص کارروائی کے لئے غیر معمولی
جلسۂ عام کے انعقاد کی تحریری خواہش کریں تو معتمد کا فرض ہوگا کہ
بہ اطلاع مجلس عاملہ دو ہفتہ کے اندر ایسا جلسہ باضابطہ طلب کرے۔

دفعہ ۱۸ - کوئی عہدہ دار کمیٹی یا رکن مجلس عاملہ اپنے فرائض کی ادائی میں ایسا
تساہل یا غفلت کرے جس سے ہرج کارروائی واقع ہو تو وہ جلسۂ عام کے فیصلۂ
۲/۳ ما سے اپنے عہدہ سے سبکدوش کر دیا جائے گا۔

جلسوں کا نصاب | **دفعہ ۱۹** - کمیٹی کے مختلف جلسوں کا نصاب حسب ذیل ہوگا :

الف - جلسۂ عام ایک ثلث یا ۱۵ ارکان جو بھی کم ہو۔

ب - مجلس عاملہ چار ارکان۔

جلسوں کی اطلاعات | **دفعہ ۲۰** - معتمد کا فرض ہوگا کہ جلسوں کی تاریخ سے تنی مدت قبل جو ہر جلسہ کے محاذی ذیل میں درج ہے : جمیع ارکان متعلقہ کو اطلاع دے :-

الف - ماہواری مجلس عاملہ	چار روز
ب - غیر معمولی مجلس عاملہ	۲۴ گھنٹے
ج - معمولی جلسہ عام (انتخابات و موازنہ)	۱۵ روز
د - غیر معمولی جلسۂ عام	ایک ہفتہ

سالانہ کانفرنس | **دفعہ ۲۱** - اگر مجلس عاملہ ضرورت سمجھے تو ایک عام کانفرنس سال کے کسی مہینے میں منعقد کر سکتی ہے اور اس کی صدارت کے لئے علاوہ مستقل صدر کے کسی دوسرے ممتاز شخص کو دعوت دے سکتی ہے۔

ضلع واری شاخیں | **دفعہ ۲۲** - الف - ممالک محروسہ سرکار عالی کے ہر ضلع میں اس کمیٹی کی ایک شاخ قائم کی جائے گی

ب - ہر شاخ کے معتمد کا تقرر کمیٹی کی مجلس عاملہ کی جانب سے عمل میں آئیگا۔

ج - ہر شاخ کے کاروبار کی انجام دہی کے لئے کمیٹی کی مجلس عاملہ کی ماتحلت میں ضلع واری مجلس عاملہ قائم ہوگی جس کے صدر و معتمد کے علاوہ پانچ ارکان ہونگے - ان پانچ میں سے دو کو کمیٹی کی مجلس عاملہ نامزد کرے گی اور باقی تین کا انتخاب ضلع واری شاخ کے سالانہ جلسۂ عام میں ہوا کرے گا۔

د - ضلع واری شاخ کے صدر کا انتخاب بھی ضلع وار شاخ کے سالانہ جلسۂ عام میں ہوا کرے گا۔

ہ - ضلع واری شاخ کے صدر و معتمد اور ارکان مجلس عاملہ کے لئے کمیٹی کی رکنیت لازمی ہوگی۔

و - ضلع داری شاخ کی مجلس عام کمیٹی ہذا کے ان تمام ارکان پر مشتمل ہوگی جو اس ضلع کے ساکن ہوں۔

ز - ہر شاخ کی مجلس عاملہ کو اپنی شاخ کی حد تک ذیلی قواعد بنانے کا اختیار ہوگا لیکن وہ اس وقت قابل نفاذ سمجھے جائیں گے جب کہ انھیں کمیٹی کی مجلس عاملہ

منظور کرے۔ لیکن کوئی ضلع داری شاخ ایسا کوئی قاعدہ نہ بنا سکے گی جو قواعد ہذا کے منافی ہو۔

ح۔ ضلع داری شاخوں کے قواعد میں ترمیم کرنے کے لئے حسب ذیل ضابطہ برتا جائے گا۔

کوئی رکن کسی ترمیم کی تحریک کو کم از کم تین ارکان کی دستخطی تائید حاصل کرکے معتمد شاخ کے پاس بھیجے گا۔ معتمد اس تحریک کو آئندہ ماہواری جلسہ عاملہ میں پیش کرے گا۔ بصورت منظوری یہ ترمیم کمیٹی کی مجلس عاملہ میں پیش کی جائے گی اور اس کی منظوری کے بعد قابل نفاذ سمجھی جائے گی۔

تعلقہ داری شاخیں | دفعہ ۲۳۔ الف۔ اضلاع ممالک محروسہ سرکار عالی کے ہر ایک تعلقہ میں کمیٹی کی ایک شاخ قائم کی جائے گی۔

ب۔ تعلقہ داری شاخ کے معتمد کا تقرر ضلع داری شاخ کی مجلس عاملہ کی طرف سے عمل میں آئے گا۔

ج۔ تعلقہ داری شاخ کے کاروبار کی انجام دہی کے لئے تعلقہ داری مجلس عاملہ قائم ہوگی جس کے صدر و معتمد کے علاوہ پانچ ارکان ہونگے جن کا انتخاب تعلقہ داری شاخ کے سالانہ جلسہ عام میں ہوا کرے گا۔

د۔ تعلقہ داری شاخ کے صدر کا انتخاب بھی تعلقہ داری شاخ کے سالانہ جلسہ عام میں ہوا کرے گا۔

ھ۔ تعلقہ داری شاخ کے صدر و معتمد اور ارکان مجلس عاملہ کے لئے کمیٹی کی رکنیت لازمی ہوگی۔

و۔ تعلقہ داری شاخ کی مجلس عام کمیٹی ہذا کے ان تمام ارکان پر مشتمل ہوگی جو اس تعلقہ کے ساکن ہوں۔

ز۔ اگر کوئی تعلقہ داری شاخ اپنی مزید شاخیں تعلقہ کے اندر قائم کرنے کی ضرورت محسوس کرے تو وہ قواعد ہذا کے بموجب ان کے قیام کی مجاز ہوگی۔

زرعی کمیٹی کا الحاق | دفعہ ۲۴

زرعی کمیٹی معاشی کمیٹی حیدرآباد دکن سے ملحق رہے گی اور اس کمیٹی کے قواعد و ضوابط کے لئے معاشی کمیٹی کی منظوری لازمی ہوگی۔

ترمیم قواعد | دفعہ ۲۵

قواعد ہذا میں ترمیم کرنے کے لئے حسب ذیل ضابطہ برتا جائے گا، کوئی رکن ترمیم قواعد کی تحریک تین ارکان کی تائید کے ساتھ معتمد کے پاس بھیجے گا اور معتمد اس تحریک کو آئندہ معمولی اجلاس مجلس عاملہ میں پیش کرے گا۔ بصورت منظوری یہ ترمیم تابع منظوری معاشی مجلس ہوگی۔

دفعہ ۲۶۔ کمیٹی کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے مجلس عاملہ حسب ذیل طریقہ اختیار کرے گی۔

۱۔ زرعی لٹریچر کی اشاعت کا انتظام کرنا۔

۲۔ زرعی مظاہرے منعقد کرنا

۳۔ دیہات میں دورے کرنا۔ اور دیگر امور جو اغراض مذکورۂ صدر کی تکمیل کے لئے ضروری ہوں۔

مسودہ اقرارنامہ حسب دفعہ ۵ | میں زرعی کمیٹی کا رکن بننا چاہتا ہوں اور عہد واثق کرتا ہوں کہ تاریخ شرکت سے کمیٹی مذکور کے قواعد کی اپنے قول و فعل اور عمل سے ہر طرح پابندی کروں گا۔

شرح دستخط

نواب میر اکبر علی خاں صاحب

محمد سعید الدین صاحب

شرف الدین احمد صاحب

میر محمود علی صاحب

نواب میر احمد علی خاں صاحب

محمد علی خاں صاحب

التماس

تبدیلی پتہ: معزز خریدار اصحاب پتہ کی تبدیلی سے براہ کرم دفتر مجلہ کو بروقت مطلع فرمائیں۔

کتب برائے تبصرہ: تنقید و تبصرہ کے لئے جو کتابیں بھیجی جاتی ہیں، اُس کے دو دو نسخے روانہ فرمائے جائیں۔

اشتہارات: یہ رسالہ ہندوستان کے مشہور اُردو کے معیاری رسالوں میں شمار کیا جاتا ہے اور دور و نزدیک ہر جگہ جاتا ہے، اس لئے اس رسالہ کے ذریعہ اشتہارات دینا کاروبار کی ترقی میں ممد و معاون ہوگا۔

مقالہ جات جامعۂ عثمانیہ: ادارہ نے اس کا بیڑا اُٹھایا ہے کہ علمی، ادبی، اعلیٰ سے اعلیٰ مقالوں کے ذریعہ اُردو زبان کی بطور خاص خدمت انجام دی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جامعۂ عثمانیہ کے مابعد طیلسان مقالہ جات اس وقت تک (۱۲) شائع ہو چکے ہیں۔ جو صاحب اپنے مقالوں کی طباعت کے خواہشمند ہوں وہ براہ کرم مدیر مجلہ ہذا سے مراسلت فرمائیں۔

ادائی چندہ: براہ کرم سالانہ چندہ کی ادائی کی جانب توجہ مبذول فرما کر ممنون فرمائیے۔

فارم شرکت زرعی کمیٹی ممالک محروسہ سرکار عالی

نام

ڈگری بصراحت جامعہ و سنہ کامیابی

عہدہ یا پیشہ

مکمل پتہ

میں زرعی کمیٹی ممالک محروسہ سرکار عالی کا رکن بننا چاہتا ہوں، اور عہد واثق کرتا ہوں کہ تاریخ شرکت سے کمیٹی مذکور کے قواعد کی اپنے قول و فعل اور عمل سے ہر طرح پابندی کروں گا۔

دستخط

مورخہ　　　　　　　　　　سنہ ۱۳۴ ف